حق و باطل کا عظیم معرکہ

مقدمۂ مرزائیہ بہاولپور ۱۹۳۵ء

جلد دوم

عالی جناب **محمد اکبر خاں** صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی ڈسٹرکٹ جج بہاولپور

نے مرزائیت کو اِرتداد قرار دے کر مُسلمہ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرمایا

بحث

مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ	و عبدالرزاق مدعا علیہ

مدخلہ

عدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق و باطل کا عظیم معرکہ

مقدمہ مرزائیہ بہاولپور ۱۹۳۵ء

جلد دوم

عالی جناب محمد اکبر خاں صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی ڈسٹرکٹ جج بہاولپور
نے مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر مسلمہ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرمایا

بحث

مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ	و عبد الرزاق مدعا علیہ

مدخلہ
عدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولپور

ناشر
اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) ۱ ڈیوس روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ مرزائیہ بہاولپور سنہ ۱۹۳۵ء

تاریخ طبع

رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۶ھ مطابق مئی سنہ ۱۹۸۸ء

تعدادِ طبع

ایک ہزار

مطبع

***

مقام اشاعت

اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) ۱۔ ڈیوس روڈ لاہور

ترتیب

۱ :	بحث مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ	۷۵۷
۲ :	انتباہ حضرت مولانا محمد مالک صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ و سرپرست اعلیٰ اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) لاہور	۷۸۷
۳ :	بحث تحریری جلال الدین شمس مختار مدعا علیہ	۷۸۹

بحث مدعیہ

۹ لغایت ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مدعیہ کی جانب سے مدعا علیہ کے گواہان کے کذب و فریب سے بھرپور بیانات و جرح کا دلائل و براہین سے نہایت باطل شکن جواب دیا گیا جس کا اندازہ مدعیہ کی پیش کردہ بحث کے پڑھنے سے ہو سکتا ہے۔

——— ادارہ

بحث مدعیہ از ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء

فریقین اور ان کے مختار حاضر ہیں۔

مدعا علیہ کے احمدی ہونے سے قبل مدعیہ اور مدعا علیہ دونوں احمدی اعتقاد کے مطابق کافر تھے۔ ان میں سے مدعا علیہ نے جب مذہب احمدیت قبول کیا تو وہ مسلمان ہوگیا۔ اور مدعیہ بدستور کافر رہی۔ اس لیے ایک کافر اور مسلمان کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ اور فسخ ہوگیا۔

اور اہل کتاب کا نکاح مسلمان کے ساتھ اس لیے جائز ہے۔ کہ قرآن شریف میں ہے کہ ان امتوں کی عورتیں سے مرد باہمی نکاح کر سکتے ہیں جن کو قرآن مجید سے پہلے کتاب عطا کی گئی یہ مذکور نہیں کہ قرآن کے بعد بالکسی دوسری کتاب کے نازل ہونے والی امت پر یہ آیت حاوی ہوگی۔ آئینہ صداقت صفحہ ۳۵ پر مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب جس اسلام کو پیش کرتے ہیں۔ وہ اور اسلام ہے۔ مدعا علیہ مرزا صاحب کا معتقد ہونے کی وجہ سے مسلمان ہوگیا۔ اور مدعیہ یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے مشرک ہوئی کہ عیسےٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ اور نازل ہوں گے اس لئے مشرک کے ساتھ مسلمان کا نکاح کسی صورت میں قائم نہیں رہ سکتا۔ ختم النبوۃ کے متعلق سال ۱۸۹۹ء تک بقول مرزا صاحب محمود صاحب۔ مرزا غلام احمد صاحب کا یہی عقیدہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اب مرزا صاحب کا دعوے نبوت اس وقت قابل سماعت ہوگا۔ جب کہ یہ آیت ختم النبوۃ منسوخ ہو جائے۔ اور کسی حکم شرعی اور ضروریات دین کا منسوخ ہونا یا اس کا دعوے کرنا کفر و ارتداد ہے۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ امتی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور نبی امتی نہیں ہو سکتا اور آگے لکھتے ہیں کہ جس مذہب میں امتی نبی نہ ہو سکے۔ وہ شیطانی مذہب ہوا۔ اس سے یہ سمجھا جائے گا۔ کہ حضور علیہ السلام سے قبل جو انبیاء تھے۔ اور جو اپنی امتوں کو نبی نہ بنا سکتے تھے۔ ان کے مذاہب شیطانی ہوئے۔ اور سابقہ نبیوں کے مذاہب کو شیطانی کہنے والا کافر ہی سمجھا جائے گا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلعم کے تمام کمالات کا ظلی ہوں اور دوسرے انبیاء ایک ایک صفت کے ظلی تھے۔ اس لیے تمام انبیاء کو اپنے آپ سے کم تر کہنا تمام انبیاء کی توہین ہے اور عیسےٰ علیہ السلام کے آنے سے بقول مرزا صاحب چونکہ اسلام میں خرابی واقع ہوتی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ کمال والے نبی کے آنے سے زیادہ خرابی کا احتمال ہوگا اس لیے رسول اللہ صلعم کے بعد دوسرے کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے نزول کی پیش گوئی متواتر ہے۔ اور متواتر کا منکر کافر ہوتا ہے۔ مرزا صاحب چونکہ اس کے منکر ہوئے اس لیے کافر ہوئے۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حسب تصریح قرآن مجید رسول اُسے کہتے ہیں کہ جس نے احکام و عقائد دین جس پر عمل کر کے درجہ حاصل کئے ہوں۔ اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم بذریعہ جبرئیل علیہ السلام حاصل کرے۔ اس لیے جب تک جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ احکام نہ پہنچیں خود مرزا صاحب کی تحریر کے مطابق کوئی نبی نہیں بن سکتا۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اصل عیسٰے علیہ السلام ہیں، اور رسول اللہ صلعم بھی عیسٰے علیہ السلام کا ظل ہیں۔ خود مرزا صاحب بھی عیسٰے علیہ السلام کا ظل ہیں اور ایک دفعہ عیسٰے علیہ السلام کا اور ظلی آئے گا۔ آئینہ کمالات ص۳۴۶ رسول اللہ صلعم کو عیسٰے علیہ السلام کا ظل کہنے سے سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ صلعم سے اعلیٰ عیسٰے علیہ السلام ہیں۔ اور مرزا صاحب اپنے آپ کو عیسٰے علیہ السلام سے افضل کہتے ہیں۔ اس لیے سمجھا جائے گا کہ مرزا صاحب رسول اللہ صلعم سے افضل ہیں اور یہ کفر کی حد تک پہنچے گا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ ازل سے خاتمیت دی گئی تھی۔ رسول اللہ صلعم کی خاتمیت سے مفہوم ختم نبوۃ سے ہے۔ اور وہ اپنے لیے ختم حقیقی ثابت کرتے ہیں۔ اس لیے سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ صلعم خاتم مجازی ہوئے یہ صریح کفر اور توہین ہے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم حقیقت کا حلول کئی دفعہ ہوا۔ اور ان لوگوں میں ہوا۔ جن کے نام احمد اور محمد تھے۔ لیکن انہوں نے دعوٰے نبوۃ نہ کیا۔ اس لیے مرزا صاحب کا دعوے نبوۃ بھی اس وجہ درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ کہ ان میں حقیقت محمدؐ کا حلول ہوا۔ اور کہ ان کا نام احمد تھا۔ مرزا صاحب کے کلام میں بہت سے متناقض اقوال ہیں مدعیہ کی طرف سے جو قول مرزا صاحب کے خلاف پیش کیا گیا۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ کی طرف سے دوسرے اقوال جو اہل اسلام کے موافق ہیں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

اس لیے مرزا صاحب کا عقیدہ قائم کرنے کے لیے مخالف اقوال کو زیادہ ترجیح دی جائے گی موافق اقوال کی نسبت سمجھا جائے گا کہ وہ پہلے کے ہیں۔ اور صحیح عقیدہ مخالف اقوال کے مطابق ہے۔ مرزا صاحب کا دعوے صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ اور ٹھیک متعین نہیں ہوا۔ کہ ان کا دعوے کیا تھا ان کے اپنے علماء میں اختلاف ہے۔"

اہل تصوف کے حوالہ جات ہمارے مقابلہ میں پیش کئے جانے درست نہیں۔ کیونکہ متعدد وجوہ ہیں تصوف کا سوال نہیں۔ بلکہ شریعت کا ہے۔ تصوف کا کوئی حوالہ اگر شریعت کے مخالف ہو۔ تو وہ قابل اعتماد نہیں مفتی

سے غلطی ہونی ممکن ہے تحذیر الناس کے حوالہ سے جو یہ کہا گیا ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب بھی ختم زمانی کے منکر ہیں۔ اس عبارت کے بعد اس کا رد موجود ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳ سطر ۱۷ صفحہ ۱۰ کی عبارت بھی اس ضمن میں ملاحظہ ہو۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جس کا ایک جھوٹ ثابت ہو گیا۔ اس کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں بحر الرائق کے حوالہ سے جو فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ علماء معمولی معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ دے دیا کرتے ہیں اس کتاب کی جلد خاص کے صفحہ ۲۵ پر یہ عبارت ہے۔ کہ کفر کا فتویٰ جب دیا جاتا ہے۔ کہ اس پر اتفاق ہو۔ اور متکلم کے کلام کی تاویل نہ ہو۔ اور متفق علیہ ہو۔

نبوۃ تشریعی کے یہ معنی ہیں کہ جس کی وحی میں تبلیغ ہو۔ امر ہو۔ نہی ہو۔ فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ نبوۃ تشریعی کے یہ معنی ہیں کہ نبوۃ مستقلہ ہو۔ یعنی بدوں توسل حضور صلعم ہو۔ صاحب کتاب ہو۔ اور شریعت سابقہ کا ناسخ ہو۔ ملا علی قاری کا قول ختم النبوۃ کے متعلق عام عقیدہ اسلام کے خلاف نہیں کیونکہ بعض اوقات کل کا اطلاق جزو پر کیا جاتا ہے۔ ملا علی قاری حضرت عیسے علیہ السلام کے نزول کے قائل تھے۔ اور جو قول ان کا فریق ثانی کی طرف سے نقل کیا گیا ہے۔

ان کے کل مضمون کو دیکھنے پر ان کی مراد عیسے علیہ السلام ہے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی کا قول بھی تمام عقیدہ کے خلاف نہیں ہے۔ ان کی آگے کی عبارت دیکھی جاوے وہ خود اس کی وکالت کرتی ہے کمالات نبوۃ ملنے سے مراد نہیں کہ جس شخص میں کمالات ہیں وہ نبی ہو جائے۔ ملاحظہ ہو مکتوبات ع ۲۴۸ حصہ چہارم صـ ۵۰،۲۹ حجج الکرامہ میں جو دجالوں کے متعلق حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں تیس کے آگے زیادہ کے الفاظ ہیں لیکن حوالہ میں یہ الفاظ نہیں دیے گئے۔

شرح فصوص الحکم صـ ۱۱۴ پر ولایت کو بھی اصطلاحاً نبوۃ کہا گیا ہے۔ اس حوالہ کی رو سے نبی متبع نہیں ہو سکتا تھا۔

مرزا صاحب نے اربعین ۴ صـ ۶ پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے اپنے آپ کو تشریعی نبی ثابت کرتے ہیں۔
کتاب حقیقت النبوۃ صـ ۶۰،۷ کی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس شخص کے اندر کسی لفظ کے حقیقی معنی پائے جاویں۔ وہ اس لفظ کا حقیقی مصداق تھا۔ تو مرزا صاحب نے جب صاحب شریعت کے حق بیان فرمائے اور بتلا کر یہ معنی ان میں پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب مدعی صاحب شریعت نبوۃ کے ہیں،

۱۰ راکتوبر ۳۳ء

فریقین اور ان کے مختار حاضر ہیں:۔

بحث مدعیہ:۔

کفر ثابت کرنے کے لیے صرف ایک بات کفریہ ثابت ہو جانے سے کفر عائد ہو جاتا ہے اسلام ثابت کرنے کے لیے تمام جزئیات اسلام کا ثابت کرنا ضروری ہے۔ گواہ نمبر ۱ مدعا علیہ نے کہا ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے سب لٹریچر میری نظر میں سے نہیں گذرا جو اس وقت تک شائع ہو چکا ہے۔ فتوحات مکیہ کی نسبت گواہ نمبر ۱ نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ اس نے اس کتاب کو مکمل طور پر نہیں دیکھا۔ گواہ نمبر ۱ نے شرح فقہ اکبر کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ شرح فقہ اکبر کس کی مصنفہ ہے۔ بحر الرائق کے اصول تکفیر کے متعلق بھی گواہ نمبر ۱ نے لاعلمی بیان کی ہے۔ اشارات فریدی سالم کتاب کے مطالعہ سے بھی انکار کیا ہے۔ منصب رسالت کے متعلق بھی گواہ نے کہا ہے۔ کہ میں نے سالم کتاب نہیں پڑھی کتاب محیط کے پورے مطالعہ سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ ہدیہ مجددیہ کے مصنف کے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ علم نہیں ہے۔ اور نہ اس کا مصنف معلوم ہے۔ جوامع الشواہد کے مصنف سے بھی لاعلمی ظاہر کی گئی ہے۔ بھونچال بر شکر دجال کے مصنف سے بھی لاعلمی ظاہر کی گئی ہے۔ ہدیہ مجددیہ دونوں فریق کے مسلمات میں سے نہیں ہے۔ مگر اس کا حوالہ فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے جوامع الشواہد بھونچال بر شکر دجال حجج الکرامہ۔ شہاب علی البیضاوی۔ انوار احمدیہ حیات جاوید۔ ہر دو فریق کے مسلمات میں سے نہیں ہیں مسلم اور مسلمان ہونے میں فرق ہے۔ محض مسلمان ہونے سے کسی کی تحریر مسلم قرار نہیں دی جا سکتی۔ اجماع کے متعلق گواہ ۱ نے جرح ۹ مارچ ۱۹۳۲ء میں کہا ہے۔ کہ بلا کسی استثناء کے تمام امت کسی مسئلہ پر اجماع کرے تو اس کو اجماع کہا جائیگا اور اسی جرح میں یہ بھی مندرج ہے کہ تمام امت کے مسلمہ بزرگ اور اکابر اسے مانتے ہوں۔ اشارات کے متعلق ایک جگہ یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے خواجہ محمد بخش صاحب سے سبقاً سبقاً سنی اور ایک جگہ ہے۔ کہ مولانا رکن الدین سے سنی۔ حالانکہ کتاب خواجہ صاحب کے وصال کے بعد مرتب ہوئی۔ ۱۱ مارچ ۳۲ء کی جرح میں یہ مانا گیا ہے:۔

کہ جو چندہ نہ دے وہ بیعت سے خارج ہے۔ لیکن احمدی رہے گا۔ آئینہ صداقت میں ہے کہ جو بیعت میں داخل نہیں وہ کافر ہے۔ یہ مسلم ہے کہ نبی کسی مشرکانہ عقیدہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ وہ ۱۲۔

سال تک حیات مسیح کے مسئلہ کے قائل رہے۔ اور مسیح موعود ہونے کا دعوٰے بھی کیا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ معتبر کتاب صحیح بخاری ہے۔ گواہ نمبر ۱ نے بیان کیا ہے۔ کہ اس کتاب میں بعض احادیث غیر معتبر ہوسکتی ہیں۔ اور جرح ۱۱ مارچ ۲۳ء میں گواہ نمبر ۱ نے یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابیں مسلم ہیں۔

گواہ نے ۷ مارچ ۲۳ء میں یہ کہا ہے۔ کہ احکام جو بذریعہ جبرئیل نازل ہوں تو کوئی امر نہیں۔ مرزا صاحب کے قول مندرجہ ازالہ اوہام کلاں صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹ کے خلاف ہے۔ جہاں وہ کہتے ہیں کہ جہاں جبرئیل علیہ السلام ایک حکم بھی لادیں۔ ختم النبوۃ کے خلاف ہے۔ گواہ نے کہا کہ اولیاء اللہ اور انبیاء کو جو وحی ہوتی ہے۔ وہ ایک ہے۔ حالانکہ علم الکتاب جس کا حوالہ خود گواہ نے دیا ہے صفحہ ۱۱۰ پر درج ہے۔ کہ لفظ وحی کا اطلاق اولیاء اللہ کے الہام پر نہیں ہو سکتا۔ گواہ نے مرزا صاحب کی وحی کے متعلق کہا ہے۔ کہ وہ کوئی قرآن کے معارض نہیں۔ حالانکہ صحیح احادیث کے متعلق بھی یہ کہا گیا ہے۔ کہ اگر وہ قرآن کے مطابق ہوں گی تو مانی جائیں گی۔ ورنہ نہیں۔ اہل کتاب کی تعریف گواہ ۱ نے گواہ ۲ سے مختلف بیان کی گواہ ۱ کہتا ہے۔ کہ جن کو کتاب ملی ہو۔ گواہ ۲ کہتا ہے کہ جن کو پہلے کتاب مل چکی۔ گواہ ۱ نے بیان کیا ہے۔ کہ ابن مسعود جلیل القدر صحابی تھے کتاب ازالہ اوہام صفحہ ۵۹۶ میں ہے کہ ابن مسعود معمولی آدمی تھا۔ گواہ ۲ نے بیان کیا ہے۔ کہ قرآن مجید کی مطابقت کے لیے اس کے واسطے اس کے واجب الاطاعت اماموں یا اس کی دینی مطابقت مسلم ہے۔ آگے کہا ہے کہ میرے نزدیک مرزا صاحب اور خلیفہ اول خلیفہ ثانی کے اقوال مستند ہیں۔ اس کے اور میرے نزدیک اور کوئی شے مستند نہیں۔ گواہ ۵ نے تفسیر صادق الہی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ تو فریقین کی غیر مسلمہ ہے اس طرح کتب ذیل کو اکب دریہ۔ اقتراب الساعۃ فتح البیان۔ شہاب انوار احمدیہ، ہدیہ مجددیہ، حیات جاوید، فریقین کی غیر مسلم کتابیں ہیں جو گواہ ۲ نے پیش کیں اس طرح گواہ ۲ نے کہا ہے۔ کہ شرح شفا کل نہیں پڑھی۔ ہدیہ مجددیہ کا مصنف نامعلوم ہے۔ اہل کتاب کی تعریف گواہ ۲ نے۔ ۱۲ مارچ کو یہ بیان کی کہ وہ لوگ جن کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ اور سوال مکرر میں کہا ہے کہ مسلمان اہل کتاب ہیں۔"

گواہان فریق ثانی نے ایمان کی تعریف میں چند باتیں بیان کی ہیں۔ اس سوال پر یہ کہا ہے۔ کہ یہ باتیں مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ کافی نہیں۔ ان کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کو نہ ماننے سے ایک شخص کافر ہو جاتا ہے۔ ہماری طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ باوجود ایک شخص کے ایمان میں ان باتوں کا

موجود ہوتا جو گواہان نے بیان کی ہیں۔ اسے مسلمان نہیں بناتا۔ اگر وہ مرزا صاحب کو نبی مانے۔ مرزا صاحب کے جو اقوال عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق ظاہر کئے گئے۔ وہ مرزا صاحب کے دعوے نبوۃ سے قبل کے ہیں۔ یعنی سال ۱۹۰۱ء سے قبل کے۔ مدعیہ کی طرف سے جو مرزا صاحب کے خلاف کفر یہ الزام لگائے گئے ہیں۔ ان کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ مدعیہ کی طرف سے تازہ تصانیف کے حوالجات پیش کئے گئے۔ آخری حوالہ سال ۱۹۰۷ء کی تصنیف سے ہے۔ تفاسیر متقدمین کے متعلق مقدمہ ابن خلدون کا جو یہ حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ تفاسیر المتقدمین مملوء غث وسمین یہ صحیح نہیں ہے۔ تین ایڈیشنوں کی کتابوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ الفاظ یہ ہیں۔ الا ان کتبہم ومقولاتہ مشتمل علی الغث والسمین۔

جن تفاسیر میں فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف باتیں ہیں۔ اگر بعض تفاسیر میں ایسی باتیں ہیں تو وہ تردید کے لئے ہیں تائید کے لیے نہیں ہیں۔ جو تفاسیر مدعیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ وہ معتبر ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے متعلق جو کہا گیا ہے۔ کہ وہ تفسیر کے قائل نہیں یہ غلط ہے۔ جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں اس عبارت کے آگے جو Omission کی گئی ہے۔ درج ہے کہ وہ صرف متعین کتابوں کو غیر معتبر سمجھتے تھے۔ نہ کہ تفسیر کو۔

تفسیر اتقان کا جو حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کا مقدم موخر حذف کیا گیا ہے۔ اور وہ اس موقع پر نزدیدی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اور جو مطلب اس سے اخذ کیا گیا ہے۔ وہ مقدم موخر عبارت سے صحیح نہیں ہے۔ کلمات کفر اور چیز ہے۔ اور کسی کو کافر قرار دینا دوسری چیز بحر الرائق کے جو حوالہ جات فریق ثانی کی طرف سے دیئے گئے ہیں ان کے متعلق یہ درج ہے۔ کہ وہ کلمات معتبر ہیں۔ لیکن ان پر کوئی فتویٰ نہیں جن علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔ اس کے متعلق وہ علماء ان واقعات سے جو ان کی طرف منسوب کئے جا کر ان پر فتویٰ کفر لگایا گیا ہے۔ برأت ظاہر کرتے رہے ہیں۔ گواہ فریق ثانی نے اپنی جرح مورخہ ۱۵ مارچ ۳۳ء اسے تسلیم کر لیا ہے۔ ان علماء دیوبند نے ان لوگوں کو جنہوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ کافر نہیں کہا۔ بلکہ سمجھتے رہے کہ وہ غلطی پر ہیں اور معذور ہیں۔ جو کتاب حسام الحرمین اس غرض کے لیے پیش کی گئی۔ اس میں سب سے پہلے مرزا صاحب کا نام درج ہے۔ علمائے حرمین نے بعد میں اہل دیوبند کے متعلق اپنا فتویٰ واپس لے لیا ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی۔ کہ اہل دیوبند کے عقائد بھی مرزا غلام احمد صاحب جیسے ہیں۔ خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے پوری تحقیق سے مرزا صاحب کے نام خط لکھا۔ یہ درست نہیں

کیونکہ خواجہ صاحب کے سامنے صرف چند کتب مصنفہ مرزا صاحب پیش کی گئیں اور حکیم نورالدین صاحب سے گفتگو کی گئی۔ یہ بھی ثابت نہیں ہو سکا۔ کہ خواجہ صاحب نے مرزا صاحب کی ان کتابوں کو جو ان کے پاس پہنچیں کل کا مطالعہ کیا۔

خواجہ صاحب کی دوسری اشاعتوں کی تائید مرزا صاحب کی کتابوں سے کی گئی اور کسی دوسری کتاب یا رسالہ سے نہیں کی گئی۔ خواجہ صاحب نے اشارات فریدی حصہ سوم صفحہ ۴۲ پر مرزا صاحب کے مکاشفات کو غلط مانا ہے۔ خواجہ صاحب کے آگے جو کتابیں مرزا صاحب کی پیش ہوئیں ان میں مرزا صاحب نے محدثیت کا دعوےٰ کیا ہوا ہے۔ نبوۃ کا نہیں۔ اور یہ فریق ثانی کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ اس وقت تک مرزا صاحب آپ اپنے آپ کو محدث کہتے رہے۔

خواجہ صاحب کی بشارت اس لیے مدعا علیہ کے حق میں نہیں ہو سکتی کہ اس وقت تک مرزا صاحب کے وہ اقوال کفریہ جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ شائع نہیں ہوئے تھے۔

گواہ ۲ نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے کسی مرید کے قول و فعل کا اعتبار نہیں تاوقتیکہ مرزا صاحب کی اصل کتاب کا حوالہ نہ ہو اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اشارات فریدی میں سے جو بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ وہ اس وقت تک معتبر نہیں۔ جب تک کہ خواجہ صاحب کی کسی اصل کتاب کے حوالے سے نہ ہو۔ کتاب اشارات فریدی حسب تسلیم گواہ ۲ فریق ثانی خواجہ صاحب کی وفات کے بعد طبع اور شائع ہوئی۔ خواجہ صاحب نے بلا رکن الدین کی کوئی توثیق نہیں کی۔ خواجہ صاحب کی تصدیق کے متعلق بھی خود مولف کا اپنا بیان ہے۔ کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کتاب فوائد فریدی کے صفحات ۲۹، ۳۰ قابل ملاحظہ ہیں۔ اس سے پایا جائے گا کہ جماعت احمدیہ کے متعلق خواجہ صاحب کا اپنا کیا خیال تھا، فرقہ احمدیہ کو ناری فرقہ قرار دیا۔

اور گواہ ۲ نے تسلیم کیا ہے۔ اس وقت ان کا فرقہ، فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ خواجہ صاحب سال ۱۸۹۸ء میں فوت ہوئے۔

ضروریات دین کی تاویل کرنے والا کافر ہے۔ اس کی تردید میں فریق ثانی کی طرف سے اس قسم کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ کہ ضروریات دین کی تاویل کرنے والا کافر نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتد قرار دیا تھا۔ حدیث میں ارتداد کے الفاظ میں جس حدیث کے حوالہ سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کیا جاوے

اگر مطابق ہو تو قبول کیا جاوے۔ ورنہ نہیں۔ اس کے متعلق خطاب، حقائق۔ اور دیکھئے ابن جبیر ائمہ دین کے لیے ہیں۔ کہ یہ حدیث۔ بیدینوں نے گھڑی ہے۔

حدیث بلا سند معتبر نہیں۔ فریق ثانی نے کہا ہے کہ حدیث بلا سند معتبر ہے۔ لیکن جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں یہ کہیں نہیں کہ حدیث بلا سند معتبر ہے۔ ملاحظہ ہو تحفۃ الفکر صـ ۱۲، ۱۳ منصب امامت کے حوالہ سے یہ غلط کہا گیا ہے۔ کہ جو نکاح اور دوسرے معاملات میں ہر ایک شخص سے جو اسلام کا دعوے کرتا ہے ویسے ہی معاملہ ہوگا۔ جیسے تمام مسلمانوں سے۔ منصب امامت میں دراصل یہ بات درج ہے کہ جو دعوے اسلام کرتے ہیں کفر اس کا چھپا ہوا ہے۔ اسلام ان کا ظاہر ہے۔ دعوے کی تصدیق شعائر اسلامی سے کرتے ہیں۔ شریعت سے دست بردار نہیں ہیں۔ ان سے یہ معاملہ ہوگا۔

(ملاحظہ ہو صـ ۹۴)

کسی اہل کتاب مرد سے مسلمان لڑکی نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ اہل کتاب کی لڑکی سے مسلمان مرد نکاح کر سکتا ہے فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی احمدی لڑکی کسی غیر احمدی سے نکاح کرے تو وہ نکاح فسخ نہیں کر دیا جاتا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کو اہل کتاب سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ کی رو سے شریعت اسلامیہ کا یہ ایک نیا حکم سمجھا جائے گا کہ مسلمان لڑکی اہل کتاب کے نکاح میں جا سکتی ہے۔ اور نیا حکم شریعت میں پیدا کرنا بالاتفاق کفر ہے۔ اہل کتاب سے نکاح کا مسئلہ مرتد ہونے کے مسئلہ سے جدا ہے۔ یعنی اگر مسلمان عورت عیسائی یا یہودی ہو جائے تو اس کا نکاح قائم نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ مرتد سمجھی جائے گی۔ اور نکاح فسخ ہو جائے گا۔ مرزا محمود صاحب کی کتاب ملائکۃ اللہ صـ ۴۶ پر ہے کہ واضح ہو کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس لیے احمدی لڑکیوں کا نکاح غیر احمدیوں سے کرنے سے روکتے ہیں۔

(دستخط بحروف اردو صاحب جلیس محمد اکبر)

بقیہ کارروائی کے لیے مسل کل پیش ہو۔ ۱۰ر اکتوبر ۳۳ء

(دستخط بحروف اردو صاحب جلیس محمد اکبر)

۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

فریقین اور ان کے مختار حاضر ہیں۔

... مدعیہ۔ مفسرین کے اقوال میں جو رطب و یابس درج ہے۔ وہ قصص کے متعلق ہے اصل احکام

ے متعلق نہیں ۔ یعنی اصل احکام کی تفسیر میں رطب و یابس نہیں ۔ صرف قصص میں ہے ۔ جس کی صحت کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ۔ یہی رائے ابن خلدون کی ہے ۔ ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۸۳، ۳۸۴ اقتباس اور اقسام میں فرق ہے ۔ جن اولیاء اللہ کے متعلق آیات قرآن کے مکاشفات بیان کیے گئے ہیں انہوں نے اپنی عبارتوں میں ان آیات سے اقتباس کیا ہے ۔ ان میں الہام ظاہر نہیں کیا علم الکتاب میر درد رحمۃ اللہ علیہ سے جو حوالہ جات پیش کیے ہیں ۔ ان کے متعلق اس کتاب کے صفحہ ۶۱ ، ۶۵ پر درج ہے ۔ کہ وہ ان آیات سے اقتباس کر رہے ہیں ۔ گواہ ۱ نے اپنی جرح مورخہ ۹ مارچ ۳۳ء میں تسلیم کیا ہے ۔ کہ کسی خصوصی مسئلہ پر تمام کی تمام امت اجماع کرے تو اس کی تسلیم ضروری ہے ۔

ارشاد الفحول کا جو حوالہ اجماع کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے ۔ ان میں ان الفاظ کی بحث ہے کہ جو اجماع پر دلالت کرتے ہیں اس میں الفاظ لا اعلم خلافاً محالا خلاف فہم کے الفاظ ہیں ان کو اجماع کے الفاظ شمار نہیں کیا گیا ۔ مسئلہ متنازعہ یعنی ختم النبوۃ میں الفاظ اجمعت الامۃ اور اجماع کا لفظ پیش کیا گیا ہے ۔ جس سے اجماع ثابت سمجھا جا سکتا ہے ۔ متواتر مضمون کے متعلق امام رازی کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے ۔ مسلم الثبوت سے اس کی تردید اس کے نیچے فواتح الرحمۃ صفحہ ۴۹۶، ۴۹۵ پر دی گئی ہے ۔ مرزا صاحب نے متواتر مضمون کو زبردست دلیل قرار دیا ہے ۔ (شہادت القرآن صفحہ ۳۰۲) گواہ ۲ نے اجماع کے متعلق جو حوالہ جات پیش کیے ہیں ۔ ان کی مقدم موخر عبارت پوری نہیں پڑھی ۔ مسئلہ ختم النبوۃ میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے گئے ہیں ۔

آیات قرآن ، احادیث ، آثار صحابہ ۔ اقوال بزرگان ، فیصلہ مفسرین ۔ فیصلہ ائمہ لغت ۔ فیصلہ ائمہ فقہا مجتہدین ۔ مدعیہ کی طرف سے سات آیات خاتم النبیین کی تفسیر میں پیش کی گئی ہیں ۔ مدعا علیہ کی طرف سے کوئی آیت اس کی تفسیر میں پیش نہیں ہوئی مدعیہ کی طرف سے ایک گواہ نے دو سو سے زائد احادیث اس کے ثبوت میں بتلائی ہیں ۔ اور ۱۷ حدیثیں مختلف بیانات میں صاف اور صریح طور پر پیش کی گئی ہیں ۔

مدعا علیہ کی طرف سے گواہ ۱ نے صرف ایک حدیث اور وہ بھی ضعیف درجہ کی پیش کی ہے اور گواہ ۲ نے دو حدیثیں بیان کی ہیں ۔ بزرگان کے اقوال کے متعلق گواہ ۱ مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کہ قرآن اور حدیث کے خلاف کسی قول یا بزرگ کا قول معتبر نہیں ہے ۔ آثار صحابہ میں ابن جریر کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں ۔ اور وہاں ۲۴ حوالوں سے اسے ثابت کیا گیا ہے ۔ اور تمام صحابہ کا اجماع نقل کیا گیا ہے ۔

مدعا علیہ کی طرف سے دو اقوال پیش کیے گئے ہیں ۔ پہلا قول حضرت عائشہ کا بلا سند کے ہے ۔ دوسرا

قول حضرت علی کا ہے۔ جو درمنثور سے نقل کیا گیا ہے۔ درمنثور کے متعلق گواہ م۱ کا یہ بیان ہے۔ کہ وہ تفسیر کی کتاب ہے اور اس میں گواہ کے نزدیک رطب و یابس ہیں۔ جو ماننے کے قابل نہیں۔

اقوال بزرگان کی فہرست میں مدعیہ کی جانب سے ۲۶ اقوال پیش کیے گئے ہیں۔ اور مدعا علیہ کی جانب سے ۸ حوالہ جات دیے گئے ہیں۔ جن میں سے دو حوالے حجج الکرامہ اور اقتراب الساعۃ سے ہیں۔ جو فریقین کے مسلمات میں سے نہیں ہیں۔ مفسرین کے فیصلہ جات کی تحت میں مدعیہ کی طرف سے ۱۵ فیصلہ پیش کئے گئے ہیں اور مدعا علیہ کی طرف سے اس معنی کے تعین کے لیے پیش کئے گئے ہیں۔ اور مدعا علیہ کی طرف سے اس معنی کے تعین کے لیے کوئی بھی حوالہ نقل نہیں کیا گیا۔ لفظ خاتم کے لغوی معنی ثابت کرنے کے لیے تین حوالے دیے گئے ہیں۔ ان میں ایک شہاب کا حوالہ فریقین کا غیر مسلم ہے۔

ائمہ لغت کے ۸ حوالہ جات مدعیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں جن میں سے ایک کتاب مفردات کے متعلق صاحب اتقان لکھتے ہیں۔ کہ قرآن کے معنی کے متعلق اس سے بہتر رائے زنی پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مدعا علیہ کی طرف سے صرف ایک حوالہ منجد کا پیش کیا گیا ہے۔

احکام فقہا کے تحت ۶ حوالہ جات منجانب مدعیہ پیش ہوئے ہیں جن میں سے بحر الرائق کو گواہ م۱ مدعا علیہ نے مسلم اور مستند مانا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے کوئی حوالہ فقہا کا پیش نہیں ہوا۔ گواہ م۲ مدعا علیہ نے اپنے بیان مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۳ء میں یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ قرآن اور مرفوع متصل حدیث کے خلاف کوئی اور دلیلیں مسموع نہیں ہوں گی۔ حدیث لو عاش ابراہیم لکان صدیقا نبیا۔ جو مدعا علیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ سند کے اعتبار سے غیر صحیح۔ لفظوں کے اعتبار سے مثبت کی گئی ہیں۔ سند کے اعتبار سے غیر صحیح لفظوں کے اعتبار سے مثبت مدعا علیہ نہیں۔ صحیح معنی کے لحاظ سے ہمارے موافق ہے۔ سند کے لحاظ سے میزان الاعتدال تقریب تہذیب مدارج النبوۃ گواہ م۱، م۲ کی جرح میں پیش کی گئی ہیں۔ میزان الاعتدال اور تقریب التہذیب جرح و تعدیل کی کتابیں ہیں۔ اور اس کے مصنف امام فن حدیث مانے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی کتاب برکات دعا میں یہ لکھا ہے۔ کہ ہر ایک فن میں اس کے ماہر کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔ میزان الاعتدال کے مصنف نے یحییٰ ابن معین اور یحییٰ بن معین جرح کے امام ہیں اس کے قول کے حوالہ سے انہوں نے کہا ہے کہ ابن ماجہ ٹھیک راوی نہیں ہیں۔ غیر معتبر ہے۔ لو عاش ابراہیم .... الخ ابن ماجہ سے نقل کی گئی ہے۔ اس طرح حدیث مجروح ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اپنی کتاب ازالہ اوہام ص۲۲۱ پر لکھا ہے۔ کہ حدیث بشرطیکہ جرح سے خالی ہو۔ معتبر ہو گی۔''

ملا علی قاری۔ حافظ حدیث اصطلاحاً نہیں ہیں۔ نہ امام جرح اور معتقدین ہیں گواہ مدا نے اسے تسلیم کیا ہے۔ ملا علی قاری نے بھی حدیث مذکورہ بالا کو صحیح نہیں کیا۔ حدیث کے شروع میں لفظ لو استعمال ہوا ہے۔ اور لو جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا۔ گواہ مدا نے اس اصول کو جرح ۸ مارچ ۳۲ء میں تسلیم کیا ہے۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۱۴ پر اس حدیث کے متعلق یہ درج ہے۔ کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے مگر اللہ کے علم میں یہ تھا۔ کہ حضور صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان کا انتقال ہوگیا۔ ابن ماجہ کے جن حوالہ جات سے حدیث لو عاش ابراہیم نقل کی گئی ہے۔ اس سے پہلے متصل حدیث مذکورہ بالا جامع ابن ابی اوفی سے نقل ہے۔ کنز العمال سے ایک حدیث یہ پیش کی گئی کہ یاعم انت خاتم المہاجرین فی الہجرۃ .... لیکن اس کتاب میں صحیح اور غیر صحیح دونوں حدیثیں ہیں۔ اس کی صحت اور سند کے متعلق کوئی چیز پیش نہیں کی گئی مضمون کے اعتبار سے بھی یہ حدیث ہمارے مخالف نہیں کیونکہ مکہ سے مدینہ کی طرف جو ہجرت تھی۔ فرض تھی۔ اور اس کے آخری مہاجر حضرت عباس تھے۔ اس کے بعد وہ ہجرت بند ہوگئی۔ اس لیے حضرت عباس خاتم المہاجرین شمار کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے اعلان فرمایا تھا۔ کہ فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ اور گواہ مدا نے اس کے یہ معنی بتلائے ہیں۔ کہ کسی قسم کی ہجرت مکے سے مدینے کی طرف باقی نہ رہی

(جرح ۲۸ رمارچ ۳۲ء)

آثار صحابہ۔ میں حضرت عائشہ رض کا قول قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدی۔ فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ حدیث بھی مستند اور معنی کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ حوالہ تکملہ مجمع البحار سے جو لغت کی کتاب ہے۔ اور پیش کیا گیا ہے۔ کوئی سند پیش نہیں کی گئی اور نہ حدیث کی کسی معتبر کتاب سے اسے پیش کیا گیا ہے۔ یہ قول رسول اللہ صلعم کے قول کے مخالف ہے۔ اور جب کسی صحابی کا قول رسول اللہ صلعم کے قول کے مخالف ہو۔ تو وہ قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ حدیث لا نبی بعدی سے اس کا تعارض ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے حضرت عائشہ کی سند سے رسول اللہ صلعم کی حدیث کے مطابق ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ معنی کے لحاظ سے بھی یہ حدیث ہمارے مخالف نہیں کیوں کہ حضرت عائشہ رض یہ فرماتی ہیں۔ کہ کہو تم خاتم النبیین نہ کہ لا نبی بعدی یعنی مقام مدح میں خاتم النبیین کا لفظ استعمال کرو۔ لا نبی بعدی کا لفظ نہ کہو۔ کیونکہ اس سے دونوں مطالب آپ کا بالذات افضل ہونا۔ اور آپ کے بعد دوسرے کسی نبی کا نہ آنا پیدا ہوتے ہیں۔
حضرت علی کے جس قول کا حوالہ گواہ مدا نے دیا ہے۔ اس کی سند میں اور کوئی چیز پیش نہیں کی گئی۔

بزرگان اقوال کے سلسلہ میں گواہ ۱ نے بیان کیا ہے۔ کہ صحیح احادیث جہاں ظنی ہیں۔ اور اعتقادیات میں قطعی کا اعتبار ہوتا ہے ظنیات کام نہیں آتے۔ کتاب جمع الکرامۃ ہمارے مسلمات سے نہیں ہے۔ اس لیے ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص کے معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تمام تصانیف صحیح اور معتبر ہوں جس میں اس قسم کا التزام نہ ہو۔ وہ معتبر نہیں ہوگی۔ موضوعات ملا علی قاری میں ان کی رائے اور عقیدہ ظاہر نہیں کیا گیا۔ بلکہ موضوع حدیثوں پر تنقید اور تبصرہ کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ ملا علی قاری کی دوسری کتابیں عقائد کے متعلق جیسے شرح شفا۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ ان میں عقیدہ عام مسلمانوں کے مطابق ظاہر کیا ہے۔ فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۵۶ کا حوالہ غیر متعلق ہے۔ شامی جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ میں محی الدین ابن عربی سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ ہماری کتابوں میں نظر کرنا حرام ہے۔ اور گواہ ۲ نے تسلیم کیا ہے۔ کہ ہر ایک کی اپنی اصطلاح ہے۔ اور اس اصطلاح کے خلاف مطلب لینا درست نہیں ہے۔ یواقیت ص۱۱ پر ہے۔ کہ صوفیائے کرام کی عبارت پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن ان کے الفاظ کی اصطلاح جاننے کے بعد پھر اگر اس کے بعد شریعت کے مخالف ہو۔ تو اسے پھینک دیں گے۔

صوفیائے کرام کی اصطلاح سمجھنے کے لیے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ گواہ ۲ نے یہ کہا ہے۔ کہ انہوں نے صوفیائے کرام کی کوئی کتابیں نہیں دیکھیں۔ اور گواہ ۲ نے یہ کہا کہ فصوص الحکم اور فتوحات مکمل پڑھنے کا موقعہ اسے نہیں ملا۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی اصطلاحات کے لیے مستقل تصنیف کبریت احمر ہے۔ اور نبوۃ کے معنی صوفیائے کرام کی اصطلاح میں خبر دینے کے ہیں۔ اس کو وہ باقی بتلاتے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح والی نبوۃ کو ختم بتلاتے ہیں۔ کبریت احمر ص۱۱۸ اور اس کے شیخ کے نزدیک رسالت کے معنی تبلیغ کے ہیں۔ اور نبوت ولایت کے مقابلہ پر ہے۔ فتوحات جلد ۳ باب ۳۸ شیخ کی اصطلاح میں مشرح ہوتا ہے۔ اور نبی اور رسول ہوتا ایک چیز ہے اور فصوص الحکم صفحہ ۲۷۴ پر ہے۔ کہ کسی قسم کی نبوت چاہے۔ تشریعی یا غیر تشریعی باقی نہیں رہی۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے کتاب یواقیت جلد ۲ مبحث ۲۵ ص۳۸ پر لکھا ہے کہ نبوۃ کا دعوے کرنے والا حضور صلعم کے بعد خواہ ہماری شریعت کے موافق ہو۔ یا مخالف اگر وہ مکلف ہے۔ تو اس کی گردن ماردیں گے ورنہ اس سے گریز کریں گے۔ عبدالکریم جس کا جو حوالہ کتاب انسان کامل سے پیش کیا گیا ہے۔ وہ بھی صوفیائے کرام کی اصطلاح معلوم ہونے کے بعد بحث مدعا علیہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کے ص۶۸ و ۶۹ پر ہمارے موافق عبارت موجود ہے۔

کتاب تحذیر الناس کے صفحہ ۳ کی عبارت تاخر زمانی کے بند ہوتے کی تصریح کر رہی ہے ص۲۸، پر

بالفرض کا لفظ قابل لحاظ ہے۔ اس کتاب کے صنا پر خاتم النبیین بمعنی آخری نبی کے منکر کو کافر قرار دیا ہے۔
مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنی کتاب مناظرہ عجیبہ شرح تحذیر الناس کے ص۱۰۳ پر لکھا ہے۔ کہ اپنا دین ایمان ہے۔ کہ بعد رسول اللہ صلعم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں۔ جو اس میں تامل کرے۔ اس کو کافر سمجھتا ہوں۔

مثنوی مولانا روم کا بھی ایک شعر پیش کیا گیا ہے۔ کہ نبوۃ حاصل ہو سکتی ہے۔ اس شعر میں نبوت کا جو لفظ استعمال ہوا اس سے کمالات نبوت مراد ہے۔ نہ کہ نبوۃ فی نفسہ۔ حوالہ تفہیمات الٰہیہ میں بھی لفظ تشریع اس معنی میں استعمال ہوا ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کوکب دریہ حکم محمد حسن صاحب امروہہ ہماری غیر مسلم ہے۔ اس میں بھی لفظ تشریع اسی معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس مصنف نے اپنی دوسری کتاب تاویل الحکم میں لکھا ہے۔ کہ تشریعی اور غیر تشریعی دونوں قسم کی نبوت بند ہے۔ ص۲۸، ۴۲ کتاب اقتراب الساعۃ ہماری مسلم نہیں ہے۔ اس لیے اس کا حوالہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے اور خود نواب صدیق حسن خاں صاحب نے کتاب فتح البیان ص۲۸۷ پر خاتم النبیین کی تفسیر ہمارے مطابق کی ہے۔ فیصلہ مفسرین فریق ثانی کی طرف سے کوئی پیش نہیں کیا گیا۔ کتاب سراج منیر میں لفظ خاتم کے معنوں میں پہلا معنی آخر کا لکھا گیا ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا معنی زینت دینے والا لکھا ہے۔ اور اسی مفسر کا آخری فیصلہ تفسیر ختم النبوۃ میں مدعیہ کے موافق ہے۔ کتاب سراج المنیر لغت کی کتاب نہیں بلکہ تفسیر کی کتاب ہے۔ شہاب ہمارے نزدیک غیر مسلم ہے۔ اس لیے کہ فن کے کوئی امام نہیں اور نہ ان سے کوئی سند پکڑی جاتی ہے۔ بایں ہمہ انھوں نے بھی ختم النبوۃ کے معنی بھی آخری نبی لکھے ہیں۔ روح المعانی کا حوالہ بھی ہمارے موافق ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ختم النبوۃ کے معنی آخری نبی کئے گئے ہیں۔ اس کتاب روح المعانی کے ص۶۰ پر ایک عبارت جو والمراد سے شروع ہوتی ہے۔ وہ اس کا پورا حل کرتی ہے۔ اس ضمن میں ص۶۵ قابل ملاحظہ ہے۔

مدعا علیہ کی جانب سے منجد کا جو حوالہ مہر یا انگوٹھی کے معنی کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ وہ لفظ مفرد خاتم کا پیش ہوا ہے۔ حالانکہ اسی کتاب کے اندر مضاف ہو کر آخری کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہاں بحث مضاف کے اندر ہے۔ لہذا یہ حوالہ غیر متعلق ہے۔ ص۱۶۴ اس کے سوا اور سب متعارف لغاتیں خاتم کے معنی مدعیہ کے موافق بیان کرتی ہیں۔ قرآن مجید کے مطالب شاعرانہ تخیلات کے تحت میں مبالغہ کے طور پر بعض الفاظ بمثل خاتم المحدثین۔ خاتم المفسرین کے استعمال سے حل نہیں کئے جا سکتے۔ عربی کا جو شعر خاتم

کا معنی بیان کرنے کے لیے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بھی قرآن مجید میں استعمال شدہ لفظ کا معنی حل نہیں ہوتا گواہ ۲ نے اسے تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ شعر شرع میں حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مابعد کے زمانہ کے شاعر کا ہے:۔

مرزا صاحب نے سال ۱۹۰۱ء کے بعد خاتم النبیین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن پہلے معنی بدل دیئے ہیں۔ ظلی اور بروزی نبوۃ کی اصطلاح صرف مرزا صاحب کی قائم کردہ ہے۔

مرزا صاحب نے کتاب ایام الصلح صـ۱۴۶ پر ختم النبوۃ کے مسئلہ کو پورے طور حل کیا ہے۔ مدعیہ کی طرف سے جو آیات خاتم النبیین کے معنی میں پیش کی گئی ہیں۔ ان کا جواب فریق ثانی کی طرف سے تاویلات سے دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی مراد حدیث اور تفسیر سے متعین کی گئی تھی۔

مرزا صاحب نے ایام الصلح کے حوالہ مذکورہ بالا میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ لانبی بعدی میں نفی عام ہے۔ وحی رسالت سوائے نبیوں کے اور دوسرے کسی کی نسبت استعمال نہیں کی گئی۔ انبیاء کرام پر جو وحی اترتی ہے وہ وحی نبوۃ کہلاتی ہے۔ مرزا صاحب نے ایام الصلح صـ۱۴۶ پر وحی نبوۃ کی یہ تعریف کی ہے۔ کہ کیونکہ جس میں شان نبوۃ باقی ہے۔ اس کی وحی بلاشبہ وحی نبوۃ ہے۔ دوسری جگہ سراج المنیر میں صـ؟ پر ہے۔ کہ نبی کی وحی۔ وحی نبوۃ کہلائے گی۔ ازالہ اوہام صـ۳۱۵ پر لکھا ہے کہ وحی رسالت وہی ہے۔ جو بتوسط جبرئیل ہو گواہ ۱ نے ۲ مارچ کی جرح میں تسلیم کیا ہے۔ کہ جس میں نئے حکم ہوں۔ وحی تشریعی ہے۔ مرزا صاحب نے تحریر کیا ہے۔ کہ اللہ کی طرف سے تھوڑا بہت نازل ہونا برابر ہے۔

مرزا صاحب ازالہ اوہام صـ۲۲۱ پر لکھتے ہیں کہ وحی نبوۃ پر تو ۱۳ سو برس سے مہر لگ گئی۔
مدعیہ کے گواہان نے یہ نہیں کہا کہ وحی مطلق بند ہے۔ بلکہ وحی رسالت بند ہے۔ اور گواہ ۱ نے اپنے بیان میں کہا ہے۔ کہ گواہان فریق مخالف کہتے ہیں کہ وحی اب کسی پر نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ ہمارے گواہ ۲ نے کہا ہے کہ ادعائے نبوۃ اور ادعائے وحی نبوت بھی کفر ہے۔

آیت وما کان لبشر۔۔۔۔ الخ سے یہ مراد ہے۔ کہ انسان کا خدا سے ہمکلام ہونا تین طریق پر ہے۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ وحی نبوۃ انبیاء سے مخصوص ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد نبوت جاری رہ سکتی ہے۔ یہاں لفظ بشر سے مراد نبی ہی ہے۔ عام بشر نہیں اگر وحی سے مراد وحی نبوت لی جاوے تو عام بشر مراد نہیں ہوگا۔

واوحینا الی ام موسیٰ۔۔۔۔۔ کی آیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ وہ وحی نبوۃ نہیں کیونکہ ام موسے

عورت تھیں۔ عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ حضرت مریم کے متعلق جو آیات پیش ہوئی ہیں۔ ان کا بھی یہی جواب ہے۔

ذوالقرنین کے متعلق جو آیت ہے اس سے بھی یہ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ ان کو جو وحی ہوئی وہ وحی نبوت تھی۔ کیونکہ ان کے متعلق دونوں میں ایک یہ کہ وہ نبی تھے۔ دوسرا یہ کہ نبی نہ تھے۔ راجح یہی ہے کہ وہ نبی نہ تھے۔ اگر نبی تھے تو وحی نبوت سمجھی جائے گی۔ اگر نبی نہ تھے۔ تو جو وحی انہیں ہوئی۔ وہ وحی نبوۃ نہ تھی۔ اسی طرح حواریین کی طرف وحی بھی وحی نبوت نہ تھی۔ حضرت ابراہیم کی اہلیہ کی طرف بھی بوجہ عورت ہونے کے وحی نبوت نہیں ہو سکتی تھی۔ صوفیائے کرام کے متعلق یواقیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ وہ وحی الہام ہے۔ وحی نبوۃ نہیں ہے۔ مستجیب لہٗ کے معنی کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ دعا قبول کرنے کے ہیں گواہ مدعی نے اس کے یہ معنی لیے ہیں۔ کہ اگر جواب نہ دے اور کلام نہ کرے۔ تو وہ اور معبودانِ باطل کے مرید ہو جائیں گے۔

اجیب کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ اور نہ کسی نے مراد لی ہے۔ اس آیت میں واذا سالک عبادی عنی فانی قریب ..... الخ میں اجیب کے معنے کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ اسی طرح آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ ۔ الخ اس سے مراد موت کے فرشتوں سے ہے اس سے وحی نبوۃ کا اجرا ثابت نہیں ہوتا۔ آیت رفیع الدرجات ذوالعرش ..... الخ میں یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ فرشتے کا اترنا وحی الٰہی لیکر اللہ کی نظر استجاب پر ہے نہ کسی اور دنیوی جاہ و جلال پر آیت کنتم خیر امۃ ..... الخ بھی اجراء نبوت کے لیے غیر متعلق ہے۔

آیت تنزل الملائکۃ والروح کا بھی اجراء نبوۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان آیات سے احمدیہ جماعت کے وجود سے پہلے کسی صحابی۔ تابعی یا مفسر نے ان آیات سے اجرائے نبوۃ پر دلیل نہیں پکڑی اسے تفسیر بالرائے کہا جائے گا۔ جو غیر معتبر سمجھی جائے گا۔ اسی طرح جو احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ان سے بھی اجراء نبوۃ ثابت نہیں ہوتی۔

بزرگان کی زبان پر فرشتوں کا گفتگو کرنا اور چیز ہے۔ اور ان سے فرشتوں کا کلام کرنا اور چیز۔ حدیث واوحی اللہ علی عیسیٰ کو مرزا صاحب نے کتاب ازالہ اوہام میں اسے مجروح قرار دیا ہے۔ اور اگر حدیث تسلیم کرلی جاوے تو یہاں وحی بمعنی الہام ہے۔

فتوحات مکیہ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ اس میں وحی تشریعی کو محققین انبیاء کے ساتھ بتلایا گیا ہے جو ہمارے مدعا کے موافق ہے۔"

کبریت احمر صنا پر یہ تقریح کی گئی ہے۔ کہ وحی تشریعی جو وحی نبوت ہے۔ وہ بند ہو چکی۔ اور عیسٰے علیہ السلام پر کوئی جدید وحی نہ ہوئی۔ اور اولیاء پر جو وحی ہوتی ہے۔ وہ بس الہام ہے۔ اور وحی الہام بند نہیں۔ بلکہ جاری ہے۔

مجدد صاحب نے جس کلام الٰہی کا ذکر کیا ہے۔ وہ وحی ہے۔ جو محدثین پر ہوتی ہے۔ اور وہ وحی الہام ہے۔ وحی نبوت نہیں ہے۔

مولانا روم کے جو اشعار اسبارہ میں نقل کئے گئے ہیں۔ وہاں وحی دلی کا ذکر ہے۔ وحی نبوت کا نہیں۔

منصب امامت سے جو حوالہ اس غرض کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ کہ وحی نبوۃ جاری ہے۔ وہاں صرف یہ اصطلاح بتلائی گئی ہے۔ کہ انبیاء اللہ پر جو الہام ہوتا ہے۔ اسے مجازاً وحی کہتے ہیں۔ اور اگر ان کے سوا کسی کے لیے ثابت ہو تو اُسے تحدیث کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ الہام جو انبیاء اللہ سے ثابت ہے۔ اُسے وحی کہتے ہیں۔ اور اگر ان کے سوا کسی اور کو ثابت ہو تو اسے تحدیث کہتے ہیں۔ اور کبھی کتاب اللہ مطلق الہام کو خواہ انبیاء اللہ سے ثابت ہو۔ خواہ اولیاء اللہ سے وحی کہتے ہیں۔ امام غزالی کا جو حوالہ الیواقیت جلد ۲ صفحہ ۷۵ سے پیش کیا گیا ہے۔ وہ وہاں تردیدی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اس سے استدلال نہیں پکڑا جا سکتا۔

روح المعانی کا جو حوالہ اجراء نبوۃ کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔ اس کا دارومدار حدیث موسٰی ابن سمعان پر ہے۔ جسے خود مرزا صاحب نے مجروح قرار دیا ہے۔ حجج الکرامہ کے مصنف کوئی نسبت بڑے عالم نہیں اس لیے ہمارے لیے ان کا کوئی قول حجت نہیں۔ وہ غیر مقلد ہیں اور ان کے ساتھ مقلدین کی لڑائی رہی ہے۔ اس لیے حجج الکرامہ ہمارے لیے مسلم نہیں ہے۔

انسداد وحی کے متعلق مدعیہ کی طرف سے جیسے آیات پیش کی گئیں۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد وحی نبوت مسدود ہے۔ اور اس کے متعلق ۲۵ یا ۲۶ احادیث بیان کی گئی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وحی نبوت مسدود ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ بیشک وحی منقطع ہو چکی ہے۔ بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۶۰۔ حضرت ابوبکر کا قول ہے۔ کہ وحی منقطع ہو چکی اور دین پورا ہو گیا۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۸۔

علم الکتاب صفحہ ۱۱ پر ہے۔ کہ اختتام وحی کہ آن نیز بشل الہام دو قسم است۔۔۔۔۔۔ و منقطع شدند

کارخانہ وحی۔ بعد خاتم الانبیاء، مسیلمہ کذاب کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے تاریخ خمیس بخاری اشارات فریدی کے حوالہ جات ۹ مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں پیش کئے گئے ہیں۔ جن سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسیلمہ کو صرف دعوئے نبوۃ کی وجہ سے کافر سمجھا گیا۔ اور صحابہ نے اجماع کیا کہ وہ کافر ہے۔

ذریتہ البغایا کے معنی لغت کی رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن جرح گواہ ع۱ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء میں مرزا صاحب کی کتب ذیل لجۃ النور صا۳۱ - ۶۹ - ۸۷/۲ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۲ و ۱/۸ سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ذریتہ البغایا حرامی یا حرام زادہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان حوالہ جات میں بغیہ یا لبغایا کے تحت معنی بیان کیے گئے ہیں۔ دوسری کتاب لغت فائق جلد ۱ صفحہ ۶ منتہی الارب جلد ۱ صفحہ ۳۹ سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ بغیہ کے معنی زانیہ کے ہیں۔

دستخط صاحب جلیس بحروف انگریزی

محمد اکبر

عدالت:

بقیہ کارروائی کے لیے مسل کل پیش ہو۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

دستخط صاحب جلیس بحروف انگریزی۔

محمد اکبر

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

فریقین اور ان کے مختاران حاضر ہیں۔

تتمہ بحث مدعیہ

مرزا صاحب نے فتوحات کی عبارات سے جن میں یہ ذکر ہے۔ کہ نبوۃ تشریعی بند ہے۔ یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبوۃ کے ساتھ شریعت کا دعوے کرے یہ نبوت خاتم النبیین کے خلاف ہے اور اس کے نبی ہو سکتا ہے۔ تشریعی کے معنی صاحب شریعت ہونا۔ جو مرزا صاحب نے مراد لیا ہے کہ اس کے ساتھ کتاب منتقل ہو۔ احکام نئے ہوں۔ بعض پہلے احکام کا فسخ ہو۔ یہ معنی تشریعی کے نہ کسی لغت کی کتاب میں ہیں اور نہ حدیث و تفسیر اور نہ قرآن شریف میں۔ نہ مرزا صاحب نے اور گواہان مدعا علیہ نے کہیں اس کا ثبوت دیا ہے۔ اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نبوۃ تشریعی کی خود شیخ مصنف فتوحات کے کلام سے کر دی جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس نبوت کی ہم نے نفی کی ہے ایک نبی محض ایک رسول محض

اور ایک نبی اور ایک رسول دونوں اس سے ہماری مراد نبوت تشریعی ہے کہ جو اولیا کے لیے نہیں ہوتی اس عبارت میں تشریعی کے معنی بیان کر دیئے۔ کہ اولیا کے مقابل ہے۔ کہ جس کو شریعت اور عرف اور اصطلاح اسلام میں نبوت کہتے ہیں۔ اس کو شیخ نے نبوت تشریعی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اب نبوت تشریعی سے وہ معنی جو مرزا صاحب نے لئے مراد نہیں لیے جا سکتے۔

گواہان مدعیہ نے مرزا صاحب کے مدعی شریعت ہونے پر جو تریاق القلوب کی عبارت پیش کی ہے اس کا جواب مدعا علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کی مراد نبی صاحب شریعت اور ملہم اور محدث کا حکم بیان کرتا ہے۔ نہ کہ نبی غیر صاحب شریعت کا۔ یہ جواب صحیح نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ اس وقت تک مرزا صاحب کے قریب نبی تشریعی وہی تھا۔ جو نبی صاحب شریعت ہو۔ یہ جدید اصطلاح سال ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئی ہے۔ لہذا تریاق القلوب جو سال ۱۹۰۱ء سے قبل کی ہے۔ اس میں وہ معنی مراد نہیں ہو سکتے دوسرا مرزا صاحب نے خود یہ جواب نہیں دیا بلکہ وہ مکفر اور منکر کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اس لیے گواہان کا جواب متکلم کی اپنی مراد کے خلاف ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے تین آیات اجراء وحی اور نبوت رسالت کے باقی ہونے کے متعلق بیان کی ہیں۔ وہ معنی کسی ایک محدث اور مفسر یا صحابہ سے منقول نہیں۔ یہ معنی خود انہوں نے ایجاد کئے ہیں۔ اگر ان معنی کو صحیح مان لیا جاوے تو پھر وہ نبوۃ کہ جس کے ساتھ کتاب مستقل ہو اور شریعت مستقل ہو اور پہلی شریعت کے کل یا بعض احکام کا فسخ ہو۔ جو مرزا صاحب کے نزدیک بھی بند ہے۔ اور اس کا مدعی کافر ہے۔ اس کا باقی ہونا بھی ان آیات سے ثابت ہو جائے گا۔ کسی نبی کی توہین یا تنقیص کفر ہے مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے انبیاء کی توہین کی ہے۔ منجملہ ان کے حضرت عیسے علیہ السلام کی توہین میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ عیسے علیہ السلام کی توہین کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔ یہ ایک فرضی مسیح کے متعلق ہے۔ اور بطور الزام کے کہا گیا ہے۔ گواہان کا یہ جواب درست نہیں ہے۔ کہ یہ الفاظ جن کو توہین قرار دیا گیا ہے۔ بطور الزام کے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس واسطے کہ گواہان مدعا علیہ نے ازالہ اوہام مولانا رحمت اللہ صاحب اور استفسار مولوی آل حسن صاحب امروہی اور ہدیۃ الشیعہ مولانا محمد قاسم صاحب کی بہت سی عبارت نقل کی ہے۔ اور خود بھی اپنے بیانات میں ان مصنفین کی یہ عبارت بھی نقل کر دی ہے۔ کہ یہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ الزام کے طور پر لکھا ہے۔ جو عیسائیوں کی کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ ہم ایسا نہیں لکھ سکتے۔ مرزا صاحب انجام آتھم میں یہ کہتے ہیں۔

کہ میں نے جو کچھ بھلا بُرا کہا ہے وہ یسوع کو کہا ہے۔ عیسٰی علیہ السلام کو نہیں کہا۔ مرزا صاحب کی کتاب سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک یسوع اور عیسٰی ایک ہی ہیں۔ چنانچہ گواہان کی جرح میں بھی یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یسوع مسیح ایک ہیں۔ مرزا صاحب نے ایک جواب تریاق القلوب صفحہ ۳۹۰، ۳۹۱ پر یہ دیا ہے۔ کہ انہوں نے جو کچھ توہین کی ہے۔ بدنیتی سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لیے۔

اس سے یہ الزام نہیں آتا کہ عیسٰے علیہ السلام کی توہین کی جاتی۔ مرزا صاحب نے قبول کیا کہ انہوں نے عیسٰی علیہ السلام کی توہین کی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا ہو جائے۔ اور نقض امن نہ ہو۔ یہ توہین باعث کفر اور ارتداد ہے۔ جو مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہوتی ہے۔

مرزا صاحب اعجاز احمدی صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں نے اس قصیدہ میں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھا ہے۔ یا عیسٰی علیہ السلام کی نسبت کہا یہ انسانی کارروائی نہیں خبیث ہے۔ وہ انسان جو نفس سے کاملوں اور راستبازوں پر زبان درازی کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسین جیسے یا حضرت عیسٰی جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے جو کچھ کہا باذن الٰہی ہے۔

جن جن باتوں سے گواہان مدعیہ نے جو الفاظ توہین کے بیان کیے ہیں نہ اس میں فرضی عیسٰے کو گالیاں دی گئی ہیں۔ نہ الزام ہے۔ بلکہ مرزا صاحب اپنی تحقیق بیان فرماتے ہیں۔ لہٰذا ہر ہر فقرہ مرزا صاحب کے کفر اور ارتداد کا باعث ہے۔ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷ کے حوالہ سے جو توہین کے الفاظ مدعیہ کی طرف سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان سے صریح گالیاں ثابت ہوتی ہیں۔ ان گالیوں کو مرزا صاحب نے اپنا مدلل اور محقق کر کے بیان کیا ہے۔ کہ جس کا حاصل یہ ہے۔ خدا علیم و خبیر کے نزدیک بھی معاذ اللہ یہ تمام عیوب حضرت عیسٰے علیہ السلام کے اندر موجود تھے۔ دافع البلاء کے آخری صفحہ کی جو عبارت مدعیہ کی طرف سے بیان کی گئی ہے۔ اس کا جواب گواہان مدعا علیہ نے یہ دیا ہے۔ کہ چونکہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالٰی نے حضور کا لفظ نہیں فرمایا۔ یہ وجہ توہین کی ہے۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے۔ کہ مرزا صاحب یہ جواب دے رہے ہیں۔ عیسائیوں کا اور ان مسلمانوں کا۔ جو عیسٰے علیہ السلام کو سب نبیوں سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں جواب بالکل غلط ہیں۔ یہ وجہ کہ استدلال لفظ حصور نہ ہونے سے ہے۔ یہ گواہان نے خود اپنی طرف سے پیش کر کے اس کو رد کیا ہے۔ گواہان مدعا علیہ کا ہرگز یہ منشا نہیں۔ دوسرا جواب بھی بالکل غلط ہے اس واسطے کہ مسلمان میں ایسا کسی کا عقیدہ ہی نہیں۔ کہ عیسٰے علیہ السلام سب انبیاء سے افضل ہیں۔ عیسائی قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ مرزا صاحب حوالہ مذکورہ بالا میں عیسٰے علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں۔

کہ میں انہیں بے شک ایک راست باز آدمی جانتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ انہیں نبی نہیں سمجھتے ورنہ راست بازی کا وصف کافر میں بھی پایا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی ایک موجب توہین ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ اپنے زمانے کے لوگوں سے البتہ اچھا تھا۔ اس کے آگے خدا معلوم وہ بھی درست ہے یا نہ۔ اس کی تصریح آگے حاشیہ کے مضمون سے ہوتی ہے۔ جہاں یہ درج ہے۔ کہ یہ جو ہم نے یہ کہا......... ہمارا ایمان محض نیک نیتی کے طور پر ہے........ افضل اور اعلیٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ورنہ کے استعمال سے ماقبل عبارت کی تردید نہیں ہوتی۔ بلکہ یہاں ماقبل اور مابعد کا ایک معنی نکلتا ہے۔ آگے کی عبارت میں الفاظ ذیل کہ اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے" سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب قرآن کی تفصیل فرماتے ہیں۔ اور اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جو حصور نہیں فرمایا اس کی وجہ صرف یہی ناپاک قصے تھے۔ تو گویا خدا کے علم میں بھی مرزا صاحب کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام ان ناپاک قصوں سے ملوث تھے۔ کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حصور نہ کہا۔ اس عبارت سے چند نتیجے نکلتے ہیں۔ خدا خدائی کے قابل نہیں عیسیٰ علیہ السلام نبوۃ کے قابل نہیں۔ نبوۃ ایک ایسا مرتبہ ہے۔ کہ معاذ اللہ بدمعاش اور رنڈی بازوں کو مل جاتا ہے۔ اور اس سے تمام شریعت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور مرتد نبوۃ کی کھلی توہین ہے اس سے مرزا صاحب کافر اور مرتد ہوئے۔ لفظ حصور کے عدم استعمال کے متعلق جو اعتراض گواہان مدعا علیہ نے گواہان مدعیہ پر کیا تھا۔ وہ خود مرزا صاحب پر وارد ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے اعجاز احمدی میں یہ کہا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشگوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔ اور پھر کشتی نوح میں لکھتا ہے۔ کہ ممکن نہیں کہ تینوں کی پیشگوئیاں ٹل جائیں۔ آگے ازالہ اوہام ص ۳ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی جھوٹی پیشگوئیاں زیادہ نکلیں اور سچی کم۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی نہ تھے۔

اعجاز احمدی ص ۱۳ یا ۱۴ کی عبارت کے الفاظ مذکورہ بالا سے بھی نکلتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو صرف قرآن کے اعتبار پر سچا مانا گیا۔ ورنہ یہودیوں کو ان پر سخت اعتراض تھا۔ حاشیہ کتاب کشتی نوح ص ۶۵ کی عبارت سے عیسیٰ علیہ السلام کی صاف توہین ظاہر ہوتی ہے۔ جو کفر کی حد تک پہنچتی ہے۔ اس عبارت میں مخاطب بھی مسلمان ہیں۔"

جب مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے سے انکار کیا۔ اور خود اس منصب کو اپنے لیے تجویز فرمایا۔ عیسےٰ علیہ السلام سے اپنے آپ کو شان میں اعلیٰ اور افضل بتلایا۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ معجزات کہاں ہیں۔ جو ہر شان میں بڑھے ہوئے ہوں۔

اس وجہ سے مرزا صاحب کو اس کی ضرورت پڑی۔ کہ ان تمام معجزات کا بالکلیہ انکار کیا کہیں ان کو مسمریزم بتلایا کہیں شعبدہ بازی بتلایا کہیں بڑھیوں کے کھلونوں سے تشبیہ دی۔ کہیں قابل نفرت بتلایا۔ حالانکہ یہ تمام معجزات قرآن شریف میں مذکور ہیں۔ اور امت کا اس پر اعتقاد ہے۔

مگر مرزا صاحب نے سب کا انکار کر دیا۔ اور اس توہین سے سب کا فر ہوئے اور ان چیزوں کو مشرکانہ خیال فرما کر ساری امت کو بھی مشرک کہا جو ایک دوسری وجہ کفر کی ہے۔

مرزا صاحب نے نہ صرف دیگر انبیاء علیہم السلام کی توہین کی ہے۔ بلکہ خود حضور سرور عالم کی بھی توہین کی ہے۔ مثلاً تحریر کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے تین ہزار معجزات تھے۔ اور ان کے اپنے تین لاکھ۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے لیے معجزات کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ نشان کیا ہے معجزہ خارق عادت کو کہتے ہیں۔ مرزا صاحب براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۵۶ پر لکھتے ہیں کہ ان چند سطروں میں جو پیش گوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔ اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اول درجہ پر خارق ہیں۔

مرزا صاحب نے رسول اللہ صلعم کی عینیت کا دعوے کیا ہے۔ اور عینیت کا دعوے کرنا صریح کفر ہے۔ گو اہل فریق ثانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ یہ عینیت جسمانی نہیں تھی۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جسم دو تھے۔ اور روح ایک تھی۔ تو یہ عین تناسخ ہے۔ جو سب کے نزدیک باطل اور موجب کفر ہے اور اگر مرزا صاحب میں دو روحیں تھیں۔ تو کون سی روح تھی۔ اگر رسول اللہ صلعم کی تھی۔ تو نبوۃ اس روح کے ساتھ رہی۔ مرزا صاحب کو پھر نبی کہنا کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔ اس ضمن میں فریق ثانی کی طرف سے۔ فتوحات۔ مکتوبات وغیرہ سے۔ جو صوفیائے کرام کے اقوال پیش کیئے گئے ہیں۔ وہ بالکل بے محل اور مدعا علیہ کے کفر اور مدعیہ کے لیے مفید ہیں۔ اس لحاظ سے کہ جو حوالہ جات دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کی پہلی کی عبارت حذف ہے۔ بعض کی مابعد کی عبارت حذف ہے۔

اور بعض جگہ یہ مطلب لیا گیا ہے۔ جو مصنف کی تصریح کے بالکل خلاف ہے۔ بعض جگہ ترجمہ میں غلطی کی ہے۔ اس کے علاوہ کلیتہً تمام حوالوں کا جواب یہ ہے۔ کہ جس قدر عبارات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ

علیہم اجمعین کی نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک شخص بھی مدعی نبوت نہیں ہے۔ نہ مدعی رسالت ہے نہ مدعی وحی نبوت ہے۔ نہ مدعی وحی رسالت ہے انکی تصریحات بھری ہوئی ہیں۔ کہ کوئی ولی اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا ہو۔ اور امت محمدیہ میں سب سے افضل ہو۔ جیسا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیوں کی جماعت میں سے جو سب سے کمتر نبی ہیں۔ ان کا سر ان کے قدم کے نیچے رہتا ہے۔ یعنی کوئی ولی کتنے ہی اعلیٰ درجہ کا ہو۔ وہ نبیوں میں ادنیٰ مرتبہ کے نبی کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اس سے نیچے رہتا ہے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ افضل تو کیسے ہو سکتا ہے۔ مقام نبوۃ میں کوئی ولی جا نہیں سکتا۔ فوراً فنا ہو جائے گا۔ اعلیٰ درجہ کے جو بھی اولیاء ہیں ان کی حالت ایسی ہے۔ کہ جیسے ہم نیچے سے ستارے کو دیکھتے ہیں۔ مقام نبوت سے کسی ولی کو کوئی حصہ نہیں ملا۔

اب اگر کسی کے کلام میں کوئی ایسی بات ہو۔ مثلاً کہ میں فلاں نبی کے مقام میں گیا۔ یا کہہ دے کہ میں مقام محمود میں گیا تو ان کا مطلب ان کی حسب تصریحات یہی ہو سکتا ہے۔ کہ میں نے ان مقامات کی دور سے زیارت کی۔ یا جیسے کسی خاص تقریب کے وقت کسی خاص شاہی مکان کے دیکھنے کی۔ عام رعایا کو دیکھنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔

اور اس مکان کو جا کر دیکھتا ہے تو یہ کہنا اس کا صحیح ہے کہ میں اس مکان میں گیا۔ اس مکان میں بیٹھا۔ مگر اس کا یہ مطلب کبھی نہیں ہوتا کہ وہ اس مکان کا مالک ہے یا وہ اس کی جگہ ہے۔ یا وہ اس کا مدعی ہے یا وہ اس مرتبہ کے لائق ہے۔

جیسا حضرت مجدد صاحب نے فرمایا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام سرور عالم صلعم کے دسترخوان کے شریک اور ہم جلیس ہیں۔ اگرچہ سب آپ کے طفیلی ہیں مگر دوسرے اولیاء اللہ کر کل وہ پس خوردہ اور بقیہ کھانے والے ہیں مرزا صاحب مقام نبوت کے مدعی ہیں۔ وہ جس چیز کو اپنے لیئے ثابت کرتے ہیں۔ بطریق استحقاق۔ اور بطریق منصب ثابت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے کلام میں اگر کوئی ایسی چیز ہو گی۔ تو بے شک مرزا صاحب کا اس سے کفر اور ارتداد ثابت ہوگا۔ بخلاف دوسرے اولیاء کے۔ مرزا صاحب کے بھی بظاہر یہ الفاظ ہیں۔ کہ میری کوئی وحی قرآن کے مخالف نہیں۔ مگر مرزا صاحب کے یہ الفاظ ہی الفاظ ہیں کہ جن کے اندر معنی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ ص۸۶ ایام الصلح پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کے معنی بیان کرتے ہیں۔ بہرحال ان کا کلام معتبر ہوگا۔ لہذا جتنے حوالے فریق ثانی کی طرف سے مدعیہ کے خلاف پیش کیے ہیں۔ ان میں ایک بھی حوالہ ان کے لیے مفید نہیں۔

مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ تمام انبیاء علیہم السلام جناب رسول اللہ صلعم کی ایک ایک صفت میں ظلی تھے۔ اور مرزا صاحب تمام صفات میں ظلی ہیں جو کمالات کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ وہ مرزا صاحب میں مجتمعاً پائے جاتے ہیں۔ یہ عبارت قول فیصل سے نقل کی گئی تھی۔ اب تشحیذ الاذہان کے جلد ۱۰ صفحہ ۱۳ پر بھی یہی عبارت ہے۔

خطبۃ الہامیہ صفحہ ۱۹۳ پر مرزا صاحب انا فتحنا لک فتحا مبینا اور آیت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ ..... الخ صفحہ ۱۹۴ پر اپنے پیسے ثابت فرما کر معنی یہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ کی فتح سے مرزا صاحب کے زمانہ کی فتح بہت بڑی اور ظاہر ہے۔ مسجد حرام میں نور کامل نہ تھا۔ اور مسجد اقصیٰ یعنی مرزا صاحب کی مسجد کے گرد اگرد نور اس درجہ کامل ہو گیا ہے۔ کہ اس کے اوپر ترقی ممکن نہیں۔ حاشیہ در حاشیہ خطبہ الہامیہ صفحہ کی عبارت سے آدم علیہ السلام کی توہین ہوئی ہے گواہ مدعیہ ۳ نے تریاق القلوب صفحہ ۷۷ سے یہ ثابت نہیں کیا۔ کہ مرزا صاحب اس کے تناسخ کے قائل ہیں بلکہ اس سے اور قول فیصل کی عبارت سے یہ ثابت کیا ہے کہ مرزا صاحب جو اپنے آپ کو ظلی بروزی نبی کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کی نبوت محمدیہ سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ اور اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ یہ بالکل لغو اور بیہودہ خیال ہے۔ دوسرا رسول اللہ صلعم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے۔ اور خاتم النبیین آپ ہوئے۔ اس عبارت پر گواہ مدعا علیہ نے جو یہ کہا ہے۔ کہ اس سے تناسخ ثابت ہوتا ہے۔ اس سے کوئی تناسخ ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ گواہ ۳ نے تناسخ ثابت کیا ہے۔ جب عبارت مذکورہ بالا سے حضور سرور عالم صلعم کی توہین اور تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اور ان کی توہین بھی بہ ضرورت ثابت ہو گی۔ تو اب جس قدر اشعار گواہان مدعیہ نے توہین انبیاء علیہم السلام میں مرزا صاحب کے پیش کئے ہیں۔ ان سب کے معنی بجز توہین کے اور کچھ نہیں ہوتے۔ ۱۵ آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے نفخ صور ہو گا۔

مرزا صاحب نے ان تمام چیزوں کا بالکل انکار کر دیا ہے۔ یہ لفظ بے شک کہا ہے کہ حشر اجساد ہے۔ مگر جب جنتی جنت میں رہیں گے۔ اور دوزخی دوزخ میں رہیں گے۔ تو پھر قبر سے پھر کون نکلے گا اور نفخ صور سے جمع کس کو کیا جائے گا۔ اس بحث کو مرزا صاحب نے ازالہ میں مفصل بیان کیا ہے لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ یہ مسئلہ مسلم ضروریات دین سے ہے اور ایسا مسلم ہے۔ کہ مرزا صاحب اور ان کے متبعین اور گواہان مدعا علیہ بھی اس کا انکار نہ کر سکے۔

مگر محض الفاظ ہیں۔ معنی کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح سے اگر اور تمام ضروریات دین کا کوئی شخص انکار کر دے

اور لفظ وہی کہتا رہے۔ تو اسلام کا ایک رکن باقی نہیں رہ سکتا۔
اور اسلام چند الفاظ کا نام رہ جاتا ہے۔ اور یہ باتفاق کفر و ارتداد ہے۔ چونکہ حشر اجساد تقریباً
سو آیات سے زیادہ میں مذکور ہے۔ اور ایک آیت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ لہذا کم سے کم ایک وجہ یہ
مرزا صاحب کے کفر کی ہے۔ اور چونکہ قبروں سے اٹھنا بھی ضروریات دین سے ہے۔ اور قبروں سے
اٹھنے والے کروڑوں کیا اربوں ہیں۔ اور مرزا صاحب نے ہر ایک کا قبر سے اٹھنے کا انکار کیا لہذا بشمار
اس وجہ سے کافر اور مرتد ہوئے۔ پھر جب قیامت سے انکار ہے۔ تو حوض کوثر بھی ندارد۔ انا اعطینک الکوثر
سے بھی انکار ہوا اور یہ بھی کفر ہے۔ اس سے شفاعت کبری کے انکار کا بھی نتیجہ نکلتا ہے۔ اس عقیدہ سے
پل صراط بھی ندارد سمجھی جائے گی۔

شہادت القرآن صفحہ ۶۴ پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں نفخ صور سے مراد قیامت
نہیں۔ بلکہ اسلامی طاقت کا کم ہونا اور امواج فتنن کا اٹھنا۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ کسی مہدی اور مجدد کو لے
جاوے۔ صفحہ ۲۴ پر ہے۔ کہ لڑائیوں اور مباحثات کے شور اٹھنے پر نفخ صور ہوگا۔ چشم معرفت صفحہ ۸۶ پر
صور سے مراد مسیح موعود لیا گیا ہے۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۲ پر بھی یہی عبارت ہے۔

مدعا علیہا نے اپنے اقرار سے احمدی یا مرزائی مذہب کو قبول کیا ہے۔ اور مرزا صاحب کو ویسا ہی نبی
سمجھتا ہے۔ جیسے اور انبیاء علیہم السلام تھے اور نکاح کے وقت وہ اس مذہب پر نہیں تھا۔ گواہان مدعیہ
اور بحث سے یہ امر قرآن حدیث اجماع امت سے ثابت ہوگیا۔ کہ مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ سے فسخ ہوگیا
امکان نبوۃ کے سلسلہ میں جو آیات فریق ثانی کی طرف سے بیان کی گئی ہیں۔ ان سے صحابہ کرام سے لے کر
مرزا صاحب کے وقت تک کسی نے امکان نبوۃ کا استدلال نہیں کیا۔ قرآن کے محاورات میں رسول اللہ صلعم
کے زمانہ کے لوگوں کو یا ایہا الذین آمنوا اور یا ایہا الذین کفروا اور یا ایہا الناس :-
سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور یا بنی آدم سے تمام اولاد آدم مراد ہے۔ اس میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی تخصیص نہیں ہے۔ آپ صلعم پر اس آیت کا نازل ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کہ اس میں آپ
کے بعد کے انبیاء کا ذکر ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات بطور حکایت حال ماضیہ کے نازل ہوتی رہیں۔ پہلی آیت
فریق ثانی کی طرف سے سورۃ اعراف کی پیش کی گئی ہے۔ اور یہ قصہ آدم علیہ السلام کی ابتداء آفرینش سے
شروع کیا گیا ہے۔
اور امت محمدیہ صلعم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی واقعہ دوسرے پیرایہ میں سورۃ طہٰ میں نقل

کیا گیا ہے۔ کہ جب آدم علیہ السلام کو جنت سے اترنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ یہ حکم لگا دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آیت خود فریق ثانی سے ذریتہ آدم مراد ہے۔ نہ کہ امت محمدیہ۔ نہ اس کے متعلق کوئی سند فریق ثانی کی طرف سے پیش کی گئی۔ یا بنی آدم کا حکم جو رسولوں کے متعلق تھا۔ وہ آیت خاتم النبیین سے ختم ہو چکا۔ اس کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ابن جریر جو بہ تسلیم مرزا صاحب رئیس المفسرین ہیں انہوں نے یہ روایت پیش کی ہے۔ کہ یہ عہد جو آیت محولہ میں ہے۔ بعالم ذریتہ لیا گیا ہے۔ ابن جریر جلد ۸ صفحہ ۱۲۴ یہ آیت مکی ہے۔ خاتم النبیین والی آیت مدنی ہے۔ جو یقیناً اس کے بعد کی ہے۔ اس لیے اس دوسری آیت کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو ختم کر دیا۔

دوسری آیت اللہ یصطفی .... الخ کے استدلال میں فریق ثانی کی طرف سے حال اور استقبال دونوں مراد لئے گئے ہیں۔ جو درست نہیں۔ اور گواہ نے تسلیم کیا ہے۔ کہ دونوں معنی حقیقی ہیں اور مشترک میں دو معنی حقیقی مراد نہیں ہو سکتے۔ مضارع حقیقتاً استمرار کے لیے نہیں آتا۔ اختلاف کی صورت میں رسول اللہ صلعم نے یہ نہیں فرمایا کہ کوئی نبی آئے گا۔ بلکہ یہ کہا ہے۔ کہ اس وقت میری اور میرے خلفاء کی سنت پر عمل کرنا۔ یہ حدیث جرح میں فریق ثانی نے تسلیم کی ہے۔ گواہ مدعا نے صراط الذین انعمت علیہم کا ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ یعنی یہ کہ اے خدا تو ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر تیرا انعام ہوا۔ اس آیت سے اجراء نبوۃ کو کوئی تعلق نہیں ذریتہ کا لفظ جسمانی نسل پر بولا جاتا ہے۔ روحانی پر نہیں۔ اس لیے مرزا صاحب کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہ ہونے کی وجہ سے اس آیت کا اجراء نبوۃ پر کوئی اطلاق نہیں ہوتا۔ جہاں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے جو ظالم ہوں گے ان کو عہد نہیں پہنچے گا۔ اس آیت سے یہ بھی نکلتا ہے۔ کہ قیامت تک حضرت ابراہیم کی اولاد سے نبی ہوتے رہیں گے بلکہ ان کی اولاد میں ہونگے چنانچہ ہوئے اور خاتم النبیین پر ختم ہو گئے۔ جو بھی آیت میثاق کی پیش کی گئی ہے۔ اس آیت کے اندر رسول کے لفظ سے صرف رسول اللہ صلعم مراد لیے گئے ہیں۔ جو نبی آخر الزمان ہیں۔ اور یہی خبر حقیقت الوحی صفحہ ۱۳۰ میں درج ہے۔ رسول اللہ صلعم اس عہد میں داخل نہیں ہوئے۔ اس لیے اس آیت سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اس امت میں کوئی نبی آئے گا۔

اس ضمن میں جو دوسری آیت رسول اللہ صلعم سے عہد لینے کی پڑھی گئی ہے۔ اس سے یہ عہد مراد نہیں۔ بلکہ دوسرا عہد مراد ہے۔ جو عہد تبلیغ رسالت ہے۔ پہلا عہد رسول اللہ صلعم پر ایمان لانے کا عہد ہے۔

آیت فاولئک مع الذین ...... الخ میں معیت اور رفاقت کا ذکر ہے۔ درجہ اور منصب ملنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تائید میں ایک حدیث سچے تاجروں کے متعلق پیش کی گئی۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ معیت سے مراد نبوت نہیں۔ بلکہ صرف رفاقت ہے۔ اس آیت کا آخری حصہ وحسن اولئک رفیقا دلالت کرتا ہے۔ کہ معیت سے مراد رفاقت ہے۔ نبوت نہیں۔ رسول اللہ صلعم نے بھی اس قسم کی معیت سے رفاقت ہی مراد لی ہے۔ شان نزول اس آیت میں کا بتلاتا ہے کہ معیت سے رفاقت ہی مراد ہے۔ آیت ما کان اللہ لیذر المومنین... الخ سے یہ پہ نہیں نکلتا کہ خبیث اور طیب کی تمیز کے لیے نبی کی ضرورت ہے۔ اس میں علی ما انتم علیہ سے صحابہ مراد ہیں۔ اور یہ آیت انہیں کے زمانہ کے متعلق ہے۔

آیت کلا ھدینا ..... الخ میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ وہ آئندہ ایسا ہی ہدایت دیا کرے گا جس کو چاہیگا۔ اپنے بندوں میں سے یہ ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ اس میں بھی آئندہ نبوۃ اور رسالت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

آیت وعد اللہ الذین منکم ...... الخ میں منکم سے مراد صحابہ ہیں اور دوسرا خلافت فی الارض کے معنی نبی بنانے کے نہیں ہیں۔ خلافت ارضی کا لفظ ان نبیوں کے متعلق ہے۔ جو زمین میں حکمران بھی تھے۔

فریق ثانی نے داود علیہ السلام کو غیر تشریعی نبی کیا ہے۔ حالانکہ وہ تشریعی ہیں۔ ان پر زبور نازل ہوئی تھی۔ جن بنی اسرائیل کی خلافت ارضی کے ساتھ اس آیت میں ان لوگوں کو تشبیہ دی گئی۔ اس کے متعلق قرآن میں تصریح ہے۔ کہ بیت المقدس کی حکمرانی مراد ہے۔ نبوۃ وغیرہ نہیں۔ لہذا یہاں بھی حکمرانی مراد ہوگی۔ جو صحابہ کی خلافت سے پوری ہو چکی رسول اللہ صلعم کی نبوت عام ہے۔ سورت زمر کی آیتوں سے جو اجراء نبوت کا استدلال کیا گیا ہے۔ اس کے جواب کے لیے یہ کافی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کی نبوت آخر وقت تک قائم ہے اور جدید نبی کی ضرورت نہیں گواہ مدعا علیہ نے جو حدیث پیش کی ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقی طور پر نہیں مرزا صاحب سراج منیر صفحہ ۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایسے ہی وہ نبی کہہ کر پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لیے آیا ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ دوسری حدیث جو حضرت ابوبکر کی فضیلت میں نقل کی ہے۔ اس سے الا ان یکون نبی سے مراد وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حقیقی طور پر نبی بلکہ

بحیثیت مجدد امتی ہو کر آئیں گے۔ دوسری حدیث جو حجج الکرامہ سے پیش کی گئی ہے۔ وہ مثبت مدعا نہیں کیونکہ اس میں نبوت سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ کی نبوت ہے۔ بعد کے آنے والی نبوت نہیں مشکوٰۃ والی حدیث میں تبلیغ النبوۃ سے مراد خلافت نبوت کے طریق پر ہے۔ نہ کہ خود نبوت، پر یعنی نبی ہو سکے

دوسری حدیث جو مشکوٰۃ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت میں نقل کی گئی ہے۔ اس میں یہ ہے۔ کہ جنت کے تمام اولین و آخرین سے یہ دونوں افضل ہوں گے۔ سوائے نبیین اور مرسلین کے۔ یہاں دنیا میں نبی آنے کا کوئی ذکر نہیں۔

فریقین ثانی نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ جہاں کوئی مسئلہ قرآن اور حدیث میں مصرح نہ ملے وہاں فقہ حنفی پر عمل ہوگا۔ اور دوسرے گواہ نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ مسئلہ فسخ نکاح قرآن حدیث کا مصرحہ نہیں۔ تو یہ مسئلہ ان مسائل سے ہوا جن میں فقہ حنفی پر عمل ہوگا۔ اور فقہ حنفی کی عبارت شامی سے جرح میں بھی پیش ہو چکی ہیں۔ اور گواہان نے بھی پیش کیا کہ مرتد کے احکام میں سے نکاح کا فسخ ہونا ہے۔ گواہ ملا نے اپنی جرح یکم مارچ میں تسلیم کیا ہے۔ کہ اگر مرتد ہو جائے تو عام فتویٰ یہی ہے۔ کہ نکاح فسخ ہو جائے گا دوسرے گواہ نے ۲۱ مارچ کی جرح میں یہ کہا ہے۔ کہ تعامل یہ ہے۔ کہ فسخ سمجھا جائے گا۔

دستخط صاحب جلیس بحروف اردو

محمد اکبر۔

عدالت۔ بحث مدعیہ ختم ہے۔ مدعا علیہم کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بحث کے لیے تیار نہیں انہیں مہلت دی جاوے۔ کیونکہ بہت سی نئی باتیں ایسی پیش کی گئی ہیں۔ کہ جن کے لیے جدید حوالہ جات کی ضرورت ہے۔ اور وہ حوالہ جات اس وقت ان کے ہمراہ نہیں۔ وہ دکھلانا چاہتے ہیں۔ کہ وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ انہیں مہلت دی جاوے۔ اس غرض کے لیے مثل پرسوں پیش ہو۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء۔

دستخط صاحب جلیس بحروف اردو

محمد اکبر

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

انتباہ!

برائے حضرات قارئین کرام:

حضرات قارئین! ہم بطورِ انتباہ یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس بحث کو پڑھنے کے بعد جواب الجواب کا حصہ جو مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری کی طرف سے پیش کیا گیا اور چھ سو صفحات پر مشتمل ہے ضرور مطالعہ فرمائیں اگر آپ صرف یہ حصہ پڑھ کر جواب الجواب کا حصہ نہیں پڑھیں گے تو آپ علمی اقدار اور ایمانی جذبات پر بڑا ہی ظلم کریں گے اور عقلی و فطری تقاضوں کو پامال کریں گے کیونکہ اس قسم کی تحریرات کو مطالعہ کرنے والے پر عقلاً و فطرۃً لازم ہو جاتا ہے کہ دونوں پہلوؤں کو دیکھے اور ان کا تقابل کرے اور پھر فیصلہ کرے۔

ہم اجمالاً یہ بتا دینا چاہتے ہیں۔ یہ ساری بحث ایک فریب اور دھوکہ کا مرقع ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ تلبیس و مکر کا ایک جال ہے اس میں نہ دلائل ہیں اور نہ حقیقت سے کوئی واسطہ اور نہ ہی ان باتوں کو اصل بیانات پر بحث کہا جا سکتا ہے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد دعویٰ نبوت کو علماء ربانیین نے پہاڑوں کی طرح بلند و مضبوط دلائل سے کفر ثابت کیا تھا۔ اس تمام بحث میں اس کا ذرہ برابر بھی جواب یا اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکا۔ محض اپنے خیالات و اوہام کو اس انداز کے ساتھ پیش کیا ہے کہ عوام کو یہ تاثر دیں کہ علماء کی جماعت نے مرزائیت کا جو کفر ثابت کیا ہے ہم نے اس کا رد کر دیا اور جواب دے دیا ان کی یہ روش بالکل قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط

اور آدمیوں سے بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارہ میں بغیر کسی علم کے خصومت اور جھگڑا کریں جن کے پاس نہ علم ہے نہ ہدایت اور نہ روشن کتاب و دلیل وہ اپنی جانب کو پھیرے ہوئے (مسخ و تحریف میں مبتلا ہے) تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے۔

اللہ رب العزت امت کو ہر گمراہی سے بچائے حق کو سمجھنے اور اس کو اختیار کرنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ رب العزت ہر شر اور فتنہ سے اور بالخصوص فتنۂ مسیح الدجال سے محفوظ رکھے ۔ آمین یارب العلمین

ناچیز نے اپنی پوری ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ حضرات قارئین کو اس بات پر متنبہ کرنا ضروری سمجھا اور دیانت کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مقدمہ میں فضیلت مخالف نے جو کہا ادارہ کو اس کی اشاعت کی تاکید کی تاکہ لیل و نہار کا فرق دیکھ لیا جائے اور حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہان پوری کی بحث کو پڑھ کر یہ فرمان خداوندی ذہن و دماغ میں رچ جائے :

بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هوا زاهق

کہ بلکہ ہم تو اسی طرح حق کو باطل کے اوپر دے مارتے ہیں پھر وہ حق (اپنی ضرب سے) باطل کا بھیجا نکال ڈالتا ہے اور ناگہاں (ہر ایک دیکھ لیتا ہے کہ) باطل مٹ چکا اور نیست و نابود ہو گیا ۔

تو یہ جواب الجواب الحمد للہ حق و صداقت اور ایمان و توحید کا ایک بھاری اور مضبوط گرز ہے جس سے باطل کی قائم کی ہوئی چٹانیں پاش پاش ہو گئیں ۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ وَصَلَّى اللّٰهُ على صفوة البرية خاتم الانبياء والمرسلين سيدنا ومولانا محمد وعلى اله واصحابه اجمعين ۔

احقر محمد مالک کاندھلوی

شیخ الحدیث ، جامعہ اشرفیہ

لاہور

سرپرست اعلیٰ اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

——— لاہور

بحث تحریری مدعا علیہ

مدخلہ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۳ء لغایت ۵ مارچ ۱۹۳۴ء

عقائدِ جماعتِ احمدیہ

گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں بالوضاحت یہ ثابت کر دیا ہے کہ مدعا علیہ پکا مسلمان اور مومن ہے اور ضروریات دین سے کسی ضروریت حقہ کا قطعاً منکر نہیں ہے۔ اس طرح اس کے مطاع و مقتدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی تمام جماعت شریعت کی رو سے کسی اسلامی عقیدہ کی منکر نہیں ہے۔ اور شریعت کی رو سے جن باتوں کو ماننے اور کرنے سے ایک انسان مسلمان اور مومن ہوتا ہے۔ وہ سب باتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ اور بقول مسیح موعود علیہ السلام وہ ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں۔ ؎

ما مسلمانیم از فضل خدا !! — مصطفیٰ ما را امام و مقتدا !
اندریں دیں آمدہ از مادریم ! — ہم بریں از دار دنیا بگذریم !
آں کتاب حق کہ قرآں نام اوست — بادۂ عرفانِ ما از جام اوست !
آں رسول کش محمد ہست نام — دامنِ پاکش بدست ما مدام !
اقتدائے قول او در جانِ ماست — ہر چہ زو ثابت شود ایمانِ ماست

(سراج منیر مطبوعہ ۱۸۹۷ء و ضرورۃ الامام ٹائٹل)

جن امور کے ماننے یا کرنے سے شریعت اسلامی کی رو سے کوئی انسان مسلمان و مومن ہو سکتا ہے وہ گواہان مدعا علیہ نے قرآن مجید اور احادیث و فقہ کی رو سے بالتفصیل اپنے بیانات میں ذکر کر دیئے ہیں۔ خلاصہ کے طور پر (۱) امور کا ذکر کرتا ہوں (۱) خدا تعالیٰ پر ایمان (۲) ملائکہ پر ایمان (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان (۴) اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان (۵) آخرت پر ایمان (۶) قضاء و قدر پر ایمان (۷) کلمہ شہادتین کا اقرار (۸) نماز کا قیام (۹) زکوٰۃ کی ادائیگی (۱۰) روزہ ماہ رمضان (۱۱) بشرط استطاعت حج بیت اللہ :۔

اور یہ امور مندرجہ ذیل آیات و احادیث سے ثابت ہیں :۔

(۱) والذین یؤمنون بالغیب (الیٰ) المفلحون (بقرہ ع ۱) (۲) اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احدٍ من رسلہ (بقرہ ع ۴۰) (۳) عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمسٍ شہادۃِ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ

واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان ۔

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم کتاب الایمان) (۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث بخاری ومسلم میں مروی ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر حضورؐ سے چند سوال کئے اور حضورؐ نے ان کے جوابات دیئے ۔ جبرئیل علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے ۔ جاء یعلمکم دینکم ۔ جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے ۔ ان کے سوالوں میں سے ایک سوال ایمان کے متعلق اور ایک اسلام کے متعلق بھی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کے سوال

(ما الایمان) پر فرمایا ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ و الیوم الاٰخر و

تومن بالقدر خیرہ وشرہ اور سوال (ما الاسلام) کے جواب میں فرمایا الاسلام ان تشھد

ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہِ وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتصوم

رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا ۔

(مشکوٰۃ ص۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی کتاب الایمان)

چنانچہ گواہ مدعیہ ۳ جرح کے جواب میں ان کو تسلیم کر چکا ہے ۔

اور کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ۔ چنانچہ فقہ اکبر مع شرح طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن کے ص۳ پر ہے ۔

اصل توحید ومایصح الاعتقاد علیہ یجب ان یقول اٰمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ

والبعثِ بعد الموت والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والحساب والمیزان والجنۃ

والنار حق کلہ ۔ ———— پھر اس کے ص۲۴ پر اس کی شرح میں جو ابو منصورؒ محمد بن

محمد حنفی ماتریدی سمرقندی نے کی ہے ۔ لکھا ہے ۔ فمن اراد ان یکون من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فقال بلسانہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ وصدق بقلبہ معناہ فھو مؤمن وان لم یعرف

الفرائض والمحرمات ———— چنانچہ یہ سب باتیں بفضلہ تعالےٰ جماعت احمدیہ میں

پورے طور پر پائی جاتی ہیں اور احمدی ان پر عامل ہیں ۔ اور یہی عقائد واعمال بانی جماعت احمدیہ علیہ التحیۃ کے تھے ۔

اور آپنے انہی کے ماننے اور کرنے کی اپنی جماعت کو تلقین کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ۔

(۱) " اے بزرگو! اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو! خدا آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے ۔ غیظ وغضب میں آکر حد سے مت بڑھو ۔ میری اس کتاب کے دونوں حصوں کو غور سے پڑھو کہ ان میں نور اور ہدایت ہے ۔ خدا تعالےٰ سے ڈرو اور اپنی زبانوں کو تکفیر سے تھام لو ۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں ۔

اٰمنت باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والبعث بعد الموت واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ فاتقوا اللّٰہ ولا تقولو الست مسلماً واتقوا الملک الذی الیہ ترجعون۔ (ازالہ اوہام حصہ اول صہ ۲ سنہ ۱۸۹۱ء)

(۲) "اور خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو اہل سنت والجماعت مانتے ہیں۔ اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں۔" (آسمانی فیصلہ صہ ۳۔ ۸ دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء)

(۳) پھر فرماتے ہیں۔ "ہم وہ لوگ ہیں جن کا مقولہ ہے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ آمنا باللّٰہ وملٰئکتہ ورسلہ وکتبہ والجنۃ والنار والبعث بعد الموت۔ یعنی ہم ایمان لائے ہیں خدا تعالےٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر اور جنت و نار پر اور حشر و نشر پر۔"

(انوار الاسلام صہ ۳۴ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۵ء)

(۴) فرماتے ہیں:

"التعلیم للجماعۃ لا یدخل فی جماعتنا الا الذی دخل فی دین الاسلام واتبع کتاب اللّٰہ وسنن نبینا خیر الانام وآمن باللّٰہ ورسلہ الکریم الرحیم وبالحشر والنشر والجنۃ والجحیم ویعد ویقر بانہ لن یبتغی دیناً غیر دین الاسلام ویموت علیٰ ھذا الدین دین الفطرۃ متمسکا بکتاب اللّٰہ العلام۔ ویعمل بکل ما ثبت من السنۃ والقرآن واجماع الصحابۃ الکرام۔" (مواہب الرحمٰن صہ ۹۶ سنہ ۱۹۰۳ء)

یعنی ہماری جماعت میں سے وہی ہو سکتا ہے جو دین اسلام میں داخل ہو اور خدا تعالےٰ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرے اور اللّٰہ پر اور اس کے رسول کریم و رحیم پر ایمان لائے۔ اور ایمان لائے حشر و نشر اور جنت و نار پر۔ اور وعدہ کرے اور اقرار کرے کہ وہ بجز اسلام کو کسی اور دین کو ہرگز اختیار نہ کرے گا۔ اور مرے گا اسی دین پر مضبوط پکڑتے ہوئے خدائے علیم کی کتاب کو۔ اور کہ عمل کرتا رہے گا ہر اس چیز پر جو ثابت ہو سنت نبویؐ اور قرآن پاک سے اور صحابہ کرام کے اجماع سے۔

(۵) اور آپ تقدیر کے متعلق اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "خدا کی قضاء و قدر پر ناراض نہ ہو۔ سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی آگے قدم رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے۔" (کشتی نوح صہ ۱۴)

پھر فرماتے ہیں ؎

قبضۂ تقدیر میں دل ہیں اگر چاہے خدا ! پھیر دے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار

ان حوالوں کے علاوہ دیگر حوالجات کے لیے جن میں عام عقائد و اعمال کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو نور الحق حصہ اوّل صہ ۵ اور کشتی نوح صہ ۱۴ اور تبلیغ رسالت جلد ۲ صہ ۲۱ اور التبلیغ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۸۷ ، ۳۸۸ اور کتاب مواہب الرحمان صہ ۶۸ اور ایام الصلح صہ ۸۶ ، ۸۷ ان سب حوالجات کے لیے دیکھنا چاہیئے مطبوعہ بیان گواہ ملا مدعا علیہ صہ ۴ تا ۷)

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال اس امر میں بالکل واضح ہیں کہ آپ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ از روئے شریعت اسلام کسی مسلمان مومن میں جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہ جماعت احمدیہ اور بانیٔ جماعت میں من کل الوجوہ پائی جاتی ہیں۔ تو اس سے احمدی مدعا علیہ کا قطعی طور پر مسلمان ہونا ثابت ہے۔

(۱)

مختار مدعیہ کا اعتراض

مختار مدعیہ نے حوالجات منقولہ بالا کے متعلق ۱۰ اکتوبر کی بحث میں یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ مدعا علیہ کے گواہوں نے مرزا صاحب کے بعض حوالجات جن میں اسلامی عقائد ماننے کا اقرار ہے۔ کل نو پیش کئے ہیں۔ جن سے بتایا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے عقائد بھی مسلمانوں کے ہیں۔ یہ ہمارے لیے مفید ہیں۔ کہ پہلے تو وہ مسلمان تھے۔ لیکن بعد میں ان عقائد سے پھر گئے۔ جب تک مرزا صاحب کے دماغ میں نبوت کا خیال نہیں تھا۔ اور دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس وقت تک یہ اسلامی عقائد کے بڑھ چڑھ کر دعاوی ہیں۔ مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء میں دعویٰ نبوت کیا اور پیش کردہ کتب ۱۹۰۱ء سے پہلے کی ہیں۔

سو یہ مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنی جہالت کا اعتراف۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ نے جن کتب کے حوالجات پیش کئے ہیں۔ ان میں ۱۸۹۱ء کے بعد کی کتب کے حوالے بھی درج ہیں۔ جب کہ بقول گواہ مختار مدعیہ ۲ حضرت مسیح موعود مسلمان نہیں رہے تھے۔ کیونکہ اس نے ۲۴ راگست کو بجواب سوالِ عدالت تسلیم کیا ہے کہ ازالہ اوہام کی تالیف تک مرزا صاحب مسلمان تھے۔ اور ازالہ اوہام ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے۔ اس لیے ۱۸۹۱ء کے بعد کی کتب کا حوالہ جب کہ گواہ مدعیہ ۲ کے نزدیک حضرت مسیح موعود ۴ مسلمان نہیں رہے تھے۔ اور نیز ان حوالجات میں ایک حوالہ مواہب الرحمان مطبوعہ ۱۹۰۳ء کا اور ایک حوالہ کشتی نوح مطبوعہ ۱۹۰۲ء کا بھی ہے۔ جو ۱۹۰۱ء کے بعد لکھی گئی ہیں جبکہ بقول مختار مدعیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کر دیا تھا۔ اور کافر ہو گئے تھے۔ لیکن حق بر زبان جاری مختار مدعیہ کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ ان حوالجات میں جن عقائد کا ذکر ہے۔ ان سے واقعی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ اسلامی عقائد ہیں۔ مگر یہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے ہیں۔ اس لیے ان سے استدلال کرنا درست نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ گواہان مدعا علیہ کا استدلال اسی صورت میں غلط ثابت ہو سکتا ہے کہ مختار مدعیہ ۱۹۰۱ء کے بعد کی کتابوں سے ان کی تردید دکھا دیتا۔ مگر چونکہ وہ کوئی تردید پیش نہیں کر سکا اس لیے یہ حوالجات بدستور

قائم ہیں اور گواہان مدعا علیہ کا ان سے استدلال کرنا بالکل صحیح اور برمحل ہے۔

پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے مواہب الرحمان مطبوعہ ۱۹۰۳ء پیش کی گئی ہے۔ لیکن مدعیہ کی طرف سے کفریہ عقائد ثابت کرنے کے لیے بدر ۵ / مارچ ۱۹۰۸ء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے (یہ اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔ شمس) اور توحید کے خلاف ۱۵ / مئی ۱۹۰۷ء (یعنی حقیقۃ الوحی۔ شمس) کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کی کوئی تحریر مدعا علیہ کی طرف سے پیش نہیں کی گئی۔ جس میں ایمان کا اقرار اور عقائد کفریہ سے انکار ہو۔

گواہان مدعا علیہ نے جو حوالے پیش کیے ہیں ان میں جن عقائد کا ذکر ہے۔ انہی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخر تک قائم رہے۔ اور ان کی تردید مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی کسی کتاب سے پیش نہیں کی۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ آخر تک آپ کے وہی عقائد رہے جو اپنی پہلی کتابوں میں لکھ چکے تھے۔ اور اس بات کو ہر عقلمند آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک شخص اپنے عقائد اپنی کسی کتاب میں بیان کردے اور پھر اس کے بعد کی کسی کتاب میں ان کی تردید نہ کرے تو اس کے وہی عقائد سمجھے جائیں گے جو اس نے اپنی پہلی کتاب میں لکھے تھے۔ لیکن اس واضح جواب کا ہوتے ہوئے بھی مختار مدعیہ کی تسلی نہ ہو تو اس کے لیے میں حقیقۃ الوحی جو ۱۹۰۷ء میں چھپی ہے اور چشمہ معرفت جو ۱۵ / مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی چند تحریریں ذیل میں لکھ دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ آیت الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ سے لے کر مفلحون۔ تک لکھ کر فرماتے ہیں: "خدا ان آیات میں فرماتا ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں کہ جو پوشیدہ خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اور اپنے مالوں میں سے کچھ خدا کی راہ میں دیتے ہیں۔ اور قرآن شریف اور پہلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں وہی ہدایت کے سرپر ہیں۔ اور وہی نجات پائیں گے۔ ان آیات سے یہ تو معلوم ہوا کہ نجات بغیر نبی کریم پر ایمان لانے اور اس کی ہدایات نماز وغیرہ کے بجالانے کے نہیں مل سکتی۔ اور جھوٹے ہیں وہ لوگ جو نبی کریم کا دامن چھوڑ کر محض خشک توحید سے نجات ڈھونڈتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۳-۱۳۴)

اور فرماتے ہیں: "اللہ وہ ہے جس نے حضرت محمد صلعم کو بھیجا لہذا یہ ضروری ہے۔ کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاوے تبھی اس کا ایمان معتبر اور صحیح سمجھا جائے گا۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاوے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۲)

اور فرماتے ہیں: "میرا یہ ذاتی تجربہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچے دل سے پیروی کرنا اور آپ سے محبت رکھنا انجام کار انسان کو خدا کا پیارا بنا دیتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۵)

اور فرماتے ہیں: "پس گناہ سے محفوظ رہنے اور صدق اور وفاداری اور محبت میں ترقی کرنے کے لیے جس امر کو تلاش کرنا چاہیے وہ محض اسلام میں موجود ہے۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۲۹۸)

اور فرماتے ہیں " اس نے (یعنی خدا نے۔ شمس) محض اپنے فضل سے نہ میرے کسی ہنر سے مجھے یہ توفیق دی ہے۔ کہ میں اس کے عظیم الشان نبی اور اس کے قوی الطاقت کلام کی پیروی کرتا ہوں اور اس سے محبت رکھتا ہوں۔ اور وہ خدا کا کلام جس کا نام قرآن شریف ہے۔ جو ربانی طاقتوں کا مظہر ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں " (مضمون ملحقہ چشمۂ معرفت ص۴۰)

اور فرماتے ہیں " ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لیے ہم خدا تعالےٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں۔ تا وہ اس بات کا نشان ہو کر جو کچھ ہمیں ملتا ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ہم ہر ایک امر میں اسی ذریعہ سے فیضیاب ہیں" (چشمۂ معرفت ص۲۱۰)

اور آیت اٰمن الرسول بما انزل الیه من ربه جس میں تمام ایمانیات کا ذکر ہے اور جسے گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں قرآن مجید سے ایمانیات ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مضمون ملحقہ چشمۂ معرفت ص۶ میں مع ترجمہ تحریر فرمایا ہے۔ اور ہندوؤں کو اسلام کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرمایا ہے:

" ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لائیں کہ

لا الٰه الا الله محمد رسول الله

اور حقیقۃ الوحی سے جو امور مختار مدعیہ نے اپنی کمال نادانی سے خلاف توحید سمجھ کر پیش کیے ہیں۔ اکثر ان سے براہین احمدیہ میں موجود ہیں جب کہ گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ کے نزدیک بھی آپ مسلمان تھے۔ جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مدعیہ کی طرف سے بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جس میں دعوے نبوت کا ذکر ہے لیکن مدعا علیہ کی طرف سے اس کے بعد کی کوئی تحریر پیش نہیں کی گئی۔ صریح جھوٹ ہے۔ کیونکہ مدعا علیہ کی طرف سے اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کا حوالہ پیش کیا گیا۔ اور یہ ایک خط ہے جو آپ نے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اپنی وفات سے تین دن قبل ایڈیٹر اخبار عام کے نام تحریر فرمایا۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:۔

" میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنیٰ ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلامیہ کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔ اور جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالےٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے۔ اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے۔ اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ

زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے۔ کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا۔ اور انہیں امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہو گا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے۔ تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔ مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں۔ یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شوشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔ صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیشین گوئی کرنے والا۔ اور بغیر کثرت کے یہ معنے تحقیق نہیں ہو سکتے ان معنوں سے میں نبی ہوں اور امتی بھی ہوں تا کہ ہمارے سید و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح امتی بھی ہو گا۔ اور نبی بھی ہو گا۔"

یہ آخری مکتوب ہے۔ جو اپنی وفات سے تین دن پیشتر آپ نے تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے صاف طور پر تحریر فرمایا ہے "میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کی مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شوشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے"۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سید و آقا بیان فرمایا۔ اور ہر ایک بات سے جس کی وجہ سے اسلام سے قطع تعلق ہو بیزاری کا اعلان فرمایا۔ پس اس آخری تحریر سے ثابت ہے کہ آپ کا مذہب سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں تھا۔ اور مدعا علیہ کو بھی اقرار ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ جیسا کہ جواب دعوے سے ظاہر ہے۔ اس لیے دعویٰ مدعیہ خارج ہونا چاہیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات پر اعتراضات

مذکورہ بالا حوالجات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ توحید باری کے متعلق بالکل واضح ہے۔ لیکن مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات سے غلط مفہوم لے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ آپ اسلامی توحید کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کے ساتھ شریک اور اس کی مانند ٹھہراتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کو ایسی صفات سے متصف مانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے شایاں نہیں ہیں۔

(۱)

میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں۔ (کتاب البریہ ص۷۸)

مختار مدعیہ نے اس کشف سے یہ استدلال کیا ہے کہ بانی جماعت احمدیہ (نعوذ باللہ) خدا ہونے کے مدعی ہے۔

کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں الوہیت نہیں ہو سکتی ولی ہو یا نبی اور ایسا شخص جو یہ کہتا ہو وہ اگر کروڑ مرتبہ بھی لا الٰہ الا اللہ کہے تو وہ قابل قبول نہیں۔ اس لیے مرتد ہوا اور اس کا نکاح فسخ ہونا چاہیئے۔

حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کشف اور رؤیا سے یہ کبھی نہیں سمجھا کہ آپ خدا بن گئے ہیں اور نہ کبھی آپ نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

یہ ایک نہایت رکیک اور ذلیل مغالطہ ہے جو روز روشن میں عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس امر کو مختار مدعیہ نے حضرت اقدس ؑ کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ آپ کا عقیدہ نہیں بلکہ وہ ایک رؤیا ہے۔ چنانچہ جو الفاظ مختار مدعیہ نے آئینہ کمالات اسلام سے پڑھے ہیں ان میں بھی یہ امر موجود ہے کہ "میں نے خواب میں دیکھا اور خواب میں ہی میں نے یقین کیا کہ میں خدا ہوں"۔ کیا یہ عبارت صاف طور پر نہیں بتاتی کہ اس سے پہلے کشف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے اپنی خدائی کا دعویٰ کا اظہار مقصود نہیں۔ بلکہ ایک کشف اور رؤیا ہے جو تعبیر طلب ہے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ جو امر خواب میں دیکھا جائے وہ حقیقت پر محمول کیا جانا ضروری نہیں۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ چاند، سورج، ستارے مجھے سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا یٰابت انی رأیت احد عشر کوکباً والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین (یوسف ع ۱) اے میرے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو اپنے لیے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اور آیت الم تر انّ اللہ یسجد لہ من فی السمٰوٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم۔ (الحج)

سے ثابت ہے کہ ستارے اور سورج و چاند صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور کسی کے لیے نہیں۔ تو کیا مختار مدعیہ یہاں بھی یہ نتیجہ نکالے گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو رؤیا میں سورج، چاند اور ستاروں کو اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا تو انہوں نے درحقیقت خدائی کا دعویٰ کیا۔

(۲) اصل بات یہ ہے کہ رؤیا میں ایسے نظارے دکھلائے جاتے ہیں۔ جو عالم اعیان میں اگر ہوں تو شریعت کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رؤیا میں دیکھنا کہ آپ کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ہیں (بخاری کتاب الرؤیا مسلم الجزء الثانی ص۲۴۲ کتاب الرؤیا) حالانکہ سونے کا پہننا مرد کے لیے ناجائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

(۳) اسی طرح ارشاد رحمانی میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے متعلق ان کے مرید دیوبندیوں کے مسلم مقتدا مولوی محمد علی مونگیری لکھتے ہیں "کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اپنی والدہ سے صحبت کی اور اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر ہم بہت گھبرائے۔ حضرت سے عرض کیا۔ فرمایا کہ اس خواب کو دیکھنے والا ولی ہوگا۔ ماں کی صحبت سے اشارہ

خاکساری ہے ۔اور بھائی کے قتل سے مراد نفس کا مار ڈالنا ہے ۔صوفیہ نے لکھا ہے کہ تا ازماد رخود جفت نشو د د براد رخود نہ کشند کامل نشود ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت عٔ عرصہ ہوا والدہ سے صحبت کرتے ہوئے تو میں نے بھی اپنے آپ کو دیکھا تھا مگر بھائی کا قتل کرنا مجھے یاد نہیں پڑتا فرمایا کہ اتنی ہی کسر ہے ۔'' (ارشاد رحمانی وفضل یز دانی صہ ۵۷)

(۴) اور بھی ایسی مثالیں بہت سی موجود ہیں ۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رأیت ربّي في صورة شاب امرد قطط له وفرة من شعرو في رجليه نعلان من ذهب (الحدیث) ۔

(الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ ۔ نیز احادیث المصنوع فی احادیث الموضوع صہ۱۳ مطبع فاروقی دہلی) کہ میں نے اپنے رب کو ایک بے ریش جوان کی شکل میں دیکھا جس کے بال کان کی تونک پہنچے ہوئے تھے اور اس کے پاؤں میں سونے کا جوتا تھا ۔اور اس کے متعلق المصنوع فی احادیث الموضوع الامام العلامۃ نور الدین علی بن سلطان القاری الہروی مطبوعہ مجتبائی صہ ۱۳ میں لکھا ہے کہ "حدیث ابن عباس صحیح لا ینکرہ الا معتزلی ۔"

کہ ابن عباس رضؓ کی یہ حدیث صحیح ہے اور سوائے معتزلہ کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا ۔اور علامہ محمد طاہر بھی فرماتے ہیں کہ حدیث " رأیت ربي في صورة شاب له وفرة صحیح "

(زندکرۃ الموضوعات بر حاشیہ المصنوع فی احادیث الموضوع صہ۷ یعنی یہ حدیث صحیح ہے)

کیا مختار مدیبہ حضرت یوسف علیہ السلام اور خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیا کے متعلق بھی یہی کہے گا کہ نبیوں کا خواب چونکہ وحی ہوا کرتا ہے ۔لہٰذا حقیقت پر محمول ہونا چاہیئے ۔اور وہ یہ تسلیم کرے گا کہ اللہ تعالے بے ریش نوجوان کی صورت میں ہے ۔اور سونے کے جوتے پہنا کرتا ہے ۔اور یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد تھا؟ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

"ایسے کشوف اور حالات دوسروں پر بھی گذرے ہیں "

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صرف یہی ظاہر نہیں کر دیا کہ یہ خواب ہے بلکہ آئینہ کمالات اسلام میں اس رؤیا کا ذکر کرکے فرماتے ہیں ۔" رأیتني في المنام انى عين الله کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو خدا دیکھا واعنی بعین الله رجوع الظل الى اصله وغیبوبته فیه کما یجری مثل هذه الحالات في بعض الاوقات على المحبين ۔"

(آئینہ کمالات اسلام صہ ۵۶۴)

یعنی اپنے آپ کو عین اللہ دیکھنے سے ظل کا اپنے اصل کی طرف رجوع اور اس میں غائب اور محو ہو جانا مراد ہے جیسا کہ اس قسم کے حالات بعض اوقات عاشقانِ الٰہی پر طاری ہو جاتے ہیں ۔مطلب یہ کہ یہ واقعہ آپ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے مقربان بارگاہ الٰہی بھی اس سے مشرف ہوتے رہتے ہیں ۔چنانچہ جیسے آپ نے اس رؤیا میں یہ دیکھا ہے

حاشیہ : ۔ ۱؎ اعلیٰ حضرت سے مقصود شاہ محمد آفاق قدس سرہ ہیں ۔ (ارشاد رحمانی صہ ۴۸)

کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا۔ اور میں ایک سوراخ دار برتن کی طرح ہوگیا ہوں یا اس شے کی طرح جسے کسی دوسری شے نے اپنی بغل میں دبالیا ہو اور اسے اپنے اندر بالکل مخفی کرلیا ہو۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہ گیا ہو۔ اس اثناء میں میں نے دیکھا کہ اللہ تعالےٰ کی روح مجھ پر محیط ہوگئی اور میرے جسم پر مستولی ہوکر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کرلیا ہے۔ یہاں تک کہ میرا کوئی بھی ذرہ باقی نہ رہا اور میں نے اپنے جسم کو دیکھا کہ میرے اعضاء اس کے اعضاء اور میری آنکھ اس کی آنکھ اور میرے کان اس کے کان اور میری زبان اس کی زبان بن گئی تھی۔ میرے رب نے مجھے پکڑا اور ایسا پکڑا کہ میں بالکل اس میں محو ہوگیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی قدرت اور قوت مجھ میں جوش مارتی اور اس کی ربوبیت مجھ میں موجزن ہے۔ حضرت عزت کے خیمے میرے دل کے چاروں طرف لگائے گئے۔ (عربی الفاظ) وضربت حول قلبي سرادقات الحضرة ودقّ نفسي سلطان الجبروت) سو نہ تو میں رہا اور نہ میری کوئی تمنا باقی رہی۔ میری اپنی عمارت گر گئی۔ اور رب العالمین کی عمارت نظر آنے لگی۔ (عربی عبارت) انهدمت عمارة نفسي كلّها وتراءت عمارات ربّ العالمين وانمحت اطلال وجودي وعفت بقايا انانيتي وما بقيت ذرة من هويّتي)

میں اس وقت یقین کرتا تھا کہ میرے اعضاء میرے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے اعضاء ہیں اور میں خیال کرتا تھا کہ میں اپنے سارے وجود سے معدوم اور اپنی ہویّت سے قطعاً نکل چکا ہوں۔ اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو پہلے تو میں نے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشائے حق کے موافق اس کی ترتیب وتفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمانِ دنیا کو پیدا کیا اور کہا کہ إنّا زيّنّا السماء الدنيا بمصابيح "۔ (کتاب البریہ ص۷۹)

یہ وہ کشف ہے جس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا ہے۔ ایسا ہی حضرت سید عبدالکریم جیلی اپنی کتاب الانسان الکامل جلد ا صفحہ ۴۴ میں فرماتے ہیں۔

ومنهم اي من اهلِ تجلي الصفات من تجلّى الله عليه بصفة القدرة وتكوّنت الاشياء بقدرته في العالمِ الغيبي وكان على انموذجه في العالمِ العيني وفي هذا التجلّي سمعتُ صلصلة الجرسِ فانحلّ تركيبي واضمحلّ رسمي وانمحى اسمي فكنتُ لشدة ما لاقيتُ مثل الخرقة البالية المعلقة في الشجرة العاليةِ تذهبُ بها الرّيح الشديدة شيئًا فشيئًا لا ابصر شهودًا الا برقًا ورعودًا وسحابًا يمطر بالانوار وبحارًا تموج بالنارِ والتفتِ السماءُ

والارضُ وانا فی الظلماتِ بعضُها فوق بعضٍ فلم تزل القدرۃ تخترع بی ماھو الاقویٰ فالاقوی وتخترق بی ماھو الاھوی فالاھوی الیٰ ان ضرب الجلالُ علیّ سرادق المتعال ولج جمل الجمال فی سم الخیال ففتق فی المنظر الاعلی رتق الید الیمنی فحینئذٍ تکوّنتِ الاشیاء وزال العماء ولودی بعد ان استوی الفُلک علی الجودیّ ایھا السماء والارض ائتیا طوعًا او کرھًا قالتا اتینا طائعین"۔

ترجمہ :- اور ان کاملین میں سے جن پر الہٰی صفات کی تجلی ہوئی وہ بھی ہیں۔ جن پر خدا تعالےٰ نے صفت قدرت کی تجلی فرمائی جس سے اشیاء عالم خارجی کے نمونہ پر عالم غیبی پر ہویدا ہوئیں پھر کہتے ہیں۔ کہ جب مجھ پر یہ تجلی ہوئی تو میں نے گھنٹی کی آواز سنی۔ پس میرے جسم کی ترکیب و بناوٹ جاتی رہی۔ اور میں اپنے سارے وجود سے معدوم ہوگیا۔ میرا نام ونشان باقی نہ رہا۔ اور اس دباؤ کی شدت کے سبب میں ایک بلند درخت میں لٹکے ہوئے چیتھڑے کی طرح ہوگیا جس کو تند ہوا تھوڑا تھوڑا کر کے اڑائے لے جا رہی تھی۔ میں ظاہر میں سوائے چمکوں اور گرجوں کے کوئی چیز نہ دیکھتا تھا۔ اور بادل انوار برسا رہا تھا اور سمندر آگ میں موجیں مار رہا تھا۔ اور آسمان اور زمین ایک دوسرے میں داخل ہو کر مل گئے اور میں سخت اندھیروں میں ہوگیا۔ پس قدرت میرے ذریعہ سے اقوی چیز بناتی گئی اور محبوب سے محبوب چیزوں کو پھاڑتی گئی۔ یہاں تک کہ حضرت عزت و جلال کے خیمے مجھ پر لگائے گئے۔ . . . . . پس اس وقت اشیاء پیدا ہوئیں اور بادل جو دھواں سا تھا صاف ہوگیا۔ اور بعد اس کے جو کشتی جودی مقام پر ٹھہر گئی آواز دے گئی کہ اے آسمان اور زمین تم دونوں طوعاً یا کرہاً میری اطاعت کرو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم بخوشی خاطر اطاعت کرتے ہیں۔

یہ کشف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف سے جس پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔ بالکل ہی مطابق ہے۔ کیا مختار مدعیہ اس پر بھی یہی استدلال کرے گا کہ حضرت سید عبدالکریم جیلی نے خدائی کا دعوے کیا تھا۔

اور حضرت اقدس ؑ نے اس کشف کے آخر میں یہ بھی فرما دیا ہے۔

"لا نعنی بھذہ الواقعۃ کما یعنی فی کتب اصحاب وحدۃ الوجود وما نعنی بذالک ما ھو مذھب الحلولیین بل ھذہ الواقعۃ توافق حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعنی بذالک حدیث البخاری فی مرتبۃ قرب النوافل لعباد اللہ الصالحین" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۶)

. . . ـــــ ہماری مراد اس واقعہ سے یہ نہیں جیسا کہ وحدۃ الوجود کی کتب میں مراد لی جاتی ہے۔ اور نہ ہی ہماری مراد قائلین حلول کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ واقعہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے موافق ہے۔ جو بخاری میں

اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کے لیے مرتبہ قربِ نوافل میں بیان ہوئی ہے۔

اور وہ بخاری کی حدیث یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"لا یزال عبدی یتقرب اِلَیّ بالنوافل حتی اُحِبَّہ فاذا اَحْبَبْتُہ کنتُ سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہٖ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا"

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ صفحہ ۹۳) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں کہ پس جب میں اس سے محبت کروں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ گواہ مدعیہ تو اس رؤیا اور کشف سے دعویٰ الوہیت نکالتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کتاب البریہ میں یہی کشف بیان کر کے اس سے مسیح کی الوہیت کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"اب حضرات پادری صاحبان سوچیں اور غور کریں۔ اور ان الہامات کا یسوع مسیح کے الہامات سے مقابلہ کریں اور پھر انصافاً گواہی دیں کہ کیا یسوع کے وہ الہامات جن سے وہ اس کی خدائی نکالتے ہیں۔ ان الہامات سے بڑھ کر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر کسی کی خدائی ایسے الہامات سے نکل سکتی ہے تو میرے الہامات سے نعوذ باللہ میری خدائی یسوع کی نسبت بدرجہا اولےٰ ثابت ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر ہمارے سید و مولےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ کی وحی میں صرف یہی نہیں کہ جس نے تجھ سے بیعت کی اس نے خدا سے بیعت کی۔ اور نہ صرف یہ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ اور آپ کے ہر ایک فعل کو اپنا فعل ٹھہرایا ہے۔ اور یہ کہہ کر کہ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یُوحیٰ آپ کے تمام کلام کو اپنا کلام ٹھہرایا ہے بلکہ ایک جگہ تو تمام لوگوں کو آپ کے بندے قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ قل یا عبادی۔ یعنی کہدو کہ اے میرے بندو" (کتاب البریہ صفحہ ۷۹-۸۱)

اور دیوبندیوں کے مسلم مقتدا اور پیشوا جناب مولانا محمد اسماعیل شہید اسی کے قریب قریب فرماتے ہیں:۔

"اور بفحوائے حدیث انا عند ظن عبدی بی وانا معہٗ اذا ذکرنی۔ (میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں۔ اور میں اسی کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے)۔ بعوض قلق اور اضطراب کے کہ جدائی میں اٹھایا تھا۔ خلعت مکالمہ اور سرور اس کو حاصل ہوتا ہے اور اس کی وحشت انس سے بدل جاتی ہے۔ اور مقامات فناء اور بقاء کے پردۂ اختفاء سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دریائے وحدت میں ڈوب کر اس کی عجب حالت ہو جاتی ہے اور کلمہ انا الحق (یعنی میں خود خدا ہوں) اور لیس فی جُبَّتِی سِوَی اللہ (یعنی میرے جبہ میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے۔) کہنے لگتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ جب ایک لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈالتے ہیں۔ اور آگ چاروں طرف سے احاطہ کرتی ہے۔ تو اجزائے لطیفہ آگ کے نفس وجود ہر لوہے میں

اثر کرکے اس کو اپنا ہم شکل اور ہم رنگ اور ہم صفت بنا لیتے ہیں۔ تب جلانا اور بھونا جو آگ کی خاصیت میں سے ہے۔ اس لوہے کو حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر میں بھی وہ لوہا آگ کے اتصال سے سرخ ہو کر مثل آگ کے بن جاتا ہے۔ اگرچہ دراصل وہ لوہے کا لوہا ہی ہے۔ لیکن بسبب ہجوم آگ کے صرف آثار اور احکام آگ کے اس کو حاصل ہو گئے ہیں۔ گو وہ آثار اور احکام ابھی تک بھی آگ ہی کے ہیں لیکن اگر لوہے کو اس وقت زبان ہوتی تو وہ ضرور پکار اٹھتا کہ میں وہ آگ ہوں جس سے کاروبار طباخوں اور لوہاروں اور سناروں وغیرہ ارباب صنائع کے انجام پاتے ہیں۔ پس اسی طرح پر جذب کوشش رحمانی نفس کاملہ اس طالب کو بحر احدیت کی طرف کھینچتی ہے تو پھر یہ مشت خاک مثل پارہ آہن اپنی اصلیت کو فراموش کرکے کلمہ انا الحق وغیرہ کہنے لگتا ہے۔ کیا تم نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا کہ خضر علیہ السلام نے کہا تھا کہ وما فعلتہ عن امری یعنی (کشتی کا توڑنا وغیرہ) میں نے خود نہیں کیا۔ اور جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ کہ میں اس وقت اپنے بندے کا کان ہو جاتا ہوں کہ سنتا ہے مجھ سے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں کہ دیکھتا ہے مجھ سے، اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں کہ پکڑتا ہے مجھ سے اور میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں کہ بولتا ہے۔ مجھ سے۔ مگر یہ بات بہت باریک اور مسئلہ نہایت نازک ہے۔ اس کے پیچھے پڑنا نہیں چاہیے۔ لیکن جب کسی سالک پر یہ باتیں ظاہر ہوں تو وہ اس سے انکار بھی نہ کرے کیونکہ جب وادی مقدس میں آگ نے کہا تھا انی انا اللہ رب العالمین (یعنی میں رب جہانوں کا ہوں) اگر نفس کاملہ اس اشرف موجودات کا کہ نمونہ ذات الٰہی کا ہے۔ کلمہ انا الحق کہے تو جائے تعجب نہیں ہے۔"
(سوانح احمدی ص ۷۸-۷۹)

(۱) چنانچہ شیخ فریدالدین صاحب عطار سرخیل صوفیہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں "جو شخص حق میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت میں سرتا پا حق ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ آدمی خود نہ رہے اور سب حق کو ہی دیکھے تو یہ عجیب نہیں ہوتا۔" (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۴۹)

(۲) کتاب خزائن اسرار الکلم شرح فصوص الحکم کے مقدمہ کے صفحہ ۲۳ و ۲۴ میں لکھا ہے:-

"آیت ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم عین اللہ تھے۔ اور صحابہ کرام وقت اس بیعت کے مشاہد حق تعالیٰ کے تھے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مظہر اکمل اس کے ہیں۔ پھر تاکید فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس معنے کی اور کہا کہ ہاتھ اللہ کا اوپر ہاتھ صحابہ مبایعین کے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلعم عین اللہ ہیں۔ مشاہدے میں صحابہ مبایعین کے اور ہاتھ رسول اللہ صلعم کا ہاتھ اللہ کا ہے۔ اس مشاہدے میں۔"

سلف صالحین کے اس قسم کے بہت سے اقوال ہیں۔ لیکن اختصار کی غرض سے انہی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اور اب میں اس رؤیا کی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھی حکمت بتلاتا ہوں۔

اس رؤیا میں در حقیقت اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ جو اس مقدمہ میں پیش ہے کہ آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسلمان اور صراطِ مستقیم پر تھے۔ یا نعوذ باللہ صراطِ مستقیم سے برگشتہ اور کافر۔ سو یہ رؤیا جواب ہے۔ اس سوال کا کہ آپ صراطِ مستقیم پر تھے اور پکے مسلمان تھے۔ چنانچہ آج سے چھ سو سال پیشتر علامہ عبد الغنی النابلسی اپنی کتاب تعطیر الانام فی تعبیر الاحلام میں لکھتے ہیں " من رأى كانه صار الحق سبحانه وتعالىٰ اهتدى الى الصراط المستقيم" (تعطیر الانام جلد اصفحہ ۹) جو شخص دیکھے کہ گویا وہ خود خدا ہو گیا ہے۔ تو وہ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت پا گیا۔ یعنی وہ صراطِ مستقیم پر ہوگا۔ یہ تعبیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود نہیں کبھی بلکہ آپ کے وجود سے کئی سو سال پیشتر کی لکھی ہوئی ہے۔ اور اس حوالہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ خواب میں انسان اپنے آپ کو خدا دیکھ سکتا ہے۔

؎ کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے۔

یہ تو ایک کشف تھا اب ہم حضرت مسیح موعود ؑ کا عقیدہ درباره توحید الٰہی درج کرتے ہیں۔ آپ اپنا الہام ذکر کر کے فرماتے ہیں " یعنی تو کہدے کہ اے لوگو میں تمہاری مانند ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اور تمام خیر قرآن میں ہے۔" (دافع البلاء ص۱۱)

اور فرماتے ہیں " اے سننے والو سو کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اس کے ہو جاؤ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ . . . . . وہ وہی وحدہ لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں۔ اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں۔ اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ جس کا کوئی ہم صفات نہیں۔" (الوصیت ص۹)

اور فرماتے ہیں " تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی۔ جس نے میرے لیے زبردست نشان دکھلائے جس نے مجھے اس زمانہ کے لیے مسیح موعود کر کے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔" (کشتی نوح ص۲۸)

خالق الارض والسماء ہونے کا دعویٰ

مختار مدعیہ کے علاوہ گواہ مدعیہ الف نے اس کشف کے آخری حصہ پر جس میں زمین و آسمان کے خلق کا ذکر ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خالق جانا۔ اور اگر کوئی شخص خدائی کا دعویٰ کرے اور اپنے آپ کو خالق جانے وہ اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے۔

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ خواب ہے۔ کیونکہ گواہ مذکور نے آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴ کے الفاظ درئیتنی

فی المنام لکھوا کر یہ ترجمہ لکھوایا ہے۔ کہ "میں نے خواب میں دیکھا"۔ اور جو معاملہ خواب میں دکھائی دے اس کو واقعہ پر محمول کرنا اور خواب دیکھنے والے کا عقیدہ قرار دینا حد درجہ کی سفاہت ہے۔ یا پرلے درجہ کی شرارت۔ مختار مدعیہ کے اس کشف پر اعتراض کے جواب میں اوپر بتا دیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس جگہ ہمیں صرف تین باتوں پر غور کرنا باقی ہے۔

(۱) کیا خواب میں آپ نے موجودہ زمین و آسمان کے بنانے کا ذکر کیا ہے ؟

(۲) اگر نئے زمین و آسمان بنانے کا ذکر ہے تو اس سے کیا مراد ہے ؟

(۳) کیا آپ اپنے آپ کو موجودہ زمین و آسمان کا خالق سمجھتے ہیں۔ یا اللہ تعالےٰ کو ؟

پہلی بات کے متعلق تو خود کشف کے الفاظ سے ثابت ہے کہ اس میں موجودہ زمین و آسمان کا ذکر نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں"۔

اب دوسری بات کے معلوم کرنے کے لیے کہ آپ نے نئی زمین اور نئے آسمان سے کیا مراد بیان فرمائی ہے میں حضرت اقدس کی وہ عبارت پیش کرتا ہوں جس میں آپ نے اس کشف پر مولویوں کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے دیکھا کہ میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا۔ اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ اس کشف سے یہ مطلب تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے گا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے"۔ (چشمہ مسیحی ص۳۵)

اور فرماتے ہیں "خدا نے ارادہ کیا کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بنا دے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان ؟ اور کیا ہے نئی زمین ؟ نئی زمین وہ پاک دل ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے۔ جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا ان سے ظاہر ہو گا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اس کے بندے کے ہاتھ سے اس کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ دنیا نے خدا کی اس نئی تجلی سے دشمنی کی"۔ (کشتی نوح ص۷)

اور فرماتے ہیں "ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت میں روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے"۔ (حقیقۃ الوحی ص۹۹)

اور فرماتے ہیں: مجملاً صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اس قدر ان کو جنبش دینے کے لیے کچھ آسمانی کارروائی ظہور میں آئے گی اور ہولناک نشان ظاہر ہوں گے۔ تب لوگ جاگ اٹھیں گے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے۔ کیا یہ وہی زمانہ نہیں جو قریب قیامت ہے۔ جس کی نبیوں نے خبر دی ہے۔ اور کیا یہ وہی انسان نہیں جس کی نسبت اطلاع دی گئی تھی کہ اس امت میں سے وہ مسیح ہو کر آنے گا جو عیسیٰ بن مریم کہلائے گا۔ تب جس کے دل میں ذرہ بھی سعادت اور رشد کا مادہ ہے۔

خدا تعالےٰ کے غضبناک نشانوں کو دیکھ کر ڈرے گا۔ اور طاقت بالا اس کو کھینچ کر حق کی طرف لے آئیں گی۔ اور اس کے تمام تعصب اور کینے جل جائیں گے جیسا کہ ایک خشک تنکا بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑ کر بھسم ہو جاتا ہے۔ غرض اس وقت ہر ایک رشید خدا کی آواز سن لے گا۔ اور اس کی طرف کھینچا جائے گا اور دیکھ لے گا کہ اب زمین اور آسمان دوسرے رنگ میں ہے۔ نہ وہ زمین ہے اور نہ وہ آسمان۔ جیسا کہ مجھے پہلی اس سے ایک کشفی رنگ میں دکھلایا گیا تھا کہ میں نے ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنایا۔ ایسا ہی یہ عنقریب ہونے والا ہے۔ اور کشفی رنگ میں یہ بنانا میری طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ خدا نے اس زمانہ کے لیے مجھے بھیجا ہے۔ لہٰذا اس نئے آسمان اور نئی زمین کا میں ہی موجب ہوا۔ اور ایسے استعارات خدا کی کلام میں بہت ہیں۔" (براہین احمدیہ حصّہ پنجم صہ ۸۳)

اور نئے آسمان اور نئی زمین کا محاورہ حضرت اقدسؑ ہی کا کشف میں موجود نہیں بلکہ ایک عظیم الشان تغیر کے لیے پہلی کتابوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ انجیل میں پطرس حواری کا قول ہے "اس کے وعدے کے مطابق ہم ایک نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں۔ جن میں راستبازی بسی رہے گی۔" (پطرس ۳/۱۳) اور عہد نامہ قدیم میں یسعیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے "دیکھو میں نئے آسمان اور نئی زمین کو پیدا کرتا ہوں اور جو آگے تھے ان کا پھر ذکر نہ ہوگا اور وہ خاطر میں پھر نہ آویں گے تم میری اس نئی خلقت سے ابدی خوشی اور شادمانی کرو۔" (یسعیاہ ۶۵/۱۷ و ۱۸)

اور علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں :۔ ؎

" اب چرخ کی ہیں نئی ادائیں — چلنے لگیں اور ہی ہوائیں
چھیڑے جو گئے نئے افسانے — نغمہ وہ رہا نہ وہ ترانے
پھونکا ہے فلک نے اور افسوں — اب رنگ زمانہ ہے دگرگوں
سیارے ہیں اب نئی چمک کے — وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے
اب صورت ملک و دیں نئی ہے — افلاک نئے زمین نئی ہے۔"

(مثنوی صبح امید صہ ۵)

ان تصریحات کی موجودگی میں ہر ایک عقلمند بخوبی جان سکتا ہے کہ شاہد نے جو نتیجہ اس رؤیا سے نکالا ہے۔ وہ حضرت اقدسؑ کی تحریروں کے بالکل برعکس ہے۔ اور آپ کے منشاء کے صریح خلاف اور یہ اس نے صرف عدالت کو مغالطہ دینے کے لیے کیا ہے۔ ورنہ آئینہ کمالات اسلام میں اسی رؤیا کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ صریح ارشاد بھی موجود ہے :۔

" واُلقِیَ فی قلبی ان ھذا الخلق الذی رأیتہ اشارۃ الی تائیدات سماویۃٍ وارضیۃٍ وجعل الاسباب موافِقۃً للمطلوب وخلق کل فطرۃٍ مناسبۃٍ مستعدّۃ لِلّحوق

بالصالحین الطیبین والقی فی بالی ان اللہ ینادی کل فطرۃ صالحۃ من السماء ویقول کونی علی عدۃ لنصرۃ عبدی واحضروا الیہ مسارعین۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۶)

——— اور میرے قلب میں یہ القا کیا گیا کہ رؤیا میں نئے آسمان اور نئی زمین کی خلق کا جو میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ اور یہ آسمانی اور ارضی تائیدات۔ اور اسباب کو مطلوب کے موافق بنانے کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ ہر فطرت جو پاک اور صالحین کے ساتھ ملنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اس کو طیار کرتا ہے۔ اور میرے دل میں یہ بھی ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک نیک فطرت کو آسمان سے آواز دے گا اور کہے گا کہ تو میرے بندے کی نصرت کے لیے تیار ہو جا اور اس کی طرف تیزی سے جاؤ۔

پس شاہد مدعیہ کا اس تشریح کو عمداً نظر انداز کر کے عدالت کو مغالطہ دینا اسے ایک ثقہ شاہد کی حیثیت سے بالکل گرا دیتا ہے۔"

تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اس اقرار سے بھری پڑی ہیں کہ زمین و آسمان ومافیہما کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ آپ آئینہ کمالات اسلام ہی میں جس سے شاہد نے حوالہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں یہ

"انی اعتقد من صمیم قلبی ان للعالم صانعاً قدیراً واحداً فرداً کریماً مقتدراً علی کل ما ظہر واختفی۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۸۴)

کہ میں صمیم قلب سے اعتقاد رکھتا ہوں کہ اس جہان کا ایک واحد صانع ہے جو ہر ایک ظاہری اور پوشیدہ چیز پر مقتدر اور قادر ہے:۔

اور فرماتے ہیں: "جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ اس نے نیکوں کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۸)

اور فرماتے ہیں: "یعنی ہمارا خدا وہ خدا ہے جس نے چھ دن میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور پھر عرش پر قرار پکڑا (یعنی اول اس نے اس دنیا کے تمام اجرام سماوی اور ارضی کو پیدا کیا اور چھٹے دن میں سب کو بنا یا (چھ دن سے مراد ایک زمانہ ہے) اور پھر عرش پر قرار پکڑا (یعنی تنزہ کے مقام کو اختیار کیا۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۱۱)

اور فرماتے ہیں:۔ ؎

"اے خالق ارض و سما بر من در رحمت کشا
دانی تو آں دردم کہ از دیگراں پنہاں کنم" (درثمین)

اور فرماتے ہیں: ؎

"اے قدیر و خالق ارض و سما!
اے رحیم و مہربان و رہنما!"
(حقیقۃ المہدی صفحہ ۱)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ تو اپنے آپ کو اس رؤیا کی بنا پر موجودہ زمین و آسمان کا خالق کہا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کے خالق السماء والارض ہونے سے انکار کیا۔ پھر باوجود اس کے شاہد کا آپ کی طرف یہ دعویٰ منسوب کرنا سرا افتراء اور بہتان ہے۔

(۳)

اللہ تعالیٰ کو تیندوے سے تشبیہ دی

گواہ مدعیہ ۲ نے اپنے بیان میں ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو تیندوے سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ لیس کمثلہ شیء کا مصداق ہے۔ یہ گواہ مدعیہ کا نہایت ہی قابل نفرت مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قطعاً یہ عقیدہ نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تیندوے کی طرح ہے۔ بلکہ آپ کا عقیدہ لیس کمثلہ شیء .... کے مطابق یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"وہ وہی واحد لاشریک ہے۔ جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں اور وہی بے مثل ہے۔ جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے۔ باوجود دور ہونے کے، اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔" (الوصیت۔ مطبوعہ ۹ ۱۹۰۵ء)

اور فرماتے ہیں:۔ "خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تشریح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیساکہ ایک یہ آیت ہے۔ لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔" (چشمہ معرفت صہ ۲۶ مطبوعہ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء)

اور فرماتے ہیں:۔

"پس سمجھانے کے لیے پہلی صفت کا نام غضب اور دوسری صفت کا نام محبت رکھا گیا ہے۔ لیکن نہ وہ غضب انسانی غضب کی طرح ہے اور نہ وہ محبت انسانی محبت کی طرح ہے۔ جیساکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ لیس کمثلہ شیء یعنی خدا کی ذات اور صفات کی مانند کوئی چیز نہیں۔" (چشمہ معرفت صہ ۳۸)

ان حوالجات سے جو ۱۹۰۱ء کے بعد کے ہیں ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں۔ لیکن جیساکہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے جزا و سزا کی کیفیت سمجھانے کے لیے غضب اور محبت کے

الفاظ استعمال کئے ہیں اور فرمایا ہے۔ اذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو ویسے اللہ کو یاد کرو۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات میں تصرف کی حقیقت سمجھانے کے لیے تخیل اور فرض کے طور پہ ایک مثال دی ہے۔ جیساکہ آپ فرماتے ہیں " اس بیان مذکورہ بالا کی تصویر دکھانے کے لیے تخیلی طور پہ ہم فرض کر سکتے ہیں۔ کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے۔ جس کے بے شمار ہاتھ پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا طول اور عرض رکھتا ہے۔ اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں عالم نام ہے۔" (توضیح المرام صہ۷۵)

آگے فرماتے ہیں "پس یہی ایک عام فہم مثال اس روحانی امر کی ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ مخلوقات کی ہر ایک جزو خدا تعالیٰ کے ارادوں کی تابع اور اس کے مقاصد مخفیہ کو اپنے خادمانہ چہرہ میں ظاہر کر رہی ہے۔ اور کمال درجہ کی اطاعت سے اس کے ارادوں کی راہ میں محو ہو رہی ہے۔" (توضیح المرام صہ۷۶)

اور حدیث میں آتا ہے۔ ان اللہ یقبل الصدقۃ فیربیھا کما یربی احدکم فلوہ۔ (متفق علیہ تفسیر مظہری صہ۲۱۳) کہ خدا تعالیٰ صدقہ کو قبول کرتا ہے اور اس کو ایسے بڑھاتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی بچہ شتر کی پرورش کر کے اسے بڑھاتا ہے۔ پس آنحضرت صلعم نے یہاں اللہ تعالیٰ کی تشبیہ ایک اونٹ کے بچے کے مربی سے دی ہے۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ الخ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اور اس کے نور کی کیفیت سمجھنا چاہتے ہو تو اس کے نور کی مثال ایک طاقچہ کی ہے۔ جس میں چراغ ہو اور چراغ پھر شیشہ میں ہو چمکیلے ستارے کی مانند ہے۔ اور احادیث میں آنحضرت صلعم نے اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ نورٌ انّیٰ اراہ کہ وہ تو نور ہے۔ میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو مثال بیان کرتے ہوئے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ یہ مثال تخیلی طور پر اور فرض کر کے بیان کی گئی ہے۔ پس اس مثال دینے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت اقدس ؑ خدا تعالیٰ کے بے مانند اور بے مثل ہونے کے منکر ہیں ایسا ہی ہوگا۔ جیسے کوئی شخص آنحضرت صلعم کے متعلق اپنی سفاہت سے یہ کہہ دے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بچہ شتر کے مربی سے تشبیہ دی ہے۔ جیسا کسی کا یہ کہنا لغو و باطل ہوگا ویسا ہی گواہ مدعیہ کا اور مولانا محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں کہ " اولیاء خدا اور مقربان الٰہی کی محبت، وہ حقیقت میں خدا ہی کی محبت کا ایک ٹکڑا ہے کوئی غیر شئی نہیں" (ہدیۃ الشیعہ صہ۶۳) تو کیا مختار مدعیہ مولانا محمد قاسم پر بھی کفر کا فتوے دے گا کہ انہوں نے خدا کو بندے کی مانند قرار دیا اور اس کی محبت کو خدا کی محبت۔

اس سے زیادہ اور سنئے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی بندے سے محبت کرتا

ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے "ویدہ التی یبطش بہا۔ اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ پکڑتا ہے۔ ورجلہ التی یمشی بہا اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع) اور ایک اور حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کہے گا یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی کہ اے ابن آدم میں بیمار رہا تو نے میری عیادت نہ کی۔ تو ابن آدم کہے گا کیف اعودک وانت رب العالمین کہ میں تیری کیونکر عیادت کرسکتا ہوں حالانکہ تو رب العالمین ہے۔ تو خدا تعالیٰ جواب دے گا کہ کیا تجھے میرے فلاں بندے کی مرض کا علم نہ ہوا تھا مگر تم نے اس کی تیمارداری نہ کی۔ کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا مگر تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ ابن آدم کہے گا اے رب میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا اور تو رب العالمین ہے۔ فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں ہے۔ کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا اور تو نے اسے کھانا نہ دیا۔ اگر تو اسے کھانا دیتا تو آج وہ کھانا میرے پاس دیکھتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پینے کے لیے پانی مانگا مگر تو نے نہ دیا۔ تو وہ کہے گا اے رب میں تجھے کیسے پلاتا اور تو رب العالمین ہے۔ فرمایا تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا مگر تو نے اسے نہ پلایا۔ اگر تو اسے پلاتا تو آج میرے پاس بھی پاتا۔ (مسلم)

اب دیکھو کہ اس حدیث میں تو اللہ تعالےٰ نے اپنے آپ کو اپنے بندے کے قائم مقام ٹھہرا کر اپنے حق میں بیمار، بھوکا اور پیاسا کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اب کیا شاہد مدعیہ اللہ تعالےٰ کی طرف اپنے بھی فتوے کی مشین گن کا رخ پھیر دے گا۔

(۴۰)

رَبُّنَا عَاج

مختار مدعیہ نے اس الہام کے متعلق کہا ہے کہ اس سے شرک فی الصفات لازم آتا ہے۔ اور اس امر کے اثبات کے لیے اس نے ایک فارسی شعر پڑھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ لفظ عاج بتوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ فارسی ہے۔ حالانکہ ہر وہ شخص جو عربی زبان سے کچھ بھی مس رکھتا ہو جانتا ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اس کے کوئی معنے نہیں کئے اور مختار مدعیہ نے خود یہ بات تسلیم کی ہے۔ کہ حضرت اقدس ؑ نے اس کے کوئی معنے نہیں کئے۔ پس ایسی حالت میں مخالف کو کوئی حق نہیں کہ اپنی طرف سے اس کے کوئی معنے کرکے ملہم پر اعتراض کرے۔ مختار مدعیہ کا یہ اعتراض بالکل ویسا ہی ہے، جیسا کہ مخالفین اسلام مکر اور خدع اور استہزاء کے معنے اپنی طرف سے لے کر اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) مکار اور دھوکہ باز اور مسخرہ قرار دیتے ہیں لیکن عقلمند سمجھتا ہے کہ مخالفین قرآن ان الفاظ کے جو معنے کرتے ہیں صحیح نہیں۔ بلکہ وہی معنے صحیح ہیں جو معتقدین حقیت قرآن کریں۔ اسی طرح مذکورہ بالا الہام کے معنے وہی صحیح ہو سکتے ہیں۔ جو ملہم یا ملہم کے پیرو کریں۔ چنانچہ اس کے معنے عربی زبان کی رو سے یہ ہیں۔ عاج کا مادہ عَجْوَۃٌ ہے۔ اور اس کے معنے منتہی الارب میں شیر گیرہ طفل

یم راخو راند۔اور یہی معنے منجد میں لکھے ہیں۔ اس لحاظ سے اس الہام کے یہ معنے ہوتے ہیں۔ کہ ہمارا رب وہ ہے جو ہماری یتیمی کی حالت میں ہم کو خاص دودھ پلانے والا ہے۔ یعنی جب کہ ایمان ثریا پر چلا گیا اور زمینی کوئیں علماء اور صوفیہ کے خشک ہو چکے تھے۔ ہمارے رب نے اس کس مپرسی کی حالت میں ہمارا ہاتھ پکڑا اور آسمانی دودھ سے سیراب فرمایا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ؎

"ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار"

دوسرا مادہ عاج کا عج ہے جس کے متعلق صراح اور منتہی الارب میں لکھا ہے۔" عجّ عَجًّا و عَجِیجًا برداشت آواز راو بانگ کرد و منہ الحدیث افضل الحج العَجُّ و الثَّجُّ ۔ یعنی برداشتن آواز و قربان کردن ہدیہ را۔ یعنی ہمارا خدا آواز بلند کرنے والا ہے یعنی اس کے دین اور اس کے احکام کا ہی غلبہ ہوگا۔ عاج کو فارسی لفظ قرار دے کر غلط معنے بیان کرنا دوسرا مغالطہ ہے جو عدالت کو دیا گیا۔

(۵)

اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِی وَتَفْرِیْدِی

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو خدا تعالے کی توحید اور تفرید میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ یہ مفہوم بالکل غلط اور ملہم کی تشریحات کے خلاف ہے۔ بمنزلہ توحید سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی کسی سے کہے تو میرے لیے بمنزلہ فرزند ہے۔ تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ درحقیقت اس کا فرزند ہے ؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ سمجھا جائے گا کہ میں تجھ سے ایسی محبت رکھتا ہوں جیسی کہ فرزند سے رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی طرح اللہ تعالے نے حضرت مسیح موعودؑ کو اس وقت جب کہ آپ کے مخالف آپ کو مٹانے کے درپے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ آپؑ کا کسی جگہ خیر کے ساتھ ذکر نہ ہو، اور آپ کی تباہی کے لیے ہر قسم کے منصوبے اور تدابیر سوچ رہے تھے ان الفاظ میں بشارت دی کہ انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی کہ تو مجھے ایسا ہی پیارا ہے۔ جیسا کہ مجھے اپنی توحید پیاری ہے۔ اور جب تو مجھے اس حد تک محبوب ہے تو پھر تجھے کون تباہ کر سکتا ہے دشمنوں کی ساری کوششیں عبث اور حاسدوں کے تمام منصوبے لاحاصل ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ الہام مذکور کی تشریح میں خود بھی فرماتے ہیں :۔

" تو مجھ سے ایسا قرب رکھتا ہے اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں۔ جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو سو جیسا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں ایسا ہی تجھے دنیا میں مشہور کروں گا۔ اور ہر ایک جگہ جو میرا نام جائے گا تو تیرا نام بھی ساتھ ہوگا۔ (اربعین ۳ صفحہ ۲۵ حاشیہ)

اور ایسا ہی ہوا دنیا کے مخالفین باوجود اپنی انتہائی مخالفتوں کا خدا تعالے کے اس ارادہ کو روک نہ سکے۔ پس ملہم کی تشریح کے خلاف الہام کے معنے کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ حضرت اقدسؑ توحید کے قائل ہیں اور آپ نے اپنی جماعت کو توحید ہی کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے ایک بندے کو جو یہی لکھنے والا ہے بھیجا۔ تا اس کے نبیؐ کی سچائی اور عظمت کی گواہی دے۔ اور خدا کی توحید اور تقدیس کو دنیا میں پھیلاوے" (نسیم دعوت ص۶۶)

اور آپ جماعت کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں "اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لیے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو" (کشتی نوح ص۱۱) اور فرماتے ہیں "خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو۔ تا کہ خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے" (الوصیت ص۸)۔ اور توحید کو حقیقی مدار نجات قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں : "نجات دو امر پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ کامل یقین کے ساتھ خدا تعالے کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان لاوے۔ دوسرے یہ کہ ایسی کامل محبت حضرت احدیت جلشانہ کی اس کے دل میں جاگزین ہو کہ جس کے استیلاء اور غلبہ کا یہ نتیجہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت عین اس کی راحت جان ہو جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے۔ اور اس کی محبت تمام اغیار کی محبتوں کو پامال اور معدوم کر دے۔ یہی توحید حقیقی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۱۶)

(۶)

انت اسمی الاعلیٰ (اربعین ۳ ص۳۴)

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا اسم اعظم قرار دیا ہے اور جو شخص اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا اسم اعظم بتائے وہ مشرک ہے۔ اور مختار مدعیہ کی خیانت ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ کی اس الہام کی تشریح کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جو یہ ہے "تو میرے اسم اعظم کا مظہر ہے۔ یعنی ہمیشہ تجھ کو غلبہ ہوگا۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص۸۱)

پس اسمی الاعلیٰ سے یہی مراد ہے کہ آپ خدا تعالے کے اسم اعلیٰ کے مظہر ہوں گے۔ آپ کو دشمنوں پر ہر مقام میں غلبہ حاصل ہوگا۔

(۷)

انت منی بمنزلة لا یعلمها الخلق (اربعین ۳ ص۲۳)

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ کے مرتبہ کو کوئی نہیں جانتا

حالانکہ اس کا ترجمہ حضرت اقدسؑ نے اربعین میں یہ کیا ہے "اور مجھ سے تو وہ مقام اور مرتبہ رکھتا ہے۔ جس کو دنیا نہیں جانتی"۔ اس سے خدا کے ساتھ شرکت کا دعویٰ نکالنا ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو سیدھا رستہ دکھائے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس مقام اور مرتبہ کو جاننے کی توفیق عطا فرمائے جس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اس الہام میں خبر دی ہے کہ دنیا اس مقام اور مرتبۂ تقرب کو جو تجھے مجھ سے حاصل ہے نہیں جانتی۔

(۸)

اِنَّمَآ اَمْرُكَ اِذَآ اَرَدْتَ شَیْئًا اَنْ تَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

(براہین احمدیہ حصہ ۵ صفحہ ۱۵۷ واستفتاء صفحہ ۸۶)

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔ اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ آپ کے الہامات اس بات کی بڑے زور سے تردید کرتے اور بتاتے ہیں کہ آپ کو ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے۔ چنانچہ استفتاء صفحہ ۸۶ میں یہ الہام درج ہے اور اس کے ماقبل کے الہامات کے ساتھ ملا کر اگر یہ الہام پڑھا جائے تو مختار مدعیہ کا یہ اعتراض خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔ اور یہی بات استفتاء کے حوالہ کی بنا پر گواہ مدعا علیہ مد اتے جرح کے جواب میں کہی تھی جسے مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کا مغالطہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ خود مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس وقت پہلے گواہ کے سامنے استفتاء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کے جواب میں گواہ نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ خطاب اللہ تعالےٰ کو ہے۔ اور یہ بالکل صحیح تھا۔ چنانچہ وہاں الہامات کی وہی ترتیب ہے جو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۵ میں ہے۔ اور وہ یہ ہے "رب انی مغلوبٌ فانتصر، فسحّقهم تسحیقًا، زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں۔ انما امرك اذا اردت شیئًا ان تقول له كن فیكون" جن کا تحت اللفظ ترجمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۵ میں یوں درج ہے "اے میرے خدا میں مغلوب ہوں میرا انتقام دشمنوں سے لے پس ان کو پیس ڈال کہ وہ زندگی کی وضع سے دور جا پڑے ہیں تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے"۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس میں جو ضمائر خطاب ہیں وہ جناب الٰہی کے متعلق ہیں۔ پھر انہی الفاظ میں آپ کو یہ بھی الہام ہوا انما امرنا اذا اردنا شیئًا ان نقول له كن فیكون یعنی ہمارے امور کے لیے ہمارا یہ قانون ہے کہ جب ہم کسی چیز کا ہو جانا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ (تریاق القلوب ایڈیشن اول صفحہ ۱۹۱) والبشریٰ جلد ۴ صفحہ ۵) اس کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کی تمام تحریریں یہی بتاتی ہیں کہ کن فیکون کے ایسے کامل اختیارات کہ جس بات کا ارادہ کرے وہ فی الفور ہو جائے صرف خدا تعالیٰ ہی کو حاصل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "حکم اس کا (یعنی خدا کا) اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہو پس ساتھ ہی وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے۔ جس

کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے۔" (جنگ مقدس طبع سوم صہ ۱۵) اور فرماتے ہیں" نہ ایک دفعہ بلکہ بیسیوں دفعہ میں نے خدا کی بادشاہت کو زمین پر دیکھا اور مجھے خدا کی اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ له ملك السموات والارض یعنی زمین پر خدا کی بادشاہت ہے اور آسمان پر بھی۔ اور پھر اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون ۔ یعنی تمام زمین و آسمان اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔ جب ایک کام کو چاہتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ ہو جا تو فی الفور وہ کام ہو جاتا ہے۔" (کشتی نوح صہ ۳۵)

ہاں آپ نے براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ ۹۵ میں یہ تحریر فرمایا ہے" افسوس بعض نادانوں نے عبودیت کے اس تعلق کو جو ربوبیت کے ساتھ ہے جس سے ظلی طور پر صفات الہیہ بندے میں پیدا ہوتی ہیں۔ نہ سمجھ کر میری اس وحی میں اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون ۔ یعنی تیری یہ بات ہے کہ جب تو ایک بات کو کہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کا کلام ہے۔ جو میرے پر نازل ہوا۔ یہ میری طرف سے نہیں ہے اور اس کی تصدیق اکابر صوفیاء اسلام کر چکے ہیں۔ جیسا کہ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بھی فتوح الغیب میں بھی لکھا ہے اور عجیب تر یہ کہ سید عبدالقادر جیلانیؓ نے بھی یہی آیت پیش کی ہے۔ افسوس لوگوں نے صرف اسمی ایمان پر کفایت کر لی ہے۔ اور پوری معرفت کی طلب ان کے نزدیک کفر ہے۔"

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضؓ فرماتے ہیں:

قال الله فی بعض کتبه یا ابن آدم انا الله لا اله الا انا اقول للشیئی کن فیکون اطعنی اجعلك تقول للشیئی کن فیکون وقد فعل ذالك بكثیر من انبیائه واولیائه وخواص عباده

(مقالہ ۱۶ فتوح الغیب) یعنی اللہ تعالےٰ نے اپنی بعض کتب میں کہا ہے کہ اے ابن آدم میں خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ایک چیز کو کہتا ہوں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ تو میری اطاعت کر میں تجھ سے ایسا کروں گا کہ تو ایک چیز کو کہے گا ہو تو وہ ہو جائے گی اور ایسا معاملہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بہت سے انبیاء اور اولیاء اور خواص بندوں سے کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

"قال الله عزوجل واتقوا الله ویعلمکم الله ثم یرد علیك التکوین ..... متکوّن بالاذن الصریح الذی لاغبار علیه" (فتوح الغیب مقالہ ۱۲) اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تم خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور خدا تعالےٰ تم کو سکھائے گا پھر تجھے تکوین سپرد کی جائے گی۔ پس تو اذن صریح سے جس پر کوئی غبار نہ ہو گا تکوین یعنی پیدا کرے گا۔

پس جو بات حضرت مسیح موعودؑ نے بیان کی ہے اس کے متعلق سید عبدالقادر جیلانی رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایسی تکوین تو بہت سے مقربین بارگاہ الٰہی کو حاصل ہوئی۔ پس کیا محمد عبدالقادر جیلانی کے متعلق بھی یہی کہے گا کہ انھوں نے خدا کے شریک ہونے کا دعویٰ کیا اس لیے وہ لا الہ الا اللہ سے منکر اور مرتد تھے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو تکوین کشتگان محبت الٰہی سے

صادر ہوتی ہے۔ اس میں اور خدا تعالیٰ کی تکوین میں فرق ہے۔ ایسے انسان کا کن کہنا ہمیشہ نتیجہ پیدا نہیں کرتا جیسا کہ خدا تعالیٰ کا بلکہ ایسے لوگوں کا کن کہنا اس وقت منتج ہوتا ہے۔ جب کہ وہ بقا کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں۔ ان کی تموج کے وقت کی حرکات اپنی نہیں ہوتیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں" لقاء کا مرتبہ جب کسی انسان کو میسر آجاتا ہے تو اس مرتبہ کے تموج کے اوقات میں الٰہی کام ضرور اس سے صادر ہوتے ہیں اور ایسے شخص کی گہری محبت میں جو شخص ایک حصہ عمر کا بسر کرے تو ضرور کچھ نہ کچھ اقتداری خوارق مشاہدہ کرے گا۔ کیونکہ اس تموج کی حالت میں کچھ الٰہی صفات کا رنگ ظلی طور پر انسان میں آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا رحم خدا تعالیٰ کا رحم اور اس کا غضب خدا تعالیٰ کا غضب ہو جاتا ہے۔ اور بسا اوقات وہ بغیر کسی دعا کے کہتا ہے کہ فلاں چیز پیدا ہو جائے تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کسی پر غضب کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس پر کوئی وبال نازل ہو جاتا ہے اور کسی کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مورد رحم ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کا کن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو بلا تکلف پیدا کرتا ہے ایسا ہی اس کا کن بھی اس تموج اور مد کی حالت میں خطا نہیں جاتا اور جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں ان اقتداری خوارق کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے۔ کہ یہ شخص شدت اتصال کی وجہ سے خدائے عزوجل کے رنگ سے ظلی طور پر رنگین ہو جاتا ہے"۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۸، ۶۹) اور اسی حالت کی مثالیں مختلف انبیاء میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سونٹا مارنے سے سمندر پیچھے ہٹ گیا اور آنحضرت صلعم نے بدر میں ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی جو ایک آندھی کی شکل بن گئی۔ اور آپ نے ایک برتن میں انگلیاں رکھیں اور ان سے پانی نکلنے لگا تھوڑا سا پانی اتنا بڑھا کہ سینکڑوں آدمیوں نے پیا اور پھر بھی وہ باقی رہا۔ اسی طرح کھانا بڑھانے کے خوارق احادیث میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ پس یہ تکوین اس تموج اور مد کی حالت میں ہوتی ہے۔ جس کی طرف مذکورہ بالا عبارت میں آپ نے اشارہ فرمایا ہے اور یہ جائے اعتراض نہیں ہے۔ چنانچہ حکمۃ الاشراق مطبوعہ ایران صفحہ ۷ میں لکھا ہے:"

"الم تر ان الحدید الحامیۃ تتشبہ بالنار لمجاورتہا وتفعل فعلہا فلا تتعجب من نفس استشرقت واستضائت بنور اللہ فاطاعہا الاکوان طاعتہا للقدسیین فتومی فیحصل الشیئ بایماءہا وتتصور فیقع الشیئ بحسب تصورہا ومثل ہذا فلیعمل العاملون"۔

یعنی کیا تجھے معلوم نہیں کہ گرم لوہا آگ کی مجاورت میں آگ کے مشابہ ہو جاتا ہے اور آگ کا کام کرتا ہے۔ پس تو اسی طرح اس نفس سے تعجب نہ کر جو خدا تعالیٰ کے نور سے روشن ہو کر چمک اٹھا ہے۔ اور مخلوقات اس کی ویسی اطاعت کریں جیسی کہ عالم قدسی میں رہنے والوں کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس وہ خدا کے نور سے منور نفس اشارہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے اشارہ سے موجود ہو جاتی ہے۔ اور تصور کرتا ہے تو اس کے تصور کے مطابق وہ چیز واقع ہو جاتی ہے۔ اور عمل کرنے والے کو ایسا ہی عمل کرنا چاہیئے۔ پھر یہ حالت صرف اسی صفت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسری

صفات علم وغیرہ کا بھی ایسے کامل نفس سے ظہور ہو جاتا ہے۔

اور اذا اَرَدتَ سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہر وقت مقربان بارگاہ الٰہی کو یہ مقام دیا جاتا ہے۔ اور یہ قضیہ شرطیہ کلیہ نہیں ہے بلکہ مہملہ ہے۔ جو قوت میں قضیہ جزئیہ کے ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی شرح اکمال جلد ۷ صفحہ ۱۷ میں بذیل حدیث اذا اَحبَّ اللہ عبداً وضع لہ القبول فی الارض لکھا ہے "انما ھی المھملۃ فی قوۃ الجزئیۃ فالمعنی قد یکون اذا احب اللہ عبداً وضع لہ القبول فی الارض وانما کانت مھملۃ لانّ اذا واِنّ اھمالٌ فی الشرطیۃ علی ما تقرر فی المنطق" یعنی یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی قبولیت زمین میں کر دیتا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے نہ کہ ہر وقت۔ کیونکہ یہ قضیہ مہملہ قوت جزئیہ میں ہے۔ پس اسی طرح کامل انسان کا کن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ پیدا نہیں کرتا بلکہ تموج اور مد کی حالت میں جو انسان کو لقاء کے مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے جس کی طرف آیت (ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ) میں بھی اشارہ پایا جاتا ہے اور اس وقت بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا بلکہ الٰہی طاقت اس کے اندر کام کر رہی ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ روحانیت کے مراتب عالیہ سے محروم اور معرفت الٰہی سے نابینا لوگ ایسی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ افسوس کہ جو امور انسانی کمال کا ثبوت سمجھے جاتے تھے اور کتب بزرگان جس کے تذکرہ سے معمور ہیں آج ناواقفی اور بیگانگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ بڑے بڑے مدعیان علم انہی پر معترض ہیں اگر مختار مدعیہ کا قول صحیح سمجھا جائے تو مذکورہ بالا تمام بزرگ مشرک قرار پاتے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک)

(۹)

میکائیل جس کے معنی عبرانی زبان میں خدا کی مانند ہیں! (اربعین ۳ ص ۲۵)

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس عبارت مندرجہ اربعین ۳ ص ۲۵ پر کہ دانیال نبی نے میرا نام میکائیل رکھا ہے۔ اور عبرانی میں لفظی معنے میکائیل کے ہیں خدا کی مانند" یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ کا اپنے متعلق ایسا یقین کرنا بھی کمثلہ شیئ کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے کیونکہ جس جگہ سے اعتراض کیا گیا ہے۔ اسی جگہ اس کی تشریح بھی موجود ہے۔ چنانچہ اربعین ۳ میں آپ اس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے یہ نہیں فرماتے کہ میں خدا کی مثل ہوں۔ بلکہ آپ نے اس کی توضیح یہ بیان فرمائی ہے۔ "دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے۔ اور عبرانی میں لفظی معنے میکائیل کے ہیں خدا کی مانند۔ یہ گویا اس الہام کے مطابق ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔

انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی فحانَ ان تعان وتعرف بین النّاس۔

یعنی تو مجھ سے ایسا قرب رکھتا ہے اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو۔ سو جیسا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں ایسا ہی تجھے دنیا میں مشہور کروں گا۔ اور ہر ایک جگہ جو میرا نام جائے گا تیرا نام بھی ساتھ ہوگا" (اربعین ۳ صفحہ ۲۵) پھر آپ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے آپ کو آدم کا مثیل اور آدم کے رنگ میں ظاہر ہونے والا قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "خدا نے آدم کی مانند اس عاجز کو پیدا کیا اور اس عاجز کا نام آدم رکھا جیسا کہ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے۔

اردتُ ان اَستخلِف فخلقتُ آدم اور نیز یہ الہام نَخلق آدمَ فاکرمَہٗ۔

اور آدم کی نسبت توریت کے پہلے باب میں یہ آیت ہے "تب خدا نے کہا ہم نے انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنایا دیکھو توریت ب آیت ۶۔ اور پھر کتاب دانیال ۱۲ میں لکھا ہے۔ اور اس وقت میکائیل (جس کا ترجمہ ہے خدا کی مانند) وہ بڑا سردار جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لیے کھڑا ہے۔ اُٹھے گا (یعنی مسیح موعود آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا) میکائیل یعنی خدا کی مانند درحقیقت توریت میں آدم کا نام ہے اور حدیث نبوی میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود آدم کے رنگ پر ہوگا" (تحفہ گولڑویہ طبع اول صفحہ ۱۰۶) اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود نے میکائیل نام سے صرف یہ مراد لی ہے کہ مسیح موعود آدم کے رنگ میں ظاہر ہوگا۔ اور حدیث میں بھی آیا ہے۔

خلقَ اللہ آدم علیٰ صورتہٖ (مسلم ابواب البر جلد ۲ صفحہ ۳۲۹) کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید بھی فرماتے ہیں "اگر نفس کاملہ اس اشرف موجودات کا کہ نمونہ ذات الٰہی کا ہے۔ کلمۂ انا الحق کہے تو جائے تعجب نہیں ہے" (سوانح احمدی صفحہ ۷۹) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مخلوقات میں سے صرف آدم ہی ایسی مخلوق تھی جو خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن سکتی تھی۔ دوسری مخلوقات تمام صفات الٰہیہ کا مظہر نہیں بن سکتی تھی۔

اس لیے آدم ہی کو خلیفۃ اللہ فی الارض کا خطاب ملا۔ اور اگر ایسے نام کا اپنے آپ کو مصداق قرار دینے سے شرک لازم آتا ہے۔ یا یہ لیس کمثلہٖ شیئٌ کے خلاف ہے تو جمیع مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ میکائیل فرشتہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی آیت من کان عدوًّا للہ وملٰئکتہٖ ورسلہٖ وجبریل و میکال پارہ ۱ سورہ بقرہ میں ہے۔ اور میکائیل کے معنے عربی ڈکشنری میں خدا کی مانند لکھے ہیں جیسا کہ اقرب الموارد جلد ۲ میں لکھا ہے " میکائیل اسم ملک عبرانیۃ مرکبۃ معناھا من مثل اللہ " میکائیل ایک فرشتے کا نام ہے اور یہ نام عبرانی زبان کا لکھا ہے۔ اور یہ مرکب ہے جس کے معنے ہیں خدا کی مانند۔ لہٰذا اگر فرشتے کا نام میکائیل (خدا کی مانند نا) آیت لیس کمثلہٖ شیئٌ کے خلاف نہیں ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام کسی نبی کی کتاب میں میکائیل آجانا لیس کمثلہٖ شیئٌ کے خلاف کیونکر ہونے لگا؟ اور اگر لیس کمثلہٖ شیئٌ کے خلاف ہے تو پھر تمام مسلمان جو قرآن شریف کی رو سے میکائیل فرشتے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کے منکر کو کافر کہتے ہیں۔ مشرک قرار پائیں گے۔ اور اس کی نوبت جہاں تک پہنچتی ہے۔ قابل غور ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی واضح رہے کہ پیشگوئیوں میں آنحضرت صلعم کا آنا خدا کا آنا قرار دیا گیا ہے

چنانچہ استثناء ب ۱۸ کی پیشگوئی کہ خدا فاران پر سے ظاہر ہوا آنحضرت صلعم پر لگائی گئی ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ کے مقبول و مسلم مسلمان اور علیہ الرحمۃ سر سید احمد خان نے خطبات احمدیہ اور شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں اور دیگر اکثر علماء نے اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ تو حضرت اقدس ؑ نے اپنے آپ کو خدا کی مانند قرار دیا نہ کسی جگہ اس کے لیس کمثلہ شیئ کے برخلاف کچھ لکھا ہے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں "خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تصریح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے۔ لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔" (چشمۂ معرفت صہ ۲۶۱)

(۱۰)

کانّ اللہ نزل من السّماء استفتاء صہ ۸۵

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام مظھر الحق والعلاء کانّ اللہ نزل من السماء سے غلط مفہوم لے کر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے لڑکے کو جس کے متعلق یہ الہام ہے خدا ماننا پڑتا ہے۔ اور یہ بھی مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے کیونکہ اس الہام سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے۔ جو مختار مدعیہ نے لی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی متعدد کتب میں تو د اس کی تفسیر فرما چکے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے اترنے سے مراد خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہے۔ یعنی اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے جلال کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں "مظھر الحق والعلاء کانّ اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا وہ جلد از جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و تبلیغ رسالت جلد ۱ صہ ۶۱)

(۲) مظھر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء یظھر بظھورہ جلال رب العالمین یاتیک نور ممسوح بعطر الرحمان ۔ (آئینہ کمالات اسلام صہ ۵۷۸) یعنی ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا گویا آسمان سے خدا اترے گا۔ اور خدا کے آسمان سے اترنے کو رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایام اللہ سے خدا کے غضب کے دن ہوتے ہیں جیسا کہ آیت وذکرھم بایام اللہ (ابراہیم ع ۱) میں مراد ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے۔ ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حتی یبقی ثلث اللیل الاخر الحدیث (بخاری ومسلم مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ صہ ۱۰۹)

آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہر رات کے تیسرے پہر سماء دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ صفات اجسام سے منزہ اور نزول اور ہبوط اور صعود وغیرہ سے بالکل پاک ہے کیونکہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نزول صعود اجسام کا خاصہ ہے لیکن خدا تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ اسی وجہ سے شارحین نے لکھا ہے۔ المراد نزول الرحمة وقربه تعالیٰ بانزال الرحمة وافاضة الانوار واجابة الدعوات واعطاء المسائل ومغفرة الذنوب (حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی دہلی ص۱۰۹) خدا تعالیٰ کے اترنے سے مراد رحمت کا نزول ہے اور خدا تعالیٰ کے رحمت اتارنے اور انوار کے عطا کرنے اور دعاؤں کے قبول کرنے اور مانگی ہوئی چیزوں کو دینے اور گناہوں کو بخشنے کے ساتھ خدا تعالیٰ کا قرب مراد ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام میں "گویا کہ خدا تعالیٰ آسمان سے اترا" بھی مراد ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوگا۔ اور اس کا جلال چمکے گا اور حق ظاہر ہوگا۔"

(۱۱)

کشف

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف پر جس میں خدا کو دیکھنے اور خدا کے کاغذ پر دستخط کرنے کا ذکر ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کو جسمانی ماننا پڑتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ جسمانیات سے پاک ہے اور اس کی تشبیہ کسی سے نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ایسے کشف کو صحیح ماننے والا کیونکر لا الٰہ الا اللہ کا معتقد ہو سکتا ہے۔ مگر یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ میں نے تمثیلی طور پر خدا تعالیٰ کو دیکھا اور بطور تمثل خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا ہرگز قابل اعتراض نہیں۔ اور اس سے کسی طرح خدا تعالیٰ کا نسبۃ بالجسمانیات ثابت نہیں ہوتا اور تمثل کے طور پر خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا اولیاء اللہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں "رأیت رب العزة فی المنام علیٰ صورة امی" کہ میں نے اپنے رب کو اپنی ماں کی صورت پر دیکھا۔ مختار مدعیہ کے قول کی رو سے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ نعوذ باللہ من ذلک مشرک کافر مرتد ٹھہرتے ہیں۔ (بحر المعانی مصنفہ حضرت سید محمد بن نصیر الدین جعفری المکی الحسینی ص۶۴) مختار مدعا علیہ نے زبانی بحث کے بعد یہ تحریر پیش کی کہ اسے شامل مسل کیا جاوے۔ فریق ثانی کو اس پر اعتراض ہے۔ اس کے متعلق کل فریقین کی بحث سن کر اسے طے کیا جائے۔ مسل کے ساتھ ہے۔ ۱۷۔ دسمبر ۱۹۳۳ء محمد اکبر۔

مجھے علماء دیوبند کے متعلق اس اعتراض کا جو حنفی سنی علماء نے ان پر کیا تھا یقین نہیں آتا تھا کہ وہ بزرگوں کی وقعت وعظمت نہیں کرتے لیکن مختار مدعیہ کے ان اعتراضات نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ اعتراض بے حقیقت نہیں ہے۔ اندھیر کی بات ہے کہ اکابر علماء امت جن امور کو لکھتے اور انسانی کمالیت میں شمار کرتے ہیں۔ انہی کو دیوبندی علماء نے شرک وکفر اور ارتداد قرار دیا ہے میں اس موقعہ پر بیسیوں بزرگوں کا خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن بخیال اختصار ایک ایسے شخص کو پیش کرتا ہوں۔ جس کی بزرگی سے مختار مدعیہ اور اس کے کسی ہم خیال کو انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی اور وہ مولانا محمد قاسم صاحب بانی

مدرسہ دیوبند ہیں۔ جن کے غلام غلامان ہونے پر مختار مدعیہ نمبر ۲ نے عدالت کے روبرو فخر ومباہات کا اظہار کیا ہے۔ سوانح عمری مولانا محمد قاسم صاحب مؤلفہ مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے کہ "جناب مولوی محمد قاسم صاحب نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی کہ تم کو اللہ تعالےٰ علم عطاء فرمائے گا اور بہت بڑے عالم ہوگے۔ اور نہایت شہرت حاصل ہوگی" مختار مدعیہ کے مسلک کی رو سے یہ خواب ان کے آقا مولانا محمد قاسم صاحب کو مشرک کافر ومرتد قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے بقول مختار مدعیہ خدا کا مجسم ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جلشانہ کی گود کے الفاظ اس کا جسمانیات سے تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ خود مانتے ہیں کہ ہر شب کے آخری حصہ میں خدا تعالےٰ دنیا کے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ (بخاری مسلم مشکوٰۃ صـ۱۰۹ و ترمذی جلد ا صـ۵۹) پھر ان کے نزدیک خدا تعالےٰ کا ہنسنا بھی ممکن ہے۔ (مسلم جلد ا صـ۹۲ باب اثبات الشفاعۃ وابن ماجہ جلد ا صـ۳۹) اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالےٰ اپنی پنڈلی ننگی کرے گا۔ ان کے نزدیک یہ سب کچھ ممکن ہے اور خدا تعالےٰ کی شان کے مناسب ہے۔ لیکن اگر محال اور خدا کی شان کے منافی ہے تو اسے حضرت مسیح موعودؑ کا تمثلی طور پر کشف میں دیکھنا! معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعیہ نے غالباً اس فتوےٰ کی رو سے جو فقہ کی مشہور معروف کتاب البحر الرائق جلد ۵ میں لکھا ہے کہ جو شخص کہے کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا وہ کافر ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو کافر قرار دینے کے شوق میں یہ اعتراض کیا تھا اور انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ خیر سے مولوی محمد قاسم صاحب بھی خواب دیکھ چکے ہیں۔ افسوس۔ پھر علماء اور اولیاء ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلعم بھی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے رب کو بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ جس کے بال کانوں کی لو تک تھے۔ اور پاؤں میں سونے کا جوتا تھا۔ اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صـ۱۶۳)

اور بحر المعانی مصنفہ حضرت سید محمد بن نصیر الدین کے صفحہ ۵۷ میں یہ روایت لکھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

رأیتُ ربّی لیلۃ المعراج علی صورۃ شاب امرد ۔ کہ معراج کی رات میں نے اپنے رب کو بے ریش نوجوانوں کی شکل پر دیکھا۔ معلوم نہیں مختار مدعیہ اپنے اس مسلک کے لحاظ سے کہ خدا تعالےٰ کو خواب میں دیکھنے والا مشرک کافر مرتد ہے۔ اور اگر وہ کروڑ مرتبہ بھی کلمہ پڑھے تو قابل قبول نہیں اس حدیث کو دیکھنے کے بعد کیا فتوےٰ دیگا۔

(۱۲)

انت منّی بمنزلۃ ولدی

مختار مدعیہ نے اس الہام سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا کا بیٹا ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ اور یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس الہام کو درج کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہے کہ خدا تعالےٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ اور کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا کفر ہے۔ چنانچہ دافع البلاء صـ۶ میں یہی الہام

انت منی بمنزلہ ولدی درج فرما کر حاشیہ میں فرماتے ہیں "یاد رہے کہ خدا تعالےٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے۔ اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلعم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا۔ ید اللہ فوق ایدیھم ایسا ہی بجائے قل یا عباد اللہ کے قل یا عبادی کہا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ فاذکروا اللہ کذکرکم آبائکم۔ پس خدا کی اس کلام کو ہوشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ۔ اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو اور حقیقت حوالہ بخدا کرو۔ اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے پاک ہے تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ اور میری نسبت بنات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد والخیر کلہ فی القرآن"

(دافع البلاء حاشیہ صـ۶،۷)

کیا اس تشریح کو دیکھنے کے بعد کوئی امانت و دیانت سے حصہ رکھنے والا انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے اس الہام کی رو سے فرزند خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہرگز نہیں حضرت اقدسؑ تو اس تشریح میں فرما رہے ہیں کہ خدا تعالےٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ خدا کا بیٹا ہونے کا دعوے کفر ہے اور مختار مدعیہ اس سے عدالت کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر حضرت اقدسؑ حقیقۃ الوحی صـ۸۶ میں یہی الہام مذکورہ درج کر کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ " خدا تعالےٰ بیٹوں سے پاک ہے اور یہ کلمہ بطور استعارہ کے ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسےٰؑ کو خدا ٹھہرا رکھا ہے اس لیے مصلحت الٰہی نے یہ چاہا کہ اس سے بڑھ کر الفاظ اس عاجز کی نسبت استعمال کرے تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جن سے مسیح کو خدا بناتے ہیں اس امت میں بھی ایک ہے جس کی نسبت اس سے بڑھ کر ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں" اور حقیقۃ الوحی صـ۶۳ میں فرماتے ہیں " پہلی کتابوں میں جو کامل راستبازوں کو خدا کا بیٹا کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بھی یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ درحقیقت خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ یہ تو کفر ہے اور خدا بیٹے اور بیٹیوں سے پاک ہے۔ بلکہ یہ معنے ہیں کہ ان کامل راستبازوں کے آئینہ صفائی میں عکسی طور پر خدا نازل ہوا تھا۔ اور ایک شخص کا عکس جو آئینہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ استعارہ کے رنگ میں گویا وہ خدا کا بیٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ بیٹا باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی عکس اپنے اصل سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جب کہ ایسے دل میں جو نہایت صافی ہے۔ اور کوئی کدورت اس میں باقی نہیں رہی تجلیات الٰہیہ کا انعکاس ہوتا ہے۔ تو وہ عکس تصویر استعارہ کے رنگ میں اصل کے لیے بطور بیٹے کے ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر توریت میں کہا گیا ہے کہ یعقوب میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا بیٹا ہے۔ اگر عیسائی لوگ اسی حد تک کھڑے رہتے کہ جیسے ابراہیمؑ اور اسحاق اور اسماعیل اور یعقوب اور یوسف اور موسےٰ اور داؤد اور سلیمان وغیرہ خدا کی کتابوں میں استعارہ کے رنگ میں خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں ایسا ہی عیسےٰ بھی ہے تو ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ کیونکہ جیسا کہ استعارہ کے رنگ میں ان نبیوں

کو پہلے نبیوں کی کتابوں میں بیٹا کر کے پکارا گیا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض پیشگوئیوں میں خدا کر کے پکارا گیا ہے دراصل بات یہ ہے کہ نہ تو وہ تمام نبی خدا تعالےٰ کے بیٹے ہیں اور نہ آنحضرت صلعم خدا ہیں۔ بلکہ یہ تمام استعارات ہیں محبت کے پیرایہ میں ایسے الفاظ خدا تعالےٰ کی کلام میں بہت ہیں۔" اور آپ تتمہ حقیقۃ الوحی صلا۱۴۲ میں فرماتے ہیں:" اس بناء پر خدا میں فانی ہونے والے اطفال اللہ کہلاتے ہیں لیکن یہ نہیں کہ وہ خدا کے درحقیقت بیٹے ہیں کیونکہ یہ تو کلمہ کفر ہے اور خدا بیٹوں سے پاک ہے۔ بلکہ اس لئے استعارہ کے رنگ میں وہ خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں کہ وہ بچے کی طرح دلی جوش سے خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ کی طرف صرف قرآن میں اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے۔ فاذکروا اللہ کذکرکم اٰبائکم او اشد ذکرا یعنی خدا کو ایسے محبت اور دلی جوش سے یاد کرو جیسا کہ بچہ اپنے باپ کو یاد کرتا ہے۔ اسی بناء پر ہر ایک قوم کی کتابوں میں اب یا بیٹا کے نام سے خدا کو پکارا گیا ہے۔ سو اولیاء اللہ کو جو صوفی اطفال حق کہتے ہیں یہ صرف استعارہ ہے ورنہ خدا تعالےٰ اس سے پاک اور لم یلد ولم یولد ہے۔

(۱۳)

ایک ضمنی اعتراض کا جواب

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو مجازی طور پر اطفال اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن ولد کا لفظ مجازی طور پر بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو آیت قرآنی فاذکروا اللہ کذکرکم اٰبائکم میں مجازی طور پر اب یعنی باپ کے قائم مقام رکھ کر اسے باپوں کی طرح یاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو یاد کرنے والوں کو استعارہ کے رنگ میں ولد اور ابن کے قائم مقام نہ ہوتے اور اس کو ناجائز قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟ علاوہ اس کے حضرت اقدس ؑ نے اپنے الہام میں ولد کے معنے طفل ہی کے کئے ہیں۔ چنانچہ اطفال حق کے الفاظ جو اولیاء کے حق میں استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کو استعارہ کے طور پر قرار دے کر آپ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ اطفال سے پاک ہے اور لم یلد ولم یولد ہے۔ مختار مدعیہ کو جاننا چاہیئے کہ ابن اور ولد کا لفظ ہم معنے ہیں۔ اور قرآن مجید میں جیسے حقیقی معنوں میں مسیح کو ابن اللہ کہنے کی مذمت کی گئی ہے۔ ویسے ہی ولد اللہ کہنے کی۔ اور جیسے ابن کا لفظ مجازی طور پر پیارے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ویسے ولد کا لفظ بھی۔ چنانچہ الیواقیت جلد ۲ صـ۱۳۹ میں لکھا ہے "کما یقول الشخص لاجنبی انت اخی او ولدی علی طریق التقریب والاکرام ثم لا یرثہ اذا مات ولا یحرم علی بناتہ واخواتہ"

یعنی جیسے کوئی شخص ایک اجنبی کو اپنا بھائی یا اپنا بچہ تقریب اور اکرام کی خاطر کہدے تو پھر وہ شخص نہ تو اس کے مرنے پر اس کا وارث ہوتا ہے۔ اور نہ اس پر اس کی بیٹیاں اور بہنیں حرام ہوتی ہیں۔ اس حوالہ سے معلوم ہو گیا کہ ولد استعمال مجازی طور پر ہو سکتا ہے۔ اب اگر ابن اللہ کے الفاظ کا مجازی طور پر استعمال کسی نبی کے لیے دکھا دیا جائے

تو مختار مدعیہ کے لیے گنجائش چون وچرا نہیں رہ سکتی۔ پس ہم تمام دیوبندیوں کے مسلّم مقتداء و پیشوا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر صہ۸ سے پیش کرتے ہیں۔ "و ازاں جملہ آنیست کہ خدا تعالیٰ در ہر ملت انبیاء و تابعان ایشان" را بہ لقب مقرب و محبوب تشریف دادہ است و منکر آں ملت را بصفت مبغوضیت نکوہیدہ است و دریں باب بہ لفظے شائع در ہر قوم تکلم واقع شد اگر لفظ ابناء ابجائے محبوباں ذکر شدچہ عجب" اگرچہ شاہ صاحب کا حوالہ ہی کافی ہے۔ لیکن میں ایک حوالہ دیوبند کے شیخ الہند مولانا رحمت اللہ مہاجر بیت اللہ کا بھی پیش کرتا ہوں۔ آپ اپنی کتاب ازالۃ الاوہام صہ۵۲ میں فرماتے ہیں۔ "فرزند عبارت از عیسیٰ علیہ السلام ہست کہ انصاری آنجناب را حقیقۃً ابن اللہ میدانند و اہل اسلام آنجناب را ابن اللہ بمعنے عزیز و برگزیدہ خدا میشمارند"۔ اگرچہ اس حوالہ نے بات انتہاء تک پہنچادی لیکن مختار مدعیہ کو اچھی طرح اس کا گھر دکھانے کے لیے میں ایک حوالہ مولوی محمد قاسم صاحب کا بھی پیش کیے دیتا ہوں۔ جن کے غلامان غلام ہوتے کا مختاران مدعیہ کو فخر حاصل ہے فرماتے ہیں: "خدا تعالیٰ کا تعدد محال ہے۔ اس لیے خدا کے لیے بیٹے کا ہونا یا ماں باپ کا ہونا یا بھائی کا ہونا بھی بے شک منجملہ محالات ہوگا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے رعیت کے لوگ اپنے حاکموں اور بادشاہوں کو بوجہ مزید التفات ماں باپ کہہ دیا کرتے ہیں۔ اور بادشاہ اور حاکم ان کو فرزندی کا خطاب دے دیا کرتے ہیں۔ ایسے ہی اگر گاہ و بیگاہ کسی بزرگ، ولی نے خدا تعالیٰ کو باپ کہہ دیا ہو۔ یا خداوند تعالیٰ نے کسی اچھے بندے کو جیسے انبیاء یا اولیاء فرزند کہہ دیا تو اس کے بھی یہی معنے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ ان بزرگوں پر مہربان ہے۔ حقیقی ابوت یا بنوت ایسی جا پر سمجھ لینا اور خدا تعالیٰ کو حقیقی باپ اور ان کو حقیقی بیٹا سمجھنا سخت بے جا ہوگا"۔ (حجۃ الاسلام مطبوعہ مجتبائی صہ۱۱)

میں نہیں سمجھتا کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی یا ولی کو بیٹے کے لفظ سے مخاطب کرنا ان کے مقتداؤں اور پیشواؤں کی تحریروں سے اس شد و مد کے ساتھ جائز ثابت ہوتا ہے تو پھر مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام پر اعتراض کی کون سی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

(۱۴)

اسمع ولدی

(البشریٰ صہ۴۹)

مختار مدعیہ نے اس کو الہام قرار دے کر حضرت مسیح موعودؑ کی طرف ولد اللہ ہونے کا دعویٰ منسوب کیا ہے۔ اور مختار مدعیہ کا ایک نہایت ہی رکیک مغالطہ ہے۔ کیونکہ جرح کے جواب سے گواہ مدعا نے اصل حقیقت ظاہر کردی تھی۔ باوجود اس کے مختار مدعیہ نے پھر اسے پیش کیا ہے۔ جس سے اس کی نیت نہایت صفائی سے ظاہر ہو رہی ہے۔ درحقیقت یہ حضرت مسیح موعودؑ کا کوئی الہام نہیں ہے۔ اصل الہام اسمع داری ہے۔ اس کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ منقول عنہ کتاب میں

اسمع ولدی نہیں بلکہ اسمع و اری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اصل کتاب میں وہ الفاظ نہیں جو نقل میں ہیں تو نقل صحیح نہیں سمجھی جا سکتی۔ چنانچہ اگر کوئی مسلم شخص قرآن مجید کی آیت نقل کرتے میں غلطی کر جائے تو کسی مخالف کا اس غلط نقل کو قرآن مجید کی آیت قرار دینا کسی عقلمند انسان کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔ اصل صحیح اور نقل غلط قرار دی جائے گی۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔ چنانچہ البشریٰ میں اسمع ولدی کا حوالہ یہ دیا گیا ہے "منقول از مکتوبات احمدیہ جلد اول صـ ۲۳" اب مکتوبات احمدیہ جس سے یہ حوالہ دیا گیا ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے "آج قبل تحریر اس خط کے یہ الہام ہوا۔ کذب علیکم الخبیث کذب علیکم الخنزیر عنایت اللہ حافظک انی معک اسمع و اری، الیس اللہ بکاف عبدہ فبرأہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیہا۔ ان الہامات میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کوئی ناپاک طبع آدمی اس عاجز پر کوئی جھوٹ بولے گا یا بولا ہے۔ مگر عنایت اللہ حافظ ہے" اب صاف ظاہر ہے کہ البشریٰ جلد اول صـ۴۹ میں کاتب کی غلطی سے اسمع واری کی جگہ اسمع ولدی لکھا گیا ہے۔ اور چونکہ اصل میں اس کا ترجمہ یہ نہ تھا غلطی سے مؤلف نے ترجمہ بھی ظاہری کتاب کے مطابق کر دیا اور اس کے مؤلف بابو منظور الٰہی ملازم محکمہ تار ریلوے نے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ وہ کوئی عربی دان نہیں ہیں۔ انہوں نے جمع الہامات کا کام محض اپنے شوق اور ثواب کی نیت سے کیا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں کثرت سے اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتخاذ ولد سے پاک ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

(۱) "خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے سب سے زیادہ مرتبے پر وہ لوگ ہیں جن کا نام نبی اور رسول ہے۔ بے شک وہ خدا تعالیٰ کے پیارے اور مقبول ہیں۔ نہایت درجہ کے عزت دار ہیں۔ اسی میں کھوئے گئے اور اسی کا روپ بن گئے۔ اور خدا تعالیٰ کا جلال وغیرہ ان سے ظاہر ہوا۔ خدا ان میں اور وہ خدا میں مگر تاہم ان میں سے ہم حقیقتاً نہ کسی کو خدا کہہ سکتے ہیں اور نہ خدا کا بیٹا" (اشتہار ملحقہ کتاب شہادۃ القرآن صـب)

(۲) اور فرماتے ہیں "وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے" (کشتی نوح صـ۱)

(۳) اور فرماتے ہیں "یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں" (دافع البلاء صـ۶)

(۱۴)

اخطی و اُصیب

مختار مدعیہ کے پیش کردہ الہامات کے علاوہ، دو الہام گواہ نمبر ۱ الف نے اپنے بیان میں پیش کیے ہیں۔ اور ان کے پیش کرنے میں گواہ نے وہی مغالطہ کا طریق اختیار کیا ہے جو مختار مدعیہ نے کیا۔ چنانچہ اس نے حقیقۃ الوحی صـ۱۰۳ سے الہام اخطی و اصیب ذکر کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس الہام کی رو سے خدا تعالیٰ کو غلطی کرنے والا قرار دیا ہے اور نتیجہ نکالنے میں اس نے دیدہ دانستہ عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کی ایسی تشریح کی ہے جو ملہم کے منشاء کے بالکل برخلاف ہے۔ اور یہ نتیجہ نکالنے کے شوق میں اس نے اس الہام کا وہ ترجمہ اور تشریح جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمائی ہے۔ بالکل نظر انداز کر دی ہے۔ حالانکہ اس کی موجودگی میں کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ اور وہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا جو گواہ مدعیہ نے نکالا ہے۔ اور ترجمہ اور تشریح حقیقۃ الوحی کے اسی صفحہ پر جہاں سے گواہ نے یہ الہام نقل کیا ہے۔ مذکور ہے چنانچہ حضرت اقدس ؑ نے اس الہام کا ترجمہ یہ نہیں کیا کہ "میں غلطی کرتا ہوں"۔ بلکہ آپ نے ترجمہ یوں کیا ہے "اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ بھی دوں گا۔ اور کبھی ارادہ پورا کروں گا"۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ اس الہام کو ان معنوں میں لے کر کون سا اعتراض باقی رہ جاتا ہے۔

اور حضرت اقدس ؑ اس الہام کی تشریح میں اسی صفحہ کے حاشیہ پر فرماتے ہیں۔

اس وحی الٰہی کے ظاہر الفاظ یہ معنے رکھتے ہیں کہ میں خطا بھی کروں گا اور صواب بھی۔ یعنی جو میں چاہوں گا کبھی کروں گا اور کبھی نہیں۔ یہ ارادہ پورا ہوگا اور کبھی نہیں۔ ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کے کلام میں آ جاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مومن کی قبض روح کے وقت تردد میں پڑتا ہوں۔ حالانکہ خدا تردد سے پاک ہے۔ اسی طرح یہ وحی الٰہی کہ کبھی میرا ارادہ خطا جاتا ہے اور کبھی پورا ہو جاتا ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں۔ اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے۔

اور حضرت اقدس ؑ نے عبارت بالا میں جس حدیث کا ذکر فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله تعالیٰ قال من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب الی قوله تعالیٰ وما ترددت عن شیئ انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت و انا اکره مسائته" (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

لیعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ کو کسی کام میں جسے میں کرنا چاہتا ہوں۔ (پس و پیش) نہیں ہوتا جتنا اپنے مسلمان بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو (بوجہ تکلیف جسمانی کے) برا سمجھتا ہے اور مجھے بھی

اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔

اور یہ حدیث قدسی ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم اللہ تعالےٰ سے روایت کرتے ہیں۔ اب اگر اس حدیث کو بھی گواہ مدعیہ کے طرز پر لیا جائے تو خدا تعالےٰ کا متردد ہونا لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ تردّد سے پاک ہے۔

اللہ تعالےٰ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ کبھی غلطی نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ کا الہام ہے (۱) ان ربی لا یَضِلُّ و لا ینسی ۔ کہ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ (اربعین ۲ صا۳) (۲) لا یخفی علی اللہ خافیۃ۔ کہ خدا تعالےٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں (البشری جلد ۱ صا۳) (۳) وانہ یعلم السرو اخفی لا الٰہ الا ھو یعلم کل شیئٍ و یری۔ اور اللہ جانتا ہے سّر کو اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ چیز کو۔ کوئی معبود نہیں بجز اس کے اور وہ ہر شے کو جانتا ہے۔ اور دیکھتا ہے (البشری جلد ۲ ص۵۸) پس اخطی و اصیب کے ایسے معنے لینا جو ملہم کے ترجمہ اور تشریح اور دیگر الہامات کے خلاف ہوں ایک ایسی جسارت ہے جس کے متعلق کچھ کہنے سے نہ کہنا بہتر ہے

(۱۵)

الارض و السماء معك كما هو معی[۱]

گواہ مدعیہ ۲ نے اس الہام سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر یہ بہتان باندھا ہے کہ گویا مرزا صاحب نے اس الہام سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر جانا ہے۔ حالانکہ نہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ ہے کہ آپ اللہ تعالےٰ کی طرح حاضر و ناظر ہیں اور نہ آپ کی جماعت آپ کے متعلق ایسا اعتقاد رکھتی ہے اور نہ آپ نے اس الہام سے کبھی یہ مطلب لیا ہے۔ اور آپ نے خود جو مطلب اس الہام کا بیان فرمایا ہے وہ آپ کی کتاب براہین احمدیہ حصّہ پنجم میں درج ہے جو یہ ہے فرماتے ہیں

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ بہت سی قبولیت ظاہر ہوگی اور زمین کے لوگ رجوع کریں گے اور آسمانی فرشتے ساتھ ہونگے ۔ جیسا کہ آج کل ظہور میں آیا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۶۱)

اور بطور قاعدہ کلیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بڑا صدق لے کر اللہ تعالےٰ کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ اس کے لیے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے زمین و آسمان کو اس کے لیے غلاموں کی طرح کر دیتا ہے اور اس کے منشا کے مطابق دنیا میں تصرف کرتا ہے۔" (چشمہ معرفت ص۵۱-۵۲)

---

(۱) ھو اس تاویل سے واحد ہے کہ اس کا مرجع مخلوق ہے (سراج منیر حاشیہ ص۸۱) (۲) ھو کا ضمیر واحد بتاویل مافی السموٰت و الارض ہے (براہین احمدیہ حصّہ چہارم ص۴۸۷)

اور جاننا چاہیئے کہ زمین و آسمان کی معیت سے یہ مراد ہے کہ زمین و آسمان سے آپ کی تائید کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں اور وہ آپ کی صداقت اور سچائی کی شہادت دیتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

"آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۵۸)

اور فرماتے ہیں : ؎

آسماں میرے لیے تو نے بنایا اک گواہ ! !
چاند اور سورج ہوئے میرے لیے تاریک و تار

تو نے طاعوں کو بھی بھیجا میری نصرت کے لیے
تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار

آسماں پر دعوتِ حق کے لیے اک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اتار

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امام کامگار

اور اس قسم کی معیت سے شرک مراد لینا حد درجہ کی نادانی ہے کیونکہ اگر زمین و آسمان کی معیت سے جو خدا تعالےٰ کی مخلوق ہے ۔ شرک لازم آتا ہے ۔ تو جو خدا تعالیٰ کی معیت کا مدعی ہو وہ زیادہ مشرک ہونا چاہیے حالانکہ اس معیت سے نہ تو گواہان مدعیہ یہ مراد لیتے ہیں اور نہ مختار مدعیہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔ وھو معکم اینما کنتم کہ جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے ۔ اِنّ اللہ مع الذین اتقوا (النحل ع ۱۶) کہ خدا تعالےٰ متقیوں کے ساتھ ہے ان اللہ معنا (توبہ ع ۶) آنحضرت صلعم نے فرمایا خدا ہمارے ساتھ ہے ۔ اور حدیث میں تو اللہ ثالثھما فرمایا کہ خدا اپنے کا تیسرا ٹھیرا ہے ۔ پس معیت کے لفظ سے حاضر و ناظر ہونا لازم نہیں آتا ۔ اور لفظ کما مشابہت تامہ کا مقتضی نہیں ہے ۔ جیسا کہ آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ۔ اور درود شریف کما صلیت علی ابراھیم میں کما سے مراد مشابہت تامہ نہیں ۔ بلکہ الہام میں کما سے صرف اتنی مشابہت مقصود ہے کہ جیسے زمین و آسمان خدا تعالےٰ کے وجود پر شاہد ہیں ویسے ہی وہ بوجہ ان نشانات اور تائیدات کے جو خدا کی طرف سے تائید مسیح موعود ان میں ظاہر ہوتے ہیں حضرت مسیح موعود کی صداقت پر شاہد ہیں ۔ اور اس الہام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف خدا کی طرح حاضر و ناظر ہونے کا دعوے منسوب کرنا بعید از عقل ہی نہیں پرلے درجہ کی جہالت کا مظاہرہ کرنا ہے ۔

(۱۶)

اصلی واصوم، اسھر وانام، واجعل لك انوار القدوم، واعطیك ما یدوم ان اللہ مع الذین اتقوا

(البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۷۹)

مختار مدعیہ نے اس الہام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کی گئی ہیں جو خدا کی شان کے بالکل مخالف ہیں۔ اور آیت لا تاخذہ سنة و لا نوم کے مخالف ہیں۔ اور یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ پہلے حصہ الہام میں مذکورہ امور خدا تعالیٰ کے متعلق نہیں بلکہ ملہم کی شان کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور دوسرا حصہ خدا تعالیٰ کے متعلق ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ اپنی تجلی کے نور تجھ میں دکھلاؤں گا۔ اور تجھے وہ نعمت دوں گا جو ہمیشہ رہے گی تحقیق خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں۔ اس دوسرے حصہ میں جن انعامات کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ پہلے حصہ الہام میں ملہم کی حالت ذکر کر کے بیان کی گئی ہے۔ کہ آپ شریعت اسلامیہ کے پابند اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ حدیث بخاری میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اشخاص کی باتیں پہنچیں جن میں سے ایک نے کہا تھا کہ میں تو ساری رات خدا تعالیٰ کی عبادت ہی کرتا رہوں گا اور سوؤں گا نہیں۔ اور دوسرے نے یہ کہا تھا کہ میں کبھی نکاح ہی نہیں کروں گا اور ایک نے یہ کہا تھا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ تو آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا۔ کہ دیکھو میں تم سے زیادہ متقی اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ میں نے نکاح بھی کیا ہے اور میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ پس تمہیں میری سنت پر چلنا چاہیئے (بخاری جلد ۳ کتاب النکاح)

تو اس بات کا الہام کے پہلے حصہ میں ملہم کی زبان پر ذکر کیا ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں۔ اور جاگتا بھی ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ یعنی میں خدائی کا دعویدار نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کے نقش قدم پر چلنے والا ایک مسلمان بندہ ہوں اور یہاں قُل محذوف ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد جگہوں میں قل محذوف ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ بھی انہی میں سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بندوں کو سکھایا ہے کہ وہ کہیں الحمد للہ رب العالمین الی آخر سورۃ الفاتحہ

(دیکھو ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۵۵)

جیسے مختار مدعیہ نے ملہم کے صریح اقوال کے خلاف الہام کا مطلب لے کر عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ویسے ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ مدعیہ کے چار گواہوں کے علاوہ دو گواہوں میں سے الف نے عدالت کو مغالطہ دینے کی سعی کی ہے۔ اور اس الہام کے لیے البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۷۹ کا حوالہ دے کر مطلب یہ لکھوایا "اور جس طرح میں قدیم اور ازلی ہوں اسی طرح تیرے لیے میں نے ازلیت کے انوار کر دئے ہیں اور تو بھی ازلی ہے" حالانکہ نہ یہ الہام کا مطلب ہے اور نہ ہی البشریٰ میں یہ ترجمہ لکھا ہے۔ اس میں اس فقرہ کا یہ ترجمہ درج ہے "اور تیرے لیے اپنے آنے کے نور عطا کروں گا اور وہ چیز تجھے دوں گا

جو تیرے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔ خدا ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں"۔ کیا ایسے گواہ جو بات کو اپنی طرف سے بنا کر دوسرے کی طرف منسوب کرنے سے نہیں ڈرتے وہ اس قابل ہیں کہ ان کی شہادت قبول کی جائے۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالے پر نیند آتی ہے۔ آپ کی تحریرات کے صریح مخالف ہے آپ فرماتے ہیں:۔

(۱) "خدا تعالے ہر ایک نقصان سے پاک ہے۔ جس پر کبھی موت اور فنا طاری نہیں ہوتی۔ بلکہ اونگھ اور نیند سے جو فی الجملہ موت سے مشابہ ہے پاک ہے" (براہین احمدیہ حصہ چہارم صـ۴۳)

(۲) اور فرماتے ہیں "جیسا کہ موت اس پر (یعنی خدا تعالے پر) جائز نہیں ایسا ادنی درجہ کا تعطل حواس بھی جو نیند اور اونگھ سے ہے وہ بھی اس پر جائز نہیں۔ مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے۔ نیند اور اونگھ بھی وارد ہوتی ہے"
(چشمہ معرفت صـ۲۶۱-۲۶۲)

(۱۷)

اعطیت صفة الاحیاء والافناء من الرب الفعّال

(خطبہ الہامیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا قول سے مختار مدعیہ نے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قول سے اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کی صفت محیی و ممیت میں شریک مانا ہے۔ اور اپنی تائید میں حضرت عیسیٰؑ سے احیاء میت کو ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ دیکھو مسیح نے صاف کہا ہے کہ میں یہ خلق اور احیاء باذن اللہ کرتا ہوں مگر مرزا صاحب نے یہ بھی ذکر نہیں کیا۔

میں عدالت پر مختار مدعیہ کے اس مغالطہ دہی کو واضح کرنا چاہتا ہوں جو عمداً کی گئی ہے۔ اور بتانا چاہتا ہوں کہ اسی عبارت میں من الرب الفعال کے الفاظ موجود ہیں جو مختار مدعیہ نے بالقصد ترک کر دیئے ہیں۔

اور تو اس عبارت میں اعطیت کے لفظ سے ہی یہ بات ظاہر تھی کہ حضرت اقدسؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان صفات کے پانے کا اظہار فرما رہے ہیں۔ مگر آپ نے من الرب الفعال کے لفظ سے اس مفہوم کو بالکل واضح کر دیا تھا۔ لیکن مختار مدعیہ نے مغالطہ دینے کی غرض سے دانستہ الفاظ من الرب الفعال ترک کر کے اعتراض کر دیا اور اس فقرہ کا وہ مفہوم لینا جو مختار مدعیہ نے بیان کیا ہے قائل کی منشاء کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے اس قول کی تشریح خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۸ میں ان الفاظ سے کر دی ہے۔

"وبیدی حربة لابید بھا عادات الظلم والذنوب وفی الاخری شربة لاعید بھا حیاة القلوب فاس للاغنلو وانفاس للاحیاء" اور میرے ہاتھ میں ایک حربہ ہے جس کے ساتھ میں

ظلم اور گناہوں کی عادات کو ہلاک کرتا ہوں۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایسا پانی ہے ۔جس کے ساتھ میں قلوب کو زندہ کرتا ہوں کلہاڑی توڑنا ہو کرنے کے لیے ہے اور انفاس طیبہ زندہ کرنے کے لیے مجھے دئے گئے ہیں۔

انہی دونوں باتوں کا مذکورہ بالا قول میں ذکر ہے۔ نہ کہ خدا تعالیٰ کی صفت احیاء اور افناء میں شریک ہونے کا:۔

(۱۹)

نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو!

(ضمیمہ تریاق القلوب ص۳)

اس عبارت سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو متغیر و متبدل مانتے ہیں۔ اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ خدا تعالیٰ کو ازلی ابدی اور غیر متغیر وغیر متبدل مانتے ہیں۔ اور نیا خدا ہونے سے ہرگز آپ کی یہ مراد نہیں ہے کہ خدا پرانا ہو گیا تھا اور اب نیا ہو گیا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے اور ایک نیا رنگ عبودیت کا اختیار کرتا ہے جس کو نئی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اس پر نئے رنگ کی تجلی فرماتا ہے۔ اور بندہ سے اس کا معاملہ ایک نیا معاملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"پیروی کرنے کے لیے یہ باتیں ہیں کہ وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے۔ جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے۔ اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے۔ اور باوجود ایک ہونے کے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔ انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آئے تو اس کے لیے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے، اور ایک نئی تجلی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے، مگر یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آجاتا ہے۔ بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے۔ لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔" (کشتی نوح ص۱۰)

اور فرماتے ہیں: "خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام سے مجھے آگاہی بخشی کہ خدا وہ ذات ہے جو اپنی تمام صفات میں کامل ہے اور ازل سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی طریق پر چلا آتا ہے۔ نہ اس میں حدوث ہے، نہ وہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے۔" (اشتہار ملحقہ کتاب شہادۃ القرآن ص۲)

پس مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ خدا تعالیٰ کو متغیر و متبدل مانتے ہیں بالکل لغو اور قطعاً لغو و باطل ہے۔ اور ایسی صاف باتوں پر ایسے فضول اعتراضات ہر منصف مزاج کے لیے باعث افسوس ہیں۔

(۲۰)

متشابہات

ان اعتراضات کا جواب دینے کے بعد جو مختار مدعیہ نے اس امر کے ثبوت میں پیش کئے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو اللہ تعالے کے ساتھ شریک ملتے اور خدا تعالےٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کرتے ہیں جو ان کے شان کے شایاں نہیں ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ الہٰی کلام ہمیشہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک محکم دوسرا متشابہ۔ اور خدا تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

والذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ۔

کہ جن کے دلوں میں زیغ اور کجروی کا مادہ ہوتا ہے وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فتنہ برپا ہو اور لوگ حق سے منحرف ہو جائیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی دونوں قسم کا کلام پایا جاتا ہے۔ اور بعض کوتہ اندیشیں متشابہات کو ظاہری معنوں میں لے کر جادۂ مستقیم سے منحرف ہو گئے اور خدا تعالے کو بھی ایک مجسم چیز کی طرح سمجھنے اور اس کے ہاتھ، آنکھ وغیرہ ماننے لگے اور یہ سمجھا کہ وہ واقعی عرش پر ایک بادشاہ کی طرح بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن سمجھ دار اور عارفان الہٰی نے ایسے کلمات کو محکمات کے تابع کیا، اور ان کے ایسے معنے کئے جو محکمات کے مخالف نہ تھے۔ اور آنحضرت صلعم کی اتباع میں کاملین امت محمدیہ کو بھی متشابہات ورثہ میں ملے جن پر خشک ملاؤں نے جہالت و نادانی سے اعتراضات کئے اور ان کے موردوں کو کافر اور مرتد اور واجب القتل ٹھہرایا۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں "قرآن مجید میں بھی متشابہات مثل ید استولیٰ علی العرش وغیرہ واقع ہیں کہ جس سے بعض فرقوں نے اللہ تعالے کا جسم ثابت کیا اور گمراہ ہوئے حالانکہ اللہ تعالےٰ ان کی گمراہی سے واقف تھا۔ بلکہ ان کلمات کے سرزد ہونے میں متابعت سنت پیغمبر صلعم بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت خاتمیت مآب صلعم نے بھی فرمایا: ضحک اللہ۔ وان اللہ خلق آدم علی صورتہ ورأیت ربی فی سکک المدینۃ علی صورۃ امرد شاب۔ ووضع اللہ علی کتفی فوجدت بردھا۔ حالانکہ انبیاء خصوصًا جناب سید المرسلین صلعم کمال صحو (ہوش) میں تھے" (مقامات امام ربانی صفحہ ۵)

اگر مختار مدعیہ کی طرز استدلال صحیح سمجھی جائے تو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی اس منقولہ حدیث سے خدا کا مجسم ہونا اس سے بہت بڑھ کر ثابت ہو سکتا ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے متشابہات الہامات سے آپ کے منشاء اور کھلی تشریحات کے خلاف معنے لے کر ثابت کرنا چاہا ہے۔ کیونکہ اس میں ضحک اللہ کے لفظ ہیں، جس کے معنے ہیں کہ اللہ تعالے ہنسا۔ اور مختار مدعیہ کی طرز استدلال کے لحاظ سے ہنسنے کے لئے ان چیزوں کی جن سے ہنسنے کا فعل منحصر ہے یعنی رخسار اور لب وغیرہ کی ضرورت ہے اور جس میں یہ چیزیں پائی جائیں۔ اس کے مجسم ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور جس کو اللہ تعالےٰ اپنی صورت پر پیدا کرے اس

کے خدا کی مشابہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اور اس کے صورت میں خدا کی مانند ہونے سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے۔ اور مختار مدعیہ کے نزدیک یہ سب امور موجب کفر و شرک وارتداد ہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریر میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میں نے اللہ تعالےٰ کو مدینہ کی گلیوں میں ایک بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور یہ تمام باتیں بھی مختار مدعیہ کے عجیب و غریب مگر خلاف اہل اسلام طرز استدلال کی رو سے خدا کو مجسم ٹھہراتی ہیں۔ کیونکہ بے ریش نوجوان اس کا ہاتھ اور اس کی ٹھنڈک وغیرہ امور سب تجسیم کو چاہتے ہیں۔ اور صرف مجدد الف ثانی ہی کو جنہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ نعوذ باللہ مشرک کافر اور مرتد نہیں ٹھہراتی بلکہ نعوذ باللہ دور دور اور بہت دور تک نوبت پہنچاتی ہے۔ دیوبندی مولوی بظاہر تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کو بڑے شد و مد سے اپنا قبلہ و کعبہ بناتے ہیں۔ مگر جب دوسروں کو کافر کہنے کا شوق زور کرتا ہے۔ تو ان پر بھی ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔

یہ تو حدیث تھی اگر قرآن شریف کو بھی دیکھا جائے تو مدعیہ کے طرز استدلال کے لحاظ سے اس کی آیات سے بھی مختار مدعیہ کا چلایا ہوا سلسلہ کفر بہت دور تک پہنچتا ہے۔ مثلاً اس میں استوٰی علی العرش۔ یعنی اللہ تعالےٰ عرش پر بیٹھا ہے اور آیت یحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية — یعنی اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور یداہ مبسوطتان یعنی خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ اور ید اللہ فوق ایدیھم یعنی آنحضرت صلعم کی بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہے اور آنحضرت صلعم کا سعد بن معاذؓ کی وفات پر فرمانا اھتزله عرش الرحمٰن کہ اس وفات سے خدا کا عرش ہل گیا۔ اگر ان آیات اور احادیث کے معنے کرنے میں بھی وہی طرز استدلال اختیار کیا جائے جو مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متشابہ الہامات اور مبہم و مجمل عبارات کے لیے اختیار کی ہے۔ تو احادیث نبویہ اور آیات قرآنیہ سے بھی خدا کا مجسم ہونا پایا جاتا ہے۔ اور جس طرز استدلال کی یہ حالت ہو اس کے باطل ہونے کے متعلق کسی اور امر کے پیش کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

آخر میں اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں بھی محکم اور متشابہ دونوں قسم کا کلام ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔ حسب قاعدہ متشابہ کو محکم کے تابع کرنا چاہیئے۔ یعنی متشابہ کے ایسے معنے کرنے چاہئیں جو محکم کے خلاف نہ ہوں۔ اور ملہم نے اپنے کسی متشابہ الہام کے معنے خود بیان کر دئے ہوں، تو کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ ان معنوں کے خلاف کوئی اور معنے نکالے۔ متشابہ تو الہام ہے، کسی مبہم یا ذوالوجوہ عبارت کے معنے بھی منشائے متکلم کے خلاف نہیں نکالے جا سکتے۔ اور یہ وہ اصل ہے جس سے دنیا میں کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ حتی کہ دیوبندیوں کے ابن شیر خدا علی المرتضیٰ دربھنگی سابق ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند مختار مدعیہ ملا بھی بضرب دہل اس کی تصدیق و تائید کا اعلان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ ”آپ اپنی طرف سے خلاف منشاء متکلم کلام کے معنے تجویز فرماتے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون (السحاب المدرار صـ۴۳) پھر اور لکھتے ہیں "علاوہ ازیں تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ جب مصنف خود فرماتے ہیں کہ میرا مطلب یہ ہے تو اب کسی کو چون و چرا کی گنجائش کیا ہے" (السحاب المدرار صـ۵۵) اور مفتی دیوبندی مولوی محمد شفیع صاحب گواہ مدعیہ علا نے بھی ۲۰ اگست کو جرح کے جواب میں اس اصل کو تسلیم کیا ہے کہ اگر مختلف اقوال مذکور ہوں تو مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔ پس اس اصل مسلمہ فریقین کے مطابق کسی متشابہ الہام یا مجمل و مبہم عبارت کے وہی معنے درست سمجھے جائیں گے جو منشاءِ ملہم و متکلم کے موافق ہوں نہ وہ جو اس کے شدید ترین دشمنوں نے اس کے منشاء اور کھلی کھلی تشریحات کے خلاف اس پر غلط و باطل اتہام لگانے کے لیے گھڑے ہوں۔ اور ملہم یا متکلم و مصنف کے بیان کردہ معنے کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے معنے قابل التفات نہیں ہونگے خواہ وہ معنے کرنے والے دیوبند کے کوئی فاضل ہوں یا کسی اور مقام کے کوئی ناقابل اور اسی اصل کے لحاظ سے حضرت اقدس ؑ کی وہ تشریح بھی درج کرتا ہوں جو حضور نے الہام انت منی بمنزلۃ اولادی کے متعلق بیان فرمائی ہے تا اصل حقیقت واضح سے واضح تر ہو جائے اور وہ یہ ہے۔

"یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت ؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا ید اللہ فوق ایدیھم ایسا ہی بجائے قل یا عباد اللہ کے قل یعبادی بھی کہا۔ اور یہ بھی فرمایا فاذکروا اللہ کذکرکم اٰبائکم پس خدا کی اس کلام کو ہشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ، اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو، اور حقیقت حوالہ بخدا کرو۔ اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے پاک ہے، تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ اور میری نسبت بینات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔

"قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الھکم الٰہ واحد والخیر کلہ فی القراٰن" (دافع البلاء حاشیہ صـ۶)

یہ ہے مختار مدعیہ کے اعتراضات کی حقیقت، اور انہی اعتراضات کی بنیاد پر کچھ عقائد خود وضع کر کے اس نے حضرت اقدس ؑ کی طرف منسوب کیے، اور عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر بار بار اس امر کو دہرایا تھا کہ یہ اعتقاد رکھنے والے اگر کروڑ مرتبہ بھی کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھیں تو وہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ لیکن مندرجہ بالا بیانات سے کالشمس فی نصف النہار ظاہر ہو گیا ہے کہ مختار مدعیہ کے اعتراضات سراسر مغالطہ دہی پر مبنی تھے اور توحید الٰہی کے خلاف جو عقائد اس نے حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف منسوب کیے تھے وہ حضرت اقدس ؑ کے عقائد نہیں تھے۔ بلکہ مختار مدعیہ نے حضرت اقدس ؑ کے منشاء کے خلاف اپنے باطل استدلال سے خود پیدا کر کے حضرت اقدس کی طرف منسوب کر دیے تھے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو حضرت مسیح موعود ؑ اور آپ کی جماعت کے کلمہ توحید کے مطابق ایمان رکھنے میں شک کرنے کی سر مو بھی گنجائش نہیں رہی۔

(٥)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلعم

مختار مدعیہ نے کلمہ کے دوسرے جزو یعنی محمد رسول اللہ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسی طرح منکر قرار دینا چاہا ہے۔ جس طرح پہلے جزو کے متعلق چاہا تھا۔ اور اس امر میں بھی عدالت کو اسی طرح مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے جس طرح کہ پہلے کی تھی۔ اور اس لغو و باطل امر کو ثابت کرنے کے لیے کہ نعوذ باللہ آپ کلمہ کے جزو دوم یعنی محمد رسول اللہ کے بھی منکر ہیں جو بحث اس نے عدالت کے سامنے کی ہے وہ اس کے پہلے جزو کی بحث سے بھی زیادہ مخدوش و لغو اور باطل ہے۔

قبل اس کے کہ میں اس کے ایک ایک اتہام کے متعلق علیحدہ علیحدہ کلام کروں عدالت سے اس طرف توجہ مبذول کرنے کی خصوصیت سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی شخص کا عقیدہ اس کے صاف الفاظ سے معلوم کیا جا سکتا ہے نہ کہ اس کے مخالفوں کے ان معانی سے جو انہوں نے اس کی کسی متشابہ یا مجمل و مبہم عبارت سے اس کی منشاء اور اس کی کھلی کھلی تصریحات کے بالکل ہی خلاف نکالے ہوں خاص کر ایسی حالت میں کہ اس شخص کے کفر و اسلام کا مسئلہ زیر بحث ہو۔ لیکن مختار مدعیہ نے نہ تو پہلے جزو کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی ایسی عبارت پیش کی ہے جس کے صاف الفاظ میں انکار توحید باری موجود ہو۔ اور نہ دوسری جزو کے متعلق کوئی ایسی عبارت پیش کی ہے۔ جس کے الفاظ سے انکار رسالت نکلتا ہو۔ بلکہ متشابہ الہامات کا تشریحات ملہم کے خلاف مفہوم لے کر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو کلمہ کے دونوں جزوں سے انکار ہے۔ اس کارروائی سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ باوجود بہت بڑی کوشش کے مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی عبارت بھی نہیں مل سکی جس کے الفاظ میں انکار توحید و رسالت موجود ہو۔ یہ دونوں جزوں کے متعلق اس نے جو الہامات یا عبارات پیش کی ہیں ان کے غلط مفہوم سے نتیجہ کے طور پر یہ بات نکالی ہے اور یہ امر قطعاً قابل التفات نہیں ہے اور اس سے کسی طرح کسی کا کفر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی ایک عبارت بھی نہیں مل سکی جس کے الفاظ میں انکار رسالت و توحید موجود ہو۔ لیکن آپ کی ایسی بے شمار عبارتیں موجود ہیں جن کے الفاظ میں اقرار رسالت و توحید موجود ہے اور اس کے منکر کو کافر کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس نے عدالت کو مغالطہ دینا چاہا ہے اور اس پر مختار مدعیہ ۲ نے بھی بہت زور دیا ہے کہ جو عبارات جس مفہوم میں انہوں نے پیش کی ہیں انہی کا دیکھ لینا کافی ہے اور دیگر عبارات کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جس کو صحیح قرار دینے سے امان اٹھ جاتا ہے اور کوئی شخص بھی کفر کے فتوے سے نہیں بچ سکتا۔ کیونکہ کسی شخص کی متشابہ اور مجمل عبارات کے خود ساختہ معنے لے کر اور اس کی منشاء تصریحات اور دیگر عبارات کو نظر انداز کر کے فتوے دیا

جائے تو بڑی آسانی سے کفر کا فتوے دیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کفر کا فتویٰ درحقیقت اس پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کفر کا فتوے دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس پر فتویٰ دیا جائے اس کا قول صراحت کے ساتھ موجب کفر ہو متشابہ و مبہم اور ذو الوجوہ عبارت پر کسی طرح کفر کا فتوے نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ ایسی عبارتوں سے وہی معنے لیئے جاتے ہیں اور لیئے جانا چاہئیں جو صاحب عبارت کے منشاء اور اس کی تشریحات اور اس کی دوسری محکم و بین عبارتوں کے خلاف نہ ہوں۔

چنانچہ ۲۰ اگست ۱۹۳۲ء کو گواہ مدعیہ ۲ نے جرح کے جواب میں یہ اصل تسلیم کیا ہے۔ "ایک مصنف کے قول کا ماقبل و مابعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کیا جائے، اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کر دینا عقیدہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے" اور ۲۱ اگست کو بجواب مکرر جرح اس نے اس قول کی یہ تشریح کی ہے "اگر مصنف کے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال مذکورہ ہوں۔ ان میں سے ایک قول مبہم ہے تو اس مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا" اسی طرح گواہ ۳ نے بھی ۱۳ اگست کو بجواب جرح اس اصل کو تسلیم کیا ہے کہ "متکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرح کلام پر حمل کیا جائے گا" چونکہ مختار مدعیہ کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت مسیح موعود کے متشابہ الہامات اور مجمل عبارات کے جو معنے اس نے خود گھڑے ہیں وہ آپ کے منشاء و تشریحات کے بالکل خلاف ہیں۔ اور صرف نہیں بلکہ ان کے خلاف آپ کی بے شمار عبارتیں بھی موجود ہیں اس لیے اس نے حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتوں کے متناقض و متعارض ہونے پر بڑا زور دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ہر امر کے متعلق آپ کے کلام میں تناقض موجود ہے۔ اور کوئی ایسا قول نہیں جس کے خلاف دوسرا قول بھی موجود نہ ہو۔ لیکن یہ اس کا سراسر مغالطہ ہے اور اس سے اس کا مقصود یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متشابہ الہامات و مجمل اقوال کے جو غلط معنے اس نے گھڑے ہیں۔ وہ صحیح قرار پائیں۔ اور آپ کے جو اقوال اس کے ان گھڑے ہوئے غلط معنے کے خلاف پیش کیئے جائیں وہ تناقض و متعارض متصور ہو کر نظر انداز ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں درحقیقت کوئی تناقض و تعارض نہیں ہے آپ کا ہر قول اپنے محل میں چسپاں اور اپنے مقام پر بالکل درست ہے جیسا کہ اس بحث میں ظاہر ہو گا۔ اب میں مختار مدعیہ کے ایک ایک قول کو لیتا اور اس کا جواب دیتا ہوں۔

(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں!

مختار مدعیہ نے پہلا مغالطہ تو یہ دیا ہے کہ آخری نبی ہونا آنحضرت صلعم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب نے آپ کے آخری ہونے سے انکار کیا ہے لہٰذا آپ کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہوئے اور دائرہ اسلام سے خارج۔

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید و احادیث کی رو سے آنحضرت صلعم کا جن معنوں کی رو سے آخری نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان

معنوں کے لحاظ سے آپ نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں: "نوع انسان کے لیے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن، اور تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔" اور فرماتے ہیں: "نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اسکے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لیے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے (کشتی نوح صـ۱۳)

اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ان معنے سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شرعی نبی ہیں اور آپ کی اتباع کے بغیر انسان کسی روحانی مقام پر فائز نہیں ہو سکتا کبھی انکار نہیں کیا اور حضورؐ کی یہ خصوصیت بحیثیت آخری نبی ہونے کے قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔

میں مختار مدعیہ کے اس مغالطہ کو کہ (حضرت) مرزا صاحب نے آنحضرت صلعم کے آخری نبی ہونے سے انکار کیا ہے ظاہر کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود کا یہ ارشاد کہ ؎

اول آدم آخر شاں احمد است   اے خنک آنکس کہ بیند آخری!

اور یہ ارشاد کہ ؎

احمد آخر زماں کو اولیں را جائے فخر!   آخریں را مقتداؤ ملجاؤ کہف وحصار"

اور آپ کا یہ ارشاد" ملائک یعنی جبریل علیہ السلام آخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی ظاہر ہوا کہ ملائک کے اس فعل رمی شہب سے علت غائی رمی شیاطین ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام حاشیہ صـ۱۲۶) پیش نہیں کرتا۔ جو مختار مدعیہ کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ پہلا شعر براہین احمدیہ کا اور دوسرا آئینہ کمالات اسلام کا ہے۔ اور یہ دو نو کتابیں ۱۹۰۱ء سے پہلے کی ہیں جب کہ بقول مختار مدعیہ آپ نے کوئی کفریہ دعوے نہیں کیے تھے۔ یعنی براہین احمدیہ ۱۸۸۵ء کی ہے اور آئینہ کمالات اسلام ۱۸۹۳ء کی ہے۔ بلکہ حقیقۃ الوحی کا حوالہ پیش کرتا ہوں جو ۱۹۰۷ء میں آپ کی وفات سے صرف ایک سال پہلے کی شائع شدہ کتاب ہے۔ اور جب کہ بقول مختار مدعیہ آپ تمام کفریہ دعوے کر چکے تھے تا مختار مدعیہ کی مغالطہ اندازی عام وخاص سب پر الم نشرح ہو جائے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: "تمام نبیوں نے جو بنی اسرائیل میں آتے رہے۔ اس پیشگوئی کے یہی معنے سمجھے تھے کہ وہ آخر الزمان نبی بنی اسرائیل سے پیدا ہوگا۔ مگر وہ نبی بنی اسماعیل میں سے پیدا ہو گیا۔" (حقیقۃ الوحی صـ۴۲)

اور صفحہ ۴۶ پر فرماتے ہیں: "سو تقویٰ کے دائرہ سے باہر قدم مت رکھو۔ کیا جیسا کہ یہود نے اور ان کے نبیوں نے سمجھا تھا آخری نبی بنی اسرائیل میں سے آیا؟ یا الیاس نبی دوبارہ زمین پر آگیا؟ ہرگز نہیں بلکہ یہود نے دونوں جگہ غلطی کھائی۔"

اور فرماتے ہیں: "اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین وآسمان کو چھ دن میں بنایا، اور آدم کو پیدا کیا اور رسول اللہ بھیجے اور کتابیں بھیجیں۔ اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔" (حقیقۃ الوحی صـ۱۴۱)

یہ بیان کردینے کے بعد کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آقا و مولا افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانا ہے، یہ کہدینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ جس حدیث میں آخرالانبیاء آیا ہے وہ کوئی زیادہ قوی حدیث نہیں ہے بلکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے جسے امام احمدؒ اور یحیٰی بن معین اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور دارقطنی وغیرہ نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی تمام احادیث میں تامل ہے (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۹)

اور اس کے دوسرے راوی عبدالرحمان المحاربی کے متعلق ابن معین نے کہا ہے کہ وہ منکر حدیثیں اور غیر معروف اور مجہول لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا سچا تو ہے لیکن مجہول شخصوں سے روایت کرتا ہے جس سے اس کی تمام احادیث خراب ہوجاتی ہیں۔ اور وکیع نے کہا ہے کہ وہ لمبی حدیثیں یاد نہیں رکھ سکتا، اور امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

باوجودیکہ یہ روایت اتنی مضبوط نہیں ہے کہ یقینی طور پر صحیح مان لی جائے۔ تاہم اس کے معنے بالکل واضح ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلام کا دشمن اور اس کی تخریب میں ساعی ہوگا اپنے آپ کو آخرالانبیاء فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی امت کو آخرالامم یعنی آپ ایسے آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو مستقل امت بنانے والا ہو۔ پس احمدیہ جماعت مذکورہ بالا معنوں کے لحاظ سے آنحضرت صلعم کے آخری نبی ہونے کی خصوصیت کو تسلیم کرتی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ کلمہ میں تو محمد رسول اللہ کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ اور مختار مدعیہ آخری نبی ہونے کے اقرار کو کلمہ کی جزو میں داخل کر رہا ہے۔ حالانکہ نہ تو قرآن میں آنحضرت صلعم کے لیے آخری نبی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور نہ کسی مشہور متواتر حدیث میں۔ بلکہ جس حدیث میں آخرالانبیاء کا لفظ آیا ہے وہ بھی خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی ہے جس پر عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ کیونکہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر باور نہ ہو تو مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ اپنے مسلم عالم کا قول پڑھ لیں۔ مولوی خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں: "اعتقادیات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ ظنیات صحاح کا۔ چہ جائیکہ ضعاف اور موضوعات کا" (البراہین القاطعہ صفحہ ۸۹)

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعا علیہ نے جرح کے جواب میں آنحضرت صلعم کی خصوصیات پر ایمان لانے کو ضروری مانا ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے۔ گواہان مدعا علیہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ جو خصوصیات نہ تو قرآن مجید سے ثابت ہوں اور نہ کسی حدیث متواتر سے۔ بلکہ لوگوں نے اپنی طرف سے چند مفروضات گھڑ کر ان کا نام خصوصیات رکھ لیا ہو ان پر بھی ایمان لانا ضروریات مومن میں سے شمار کیا جائے۔

(۲)

خاتم النبیین کے معنے !

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمہ کے جزو ثانی کی انکار کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ خاتم النبیین کے معنے کے منکر ہیں۔ چونکہ خاتم النبیین کے معنے کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے مفصل طور پر اپنے بیانوں میں بحث کر دی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کو بصدق دل یقین کرتے ہیں، اور اس کے جو معنے قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور ائمہؒ اور لغت عرب کی رو سے ثابت ہوتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس مختار مدعیہ کا یہ ادعا کہ احمدی خاتم النبیین کے معنے کے منکر ہونے کی وجہ سے کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہیں لغو اور بیہودہ ہے۔

(۳)

معراج جسمانی کا انکار

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کے کلمہ کی جزو ثانی سے منکر ہونے کی ایک وجہ یہ قرار دی ہے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر ہیں۔ اور تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ کو عرش تک معراج جسمانی ہوئی تھی، جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ دوسری معراجوں کا یہاں ذکر نہیں اور اگر کوئی اپنے لیے یا کسی اور کے لیے ویسی معراج مانے تو شرک فی الرسالۃ ہوگا اور مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ یہ آنحضرت کا ایک کشف تھا۔ اور ایسے کشوف میں خود مؤلف بھی صاحب تجربہ ہے۔ اس قول سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے لیے ایک نہیں بلکہ کئی معراج ثابت کیے ہیں اور آنحضرت صلعم کے معراج جسمانی کا انکار کیا ہے۔ اس لیے آپ کلمہ کی جزو ثانی کے منکر ہوئے۔ کیونکہ معراج نبوی رسول اللہ صلعم کی خصوصیات میں سے ہے اور اس انکار کی وجہ سے کافر مرتد ہوئے۔ لہذا مدعیہ کا نکاح فسخ ہونا چاہیئے۔

مختار مدعیہ کے اس اعتراض میں تین باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) کیا رسول اللہ صلعم کو معراج جسمانی ہوئی، اور کیا صحابہ اور ائمہ سلف صالحین اور تمام علماء اہل سنت معراج جسمانی کے قائل تھے۔

(۲) کیا پہلے انبیاء میں سے یا اولیاء امت میں سے کسی کو آنحضرت صلعم کی طرح معراج ہوئی۔

(۳) کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ لکھا ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی طرح معراج ہوئی۔

پہلی بات کے متعلق خود مختار مدعیہ نے سرسید احمد خان صاحب کو مسلمان سمجھتے ہوئے اور ان کے نام کے ساتھ علیہ الرحمۃ

کا فقرہ استعمال کرتے ہوئے جو بزرگان دین کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اقرار کیا ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کے معراج جسمانی کے منکر تھے اور اسے رویا مانتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں صریح طور پر لکھا ہے۔

"اگر ہماری یہ رائے صحیح نہ ہو اور ابن عباس نے عین کا لفظ رویا کے ساتھ اسی مقصد سے بولا ہے کہ رویا سے رؤیت یا نعین فی الیقظہ مراد ہے۔ تو وہ بھی منجملہ اس گروہ کے ہوں گے جو معراج فی الیقظہ کے قائل ہوئے ہیں۔ مگر ہم اس گروہ میں ہیں جو واقعہ معراج کو حالت خواب میں تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک خواب میں ماننا لازم ہے (تفسیر سرسید ص۱۰۱)

جب مختار مدعیہ کے نزدیک سرسید معراج جسمانی کے منکر ہو کر مسلمان ہی نہیں بلکہ ایک بزرگ مسلمان ہیں جو خطاب علیہ الرحمتہ کے مستحق ہیں۔ تو وہ اسی بناء پر کسی اور کو دائرہ اسلام سے خارج اور کلمہ شہادتین کے منکر کس طرح قرار دے سکتا ہے۔ ہمیں تو اس تفریق و تخالف کی اس کے سوا اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت اقدس مرزا صاحب علیہ السلام نے جو کہ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعوے کیا ہے اور قدیم نوشتوں کی بنا پر ضروری تھا کہ اس زمانہ کے مولوی حسد اور تعصب کی وجہ سے انہیں کافر و مرتد قرار دیں۔

دوسری بات کے لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ فریق مخالف کے ایک مسلم عالم کی تحقیق بیان کردوں۔ علامہ سید سلیمان ندوی سیرۃ النبی جلد ۳ صفحہ ۲۹۲ میں بذیل عنوان "معراج جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری" تحریر فرماتے ہیں۔

"اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورہ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت و ما جعلنا الرؤیا التی اریناك الا فتنۃ للناس بنی اسرائیل ع ۶۔ کہ میں نے جو رویا (دکھاوا) تجھ کو دکھایا اس کو ہم نے لوگوں کے لیے صرف آزمائش بنایا ہے۔

بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے۔ رؤیا عربی زبان میں "دکھاوا" کو کہتے ہیں۔ یعنی "جو دیکھنے میں آئے"۔ اور عام طور سے اس کے معنے "خواب" کے ہیں۔ اس لیے جو فریق معراج کو خواب بتاتا ہے۔ وہ اس آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس کی اس روایت میں ان کی تصریح ہے کہ رویا آنکھ کا دیکھنا تھا جو معراج میں آنحضرت صلعم کو دکھایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ محض خواب نہ تھا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں۔ ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان روایتوں کے الفاظ یا تو خواب و بیداری دونوں پہلوؤں سے خاموش ہیں۔ یعنی ان میں مطلقاً اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ خواب تھا یا بیداری۔ اور یا یہ کہ ان میں خواب منام اور رؤیا کی تصریح ہے بخاری، مسلم اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابوذر رضؓ کی جو روایت ہے۔ اور حضرت انسؓ کی اسی روایت میں جو شریک کے واسطہ سے ہے یہ تصریح تمام مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفۃ النبی دو مقامات میں ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"سمعت عن انس بن مالك يقول ليلة اسرى برسول الله صلعم . . . . . .
حتى اتوه ليلة اخرى فيما يرى قلبه وتنام عينه ولا ينام قلبه وكذالك
الانبياء تنام اعينهم ولا تنام قلوبهم" (كتاب التوحيد)

انس بن مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا . . .
یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ (تین شخص) آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوئی ہوئی تھی لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔ اور اس طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔"

اسی معنی کا دوسری حدیث جو باب صفۃ النبی صلعم میں آئی ہے درج کی ہے پھر لکھتے ہیں:۔

"بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہیں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انس کا یہ فقرہ روایت کیا ہے۔ فاستيقظ وهو فى المسجد الحرام " پھر آپ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے ۔

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے۔ سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ "آپ مسجد حرام میں سوتے تھے"۔ اس کو ختم کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ "شریک نے اس روایت کو گھٹا بڑھا دیا ہے۔ اور آگے پیچھے کر دیا ہے"۔ اس لیے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے شریک کی یہ تنہا زیادت قبول نہ ہوتی مگر وہ اس بات میں تنہا اور منفرد نہیں ہے۔ صحیحین میں ہے۔ کہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاری خود آنحضرت صلعم کی زبانی۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔
بينا انا عند البيت بين النائم واليقظان (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و صحیح مسلم باب الاسراء) کہ میں کعبہ کے پاس خواب بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن حنبل میں مالک بن صعصعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا بينما انا فى الحطيم مضطجعا اسی اثناء میں کہ خانہ کعبہ کے مقام حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔

اس کے بعد ان روایتوں میں معراج کے تمام واقعات مذکور ہیں۔ بیچ اور آخر میں بیداری کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ دلائل بیہقی میں ایک روایت ہے جس میں حضرت ابو سعید خدری رضؓ کے واسطہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا۔ ایک آنے والا (جبرائیل) آیا اور اس نے مجھے آکر اٹھایا اور میں اٹھا"۔ اس کے بعد واقعہ معراج کی تفصیل ہے۔ لیکن اس کا دوسرا ہی راوی جھوٹا۔ دروغگو اور ناقابل اعتبار ہے۔ اور اس میں جو منکر اور غرائب امور بیان کئے گئے ہیں، وہ سراپا لغو ہیں۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر (سورہ اسراء) میں حضرت حسن بصری سے بھی اس قسم کی روایت کی ہے کہ میں سو رہا تھا کہ جبرائیل نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا۔ لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصری سے آگے نہیں، بڑھتا۔ بہرحال جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ صحیح روایتوں میں یا تو مطلق خواب و بیداری کی تفصیل نہیں اور یا خواب و بیداری

کی درمیانی حالت کی تصریح ہے:۔

سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور رویائے صادقہ کہتے ہیں۔ (صفحہ ۲۹۳ - ۲۹۶) جو لوگ معراج کو بیداری کا واقعہ سمجھتے ہیں ان کے متعلق لکھتے ہیں وہ قرآن مجید کی کسی نص یا حدیث کے کسی صحیح متن سے اپنے دعوی کا ثبوت پیش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ زیادہ تر عقلی استدلال کا پہلو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر سے لے کر امام رازیؒ تک سب نے یہی کہا ہے۔ اس فرقہ کے عقلی دلائل چار ہیں:۔

(۱) قرآن مجید میں ہے کہ سبحان الذی اسری بعبدہٖ پاک ہے وہ خدا جو (شب معراج میں) لے گیا اپنے بندہ (عبد) کو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے "بندہ" کو لے گیا۔ بندہ یا عبد کا اطلاق جسم پر یا جسم و روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ تنہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

(۲) واقعات معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ براق پر سوار ہوئے آپ نے دودھ کا پیالہ نوش فرمایا۔ سوار ہونا پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں اس لیے یہ معراج جسمانی تھی۔

(۳) اگر واقعہ معراج رویا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے۔ انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے محال سے محال چیز بھی اس کو عالم خواب میں واقع بن کر نظر آتی ہے۔

(۴) خدا تعالے نے قرآن مجید میں کہا ہے کہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس۔ سو اس مشاہدہ معراج کو ہم نے لوگوں کے لیے معیار آزمائش بنایا ہے۔ اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش ایمان کی کیا چیز تھی، اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔

معراج کے جسمانی اور واقعہ بیداری ہونے پر یہ دلائل حد درجہ کمزور اور بے بنیاد ہیں۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مجرد روح پر بندہ اور عبد کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ جسم انسانی تو ہر لحظہ اور ہر آن بکھر رہا ہے۔ اور فنا ہو رہا ہے۔ بندہ ازل اور عبد مطلق تو یہی جان بے جسم اور روح بے جسد ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت پاک تم کو یاد ہوگی یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

اس آیت میں دیکھو کہ نفس و جان و روح کو صاف بندہ اور عبد کہا گیا ہے (اسی طرح سورہ مائدہ ع ۱۶ میں ہے ان تعذبھم فانھم عبادک اس آیت میں قیامت کے روز حضرت عیسےٰؑ اپنی امت کے متعلق عباد کا لفظ فرمائیں گے۔ حالانکہ اس دن خاکی جسد نہ ہونگے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ جب کسی مومن بندے کی روح نکال کر فرشتے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں تو اگلے فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ پاک روح کون سی ہے۔ فیقولون فلان بن فلان وہ کہتے ہیں یہ فلاں بیٹا فلاں کا ہے۔ آخر کار جب وہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں۔ فیقول اللہ عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین۔ خدا تعالے فرماتا ہے کہ میرے

اس "بندہ" کے اعمالنامہ میں یہ لکھ دو کہ اس کی جگہ علیین میں ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۴۲)
اس میں بھی صرف روح کے لیے لفظ عبد کا استعمال ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان خواب کا ذکر کرے تو صیغہ وہی استعمال کیا جاتا ہے جو روح مع الجسد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ شمس)

یہ کہنا کہ سوار ہونا اور دودھ پینا جسم کے خواص ہیں اس لیے معراج جسمانی تھی، سرتا پا مغالطہ ہے یہ تو جب کہا جا سکتا ہے جب کوئی یہ کہے کہ براق اور دودھ بھی ہماری اس دنیا کی مادی سواری اور ایک جوہر سیال تھا۔ اگر یہی اعتراض کرنا ہے تو تم یہی کیوں نہیں کہتے کہ نفس آنا جانا، کہنا سننا بھی خواص جسمانی ہیں اس لیے یہ معراج جسمانی تھی۔ لیکن تم کو معلوم ہو کہ ہم جس عالم کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہاں نہ ہم ان پاؤں سے چلتے ہیں نہ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں نہ ان کانوں سے سنتے ہیں، نہ اس جسم سے سوار ہوتے ہیں، اور نہ اس منہ سے کھاتے اور پیتے ہیں۔ ۔ ۔ اسی طرح جس طرح آپ کا یہ سفر روحانی تھا، براق، دودھ اور معراج کے دیگر مناظر و مشاہد بھی روحانی تھے۔

تیسرا استدلال کہ اگر یہ خواب ہوتا تو کفار تکذیب کیوں کرتے؟ بھی صحیح نہیں۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں:۔

(۱) اگر آنحضرت صلعم، صحابہ اور مسلمان (نعوذ باللہ) اس رویا کو محض خواب و خیال کا رتبہ دیتے تو کفار کو تکذیب کی حاجت نہ تھی۔ مگر چونکہ ان کو معلوم تھا کہ محمد (صلعم) جو کچھ اس عالم میں دیکھتے ہیں وہ اس کو واقع اور حقیقت جانتے ہیں اس لیے ان کو اعتراض تھا اور واقعات معراج میں سیر بیت المقدس کے سوا اور تمام باتیں دوسرے عالم کی تھیں، جن کے صدق و کذب اور حق و بطلان کی کوئی صورت ان کے پاس نہ تھی اس بناء پر انہوں نے معراج کے تمام واقعات اور مناظر میں سے بیت المقدس کا حال پوچھا۔ اگر آپ اس کو (نعوذ باللہ) غلط بتاتے تو اور باتوں کو بھی وہ لوگوں میں اسی طرح غلط، باطل اور بے حقیقت ثابت کرتے۔

(۲) دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش خدا کی عظمت و تقدس کو مانتے تھے۔ فرشتوں پر یقین رکھتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ وغیرہ پیغمبروں کی نیکی اور بڑائی بھی انہوں سے سنی تھی۔ اور اپنے خیال میں وہ آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ جھوٹا، کاذب اور دروغگو، لامذہب اور بے دین جانتے تھے۔ اس لیے ان کے ذہن میں یہ بات بھی نہیں آسکتی تھی کہ ایسا آدمی ایسا مقدس، ایسا باعظمت، ایسا روحانی اور ایسا پاکیزہ خواب دیکھ سکتا ہے۔

(۳) اور اصل بات یہ ہے کہ یہ مشاہدہ جس کو خواب کہہ کر تعبیر کر رہے ہو حقیقت کی رو سے خواب نہ تھا بلکہ جسم سے منقطع ہو کر روح کی سیر تھی اور قریش کے لیے اس کا سمجھنا آسان نہ تھا آخری استدلال تو تمام ترطرفداران رؤیا کے حق میں ہے کہ خود خداوند تعالے اس کو رؤیا سے تعبیر کرتا ہے۔

"وما جعلنا الرؤیا التی اریناك الا فتنة للناس ہم نے جو رؤیا تجھ کو دکھایا اس کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا۔ کسی چیز کو ایمان واعتراف کی آزمائش کا معیار بنانے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ بظاہر اس پر ایمان لانا مشکل

اور حیرت انگیز ہی ہو۔ مدینہ جا کر قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی عجوبہ اور عقل کے خلاف چیز نہیں، تاہم اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کی آزمائش کا معیار قرار دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ تمام کج بحثیاں اور لفظی نزاعیں اس لیے پیدا ہوئی ہیں کہ لوگوں نے رؤیا کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ وہ انبیاء کے رؤیا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے ورنہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے۔ یہ وہ "رؤیا" ہے جس میں گو آنکھیں بند ہوتی ہیں مگر دل بیدار ہوتا ہے۔ کیا یہی عام رؤیا کی حقیقت ہے یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے مگر دراصل ہوشیاری۔ بلکہ مافوق ہشیاری ہے، بلکہ عام خواب اور اس میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالم مادی اور کاروبار حواس ظاہری سے پہلے میں تغافل ہے تو دوسرے میں تعطل ہے۔ لیکن عالم ارواح اور کائنات ملکوت میں پہلے کو دخل نہیں تو دوسرے میں سراپا ہشیاری، بیداری، حقیقت بینی، ہمسفری ناموس، سیر سماوات، لقائے ارواح، رویت حق سب کچھ ہے۔ اس لیے صحابہ یا راویوں میں سے جن لوگوں نے اس کو "منام" یا "رؤیا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ درحقیقت مجاز و استعارہ ہے۔ ورنہ اصل مقصود یہی کیفیت روحانی اور یہی حالت ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری حواس کے مادی قوانین طبعی کی رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ اس عالم میں محال نہیں ہیں۔ اس آیت پاک کو وما جعلنا الرؤیا التی اریناک ہم نے جو رؤیا (معراج) تجھ کو دکھایا لوگ رؤیا کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے صحاح میں روایت ہے کہ یہ آیت معراج کے متعلق ہے لیکن حضرت ابن عباس یہ بھی اس روایت میں کہتے ہیں کہ یہ رؤیائے چشم تھا۔[1]

اصل الفاظ روایت کے بیان کر کے لکھتے ہیں:

"اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رؤیا لغت میں "آنکھ کے دیکھنے" کو نہیں کہتے۔ فریق مخالف کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس سے بڑھ کر لغت عرب کا واقف کار اور کون ہو سکتا ہے۔ جب وہ رؤیائے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں راعی اور متنبی بعض شعراء نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اول تو راعی اور متنبی لغت کے لیے سند نہیں ہیں۔ اور اگر ہوں بھی تو ان کے شعر سے یہ سمجھنا کہ رؤیا کا لفظ رویت کے معنے میں استعمال ہوا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسی خواب اور خیالی دیدار اور دکھاوے کے معنے میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس کی تفسیر کا مطلب جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں، ایک بلیغ اشارہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مشاہدات معراج کو "رؤیا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ رؤیا کے معنے عام طور سے "خواب" کے ہیں جو محض تخیل بھی ہو سکتا ہے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے اور رؤیا یا معراج کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے انہوں نے "رؤیا" کو رؤیائے عینی کہہ کر اس کی تفسیر کی۔ یعنی یہ معراج صرف ظاہری حیثیت سے آنکھ کا خواب تھا ورنہ درحقیقت وہ قلب کا مشاہدہ تھا۔ اور اسی حد تک واقعی اور قطعی تھا۔

---

[1] رؤیا کا لفظ لغتاً عالم خواب کے ساتھ مخصوص ہے۔ جس میں جسد عنصری حرکت نہیں کرتا چنانچہ مفردات راغب میں جس کے متعلق مختار مدعیہ نے بھی کہا ہے کہ اس سے بڑھ کر قرآنی مشکل الفاظ کے حل کرنے کے لیے اور کوئی لغت نہیں لکھا ہے کہ رؤیا وہ ہے جو خواب دیکھا جاتا ہے۔ لسان العرب میں ہے الرؤیا ما رأیتہ،

جس حد تک ظاہری آنکھوں کا مشاہدہ ہو سکتا ہے؟ (صـ۲۹۷ تا صـ۳۰۱)
پھر لکھتے ہیں، "حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے وقد نقل ابن اسحاق عن عائشةؓ ومعاویةؓ انهما قالا انما كان الاسراء بروحه ولم يفقد جسده و نقل عن الحسن البصري نحو ذالك الخ یعنی ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ ومعاویہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ کی روح لے جائی گئی اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن بصریؒ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ لیکن یہ جاننا چاہیئے کہ یہ کہنا کہ معراج منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے تھی جسم کے ساتھ نہ تھی ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ - - اور جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو آسمان پر چڑھایا گیا۔ ان میں دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو معراج روح و بدن دونوں کے ساتھ ہوئی۔ اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ خواب تھا۔ بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی"۔ (صـ۳۰۳) پھر لکھتے ہیں۔
"علماء اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے۔ جو صوفی اور صاحب حال بھی ہے اور محدث اور متکلم بھی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی آپ حجۃ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔
" واسری بہ سے لے کر واللہ اعلم تک (ترجمہ) آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں خدا نے چاہا، اور یہ تمام جسم مبارک کے ساتھ بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے۔ اس لیے جسم پر روح کے احکام جاری ہوئے۔ اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے۔ اور اس لیے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی۔ اور اسی طرح کے واقعات حضرت

(بقیہ حاشیہ) فی مناک، کہ رویا کے معنے خواب میں دیکھنے کے ہیں۔ اور شہاب علی الشفاء جلد ۲ صـ۲۵۷ پر رؤیا کے معنے لکھے ہیں ما يرى في المنام من الاحلام مصدر يختص بذالك و يقال في غيره رؤية بالتاء ورأى ، کہ رویا خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کے سوا میں رویت یا رای استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہر جگہ خواب کے معنوں ہی میں آیا ہے۔ پارہ ۱۲ ع ۱۱ و ۱۲ اور پارہ ۱۳ ع ۵ و پارہ ۲۳ ع ۷ و پارہ ۲۶ ع ۱۲ + ایک فاضل دیوبندی فرماتے ہیں الرؤيا يستعمل في المنام خاصة"۔ کہ رؤیا خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے (تسہیل البیان صـ۳۴۲ مصنفہ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی) مجمع البحار میں ہے الرؤيا ما يرى في المنام کہ جو خواب میں دیکھا جاتا ہے اسے رؤیا کہتے ہیں۔ اور امام ابو محمد القاسم ابن علی الحریری نے رؤیا کو بمعنی رؤیت فی الیقظہ استعمال کرنا غلط بتایا ہے اور متنبی کے شعر پر اعتراض کیا ہے وقد انكره الحريري تبعا لغيره و قالوا انما يقال رؤيا في المنام واما التي في اليقظة فيقال رؤية کہ حریری کے سوا اور بہت سے علماء نے بھی اس استعمال سے انکار کیا ہے۔ اور رؤیا کو خواب ہی

حزقیل اور موسیٰ علیہما السلام کے لیے ظاہر ہوئے تھے۔ اور اولیاء امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو خدا کے نزدیک ان کے درجہ کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو رؤیا میں ان کو معلوم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے۔ خود احادیث صحیحہ اور معتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کیے گئے تو آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا اس پر فرشتے نے کہا کہ تم نے فطرت کو اختیار کیا اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو تمہاری تمام امت گمراہ ہو جاتی۔ اس عالم تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا ہے (ص ۲۰۶، ۲۰۳)

مذکورہ بالا عبارت سے امام ابن القیم اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا مذہب معلوم ہو گیا کہ معراج اس جسم عنصری کے ساتھ نہ تھا بلکہ روح کے ساتھ تھا۔ اور انہیں دونوں بزرگوں کو بمنزلہ شاہدین عادلین ٹھہرا کر ان کی عبارت کو مولوی ثناء اللہ صاحب تفسیر ثنائی جلد ۵ صفحہ ۲۶ میں نقل کر کے لکھتے ہیں: "پس ان بزرگوں کے کلام سے جو ثابت ہوتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:" غالباً اس رائے کو اختیار کرنے کے وجوہات میں یہ بھی ایک وجہ ان بزرگوں کو پیش آئی ہو گی، کہ آسمانی سیر کی حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ پھر اگر آپ اس جسم مطہر کے ساتھ تھے تو وہ بھی ایسے ہی ہوں گے۔ حالانکہ ان کا اس جسم خاکی کو چھوڑ دینا شہادت تواتر کے علاوہ قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے۔

فافهم ولا تعجل"

پھر لکھتے ہیں:" بڑا اعتراض تو آسمانی سیر جسمانی پر تھا، جس کا حل شاہ ولی اللہ صاحب اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہما نے کر دیا۔ کیونکہ ان حضرات کی تقریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ عنصری جسم آنحضرت صلعم کا آسمان پر نہیں گیا" (ص ۲۶)

اس عبارت سے مولوی ثناء اللہ صاحب کا مذہب معراج کے متعلق واضح ہے کہ جسم عنصری کے ساتھ معراج نہیں ہوا۔ لیکن صفحہ اول میں جلی حروف سے لکھتے ہیں" اسراء اور معراج دو واقعہ الگ الگ ہیں اور یہ دونوں بیداری میں بجسدہ الشریف ہوئے ہیں" پس ابتدا میں تو لکھ دیا کہ جسد کے ساتھ معراج ہوا تھا لیکن آخر میں جا کر انکار کر دیا اور کہا کہ میرا مذہب تو معراج کے متعلق وہی ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب اور حافظ ابن القیمؒ کا ہے۔ بہرحال اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے۔ سلف صالحین میں سے اکابر صحابہ اور ائمہ نے معراج کو اس جسم عنصری سے تسلیم نہیں کیا۔

اور علامہ زمخشری نے بھی تفسیر کشاف میں یہ اختلاف نقل کیا ہے" واختلف فی انه كان فی اليقظة ام فی المنام، فعن عائشةؓ انها قالت والله ما فقد جسد رسول الله صلعم ولكن عرج بروحه، وعن معاوية انما عرج بروحه وعن الحسن كان فی المنام رؤيا رآه صلعم"

(بقیہ حاشیہ) سے مخصوص مانا ہے اور جب بیداری میں ہو تو اسے رؤیت کہتے ہیں فتح الباری جلد ۸ ص ۲۷۵ پس رؤیا کا لفظ اگر کشف پر جو بیداری میں ہوتا ہے۔ بولا گیا ہے تو اس کا استعمال مجازاً ہے۔

(کشاف ص۵۸۷) یعنی معراج میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ بیداری میں تھا یا خواب میں۔ عائشہ رض سے تو یہی مروی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا بخدا آپ کا جسد شریف گم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی روح کا عروج ہوا تھا، اور یہی مذہب حضرت معاویہ رض کا تھا۔ اور امام حسن رح بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ خواب میں آپ نے رؤیا دیکھی تھی۔

اسی طرح حذیفہ رض سے مروی ہے کہ اس نے کہا ذالك رؤيا وانه مافقد جسد رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما اسرى بروحه وحكى هذا القول ايضا عن عائشة ومعاوية (تفسیر کبیر جلد ۵ ص۳۷۸)

اس سے ثابت ہے کہ حذیفہ رض بھی جسمانی معراج کے قائل نہ تھے۔

نوٹ :۔ حضرت عائشہ رض کی روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ معراج کے وقت تو وہ چھوٹی تھیں تو ان کی شہادت کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا جسم مبارک موجود تھا یا غائب چنانچہ دفع العجاج ص۲ میں مختار مدعیہ ۲ مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگی بھی حضرت عائشہ رض کا مذہب یہی لکھتے ہیں۔ ما فقد جسمه اور صفحہ ۴۳ میں لکھتے ہیں جسم مبارک غائب نہیں ہوا اور روحانی اسراء ہوئی۔ پھر وہی اعتراض کرتے ہیں کہ مکہ معظمہ کی رات کے قصہ کی نسبت کیسے فرما سکتے ہیں کہ آپ کا جسم مبارک غائب تھا یا موجود۔ یہ اعتراض بھی قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ ما فقد بصیغۂ مجہول کہنا صرف عینی شہادت پر ہی محمول نہیں ہو سکتا بلکہ سماع کی صورت میں بھی کہنا صحیح اور درست ہے۔ اور ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم سے انہوں نے یہ بات سنی ہو۔ چنانچہ قاضی عیاض لکھتے ہیں "فاذا لم تشاهد ذالك عائشة دلّ على انها حدثت عن غيرها من الصحابة فحديثها من مرسلات الصحابة فهو صحيح ايضا كما عليه المحدثون" (الخفاجی) یعنی اگر حضرت عائشہ رض نے خود نہیں دیکھا تو ضرور ہے کہ انہوں نے کسی اور سے روایت کی ہے، اور وہ صحابی ہو سکتا ہے۔ پس یہ حدیث مرسلات صحابہ میں سے ہو تو بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ محدثین کا مذہب ہے (شہاب علی الشفاء جلد ۲ ص۳۰۵)

مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ معراج جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں وہ جسمانی ہوا تھا۔ دوسرے معراجوں کے متعلق ہم نہیں کہتے۔ اور یہ قول بھی محققین کے نزدیک مردود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جو متعدد معراج مانتا ہے اس نے سخت ٹھوکر کھائی اور لغو کام کیا فقد ابعد واغرب وهرب الى غير مهرب ولم يتحصل على مطلب (ابن کثیر جلد ۶ ص۴۰) اور زاد المعاد جلد اول میں اس قول کو باطل اور خبط محض لکھا ہے۔ نیز علامہ زرقانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ (شرح مواہب جلد ۱ ص۳۰۸)

بہرحال اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ سلف صالحین میں سے اکابر صحابہ اور ائمہ نے معراج کو بغیر جسم عنصری کے مانا ہے۔ اور اسی امر کے قائلین میں سے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

مندرجہ ذیل ہیں :۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (۲) حضرت معاویہ رض (۳) حذیفہ رض (۴) امام حسن بصری رح (۵) حضرت شاہ ولی اللہ

صاحبؒ (۷) اور سر سید کو خود مختار مدعبہ مان چکا ہے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر تھے، اور مسلمان ہیں۔ اور مولوی ثناء اللہ کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی ثابت ہے کہ معراج اس جسم عنصری کے ساتھ نہ تھا۔ اور اگر معراج کے واقعات پر بھی غور کیا جاوے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عالم ایمان کا واقعہ نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:۔

(۱) آپؐ نے فرمایا فرج سقف بیتی (مشکوٰۃ ص ۵۲۹) کہ فرشتہ چھت پھاڑ کر آپ کے پاس آیا اول تو فرشتہ کے آنے کے لیے چھت پھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ نیز وہ پھٹی ہوئی چھت صبح کو دیکھی نہیں گئی اور نہ کسی روایت میں ہی آیا ہے کہ وہ درست کی گئی۔

(۲) پھر تمام فوت شدہ انبیاء کی ملاقات کا ہونا اور آپ کی اقتداء میں نماز کا ادا کرنا سیر روحانی کے ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) آپ کا سینہ آب زمزم سے دھو کر پاک کیا گیا۔ اور آپ کا قلب چیر کر ایمان اور حکمت سے بھر اگیا۔ حالانکہ جسم عنصری میں نہ تو سینہ کے چیرے جانے کا کوئی نشان تھا، نہ دل کے چاک کئے جانے کا کوئی اثر۔

(۴) ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ غور کرو کیا ایمان اور حکمت مادی چیزیں ہیں جنہیں برتن میں لانے کی ضرورت پڑی۔

(۵) سدرۃ المنتہی کے پاس آپ نے دو دریا باطنی اور دو ظاہری دیکھے اما الظاھران فالنیل والفرات (مشکوٰۃ ص ۵۲۷) ظاہری نیل اور فرات تھے، حالانکہ نیل اور فرات زمین پر ہیں نہ کہ آسمان پر۔

(۶) دودھ اور شراب کے دو پیالے جب پیش کئے گئے اور حضور سرور عالم نے دودھ کو اختیار کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے دودھ اور شراب کی تعبیر کر دی، کہ دودھ سے مراد فطرت اور شراب سے مراد ضلالت ہے۔

(۷) جب کفار نے بیت المقدس کے متعلق سوالات کئے تو تمثیلاً بیت المقدس آپ کے سامنے لایا گیا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۳۰)

(۸) سب ارواح کا پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ کے دائیں بائیں دیکھنا (مشکوٰۃ ص ۵۲۹) حالانکہ سب ارواح تو پہلے آسمان پر نہیں ہیں۔

(۹) وسمع فیہ صریف الاقلام (مشکوٰۃ ص ۵۲۹) قلموں کی آواز بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ جو امور اللہ تعالیٰ کے حضور لکھے جاتے ہیں وہ ہمارے جیسے قلم اور دواتوں سے نہیں لکھے جاتے۔

(۱۰) آپ جنت میں گئے تو آگے کسی کے چلنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ دیکھا تو وہ بلالؓ تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۵)

اور پھر براق جس کا قد خچر اور گدھے کے درمیان تھا، منتہائے نظر پر اس کا قدم پڑنا یہ سب امور ایسے ہیں جو بتاتے ہیں کہ یہ کشفی اور روحانی معاملہ تھا۔ اور کوئی نص شرعی ایسی نہیں جو ہمیں مجبور کرے کہ تمام واقعات ظاہر پر حمل کئے جائیں اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ان تمام واقعات کی تعبیر اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھی ہے۔

اب جب کہ معلوم ہو گیا کہ متقدمین کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا معراج جسم عنصری کے ساتھ تھا یا نہیں۔ تو اگر کوئی شخص معراج جسم عنصری کے ساتھ ہونے کا قائل نہ ہو تو اسے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بحیثیت حکم ہونے کے جو معراج کی حقیقت بیان کی ہے وہ اس امر میں قطعی اور فیصلہ کن ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"ایسا ہی ایک اور غلطی جو مسلمانوں کے درمیان پڑ گئی ہے۔ وہ معراج کے متعلق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلعم کو معراج ہوا تھا۔ مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا سو یہ عقیدہ غلط ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرت صلعم اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی، اور ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی، جس کو اس دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے مگر وہی جن پر یہ کیفیت طاری ہوئی ہو" (تقریر احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے صـ۱۳)

اسی طرح فرماتے ہیں:" واما معراج رسولنا صلعم فكان امرا اعجازيا من عالم اليقظة الروحانيه اللّطيفة الكاملة، فقد عرج رسول الله صلعم بجسده الى السماء وهو يقظان لا شك فيه ولا ريب، ولكن مع ذالك ما فقد جسمه من السرير كما شهد عليه بعض ازواجه رضی الله عنهن وكذالك كثير من الصحابة " (حمامۃ البشریٰ صـ۳۴)

یعنی آنحضرت صلعم کا معراج ایک اعجازی امر تھا، اور ایک کامل لطیف بیداری کے عالم میں ہوا اور اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلعم اپنے جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں آسمان پر چڑھے لیکن باوجود اس کے آپ کا جسم مبارک آپ کی چارپائی سے علیحدہ نہیں ہوا، جیسا کہ آپ کی ایک بیوی نے اور بہت سے دیگر صحابہ نے اس امر کی شہادت دی ہے

(۱) پس آپ کا مذہب معراج کے بارہ میں وہی ہے جو سلف صالحین کا تھا کہ معراج کشف میں ہوا جس میں جسم عنصری نہیں ہوتا بلکہ جسم نورانی ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ آیا ایسا معراج دیگر انبیاء یا اولیاء میں سے بھی کسی کو ہوا۔ مولانا سلیمان ندوی صاحب فرماتے ہیں:-

"انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے ...... اور اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ قدس میں بار پا کر قاب قوسین (دو کمانوں کا فاصلہ) سے بھی زیادہ نزدیک

تر ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشانۂ آب و خاک میں واپس آجاتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کو جب نبوت عطا ہوئی ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض اور اسی طرح ہم ابراہیم کو زمین و آسمان کی بادشاہی دکھاتے ہیں۔ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہی اسراء اور معراج ہے "۔

پھر اس کے بعد حضرت یعقوب کا معراج تکوین ۲۸ سے نقل کر کے لکھتے ہیں "حضرت موسیٰؑ کو طور پر جلوہ حق کا جو بر تو نظر آیا وہی ان کی معراج ہے۔ اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے تورات کے صفحات معمور ہیں۔ عیسائیوں کا مجموعہ انجیل میں یوحنا رسول کا مکاشفہ بتفصیل مذکور ہے۔ اور اس میں آثار قیامت جزا و سزا اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں، جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں۔ اور ان کو تمام مسیحی تسلیم کرتے ہیں۔ مجوس اپنے پیغمبر زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سناتے ہیں، جس میں زیادہ تر آنحضرت صلعم کے واقعات معراج کے نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پیروان بدھ بھی نخل حکمت کے سایہ میں بدھ کے مشاہدہ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں "

(سیرۃ النبی جلد ۳ صفحہ ۲۷۱، ۲۷۲)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دیگر انبیاء کو بھی اسی طرح معراج ہوئی جس طرح آنحضرت صلعم کو فرق مراتب کا ہے۔ لیکن بعض کو قاب قوسین او ادنیٰ تک بھی معراج ہوئی۔ امت محمدیہ کے اولیاء میں سے بھی بعض نے ایسی معراج کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گرچہ احمد در شب معراج وصل	از حرم تا صوب اقصیٰ میبردم
از زمیں تا سدرہ و ز سدرہ بعرش	بر براق برق آسا میبردم
از فلک بگذشت و از انس و ملک	از دنا سوئے تدلیٰ میبردم
قاب قوسین است او ادنیٰ حجاب	بے حجب تا حق تعالیٰ میبردم

(دیوان خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۵۴)

اسی طرح صفحہ ۵۰ پر فرماتے ہیں ؎

گر عروج جاں معینے با یدت بر نہ فلک
در رکاب خواجہ لولاک میباید شدن!

کیا مختار مدعیہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی کہے گا کہ وہ کافر و مرتد تھے اس لیے کہ وہ اپنے لیے آنحضرت صلعم جیسا معراج ثابت کر کے شرک فی الرسالت کے مرتکب ہو کر کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہوئے۔

تیسری بات کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کے معراج کی طرح کئی معراجوں کا اپنے لیے دعویٰ کیا : سو

اسکا جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنی کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے آنحضرت صلعم کے معراج کی طرح معراج ہوئی۔ اور جس عبارت سے غلط استدلال کر کے مختار مدعیہ نے آپ پر یہ افتراء کیا ہے وہ عبارت یہ ہے :۔

" سیر معراج اس جسم کثیف (عنصری، خاکی۔ شمس) کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجے کا کشف تھا، جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیئے ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت صلعم کے نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی، اور انتہائی نقطہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس لیئے وہ اپنی معراجی سیر میں معمورۂ عالم کی انتہائی نقطہ تک جو عرش عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پہنچ گئے۔ سو درحقیقت یہ سیر کشفی تھا، جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہے بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا۔ اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اس کو سمجھتا ہوں۔ بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے۔ جو درحقیقت بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے۔ اور اس قسم کے کشفوں میں مولف خود صاحب تجربہ ہے"۔ (ازالہ اوہام حاشیہ صٹ۲۲)

مختار مدعیہ نے اس حوالہ کو ایسے طریق پر پیش کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے کشفوں کے مقابلہ پر معراج کو استخفاف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ مختار مدعیہ کا دیدہ دانستہ عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کرنا ہے کیونکہ اس حوالہ کے خط کشیدہ الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ آنحضرت صلعم کا معراج ایسا مانتے ہیں جس میں آپ کا ذاتی [1] طور پر کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کہ آپ کا معراج عرش عظیم تک ہوا تھا۔

اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس قول سے کہ اس قسم کے کشفوں میں خود مولف صاحب تجربہ ہے۔ یہ قطعاً مراد نہیں ہے کہ آپ کو ویسے معراج ہوا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلکہ آپ نے صرف یہ بتانے کے لیے کہ کشف کی حالت درحقیقت بیداری سے زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے اپنے کشوف کا ذکر کیا ہے۔ کہ میں بھی اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ نہ یہ کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھے بھی آنحضرت صلعم کی طرح معراج ہوئی۔ نہ ایک بلکہ کئی، جیسا مختار مدعیہ سمجھتا ہے۔

(۴)

معجزۂ شق القمر!

---

[1] ذاتی طور پر کی شرط میں نے اس لیے لگا دی ہے کہ تا وہ اولیاء جو باتباع آنحضرت صلعم اپنے لیے معراج کو ثابت کرتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ سمجھے جائیں۔ جیسا کہ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ؎

عروج جان معینے براوج او ادنیٰ

بجز متابعت مصطفےٰ نمے بینم!

(دیوان خواجہ معین الدین چشتی ؒ صـ۴۵)

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمہ کے جزو ثانی کے قائل نہ ہونے کے ثبوت میں آپ کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے ؎

لہ خسف القمر المنیر و ان لی
غسا القمران المشرقان اتنکر

کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنے لیے شق القمر کا معجزہ اقوای طور پر ثابت کیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم کے لیے کم در کر کے دکھایا ہے اور اس سے آنحضرت صلعم کی توہین لازم آتی ہے۔ لہٰذا مرزا صاحب کافر ہوئے اور دائرہ اسلام سے خارج اور یہاں یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ چاند گہن مراد ہے۔ کیونکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا ہی نہیں۔

آخری حصہ کے جواب میں تو صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ جو شخص علم طبیعیات سے اس درجہ ناواقف ہو۔ اور دورۂ ارضیہ کے قانون سے اس قدر غافل ہو، اور باوجود ہر سال چاند گہن کا مشاہدہ کرنے کے یہ دعویٰ کرے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا نہیں، اس کو سمجھانا عقلمندوں کی قدرت سے باہر ہے۔ لیکن مختار مدعیہ کی کتب اسلامیہ اور تاریخ سے ناواقفیت ثابت کرنے کے لیے ایک حوالہ دے دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں۔ تفسیر روح المعانی جس کے حوالے گواہان مدعیہ نے پیش کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے۔ اور لکھا بھی وہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ "ویؤید کونہ لیلۃ البدر ما اخرجہ الطبرانی وابن مردویہ من طریق عکرمۃ عن ابن عباس قال کسف القمر علی عہد رسول اللہ صلعم فقالوا سحر القمر فنزلت اقتربت الساعۃ الی مستمر" (روح المعانی جلد ۸ صـ۲۷) اس بات کی تائید کہ شق القمر چودھویں رات کو ہوا اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابن عباس سے بطریق عکرمہ طبرانی اور ابن مردویہ نے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں چاند گہن ہوا تو انہوں نے کہا کہ چاند پر جادو چل گیا ہے تو سورۃ قمر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

اس شعر میں تو آپ نے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کی صداقت کے لیے آسمان پر چاند کا نشان ظاہر ہوا اور میری صداقت ظاہر کرنے کے لیے چاند اور سورج کا نشان اسے مخالف کیا پھر بھی تو میری صداقت کا انکار کرے گا اس شعر میں نہ تو کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے۔ جس سے آنحضرت صلعم کی توہین لازم آتی ہو اور نہ حضرت مسیح موعودؑ کا افضل ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ آپ نے اس شعر سے ماقبل اس امر کی تصریح فرما دی ہے کہ میرا اپنا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ جو کچھ مجھے ملا ہے وہ اس لیے کہ میں آنحضرت صلعم کا روحانی فرزند ہوں چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

وانی ورثت المال مال محمدٍ
فما انا الا آلہ المتخیرٗ

اور میں محمد صلعم کے مال کا وارث بنایا گیا ہوں، پس اس کی آل برگزیدہ ہوں جس کو ورثہ پہنچے گا۔ اور فرماتے ہیں ؎

فلا و الذی خلق السماء لاجله　　　　له مثلنا و لد الی یوم یحشر

و انّا ورثنا مثل و لد متاعهٗ　　　　فای ثبوتٍ بعد ذالک یحضر

مجھے اس کی قسم جس نے آسمان بنایا۔ ایسا نہیں کہ اس کی اولاد نہ ہو، بلکہ ہمارے نبی صلعم کے لیے میری طرح اور بھی بیٹے ہیں اور قیامت تک ہوں گے۔ اور ہم نے اولاد کی طرح وراثت پائی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت ہے۔ جو پیش کیا جائے۔

اس سے اگلے شعر میں چاند اور سورج گہن کا ذکر فرماتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نشان بھی آپ کو آنحضرت صلعم کی اتباع سے ورثہ میں ملا ہے۔ اور اس کے بعد فرماتے ہیں ؎

وأنی لظلٍّ ان یخالف اصله

فما فیه فی وجهی یلوح و یظهر

اور سایہ کیونکر اپنے اصل سے مخالف ہو سکتا ہے۔ پس وہ روشنی جو اس میں ہے۔ وہ مجھ میں چمک رہی ہے۔ لہذا آپ کے لیے جو نشان ظاہر ہوتے ہیں وہ آنحضرت صلعم کی برکت سے ہیں اگر روایتوں میں یہ خبر نہ ہوتی کہ چاند اور سورج کا گہن مہدی موعود کی صداقت کی دلیل ہوگی۔ تو وہ نشان کیونکر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی متعدد کتب میں اس پیشگوئی کا ذکر کر کے آنحضرت صلعم کی مدح و ثنا کی ہے۔ اور درود بھیجا اور اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا ہے چنانچہ آپ کتاب نور الحق حصہ دوم میں فرماتے ہیں :-

"ترجمہ از اشعار عربی۔ تیرے پر جان قربان ہو اے بہتر مخلوقات ہم نے تیری خبر کا نور اندھیرے میں دیکھ لیا ہم نے سورج اور چاند کو دیکھ لیا جیسا کہ تو نے اشارہ کیا تھا۔ بتحقیق دونو کو گرہن لگ گیا، تا خلقت منور ہو، ہمیں خدا تعالےٰ کی مدد تیرہ سو برس گذرنے کے بعد آئی (صـ۵۸) اور ہم بیٹوں کی طرح وارث ہیں، اور بزرگوں کے تمام مال کے وارث ہو گئے ہیں۔ (صـ۵۹)

بخدا میں کافر نہیں، میری جان اس نبی پر قربان ہے جو صاحب مقام محمود ہے۔ اور میرا دل نبی صلعم نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں اپنے دل کو اسی کے لیے سراسیمہ دیکھتا ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر میرے دل کے لیے آرام ہے۔ اور میری جان کے لیے مثل طعام کے ہے۔ اور میرا دشمن بے شرمی سے ناحق بدگوئی کر رہا ہے (صـ۶۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو کسوف خسوف کو آنحضرت صلعم کا فرمایا ہوا نشان قرار دیتے ہیں۔ اور اس پر آپ کا شکریہ بجا لاتے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ اس کو موجب توہین آنحضرت صلعم قرار دیتا ہے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی زبان میں خسوف کا لفظ خرق اور شق کے معنوں میں آتا ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے۔ خَسَفَ الشیئَ خرقه، وخرق الثوبَ شقه

اور تاج العروس میں اس استعمال کو مجاز قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ ومن المجاز خسف الشیئ یخسفہ خسفاً ای اخرقہ۔

حضرت مسیح موعودؑ نے شعر میں آنحضرت صلعم کے ذکر کے ساتھ تو خسف القمر فرمایا ہے۔ اور اپنے لیے غسا القمران اور غسا القمران کے معنے سورج اور چاند کا تاریک ہو جانا ہے۔ اور اردو ترجمہ میں خسوف کا لفظ ہی رہنے دیا۔ کیونکہ وہ دونوں پر صادق آتا ہے اور آنحضرت صلعم کے معجزہ شق القمر کا ذکر آپ نے متعدد کتب میں کیا ہے۔ سرمہ چشم آریہ میں اس معجزہ کے ثبوت میں ایک لمبی محققانہ بحث کی ہے۔ اور آئینہ کمالات اسلام میں آپ نے تحریر فرمایا ہے "ایسا ہی دوسرا معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شق القمر ہے۔۔۔۔۔۔ جو اسی الٰہی طاقت سے ظہور میں آیا تھا۔ کوئی دعا اس کے ساتھ شامل نہ تھی۔ کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو الٰہی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع میں آگیا تھا" (آئینہ کمالات اسلام ص۶۶)

پھر آپ فرماتے ہیں "ایسا ہی شق القمر کا عالی شان معجزہ جو خدائی ہاتھ کو دکھلا رہا ہے۔ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم کی انگلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور کفار نے اس معجزہ کو دیکھا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ ایسا وقوع میں آنا خلاف علم ہیئت ہے۔ یہ سراسر فضول باتیں ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔

یعنی قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ اور کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ پکا جادو ہے۔ جس کا آسمان تک اثر چلا گیا اب ظاہر ہے کہ یہ میرا دعویٰ نہیں۔ بلکہ قرآن شریف تو اس کے ساتھ ان کافروں کو گواہ قرار دیتا ہے۔ جو سخت دشمن تھے۔ اور کفر پر ہی مرے تھے۔ اب ظاہر ہے۔ اگر شق القمر وقوع میں نہ آیا ہوتا تو مکہ کے مخالف لوگ اور جانی دشمن کیونکر خاموش بیٹھ سکتے تھے وہ بلاشبہ شور مچاتے کہ ہم پر یہ تہمت لگائی ہے۔ ہم نے تو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھا۔ اور عقل تجویز نہیں کر سکتی کہ وہ لوگ اس معجزہ کو سراسر جھوٹ اور افتراء خیال کر کے پھر بھی چپ رہتے۔ بالخصوص جب کہ ان کو آنحضرت صلعم نے اس واقعہ کا گواہ قرار دیا تھا اس حالت میں ان کا فرض تھا کہ اگر یہ واقعہ صحیح نہیں تھا تو اس کا رد کرتے نہ یہ کہ خاموش رہ کر اس واقعہ کی صحت پر مہر لگا دیتے۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ظہور میں آیا" (ضمیمہ چشمہ معرفت ص۴۲)

اور چشمہ معرفت ص۲۲۳ میں فرماتے ہیں:-

"اگر شق القمر ظہور میں نہ آیا ہوتا تو ان کا حق تھا کہ وہ کہتے کہ ہم نے تو کوئی نشان نہیں دیکھا اور نہ اس کو جادو کہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی امر ضرور ظہور میں آیا تھا جس کا نام شق القمر رکھا گیا۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ایک عجیب قسم کا خسوف تھا جس کی قرآن شریف نے پہلے خبر دی تھی۔ اور یہ آیتیں بطور پیشگوئیوں کے ہیں۔ اس صورت میں شق کا لفظ محض استعارہ کے رنگ میں ہوگا۔ کیونکہ خسوف وکسوف میں جو حصہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ گویا وہ پھٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ ایک استعارہ ہے"

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی خسوف کا لفظ شق القمر کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا ہے۔ اور مراد شق القمر کا معجزہ ہے۔ جس کا یقینی اور قطعی ہونا آپ اپنی متعدد کتب میں ذکر فرما چکے ہیں۔

شق القمر کے معجزہ میں جو اختلاف ہوا ہے اس کا ذکر سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی سیرۃ النبی جلد ۳ صفحہ ۳۸۳ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"بعض عقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت صلعم کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے"

اس عبارت میں ان لوگوں کو بھی جو عہد نبوی میں شق القمر کے وقوع کے ہی قائل نہیں مسلمان کہا ہے۔ اور صفحہ ۳۸۷ میں لکھتے ہیں "بعض متکلمین نے جن میں ایک ولی اللہ شاہ صاحب بھی ہیں لکھا ہے اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں انشقاف نہیں ہوا تھا۔ بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ سئل اہل مکۃ ان یریہم آیۃ فاراہم القمر فرقتین (صحیح مسلم) اہل مکہ نے آپ سے نشانی طلب کی تو آپ نے چاند دو ٹکڑے دکھایا۔" الغرض یہ واقع ہے کہ آنحضرت صلعم کی صداقت کے لیے شق القمر کا نشان کفار کے مطالبہ پر دکھایا گیا۔ اور یہ بھی واقع ہے کہ روایت میں مہدی معہود کی صداقت کا ایک نشان ماہ رمضان میں سورج چاند کا گہن قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ گہن ۱۳۱۱ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ پس یہ دو نشان ہیں۔ جو ظاہر ہوئے اور ان کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اور انہی دونوں کا آپ نے اپنے شعر ؎

لہ خسف القمر المنیر و ان لی غسا القمران المشرقان اتنکر

میں ذکر کیا ہے۔ اور اس میں نہ تو معجزہ شق القمر کا استخفاف ہے نہ آنحضرت صلعم کی توہین

(۵)

آثرک اللہ علی کل شیئٍ

مختار مدعیہ نے اس الہام کو خلاف منشا ملہم لے کر عدالت کو مغالطہ دینا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے بھی کلمہ کی جزو ثانی کے منکر ہوئے۔

اس الہام کا اصل ترجمہ جو خود حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۹ میں کیا ہے یہ ہے "خدا نے تجھے ہر ایک چیز میں سے چن لیا" اب ظاہر ہے کہ اس الہام سے مراد صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں آپ کو ہر ایک چیز میں سے چن لیا ہے۔ اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء میں سے چن لیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے حق میں فرماتا ہے۔ واتاکم مالم یؤت احداً من العالمین کہ تمہیں وہ کچھ دیا جو کسی کو جہانوں میں سے نہیں دیا اور فرمایا وانی فضلتکم علی العالمین کہ میں نے تمہیں تمام

جہانوں پر فضیلت دی اور اسی طرح عام نبی اسرائیل کے حق میں فرمایا ولقد اخترناھم علی علم علی العالمین (دخان ع ۲) یعنی ہم نے ان کو علم کے ساتھ جہان والوں میں سے چن لیا ہے۔ کیا مختار مدعیہ اس کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلعم اور امت محمدیہ پر بھی ان کو فضیلت دی گئی تھی۔ تمام مفسرین ان آیات کی تفسیر میں عالمی زمانھم یعنی ان کے زمانہ کے عالم مراد لیتے ہیں۔ پس اگر مختار مدعیہ انصاف پسند یا تعصب سے خالی ہوتا تو آسانی سمجھ سکتا تھا۔ کہ اس الہام سے آنحضرت صلعم پر آپ کی فضیلت نہیں نکلتی۔ کیونکہ اس الہام سے پہلے صفحہ ۸۳ پر یہ الہام درج ہے "پاک محمد مصطفےٰ نبیوں کا سردار" اور اس کے بعد صفحہ ۹۵ پر یہ الہام درج ہے "کل برکۃ من محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علم و تعلّم" یہ تو تمام برکت محمد صلعم سے ہے۔ پس بہت برکتوں والا ہے۔ جس نے اس بندہ کو تعلیم دی اور بہت برکتوں والا ہے جس نے تعلیم پائی۔ پہلے الہام سے تو آنحضرت صلعم کا سید الانبیاء ہونا ظاہر ہے۔ اور دوسرے الہام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد ہونا اور مسیح موعودؑ کا شاگرد آنحضرت صلعم ہونا ثابت ہے اور درمیان میں الہام اثرک اللہ علی کل شیءٍ ہے۔ جس سے مختار مدعیہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ گویا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ نہ تو صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ کے ہی خلاف ہے۔ جس کا آپ نے اپنی کتب میں متعدد جگہ اظہار فرمایا ہے۔ بلکہ اس الہام سے پہلے اور پچھلے الہام کے بھی خلاف ہے۔

(۶)

آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا

اس الہام سے بھی مختار مدعیہ نے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ گویا آپ کو آنحضرت صلعم سے افضلیت کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ اسی قسم کے فقرات صوفیہ اور دوسروں کی کتابوں میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ اگر ان کا مفہوم مختار مدعیہ کی طرز پر لیا جائے تو تمام صوفیاء کرام اور اولیاء کرام کو انبیاء اور اولیاء کی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ چنانچہ ایسے ہی اقوال کو لے کر بعض سفہاء اور کم علم لوگوں نے بزرگان دین پر اعتراضات کئے ہیں۔ حالانکہ قائلین کا وہ منشاء نہ تھا جو معترضین نے اس سے پیدا کیا۔ چنانچہ مولوی محمد منظور صاحب نے اپنی کتاب "سیف یمانی" میں بزرگان دیوبند کے بعض ایسے فقرات کی تشریح لکھی ہے۔ جن کی بناء پر ہندوستان اور عرب کے علماء نے ان کے مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتوےٰ دیا ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب مذکور اپنی کتاب سیف یمانی صفحہ ۱۲۹ میں رسالہ "عقائد وہابیہ دیوبندیا" مؤلفہ مولوی نثار احمد صاحب کانپوری سابق مفتی آگرہ کے ایک اعتراض کا جواب دینے کی غرض سے لکھتے ہیں: "آپ (یعنی مفتی نثار احمد صاحب) نے تقویۃ الایمان سے حضرت شہید مرحوم (مولانا اسماعیل شہید) کی یہ عبارت نقل کی ہے "کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے"۔ اس کے بعد آپ نے اپنی طرف سے یہ منطق جاری کی ہے کہ ہر بڑے چھوٹے میں جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام حضرات انبیاء و اولیاء کرام داخل ہیں لہذا یہ ان تمام حضرات کی توہین ہے۔"

یہ عبارت لکھ کر مولوی محمد منظور صاحب تقویۃ الایمان کے جملہ کا وہ مطلب بیان کرتے ہیں جو ان کے خیال میں صحیح ہے۔ لکھتے ہیں "اس وقت ہمارے سامنے سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین کے ملفوظات مسمی بفوائد الفواد ہیں اس کے صفحہ ۱۰۱ پر ہے ایمان کسے تمام نشود تا ہمہ خلق نزد او ہم چناں نمائند کہ پشک شتر"۔ یعنی کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ساری مخلوق اس کے نزدیک اونٹ کی مینگنی کے برابر نہ ہو۔ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف صفحہ ۴۵ پر ہے "لا یکمل ایمان امرأ حتی یکون الناس عندہ کالاباعر" یعنی کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگ اس کے نزدیک مینگنیوں کی طرح نہ ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کی وہ منطق ان دونوں عبارتوں میں بھی جاری ہوتی ہے۔ یا نہیں۔ اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے۔ کیا تمام مخلوق اور تمام لوگوں میں حضرت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام داخل نہیں۔ اور اگر جاری ہوتی ہے۔ تو کیا آسمان ولایت کے یہ دونوں آفتاب و ماہتاب بھی آپ کے نزدیک ایسے ہی کافر ہیں جیسے کہ حضرت شہید مرحوم۔ بَیِّنُوا تو جروا"۔ پس باوجودیکہ شہید مرحوم کی عبارت میں ہر مخلوق اور خواجہ نظام الدین صاحب کی عبارت میں ہمہ خلق کے الفاظ موجود ہیں لیکن پھر بھی علماء دیوبند تمام مخلوقات مراد نہیں لیتے لیکن حضرت مسیح موعود کے الہام جس میں سب تخت یا کل یا تمام تختوں کے اترنے کا بھی ذکر نہیں بلکہ کئی تختوں کے اترنے کا ذکر ہے اس سے ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے کل تخت مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ الہام بھی گذشتہ الہام کی طرح الہام "پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۳) اور الہام کل برکۃٍ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علم و تعلم (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵) کے درمیان صفحہ ۸۹ پر ہے۔ اس کے معنے اول و آخر کے الہامات کے خلاف کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ اس سے مراد اولیاء امت محمدیہ کے تخت ہیں۔ اور آپ کا درجہ ان سب سے بلند ہے۔ کیونکہ آپ خاتم الاولیاء ہیں جیسے کہ آنحضرت صلعم کا مقام اور رتبہ سب انبیاء سے بلند تر ہے کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ بے شک آپ کو نبی کا خطاب دیا گیا ہے۔ لیکن یہ مستقل نبوت نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کی اتباع سے یہ مرتبہ آپ کو نصیب ہوا ہے اس لیے ان تختوں سے مراد وہی تخت ہیں جو آنحضرت صلعم کی اتباع میں کاملین امت محمدیہ کو ملے۔ پس انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جیسے انہوں نے اپنے بزرگوں کے اقوال سے اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے توجیہات کیں۔ ایسے ہی انہیں چاہیئے تھا کہ فریقین مخالف کے بزرگوں کے کلام پر اعتراض کرنے کے بجائے توجیہات کو قبول کرتے جو ان کی ان توجیہات سے جو انہوں نے اپنے بزرگوں کے کلام سے اعتراض دور کرنے کے لیے کیں۔ بہت ظاہر اور واضح تھیں اس طرح پیران پیر کا ایک یہ ارشاد بھی موجود ہے۔

"قدمی ھٰذہٖ علی رقبۃ کل ولی" (مقامات امام ربانی صفحہ ۱۰۴) کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی سے کسی نے استفسار کیا کہ "پیران پیر صاحب کا قدم سب پیروں کی گردن پر ہے۔

اس کی کوئی اصلیت طریقت وتصوف میں بھی ہے یا نہیں"۔ مولوی صاحب نے یہ جواب دیا کہ پیران پیر کا قدم ہونا سب کی گردن پر اس سے مراد ان کی بزرگی اور بڑائی ہے۔ اس میں کیا حرج ہے جو ان سے بڑے ہیں ان کا قدم حضرت پیران پیر کی گردن پر ہے۔ (فتاوٰی رشیدیہ حصہ اول صے مطبوعہ جید برقی پریس دہلی)

حضرت سید عبدالقادرؒ کے قول میں تو کسی کا استثناء نہیں تھا لیکن مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے جواب سے ظاہر ہے کہ جس عبارت میں بظاہر کوئی استثناء نہ بھی ہو، تو بھی قائل کے حالات اور اس کے گروہ کے دوسرے افراد کو مدنظر رکھ کر استثناء ہو سکتا ہے۔

(۷)

اٰتانی مالم یُؤت احدًا من العالمین

مختار مدعیہ نے اس الہام سے بھی وہی نتیجہ نکالا ہے جو نمبر ۵ و ۶ سے نکالا کہ اس میں حضرت مرزا صاحب نے یہ دعوے کیا ہے کہ اللہ تعالے نے مجھے وہ چیز دی ہے جو گذشتہ اور موجودہ زمانوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی۔ اور اس میں صریح توہین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ مختار مدعیہ کا اس الہام سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی آیت انی فضلتکم علی العلمین اور آیت و اٰتاکم مالم یؤت احدًا من العالمین سے یہ نتیجہ نکالے کہ بنی اسرائیل کو گذشتہ اور موجودہ تمام اقوام اور انبیاء پر فضیلت ہے اور ان کو وہ کچھ عطا ہوا جو غیر اسرائیلی انبیاء کو نصیب نہیں ہوا۔ لیکن جیسے ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے ویسے ہی مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام سے توہین انبیاء یا توہین آنحضرت صلعم کا نتیجہ نکالنا غلط اور باطل۔ مختار مدعیہ نے یہ الہام حقیقۃ الوحی سے پیش کیا ہے اور حقیقۃ الوحی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

"اور مجھ کو وہ چیز دی جو اس زمانہ کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی"۔ (حقیقۃ الوحی صـ۱۰۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو العالمین سے اس زمانہ کے لوگ مراد لیتے ہیں۔ اور مختار مدعیہ باوجود اس تشریح کے خلاف منشائے ملہم یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اس سے گذشتہ اور موجود زمانہ کے تمام لوگ مراد ہیں۔

(۸)

علم میں مقابلہ

مختار مدعیہ نے ایک یہ بھی الزام قائم کیا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ دجال اور خر دجال وغیرہ کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں وہ آپ پر پورے طور پر منکشف نہیں ہوئیں۔ پس جس نے یہ کہا کہ آنحضور پر منکشف نہ ہوئیں اور مجھ پر ہوئیں تو ایسے شخص کا آنحضرت پر ایمان کیسا؟ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے آنحضرت صلعم سے زیادہ علم دیا گیا ہے۔

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے جس حوالہ کی بنا پر اس نے یہ اعتراض کیا ہے اس میں تفاضل علمی کا کہیں ذکر نہیں اور نہ اس قضیہ میں علمی فضیلت کا سوال ہی اٹھ سکتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو لکھا ہے وہ احادیث کے بالکل مطابق ہے اور ائمہ اسلام کا بھی وہی مذہب ہے۔ عقائد کی کتب میں لکھا ہے۔ "ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم قد یجتہد فیکون خطا کما ذکرہ الاصولیون و کان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یشاور الصحابۃ فیما لم یوح الیہ و ھم یراجعونہ فی ذالک ..... و فی الحدیث ما حدثتکم عن اللہ سبحانہٗ فھو حق وما قلت فیہ من قبل نفسی فانما انا بشرٌ اخطی و اصیب نبراس صـ۳۹۲ کہ آنحضرت صلعم کبھی کبھی اجتہاد بھی کرتے تھے۔ اور وہ کبھی خطا ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ اصولیوں نے لکھا ہے اور ان امور میں انکے متعلق آپ پر وحی نازل نہ ہوئی ہو آپ صحابہ سے مشورہ لے لیا کرتے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو بات میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے کہوں وہ تو درست ہوتی ہے یعنی اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہاں جو بات میں اس وحی الٰہی کی تشریح میں اپنی طرف سے کہوں تو میں انسان ہوں اجتہاد میں غلطی بھی ہوتی ہے۔ اور شرح فتوح الغیب صـ۳۱۴ میں شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں :۔

"انبیاء را اجتہادات مے باشند و گاہے خطاء نیز مے افتد" اور علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی انبیاء سے اجتہادی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں "حضرت داؤد علیہ السلام سے جو بالاتفاق نبی ہیں اور معصوم ہیں اجتہاد میں غلطی ہوئی ہدیۃ الشیعہ صـ۲۴۸

جو باتیں آئندہ زمانے سے تعلق رکھتی ہوں ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء پر مو بمو ان کا انکشاف کر دے۔ بلکہ ایسی پیشگوئیوں میں اکثر ابہام ہوتا ہے اور اس کی اصل حقیقت اور اصل مراد اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ اس کا وقوع ہو۔ چنانچہ احادیث میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام صـ۲۸۱ میں کیا ہے۔ جنہیں مختصراً عرض کرتا ہوں فرماتے ہیں "انبیاء سے بھی اجتہاد کے وقت امکان سہو و خطا ہے۔ مثلاً اس خواب کی بنا پر جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے جو بعض مومنوں کے لیے موجب ابتلاء کا ہوئی تھی آنحضرت صلعم نے اس امید پر کہ اب کے سفر

میں طواف میسر آجائے گا۔ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور کئی دن تک منزل در منزل طے کرکے اس بلاد مبارکہ تک پہنچے مگر کفار نے طواف خانہ کعبہ سے روک دیا اور اس وقت اس رویاء کی تعبیر ظہور میں نہ آئی اور رسول کریمؐ کی خواب وحی میں داخل ہے۔ پس اس کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے شروع کیے تھے تو آپ کو اس غلطی پر متنبہ نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ فوت ہوگئے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یہی رائے تھی کہ درحقیقت جس بیوی کے لمبے ہاتھ ہیں وہی سب سے پہلے فوت ہوگی۔ اس وجہ سے باوجودیکہ آپ کے روبرو ہاتھ ناپے گئے مگر آپ نے منع نہ فرمایا کہ یہ حرکت خلاف منشاء پیشگوئی ہے۔ جیسا کہ فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۲۹ میں ایک روایت ہے۔ فلم ینکر علیھن۔

اسی طرح ابن صیاد کی نسبت صاف طور پر وحی نہیں کھلی تھی اور آنحضرت صلعم کا اوّل اوّل یہی خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ (چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ عن نافع کان ابن عمر یقول واللہ ما اشک ان مسیح الدجال ابن صیاد ابو داؤد (مشکوٰۃ) یعنی حضرت ابن عمر خدا کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ مجھے ابن صیاد کے دجال ہونے میں ذرا شک نہیں اور بخاری اور مسلم میں محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو اس بات پر قسم کھاتے ہوئے سنا کہ ابن صیاد ہی الدجال ہے تو میں نے کہا کہ تم قسم کھاتے ہو تو انہوں نے جواب دیا انی سمعت عمر یحلف علی ذلک عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں نے عمر کو اس بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسم کھاتے ہوئے سنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ اے عمر تم غلط کہہ رہے ہو اور مظاہر الحق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح میں علامہ قطب الدین فرماتے ہیں۔ حال اس ابن صیاد کا مبہم ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس بات میں وحی نہیں اتری۔" اور ایسا ہی نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔ حلف عمر نزد رسول خدا صلعم و غایت مبنی بر ظن اوست و سکوت آنحضرت صلعم بجہت آں بود کہ وی در آں وقت متردد بود (حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۷)

(۴) ایسا ہی سورۃ روم کی پیشگوئی کے متعلق جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی آنحضرت صلعم نے صاف فرمایا کہ بضع کا لفظ لغت عرب میں نو برس تک اطلاق پاتا ہے اور میں بخوبی مطلع نہیں کیا گیا کہ نو برس کی حد کے اندر کس سال تک یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔

(۵) ایسا ہی وہ حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں۔ فذھب وھلی الی انھا الیمامۃ او ھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب صاف ظاہر کر رہی ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلعم نے اپنی اجتہاد سے پیشگوئی کا محل و مصداق سمجھا تھا وہ غلط نکلا چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی اشاعت السنہ جلد ۱۰ کے صفحہ ۲۹۶ و صفحہ ۲۹۷ پر مذکورہ بالا حدیث نقل کرتے ہیں۔

عن عائشۃ ان النبی صلعم قال لھا اریتک فی المنام فی سرقۃ من حریر و یقول ھذہ امراتک فاکشف عنھا فاذا ھی انت فاقول ان یک ھذا من عند اللہ یمضہ بخاری صفحہ ۵۵

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ کی صورت قبل از نکاح مشاہدہ کرائی گئی اور کہا گیا کہ یہ تیری زوجہ ہوگی آنحضرت کو (باوجودیکہ اصل الہام میں شک نہ تھا اور انبیاء کا الہام منامی ہی کیوں نہ ہو ہمیشہ یقینی ہوا کرتا ہے) اس الہام کی تعبیر و مراد سمجھنے میں اشتباہ واقع ہوگیا اور آپ نے یہ فرمایا کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہو۔ (یعنی بظاہر معنی کے اس صورت سے عائشہ صدیقہ ہی مراد ہے) تو خدا اس کو سچا کرے گا۔

جب ان دونوں الہاموں کے (جو متعلق بہ تبلیغ و تکلیف نہیں) معنی سمجھنے میں سید الملہمین و خاتم المرسلین و خاتم النبیین کو شک و اشتباہ واقع ہوا اور الہام دوم کے معنی سمجھنے میں تو آپ کا خیال واقع کے بھی خلاف نکلا" اس قسم کی مثالیں پیش کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"ان تمام باتوں سے یقینی طور پر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ پیشگوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیاء علیہم السلام بھی کبھی غلطی کھاتے ہیں۔ لیکن امور دینیہ ایمانیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں کیونکہ ان کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ اور وہ نبیوں کو عملی طور پر بھی سکھائے جاتے ہیں۔ غلطی کا احتمال صرف ایسی پیشگوئیوں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص مصلحت کیوجہ سے مبہم اور مجمل رکھنا چاہتا ہے اور مسائل دینیہ سے ان کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا یہ ایک نہایت دقیق راز ہے۔ جسکے یاد رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہ نبوت کی حاصل ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصل حقیقت کھلی ہو اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کما ہی ہی ظاہر فرمائی گئی اور صرف امثلہ قریبہ اور صورت متشابہہ اور امور متشاکلہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قویٰ کے ممکن ہے اجمالی طور پر سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور ایسے امور میں اگر وقت ظہور کچھ جزئیات غیر معلومہ ظاہر ہو جائیں۔ تو شان نبوت میں کچھ جائے حرف نہیں"۔ ازالہ اوہام صـ ۲۸۲)

چونکہ بعض پیشگوئیاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جن کی کیفیت وقوع کا پتہ واقع ہونے پر لگتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ تحریر فرمانا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دجال اور خر دجال وغیرہ کی حقیقت موبمو منکشف نہ ہوئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اب اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ان کشوف کی حقیقت ان پیشگوئیوں کے مصداق کے ظہور کے بعد ظاہر ہو گئی تو اس سے حضرت اقدس کے علم کا آنحضرت صلعم کے علم سے زیادہ ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اگر یہی چیزیں آنحضرت کے وقت ظہور پذیر ہو جاتیں تو سب سے پہلے آپ ہی پر ان کشوف کی حقیقت منکشف ہوتی ہاں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قویٰ ممکن ہے۔ آپ کو سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور آپ جس قدر اپنی فراست سے غیب محض کو سمجھ سکتے تھے۔ اتنا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور فہم تمام امت کی مجموعی فراست اور فہم سے زیادہ ہے بلکہ ہمارے

جائے اگر جلدی سے جوش میں نہ آجائیں تو میرا تو یہی مذہب ہے جس کو دلیل کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کی فراست اور فہم کے برابر نہیں مگر پھر بھی بعض پیشگوئیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی ہے " ازالہ اوہام ص۱۶۷ پس اگر پیشگوئیوں کو سمجھنے میں قبل از وقوع کسی شخص کو غلطی واقع ہو اور اس پر بعد از وقوع اس کی اصل کیفیت وقوع کا انکشاف تام نہ ہو لیکن اس کی وفات کے بعد کسی پر حقیقت منکشف ہو جائے تو جس پر حقیقت منکشف ہوئی ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس شخص سے جس پر قبل از وقوع حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی علم میں زیادہ ہے۔ کیونکہ اگر پیشگوئی کرنے والا شخص بھی اگر وقوع کے وقت زندہ ہوتا تو وہ اس سے پہلے ہی سمجھ لیتا تعجب کی بات ہے کہ یہ اعتراض ان اشخاص نے کیا ہے جن کے مقتداء اور پیشواء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ لکھ چکے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے" حفظ الایمان ص۷ مولفہ مولوی اشرف علی تھانوی بتاؤ یہ کہنا صریح گالی نہیں کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اتنا ہی علم غیب دیا گیا ہے۔ جتنا کہ ہر پاگل اور چوپائے کو حاصل ہے اور لکھتے ہیں۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے براہین قاطعہ مولفہ خلیل احمد انبیٹھوی مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص۵۱) اس میں ابلیس لعین کا مقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر کے شیطان ملعون کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتلایا ہے کیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں ہے اور یہ عبارت سوء ادبی کی مشعر نہیں ہے۔

(۹)

انا فتحنا لك فتحا مبينا

مختار مدعیہ نے خطبہ الہامیہ ص۱۹۳ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ میں گذر گیا۔ اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے۔ اور مقدر تھا کہ اس وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اس کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔ سبحن الذی اسرى الخ الآیۃ"

اور اس نے اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نعوذ باللہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت کی فتح مبین کو استخفاف کی نظر سے دیکھا ہے اور اپنی فتح کو بنایا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ نکالنا سراسر باطل اور خلاف منشاء متکلم ہے۔

جس فتح مبین کی طرف آپ نے مذکورہ بالا عبارت میں اشارہ فرمایا ہے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے خبر دی تھی اور بزرگان امت محمدیہ بھی یہی مانتے چلے آتے ہیں۔ اور خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود اور مہدی کے زمانے میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر ایسی فتح اور غلبہ حاصل ہوگا جو پہلے کسی زمانہ میں نہیں ہوا بلکہ ان کا تو یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسیح اور مہدی دیگر مذاہب والوں سے سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہ کریں گے اور جو مسلمان نہیں ہوگا اُسے تلوار کے گھاٹ اتار یں گے۔ اور دنیا میں سوائے مذہب اسلام کے اور کوئی مذہب نہ ہوگا اگرچہ ہمارے نزدیک دین کے مقابلہ میں جبر کرنا مذہب اسلام کی رو سے جائز نہیں ہے لیکن اتنا ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اسلام دلائل قاہرہ اور حجج باہرہ کی رُو سے تمام ادیان پر غالب آئے گا اور جن ممالک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت نہ ہوئی تھی وہاں بھی شمس اسلامی طلوع کرے گا اور ظلمات میں زندگی بسر کرنے والوں کو بھی اپنی شعاعوں سے نورانی بنائے گا۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ کرہ معمورہ کے لوگ اسلام کو اختیار کریں گے اور دنیا میں دیگر مذاہب کے پیرو اتنی قلیل تعداد میں رہ جائیں گے کہ وہ معدوم کے حکم میں ہوں گے۔ چنانچہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے مسلم مقتدا مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید اپنی کتاب منصب امامت صفحہ ۵۶ میں لکھتے ہیں " قال اللہ تعالیٰ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین در زمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بوقوع آمدہ و اتمام آں از دست حضرت مہدی واقع خواہد گردید "

اور فرماتے ہیں قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً ظاہر است کہ تبلیغ رسالت بہ نسبت جمیع ناس از آنجناب متحقق نگشتہ بلکہ امر دعوت از آنجناب شروع گردیدہ بود تا فیوماً بواسطہ خلفاء راشدین و ائمہ مھدیین رو بتنزل کشید تا اینکہ بواسطہ امام مہدی اتمام خواہد رسید "

کیا یہاں بھی مختار مدعیہ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق وہی فتویٰ دے گا کہ انہوں نے نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کی توہین کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ظہور دین کی ابتداء تو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کی لیکن کامل غلبہ اور اتمام ظہور دین مہدی کی طرف منسوب کیا اور اس طرح کہا کہ آنحضرت صلعم سے آیت قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً کے حکم کے مطابق تمام لوگوں تک تبلیغ رسالت متحقق نہیں ہوئی بلکہ تبلیغ رسالت بھی مہدی کے ذریعہ سے پوری ہوگی۔ جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ کی حالت شروع میں ہلال کی مانند تھی پھر خلفاء کے ذریعے سے ترقی پکڑتی گئی۔ یہاں تک کہ مہدی موعود کے زمانہ میں اپنے کمال کو پہنچ جائے گی اور بدر کی حالت کے مشابہ ہوگی اگر مختار مدعیہ یہ سمجھ لیتا کہ نبی کے اتباع کے ذریعے جو فتوحات اور دین کو ترقیات حاصل ہوتی ہیں۔ وہ دراصل اسی نبی کی طرف منسوب ہوتی ہیں اور اس میں اس نبی کی توہین نہیں بلکہ تکریم اور اعزاز ہوتا ہے تو وہ یہ اعتراض نہ کرتا بلکہ سمجھتا کہ آنحضرت صلعم کے ایک امتی کے ہاتھ پر ان فتوحات کا حاصل ہونا آنحضرت ہی کی فتح ہے کیونکہ آنحضرت کے وقت میں جو فتح حاصل ہوتی وہ بھی اسلام کی فتح تھی۔ اور مسیح موعود کے زمانہ میں جو فتح مقدر ہے وہ بھی اسلام ہی کی فتح ہے۔ جو آنحضرت صلعم کا دین ہے۔ پس آپ کے دین کی فتح آپ کی ہی فتح ہے جو آپ کے ایک روحانی

فرزند کے ہاتھ پر ہوگی۔ اور اس میں آپ کی کوئی توہین نہیں چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس عبارت کے آگے صنؔ۲ پر فراتے ہیں۔

اور چونکہ مسیح موعود نبی کریم کے وجود کا آئینہ اور برکات کی اشاعت اور تمام دینوں پر اسلام کے غلبہ سے آنجناب کے امر کا تمام کرنے والا تھا لہذا نبی کریم نے اس کی کوشش کو پسند کیا جیسا کہ باپ بیٹوں کی کوشش کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور وصیت فرائی کہ آنجناب کا سلام اس کو پہنچایا جائے اور اس سلام سے یہ اشارہ ہے کہ سلامتی اور بلندی مسیح کے شامل حال ہوگی۔"

مختار مدعیہ ان فتوحات کو جو آنحضرت صلعم کے بعد آپ کے خلفاء کے ذریعہ حاصل ہیں تسلیم کرتا ہے اور اس سے آنحضرت کی کوئی ہتک نہیں سمجھتا لیکن حضرت مسیح موعود کے زمانہ کی فتوحات سے وہ آنحضرت کی ہتک نکالنا چاہتا ہے۔ اور اس کا سبب تعصب کے سوا اور کچھ نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل دس الہامات کا ذکر کیا ہے۔

(۱) هو الذی ارسل رسوله بالهدٰی و دین الحق لیظهره علی الدین کله۔

(۲) انا اعطینك الکوثر۔

(۳) عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محموداً۔

(۴) ما ارسلنك الا رحمة للعالمین۔

(۵) قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله۔

(۶) ما رمیت اذ رمیت و لکن الله رمیٰ۔

(۷) ما ینطق عن الهوٰی ان هو الا وحی یوحیٰ۔

(۸) ما کان الله لیعذبهم و انت فیهم۔

(۹) سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلاً۔

(۱۰) لولاك لما خلقت الافلاك۔

ان الہامات کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان میں جن مقامات اور مراتب کا ذکر ہے وہ آنحضرت صلعم کی خصوصیات ہیں اور جو ان خصوصیات کا انکار کرے اس کا آنحضرت صلعم پر ایمان کیا؟ وہ اگر ہزار مرتبہ بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تو قابل قبول نہیں۔

سوا ن تمام امور کا جواب گواہ مدعا علیہ ملا کے بیان میں مفصل مذکور ہے۔ اور اس میں ائمہ اور اکابر اولیاء امت محمدیہ

کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ اگر کسی پران آیات کا القا ہو جن میں خاص آنحضرت صلعم کو خطاب کیا گیا ہے۔ تو بطریق اعتبار یہ مطلب نکالا جائے گا۔ اگر وہ مرتبہ یا مقام بطریق وراثت جس لائق کہ ملہم ہے علی حسب المنزلت اس کو نصیب ہو گا اور اس مرد ہی وغیرہ میں وہ آنحضرت صلعم کے حال میں شریک سمجھا جائے گا۔ اس لیے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ملا ان صفحات میں اس امر کی تائید میں کہ مقام محمود وغیرہ مراتب میں اولیاء اللہ کو حصہ ہے اور اولیاء امت بھی بطریق وراثت ان میں آپ کے شریک ہو سکتے ہیں۔ ایک حوالہ مولانا عبدالعلی صاحب بحر العلوم کا اور ایک شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کا اور ایک شیخ عبدالرزاق صاحب قاشانی کا اور ایک سید عبدالقادر جیلانی اور ایک خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کیا ہے اور آیات قرآن کریم کے الہام ہونے کے جواز پر ایک حوالہ " اثبات الالہام والبیعۃ" کتاب کا جو مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی کی تصنیف ہے اور ایک حوالہ فتوح الغیب کا اور ایک مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی کا ایک علم الکتاب کا کیا ہے جن کے جواب میں ۱۱ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ اولیاء اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم پر آیات نازل ہوئیں صرف ایک حوالہ علم الکتاب کا ہی پیش کیا تھا کہ ان پر آیات اتری ہیں اور مصنف کتاب خود اقراری ہی کہ یہ اقتباس ہیں نہ کہ الہام اور گواہ ملا مدعا علیہ نے بجواب جرح ۱۱ مارچ یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ اقتباس کسی کے کلام کو اپنے کلام میں لانے کو کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ مختار مدعیہ کو قرآن مجید کی آیات سے دلچسپی نہیں ہے ورنہ وہ یہ کہنے کی جرأت نہ کرتا کہ علم الکتاب کے حوالے کے سوا آیات قرآنی کے نزول کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا گیا کیونکہ فتوح الغیب کے حوالہ میں جو جملہ " انك اليوم لدينا مكين امين " ہے اور مقامات امام ربانی کے حوالہ میں " انا مبشرك بغلام اسمه " اور اثبات الالہام والبیعۃ ص ۱۴۲ و ص ۱۴۳ کے حوالہ میں جو عربی کلام درج ہے۔ وہ سب آیات قرآنی ہیں جن کا اولیاء اللہ پر نازل ہونے کا جواز تسلیم کیا گیا ہے اور وہ اولیاء اللہ کو الہام ہوئی ہیں۔ اور مختار مدعیہ نے گواہ ملا مدعا علیہ کی طرف جو اقتباس کی تعریف منسوب کی ہے۔ اس میں دیدہ دانستہ خیانت سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ گواہ ملا مدعا علیہ نے اقتباس کا یہ مطلب " کسی کے کلام کو اپنی کلام میں لانا " بیان کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اقتباس الہام کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔
دیکھو جرح ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء۔

اس قید کے بڑھانے کی وجہ یہ تھی کہ خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیات اقتباس کی ہیں تو وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ بذریعہ الہام خاص آپ کے قلب پر القا کی گئی ہیں۔ چنانچہ علم الکتاب کی عبارت کے شروع میں یہ الفاظ ہیں " امرنی تابی بالالهام الخاص " کہ خداوند تعالیٰ نے میرے دل میں الہام خاص کے ساتھ حکم کیا اور الہام خاص کی تعریف انہوں نے یہ بیان کی ہے۔
" الہام خاص آنست کہ او سبحانہ، بر بندگان خاص در حالت قرب مع اللہ یا بر قلوب ایشان بید خل فکر و اندیشہ

و بے توسط حواس دیگر بالقائے رحمانی انداز در زبان نفوس ایشان کلمات ... بے صدائی خود مبشر آید ... و با بعض اوقات بوساطت ملائکہ آواز صوت هم پیغام خود حق سبحانہ باولیاء خویش مے رساند واین را آواز سروش نیز مے نامند واحساس این سروش نہ بگوش ظاہر هم کرده مے شود واکثر بہ گوش باطن مے شنود۔ ہر جا کہ اولیاء لفظ الہام را استعمال در بیان کرده اند مراد از آں ہمیں الہام خاص است علم الکتاب صفحہ ۲۰۲ جب الہام خاص کی تعریف معلوم ہوگئی تو اب ہر انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ جن آیات قرآنیہ کے متعلق خواجہ علیہ الرحمۃ نے امرنی فی قلبی بالالہام الخاص کہا ہے۔ تو اس سے مراد یہی ہے کہ خدا نے ان آیات کو آپ کے دل میں الہام کیا ہے اس عبارت کے بعض فقرات خود دلالت کر رہے ہیں کہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ان سے یہ باتیں کی ہیں۔ چنانچہ اسی عبارت کے بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے مخاطب کرکے پکارا اور کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور اے خدا کی آیت میں تیری عبودیت کا شاہد ہوں تو میری الوہیت کا شاہد ہے اور بے شک تو میرا عبد اور سرا اور میرے رسول کا مقبول ہے پس جس نے تیری اطاعت کی اس نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی الیٰ آخر المکالمۃ اسی طرح دوسری عبارت جو صفحہ ۲۰ سے درج کی گئی ہے اس کے بھی ابتدا میں لکھا ہے۔ وقال بالالہام الخاص "کہ خدا تعالیٰ نے مجھے الہام خاص کے ذریعہ کہا کہ یہ میری کتاب لے جا۔ اور اپنے قریبی خاندان کے لوگوں کو ڈرا اور اس عبارت میں فرماتے ہیں "و انی لا اقول الا ما امرنی بہ ربی" اور میں سوائے اس کے جو میرا رب مجھے حکم دیتا ہے اور کچھ نہیں کہتا۔

(۲) "ولقد القی اللہ علیٰ قلبی من آیات بینات مع انی لست حافظ القرآن"

اور خداوند تعالیٰ نے میرے قلب میں کھلی کھلی آیات القا کی ہیں۔ حالانکہ میں قرآن کا حافظ نہیں ہوں۔ لفظ القا جو اس عبارت میں استعمال کیا گیا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ الہام خاص یا از اقسام وحی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وحی کے لیے بھی القاء کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسے فرمایا۔ ویلقی الروح من امرہ علی من یشآء من عبادہ کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے کلام القاء کرتا ہے۔ اور یہ بات کہ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا اطلاق نہیں کیا جائے گا تو یہ ایک صوفیہ کی اصطلاح ہے جیسے گواہ نے اپنے بیان میں ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی سوانح مولانا روم میں لکھتے ہیں "فرق مراتب کے لحاظ سے یہ اصطلاح قرار پائی گئی ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی کہتے ہیں اور اولیاء کی وحی کو الہام" اور اس کی تفصیل مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید نے اپنی کتاب منصب امامت میں اچھی طرح کی ہے اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں صفائی کے ساتھ پیش کر دیا۔

(۱)

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ

یہ قرآن مجید کی آیت ہے جس میں دین اسلامی کے دیگر ادیان پر غلبہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور یہی آیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بذریعہ الہام نازل ہوئی تا ظاہر ہو کہ اس کامل غلبہ کا وقت آگیا ہے اور اس کے سامان بھی آپ کو عطا کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"وہ خدا جس نے اپنے فرستادہ کو بھیجا اس نے دو امر کے ساتھ اس کو بھیجا ہے کہ ایک تو یہ کہ اس کو نعمت ہدایت سے مشرف فرمایا ہے۔ یعنی اپنی راہ کی شناخت کے لیے روحانی آنکھیں اس کو عطا کی ہیں۔ اور علم لدنی سے ممتاز فرمایا ہے۔ اور کشف اور الہام سے اس کے دل کو روشن کیا ہے اور اس طرح پر الٰہی معرفت اور محبت اور عبادت کا جو اس پر حق تھا اس حق کی بجا آوری کے لیے آپ اس کی تائید کی ہے اور اس لیے اس کا نام مہدی رکھا دوسرا امر جس کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے۔ وہ دین الحق کے ساتھ روحانی بیماروں کو اچھا کرنا ہے۔ یعنی شریعت کے صدہا مشکلات اور معضلات حل کر کے دلوں سے شبہات دور کرنا ہے۔ پس اس لحاظ سے اس کا نام عیسیٰ رکھا۔۔۔۔ کیونکہ جب اس کو یہ خدمت سپرد ہے کہ وہ اسلام کی خوبی اور فوقیت ہر ایک پہلو سے تمام مذاہب پر ثابت کر دے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ علم محاسن و عیوب مذاہب اس کو دیا جائے اور اقامت حجج اور افحام خصم میں ایک ملکہ خارق عادت اس کو عطا ہو اور ہر ایک پابند مذہب کو اس کے نتائج پر متنبہ کر سکے اور ہر ایک پہلو سے اسلام کی خوبی ثابت کر سکے اور ہر ایک طور سے روحانی بیماروں کا علاج کر سکے (اربعین ۲ صـ۱۰)

سراج منیر صـ۳۶ میں آپ اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ "یعنی خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے ان پر ظلم ہوا اور خدا ان کی مدد کرے گا یہ آیت قرآنی الہامی پیرایہ میں اس عاجز کے حق میں ہے اور رسول سے مراد مامور اور فرستادہ ہے جو دین اسلام کی تائید کے لیے ظاہر ہوا۔ اس پیشگوئی کا ماحصل یہ ہے کہ خدا نے جو اس مامور کو مبعوث فرمایا ہے یہ اس لیے کہ تا اس کے ہاتھ سے دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ بخشے اور ابتداء میں ضرور ہے کہ اس مامور اور اس کی جماعت پر ظلم ہو لیکن آخر میں فتح ہوگی اور یہ دین اس مامور کے ذریعے سے تمام ادیان پر غالب آجائے گا اور دوسری تمام ملتیں دلائل بینہ کے ساتھ ہلاک ہو جائیں گی دیکھو یہ کس قدر عظیم الشان پیشگوئی ہے اور یہ وہی پیشگوئی ہے۔ جو ابتداء سے اکثر علماء کہتے آئے ہیں کہ مسیح موعود کے حق میں ہے اور اس کے وقت میں پوری ہو گی اور براہین احمدیہ میں سترہ برس مسیح موعود کے دعویٰ سے پہلے درج ہے۔ تا خدا ان لوگوں کو شرمندہ کرے کہ

جو اس عاجز کے دعویٰ کو انسان کا افترا خیال کرتے ہیں"۔ پس اس آیت کا حضرت مسیح موعود اور مہدی پر الہام ہونا قابل اعتراض بات نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے متعلق تفسیروں میں بھی مذکور ہے کہ اس آیت کا حقیقی مصداق اور اظہار الدین علی المخالفین مسیح موعود اور مہدی معہود کے وقت میں ہوگا۔ چنانچہ مولانا اسماعیل صاحب شہید منصب امامت میں فرماتے ہیں:

"قال اللہ تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ
ظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین در زمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بوقوع آمدہ واتمام آن از دست حضرت مہدی واقع خواہد گردید"۔ منصب امامت صہ ۵۶ ۔

چونکہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی ہونے کا ہے۔ اور اس آیت میں جس غلبہ کا وعدہ دیا گیا ہے اس کا کمال اور اتمام مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ میں وقوع پذیر ہونا تھا۔ اس لیے اس آیت کا آپ پر الہاماً نازل ہونا جائے اعتراض نہیں ہو سکتا ۔

(۲)

انا اعطینٰک الکوثر !

مختار مدعیہ نے اس الہام کی بنا پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حوض کوثر جس کی توصیف احادیث میں آئی ہے جسے آنحضرت صلعم نے اپنے لیے مخصوص قرار دیا ہے مرزا صاحب نے اپنے لیے تجویز کیا مختار مدعیہ کا مقصد اگر عدالت کو مغالطہ دینا نہ ہوتا تو وہ ضرور ایسے اعتراضات سے اجتناب کرتا کیونکہ خود مسیح موعود علیہ السلام نے کسی جگہ بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حوض کوثر دیا ہے۔ بلکہ آپ نے حقیقۃ الوحی میں کوثر سے مراد کثرت لی ہے اور اسی الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

"ہم نے کثرت سے تجھے دیا"

چنانچہ یہ الہام براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے جب کہ آپ کو یہ مولوی مسلمان سمجھتے تھے اور خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے براہین احمدیہ کا ریویو کرتے ہوئے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں اس اعتراض کا مندرجہ ذیل جواب دیا۔" اور آیت نمبر ۸ کا مخاطب قرآن میں تو وہ (مولف براہین احمدیہ شمس) آنحضرت ہی کو سمجھتے ہیں۔ اور کوثر سے اس آیت میں حوض کوثر میدان محشر (جس کا آنحضرت صلعم کو وعدہ دیا ہے اور یہ وعدہ آنحضرت کے سوا کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ چہ جائے ولی) مراد خداوندی سمجھتے ہیں۔ اور جب انہیں الفاظ سے خدا تعالیٰ نے ان کو مخاطب فرمایا تو انہیں (نہ آیت قرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھ کر کوثر سے وہ معارف کثیرہ (جو خدا نے ان کو عطا فرمائے ہیں) مراد خداوندی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بصفحہ ۵۱ کتاب ان الفاظ ملہمہ کا ترجمہ وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"ہم نے تجھے معارف کثیرہ عطا فرمائے ہیں۔ اس کے شکر میں نماز پڑھ اور قربانی دے"۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم صـ۵۸ میں بھی اس الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

"ہم نے تجھے بہت سے حقائق اور معارف اور برکات بخشے ہیں"۔

(۳)

عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا

مختار مدعیہ نے اس الہام سے بھی عدالت کو یہ مغالطہ دینا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ نے اس آیت قرآنی کا اپنے آپ کو مصداق ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ مختار مدعیہ نے دافع البلاء صفحہ ۶ کا حوالہ دیا ہے۔ اور صفحہ ۸ پر جو اس کا ترجمہ درج ہے وہ دانستہ نظر انداز کیا ہے۔ جس پر درحقیقت کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اور وہ یہ ہے۔

"وہ وقت قریب ہے کہ میں ایسے مقام پر تجھے کھڑا کروں گا۔ کہ دنیا تیری حمد و ثنا کرے گی"۔

حضرت اقدسؑ نے اس کے یہ معنے کئے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ و گواہان مدعیہ کے مسلم پیشوا شیخ عبدالرزاق قاشانی نے تو مہدی معہود کے لیے بھی مقام محمود تجویز کیا ہے۔ چنانچہ شرح فصوص الحکم میں تحریر فرماتے ہیں "فلہ المقام المحمود" (شرح فصوص الحکم مطبوعہ مصر صـ۵۳) کہ مہدی کے لیے بھی مقام محمود ہے۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں: "ہو المقام المحمود الذی لا یشارکہ فیہ احد من الانبیاء والرسل الا اولیاء امتہ۔ (ہدیہ مجددیہ صـ۷) اور مقام محمود میں آنحضرت صلعم کا انبیاء اور رسولوں سے کوئی شریک اور وارث نہیں ہوتا۔ مگر وہ اولیاء جو کہ آپ کی امت سے ہوں۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مقام محمود میں انبیاء و مرسلین سابق تو آپ کے شریک نہیں ہو سکتے۔ مگر آپ کی امت کے اولیاء شریک ہیں۔ کیا مختار مدعیہ ان بزرگوں کو بھی آنحضرت صلعم کی خصوصیات کا منکر قرار دے کر کلمہ کا منکر، کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرائے گا۔

(۴)

وما ارسلناک رحمۃ للعالمین

اسی الہام سے بھی مختار مدعیہ نے وہی مغالطہ دینا چاہا ہے۔ جو پہلے الہاموں سے۔ گویا حضرت مرزا صاحبؑ نے آنحضرت صلعم کی خصوصیت کو اپنی طرف منسوب کر کے کلمہ کی جزو ثانی کا انکار کر دیا۔ حالانکہ یہ صریح کذب ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ قرآنی آیت کا مصداق آنحضرت صلعم کو ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ چشمہ معرفت میں فرماتے ہیں:-

"پھر دوسری جگہ فرمایا۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ یعنی ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کے لیے تجھے نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جائے پس جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے ایسا ہی آنحضرت صلعم تمام دنیا کے لیے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لیے رحمت ہیں۔ اور آپ کی ہمدردی تمام دنیا سے ہے۔ نہ کہ کسی خاص قوم سے" (مضمون تحفہ چشمہ معرفت صلا)

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا ہے۔ اور پہلے علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مہدی بھی رسول کریم صلعم کی طرح رحمۃً للعالمین ہوگا۔ چنانچہ علامہ سید محمد شریف محمد بن رسول حسینی برزنجی ثم المدنی اپنی کتاب "الاشاعۃ لاشراط الساعۃ" مطبوعہ مصر صفحہ ۱۶۸ میں لکھتے ہیں:"

فالمهدی رحمة الله كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الله تعالى وما ارسلناك الا رحمةً للعالمين، والمهدی يقفو اثره ولا يخطئ فلابد ان يكون رحمة۔ یعنی مہدی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جیسا کہ رسول کریم صلعم خدا کی رحمت تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور مہدی آنحضرت صلعم کے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہیں کرے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ بھی رحمت ہو۔

اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے تو جو مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے مسلم مقتدا اور پیشوا ہیں۔ علماء اسلام کو بھی رحمۃ للعالمین میں شریک سمجھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔ بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء و دیگر علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے کے لیے اس لفظ کو بتاویل بول دے تو جائز ہے۔ فقط بندہ رشید احمد" (فتویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۱۲)

اب کیا مختار مدعیہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے حق میں جو ان کا مقتدا ہے۔ اور خاتم الاکابر اور خاتم المحدثین ہے۔ (دیکھو مرثیہ شیخ الہند محمود حسن بر وفات مولوی رشید احمد صاحب) کافر اور مرتد اور کلمہ کی جزو ثانی کے منکر ہونے کا فتویٰ دے گا۔ کیونکہ مختار مدعیہ جس بات کو آنحضرت صلعم کی صفت خاصہ بتاتا ہے۔ اس کے سب سے بڑے مقتدا نے اس کے متعلق صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے۔ کہ لفظ رحمت للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔ افسوس کہ مختار مدعیہ کو اپنے گھر کا بھی پتہ نہیں ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم نہیں آتی۔ اور نہ آپ کی وہ خصوصیت جو قرآنی آیت میں مذکور ہے۔ زائل ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کے مصداق آنحضرت صلعم کی اتباع اور پیروی کی برکت سے ہوئے ہیں۔ اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے جاتے ہیں۔ وہ بلا ریب حسب مراتب رحمۃ للعالمین ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے آپ نے اس الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے "اور ہم نے دنیا پر رحمت کرنے

کے لیے تجھے بھیجا ہے" (اربعین ۳ صفحہ ۲۵) اور دوسرا ترجمہ یہ کیا ہے "میں نے تجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تا سب لوگوں کے لیے رحمت کا سامان پیش کروں" (البشریٰ جلد اصفحہ ۳۰)

(۵)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

مختار مدعیہ کے اس الہام پر اعتراض کا بھی یہی جواب ہے۔ کہ قرآن مجید میں اس آیت میں آنحضرت صلعم ہی مراد ہیں لیکن اس الہام میں موجودہ زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے۔ کہ وہ آپ کی پیروی کریں۔ کیونکہ آپ آنحضرت صلعم کی پیروی ہو کر محبوبیت کے درجہ تک پہنچے ہیں۔ اس لیے آپ کی پیروی آنحضرت صلعم کی پیروی ہے جیسا کہ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ نے علم الکتاب صفحہ ۶۱ میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ فمن اطاعك فقد اطاع اللہ والرسول کہ جس نے تیری اطاعت کی اس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں اس الہام کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ اس آیت کے معنے "قرآن میں وہ (مؤلف براہین) یہی سمجھتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرت کے خطاب میں ہے۔ اور اس میں آنحضرت کا اتباع امت پر لازم کیا گیا ہے۔ اور جب ان ہی الفاظ سے خدا نے ان کو ملہم و مخاطب کیا تو ان الفاظ میں (نہ قرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اتباع سے اتباع آنحضرت صلعم مراد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بصفحہ ۲۰۵ کتاب ان الفاظ کا ترجمہ ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو یعنی اتباع رسول مقبول کرو تا خدا تم سے بھی محبت کرے (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۲۱۹)

پس اصل بات یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے فرمان۔

یک قدم دوری ازاں عالی جناب نزد ما کفراست و خسران و تباب

کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہیں اس لیے آپ کی پیروی عین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے چنانچہ فرمایا ہے "کہ مولف کو محض بہ برکت متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل یہ منصب عطا ہوا ہے" (اشاعۃ السنۃ ۷ جلد ۷ حاشیہ صفحہ ۲۲۰)

نیز فرماتے ہیں "سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لیے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولا فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۲) اور اس الہام میں مولویوں کی تکفیر کا رد بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نشان آسمانی بار دوم صفحہ ۳۵ میں اس الہام کو ذکر کر کے فرماتے ہیں "اور ایک طرف مولوی لوگ فتوے پر فتوے لکھ رہے ہیں۔ کہ

اس شخص کی ہم عقیدگی اور پیروی سے انسان کا فرہوجاتا ہے۔ اور ایک طرف خداتعالےٰ اپنے اس الہام پر متواتر زور دے رہا ہے "یعنی مخالفین کو اس الہام میں جواب دیا گیا ہے۔ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق صادق اور اس کا شیدائی ہے اس لیے اس کی پیروی اور اس کی تقلید انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔

(۶)

ما رمیتَ اِذ رمَیتَ ولکنَّ اللہ رمیٰ

مختار مدعیہ نے اس الہام پر جو اعتراض کیا ہے۔ اس کا بھی یہی جواب ہے۔ کہ قرآن مجید میں یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی حق میں ہے اور جس واقعہ کی طرف آیت قرآنی میں اشارہ ہے اس الہام میں اس واقعہ کی طرف ہی اشارہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی آیت کے متعلق فرماتے ہیں :-

" ہمارے سید و مولیٰ سید الرسل حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ایک سنگریزوں کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دعا کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت دکھلائی۔ اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اس کا اثر پڑا کہ کوئی ان میں سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پہنچا ہو اور وہ سب اندھوں کی طرح ہوگئے اور ایسی سراسیمگی اور پریشانی ان میں پیدا ہوگئی کہ مدہوشوں کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اسی معجزہ کی طرف اللہ جلشانہ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا وہ تو نے نہیں پھینکا۔ بلکہ خداتعالیٰ نے پھینکا۔ یعنی درپردہ الٰہی طاقت کام کرگئی۔ انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۵)

اور اپنے الہام کی یہ تشریح فرمائی ہے۔

۳ مئی ۱۹۰۵ء ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (تشریح) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا اس سے اشارہ ان اشتہارات کی طرف معلوم ہوتا ہے جو حال میں شائع ہو رہے ہیں۔ (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۹۷ بحوالہ بدر جلد ا نمبر۲ صفحہ ۱)

پس یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کو اپنی طرف منسوب کر لیا بالکل غلط اور محض بہتان ہے۔

(۷)

وما ینطِق عن الھویٰ اِن ھو اِلاَّ وَحیٌ یُوحیٰ !

مختار مدعیہ کا اس الہام پر بھی وہی اعتراض ہے جو پہلے الہاموں پر کیا ہے۔ اس لیے ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید کی آیت کے مصداق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام سے یہ مراد ہے کہ آپ کے الہامات خدا کی طرف سے ہیں چنانچہ آپ الہام کا ترجمہ اس سے پہلے دو الہاموں کے ساتھ

یہ کرتے ہیں: "بس تم قرآن کو چھوڑ کر کس حدیث پر چلو گے۔ ہم نے اس بندہ پر رحمت نازل کی ہے۔ اور یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ تم سنتے ہو یہ خدا کی وحی ہے۔" (اربعین جلد ۳ صفحہ ۳۷) اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین لازم نہیں آتی۔ بلکہ آپ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کی اولاد روحانی آپ کے نقش قدم پر چل کر اور آپ کے رنگ میں رنگین ہو کر ایسے مقام پر پہنچتی ہے۔ اور عالی شان مرتبہ پاتی ہے۔ جس میں ان کی وحی شیطانی دخل اور خواہشات نفسانی سے بالکل منزہ کی جاتی ہے۔ اور یہ مقام علی قدر مراتب آنحضرت صلعم کے بعد اولیاء کو ملتا رہا ہے۔ چنانچہ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "الہام خاص آنست کہ او سبحانہ، بر بندگان خاص در حالت قرب مع اللہ بقلوب ایشاں بے دخل فکر و اندیشہ و بے توسط حواس دیگر بالقائے رحمانی مے اندازد و درنائی نفوس ایشاں کلمات بے صدائے خود میسر آید۔ ولیکن اولیاء را ایں حالت دائم میشود و ہیچ گاہ خود درمیان نمے باشند و آئینہ وار مرتبہ ما ینطق عن الھوٰی مے گردند و ہمہ کلمات چنیں اشخاص الہامات الٰہی است و ناشئی از مشاہدہ و آگاہی یا بعض اوقات بوساطت ملائکہ باد از وصوت ہم پیغام خود حق سبحانہ باولیاء خویش مے رساند و ایں را آواز سروش نیز مے خوانند و احساس ایں صدائے سروش گاہ بگوش ظاہری ہم کردہ میشود و اکثر ہمہ گوش باطن مے شنود۔" (علم الکتاب صفحہ ۹۲) یہ جب مقام حسب مراتب پہلے اولیاء کو ملتا رہا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مقام کے فائز ہونے پر اعتراض کیا معنے؟ اس کو کلمہ کے خلاف بتانا کیسا؟

(۸)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

اس الہام پر مختار مدعیہ کے اعتراض کا جواب بھی وہی ہے۔ کہ قرآن مجید میں خطاب تو آنحضرت صلعم کو ہی ہے اور قرآن مجید کی آیت میں اور معنے ہیں اور اس الہام میں اور معنے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام یہ ہے۔ ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم انہ اوی القریۃ لولا الاکرام لھلک المقام (دافع البلاء صفحہ ۶) اور اس کا ترجمہ آپ نے یہ فرمایا ہے۔ "خدا ایسا نہیں کہ قادیان کے لوگوں کو عذاب دے حالانکہ تو ان میں رہتا ہے وہ اس گاؤں کو طاعون کی دست برد اور اس کی تباہی سے بچائے گا۔ اگر تیرا پاس مجھے نہ ہوتا۔ اور تیرا اکرام مدنظر نہ ہوتا تو میں اس گاؤں کو ہلاک کر دیتا۔ (دافع البلاء صفحہ ۷)

پس آیت قرآن مجید جو آنحضرت صلعم کے متعلق ہے اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور اس الہام سے قادیان کے باشندے مراد ہیں۔"

(۹)

سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ

مختار مدعیہ کے اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید میں جس اسراء کا ذکر ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ مختص ہے۔ اور اس الہام میں جس اسراء کا ذکر ہے۔ وہ اور ہے۔ چنانچہ آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں " پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت سیر کرایا۔ یعنی ضلالت اور گمراہی کے زمانہ میں جو رات سے مشابہ ہے۔ معرفت اور یقین تک لدنی طور پر پہنچایا "۔ (البشریٰ جلد اصفحہ ۲۸)

اور براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۸۵ پر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں " ایک ہی رات میں سیر کرانے سے مقصد یہ ہے کہ اس کی تمام تکمیل ایک ہی رات میں کر دی اور صرف چار پہر میں اس کے سلوک کو کمال تک پہنچایا "۔

پس آنحضرت صلعم کا اسراء اور رنگ کا ہے۔ جس کا آیت قرآن میں ذکر ہے۔ اور اس الہام میں جس اسراء کا ذکر ہے۔ وہ اور قسم کا ہے۔

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے متعلق بھی ان کے سوانح نگار نے لکھا ہے " جو کمالات اوروں کو سالہا سال میں پیش آتے ہیں۔ حضرت کو آناً فاناً بسیر محبوبی و مرادی حاصل ہوئے "۔ سوانح عمری امام ربانی مولفہ محمد حسین ابن قدوۃ الراسخین حضرت مولانا مولوی شیخ قادر بخش صاحب مطبوعہ لاہور صفحہ ۱)

(۱۰)

لَولاکَ لَمَا خَلَقْتُ الافْلاکَ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام کو بھی مختار مدعیہ نے قابل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح میں فرما دیا ہے۔

" ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔ یعنی ملائک کو اس کے مقاصد کی خدمت میں لگایا جاتا ہے اور زمین پر مستعد طبیعتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پس یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے "۔ (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۹)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان آسمانوں سے مراد روحانی آسمان لیتے ہیں جو ہر عظیم الشان مصلح کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل مصداق لولاک لما خلقت الافلاک کا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہی ہے کیونکہ آپ نوع انسانی کے جو کہ اشرف انواع مخلوقات ہے۔ اکمل اور اعلیٰ فرد ہیں۔ جس پر تمام کمالات انسانی کا خاتمہ ہے۔ لیکن ظلی طور پر جو اپنے اندر آنحضرت صلعم کے کمال رکھتا ہے وہ بھی لولاک لما خلقت الافلاک کا ظلی طور پر مصداق ہو

جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قتل المؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا (نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۶۵) اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ان الفاظ سے آئی ہے۔ قال لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل مؤمن بغیر الحق اس کی شرح میں علامہ سندی یہ قول درج کرتے ہیں۔

"المراد بالمؤمن الکامل الذی یکون عارفا باللہ تعالیٰ وصفاتہ فانہ المقصود من خلق العالم لکونہ مظھرًا لایات اللہ واسرارہ وما سواہ فی ھذا العالم الحسیّ من السمٰوات والارض مقصود لاجلہ ومخلوق لیکون مسکنًا لہٗ ومحلا لتفکرہ ونصار زوالہ اعظم من زوال التابع" (ابن ماجۃ جلد ۲ مصری حاشیہ صفحہ ۷)

کہ حدیث میں مؤمن سے کامل مومن مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا عارف ہو۔ کیونکہ پیدائش عالم سے وہ ہی مقصود ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اسرار کا مظہر ہے۔ اور اس کے علاوہ جو عالم محسوسات میں زمین وآسمان ہیں اس کی خاطر ان کے بنانے کا مقصد کیا گیا اور اسی لیے وہ پیدا کئے گئے کہ تا وہ کامل مومن کا جائے سکونت اور محل تفکر ہوں لہٰذا کامل مومن کا زوال اعظم ہے تابع کے زوال سے۔

پس مذکورہ بالا الہام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث اور مذکورہ بالا شرح کی روشنی میں کسی قسم کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

اس موقع پر یہ کہہ دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ مختار مدعیہ تو اس امر کو آنحضرت صلعم کی خصوصیت قرار دے کر اس میں کسی اور کا اپنے آپ کو شریک بنانا خواہ وہ ظلی طور پر ہی کیوں نہ ہو کفر اور ارتداد قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کے مسلم مقتدا و پیشوا وخاتم المحدثین جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سرے سے اس حدیث کی صحت ہی کے قائل نہیں ہیں چنانچہ اسکے متعلق ایک سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ اول ما خلق اللہ نوری اور لولاک لما خلقت الافلاک صحیح حدیثیں ہیں یا وضعی انکو وضعی بتاتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۴۰ اپر لکھتے ہیں یہ حدیثیں کتب صحاح میں موجود نہیں مگر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اول ما خلق اللہ نوری کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔ فقط۔ اس سے ظاہر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے نزدیک نہ تو یہ حدیث صحاح میں ہے اور نہ اس کی کچھ اصل ہے۔ اب کیا مختار مدعیہ مولوی رشید احمد صاحب کو جو حدیث لولاک کی صحت ہی کے منکر ہیں اور اس کو وضعی اور بے اصل سمجھتے ہیں کلمہ کی جزو ثانی کا منکر قرار دے کر ان پر کفر اور ارتداد کا فتویٰ دے گا؟

(۱۱)

عینیت کا دعوےٰ

محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشداء علی الکفار

مختار مدعیہ نے حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۲۶۲ سے مذکورہ بالا الہام پیش کرکے کہا ہے۔ کہ (حضرت) مرزا صاحب نے صفات میں شرکت پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آنحضور کی ذات میں بھی شرکت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور عین محمد ہونے کا دعویٰ کیا۔ ملاحظہ ہو حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۲۶۲۔ کہ اس وحی میں میرا نام محمد رکھا گیا۔ اور رسول بھی۔ یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو سرسری نظر سے دیکھنے والا بھی جانتا ہے کہ آپ نے کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ میں جسمانی لحاظ سے وہی محمد صلعم ہوں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے آئے تھے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں ظلی اور بروزی طور پر وہی محمد ہوں۔ میں ان کا خادم ہوں اور وہ میرے مخدوم ہیں۔ اور میں آپ کا ظل ہوں اور آپ اصل ہیں یعنی میں آپ کی خدمتگزاری اور آپ کی اتباع میں اس قدر فنا ہوا ہوں کہ گویا میرا وجود آپ کے وجود سے بلحاظ روحانیت علیحدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک غلطی کے ازالہ میں ہی مصرح ہے جس کا حوالہ مختار مدعیہ نے دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں "میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلاواسطہ میرے پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے۔ جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس کے نام محمد اور احمد سے مسمّٰی ہوکر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔ یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔

اور فرماتے ہیں "خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی" (حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۵)

گواہ ملے نے اپنے بیان میں اس سوال کا جواب مفصل دے دیا ہے۔ اور علماء سلف کے اقوال سے ثابت کردیا ہے کہ جب انسان اپنے محبوب کے رنگ میں رنگین ہوکر دوئی کو اٹھا دیتا ہے۔ تو اس وقت اتحاد محب و محبوب ہوتا ہے۔ اور اس مشابہت تامہ کی وجہ سے اس کو محبوب کا نام دیا جانا ان کے اتحاد کی دلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ مقامات امام ربانی صفحہ ۸۰ میں لکھا ہے "حقیقت محمدی بر مقام محبت و محبوبیت ممتزجہ ذاتیہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس مقام میں تابع کو اپنے متبوع سے ایسی مشابہت و مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ گویا متبعیت درمیان سے اٹھ گئی اور امتیاز تابع و متبوع زائل ہو جاتا ہے۔ اور ایسا متوہم ہوتا ہے۔ کہ گویا تابع و متبوع ہر دو ایک ہی چشمہ سے پانی پینے ہیں۔ وہم آغوش ایک کنارہ

ایک بستر ہیں. مگر تابع اپنے تئیں طفیلی اپنے متبوع کا جانتا ہے"
اور مہدی کے متعلق تو لکھا ہے کہ اس کا باطن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہو گا. (شرح فصوص الحکم مطبوعہ مصر صفحہ ۵۲، ۵۳) اور
اسی طرح مولانا عبد العلی صاحب بحر العلوم نے لکھا ہے :-
" بایزید چوں قطب وقت بود عین رسول علیہ السلام بود - چرا کہ قطب نمے باشد مگر بر قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ہر کہ قلب
کسی بود عین آنکس است " (مثنوی دفتر چہارم حاشیہ صفحہ ۱۵۰)
اب کیا مختار مدعیہ بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب کو بھی جو بایزید بسطامی رحمہ اللہ کو عین محمد کہہ رہے ہیں کافر و مرتد اور دائرہ
اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ دینے کی جرأت کرے گا. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا (صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۶)

(۱۲)

شعر

مختار مدعیہ نے عینیت کا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر تریاق القلوب سے پیش کیا
ہے. ؎

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا　　منم محمد و احمد کہ مجتبےٰ باشد

اور اس شعر کو آنحضرت صلعم کی توہین قرار دیا ہے. حالانکہ اس شعر سے نہ تو عینیت کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے. اور
نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین. کیونکہ اس شعر میں آپ نے اپنا مقام بیان فرمایا ہے. کہ میں مسیح بھی ہوں. اور
خدا تعالیٰ مجھ سے کلام بھی کرتا ہے اور بروزی طور پر میں محمد و احمد بھی ہوں جیسا کہ آپ نے دوسرے مقامات میں تشریح
فرمائی ہے. کہ محمد و احمد کا نام خدا کی طرف سے مجھ کو بروزی طور پر عطا کیا گیا ہے. اس لیے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا خادم اور آپ کا قائم مقام ہوں. چنانچہ اسی قصیدہ میں آپ فرماتے ہیں ؎

پناہ بیضۂ اسلام آں جواں مرد یست
کہ خوں بدل ز پئے دین مصطفےٰ باشد!
بروئے یار کہ ہرگز نہ رتبتے خواہم!
مگر اعانت اسلام مدعا باشد! (تریاق القلوب صفحہ ۳، ۵)

چنانچہ اس کی تائید تریاق القلوب صفحہ ۷ سے بھی ہوتی ہے. جہاں آپ فرماتے ہیں:-
" اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو. اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو. میں پورے زور
کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے.

جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال و تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے۔ کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں"۔ اور براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۸۹ میں فرماتے ہیں:۔ "ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالےٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم نبوت ہیں ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے "۔

پس قائل کی تشریحات کے خلاف اس کے قول کی تشریح کرنا کسی طرح جائز اور قابل قبول نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا جواب

یہ سب الہامات جو مختار مدعیہ نے بطور اعتراض پیش کیے ہیں اور ان سے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جو کلمہ کی جزو ثانی سے انکار کو مستلزم ہیں۔ ان سب کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ میں جس میں یہ الہامات درج ہیں یہی شبہ پیش کر کے جواب رقم فرمایا ہے۔

"اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہیئے کہ کیوں کر ایک ادنیٰ امتی آل رسول مقبول کے اسماء یا صفات یا محامد میں شریک ہو سکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرت کے کمالات قدسیہ سے شریک و مساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جرأت نہیں۔ چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرت کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالب حق ارشدک اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو۔ کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم و لاجواب کرتی رہیں۔ اس طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں خدا ان کو فانی اور ایک مصفّٰی شیشہ کی طرح پا کر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کچھ منجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے۔ اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳)

اور فرماتے ہیں:۔ "ان کلمات کا حاصل مطلب تلطفات اور برکات الٰہیہ ہیں جو حضرت خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کامل مومن کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ اور حقیقی طور پر مصداق ان تمام آیات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے

سب طفیلی ہیں۔ اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک مدح و ثنا جو کسی مومن کے الہامات میں کی جائے۔ وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہوتی ہے۔ اور وہ مومن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصہ لیتا ہے۔ اور وہ بھی محض خدا تعالےٰ کے لطف و احسان سے نہ کسی اپنی لیاقت و خوبی سے " (براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ صـ۴۸۸ و ۴۸۹)

اور آپ اپنے الہام کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علم و تعلم کی تشریح میں فرماتے ہیں :-

" یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پر بہ پیرایۂ الہام و کشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور ان کے توسط سے ہے " (ازالہ اوہام صـ۲۴۲)

اور فرماتے ہیں " خداوند کریم نے اسی رسول مقبول کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے پاک کلام کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے مخاطبات سے خاص کیا ہے اور علوم لدنیہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور بہت سے اسرار مخفیہ سے اطلاع بخشی ہے۔ اور بہت سے حقائق و معارف سے اس ناچیز کے سینہ کو پُر کر دیا ہے۔ اور بارہا بتلا دیا ہے کہ یہ سب عطیات و عنایات اور یہ سب تفضلات و احسانات اور یہ سب تلطفات و توجہات اور یہ سب انعامات و تائیدات اور یہ سب مکالمات و مخاطبات بیمن متابعت و محبت حضرت خاتم الانبیا صلعم ہیں ؎

جمال ہم نشیں در من اثر کرد ۔ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم "

(براہین احمدیہ صـ۵۴۰)

آپ کی متعدد تصریحات سے ظاہر ہے کہ آپ پر ان انعامات کا نزول ببرکت متابعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مخدوم اور متبوع ہیں اور آپ ان کے خادم اور تابع ہیں "

دوسرا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے الہامات اپنی کتاب اربعین نمبر۲ اور انجام آتھم میں تحریر فرما کر مخالفین کو مباہلہ اور بالمقابل دعا کرنے کے لیے دعوت دی ہے چنانچہ الہام الارض والسماء معك كما هو معي - اربعین ع۲ صـ۹ و انجام آتھم صـ۲۵ ہیں۔ اور انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی اربعین ع۲ صـ۲۹ و انجام آتھم صـ۵۱ اور انت اسمی الاعلی اربعین ع۲ صـ۲۹ اور انت منی بمنزلۃ لا یعلمها الخلق اربعین ع۲ صـ۲۸ و انجام آتھم صـ۵۱ اور کان اللہ نزل من السماء انجام آتھم صـ۶۳ اور انا فتحنا لك فتحا مبینا اربعین ع۲ صـ۸ اور انجام آتھم صـ۵۸ اور هو الذی ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله

اربعین ع۲ ص۸ اور انجام آتھم ص۵۸ اور انا اعطینٰک الکوثر
اربعین ع۲ ص۳۱ وانجام آتھم ص۵۸

وما ارسلنٰک الّا رحمۃ للعالمین اربعین ع۳ ص۲۳ اور

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ اربعین ع۲ ص۲۹ وانجام آتھم ص۵۲ اور

سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ انجام آتھم ص۵۲ اور

ما ینطق عن الھوٰی۔ (اربعین ۲ ص۳۲ میں مندرج ہیں)

——— اور ان تمام الہامات پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔

"انجام آتھم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ الہامات مع دیگر الہامات کے لکھ کر مولویوں کو مباہلہ کے لیے بلایا ہے۔ اور جن لوگوں کو دعوت مباہلہ دی گئی ہے ان میں سے چوتھے نمبر پر دیوبندیوں کے مقتدیٰ خاتم المحدثین مولوی رشید احمد گنگوہی کا ذکر ہے۔ اور مباہلہ کا طریق بھی اس کتاب میں ذکر کر دیا ہے"

"کہ تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام الہامات کے پرچہ کو جو لکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لے کر میدان مباہلہ میں حاضر ہوں گا اور دعا کروں گا کہ یا الٰہی اگر یہ الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں میرا ہی افترا ہے۔ اور تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے یا اگر شیطانی وساوس ہیں اور تیرے الہام نہیں تو آج کی تاریخ سے ایک برس گذرنے سے پہلے مجھے وفات دے یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر جو موت سے بدتر ہو۔ اور اس سے رہائی عطا نہ کر جب تک کہ موت آ جائے۔ "تا میری ذلت ظاہر ہو اور لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے تیرے بندے فتنہ اور ضلالت میں پڑیں۔ اور ایسے مفتری کا مرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اے خدائے علیم و خبیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں۔ اور تیرے منہ کی باتیں ہیں۔ تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔ اور جب میں یہ دعا کر چکوں تو دونوں فریق کہیں۔ آمین۔

ایسا ہی فریق ثانی کی جماعت میں سے ہر شخص جو مباہلہ کے لیے حاضر ہو جناب الٰہی میں یہ دعا کرے کہ اے خدائے علیم و خبیر ہم اس شخص کو جس کا نام غلام احمد ہے، درحقیقت کذاب۔ اور مفتری اور کافر جانتے ہیں۔ پس اگر یہ شخص درحقیقت کذاب اور مفتری اور کافر اور بے دین ہے اور اس کے یہ الہام تیری طرف سے نہیں بلکہ اپنا ہی افترا ہے۔ تو اس امت مرحومہ پر یہ احسان کر کہ اس مفتری کو ایک سال کے اندر ہلاک کر دے تا لوگ اس کے فتنہ سے امن میں آ جائیں۔ اور اگر یہ مفتری

اور تیری طرف سے ہے اور یہ تمام الہام تیرے ہی منہ کی پاک باتیں ہیں۔ تو ہم پر جو اس کو کافر اور کذاب سمجھتے ہیں دکھ اور ذلت سے بھرا ہوا عذاب ایک برس کے اندر نازل کر اور کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔ اور جب یہ دعا فریق ثانی کر چکے تو دونوں فریق کہیں کہ آمین "۔

اور اس مباہلہ کے بعد اگر میں ایک سال کے اندر مر گیا یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا ہو گیا جس میں جان بری کے آثار نہ پائے جائیں تو لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں گے اور میں ہمیشہ کی لعنت کے ساتھ ذکر کیا جاؤں گا۔ اور میں ابھی لکھ دیتا ہوں کہ اس صورت میں مجھے کاذب اور مورد لعنت الٰہی یقین کرنا چاہیئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جاوے کہ جب تمام لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار۔ اور پھر ان کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔ اور اگر میں مر گیا تو ایک خبیث کے مرنے سے دنیا میں ٹھنڈ اور آرام ہو جائے گا۔

گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے اور نہ ٹھٹھا کرنے والوں کی مجلسوں سے الگ ہو۔ اور اے مومنو برائے خدا تم سب کہو کہ آمین "۔
(انجام آتھم صفحہ ۶۵ تا ۶۷)

اس دعوت کے مقابلہ میں مولویوں نے سکوت اختیار کیا اور مباہلہ کے میدان میں نہ نکلے اور اپنی خاموشی سے اور اس میدان مبارزت سے پیٹھ دکھا کر ان الہامات کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر مہر کر دی۔ اس دعوت پر پانچ سال گزرنے کے بعد پھر آپ نے اربعین نمبر ۲ میں اپنے الہامات تحریر کر کے دعوت دی کہ وہ امرتسر یا بٹالہ میں ایک جلسہ کریں اور جس قدر ہو سکے معزز علماء اور دنیادار جمع ہوں۔ اور متضرعانہ صورتیں بنائیں اور کوشش کریں کہ حضور دل سے دعا ئیں ہوں۔ اور گریہ و بکا کے ساتھ ہوں۔ اور علماء میں سے کم از کم چالیس آدمی ہوں کہ چالیس کے عدد کو قبولیت دعا کے لیے ایک بابرکت دخل ہے۔ اور میں بھی اپنی جماعت کو لے کر آجاؤں گا اور ان الفاظ میں دعا کی جائے "۔

"یا الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ شخص مفتری ہے اور تیری طرف سے نہیں ہے۔ اور نہ مسیح موعود ہے۔ اور نہ مہدی ہے۔ تو اس فتنہ کو مسلمانوں میں سے دور کر اور اس کے شر سے اسلام اور اہل اسلام کو بچا لے۔ اور جس طرح تو نے مسیلمہ کذاب کو اور اسود عنسی کو دنیا سے اٹھا کر مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا لیا۔ اور اگر یہ تیری طرف سے ہے۔ اور ہماری عقلوں اور فہموں کا قصور ہے تو اے قادر ہمیں سمجھ عطا فرما تا ہم ہلاک نہ ہو جائیں۔ اور اس کی تائید میں کوئی ایسے امور اور نشان ظاہر فرما کہ ہماری طبیعتیں قبول کر جائیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ اور جب یہ تمام دعا ہو چکے تو میں اور میری جماعت بلند آواز سے آمین کہے "۔

اس کے بعد میں اسی رسالہ کو جس میں میرے الہامات درج ہیں ہاتھ میں لے کر مندرجہ ذیل الفاظ میں دعا کروں گا:
"کہ اے خدا اگر یہ تیرا کلام نہیں ہے۔ اور میں تیرے نزدیک کاذب اور مفتری اور دجال ہوں۔ جس نے امت محمدیہ میں فتنہ ڈالا ہے۔ اور تیرا غضب میرے پر ہے۔ تو میں تیری جناب میں تضرع سے دعا کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے ایک سال کے اندر زندوں میں سے میرا نام کاٹ ڈال۔ اور میرا تمام کاروبار درہم برہم کر دے۔ اور دنیا میں سے میرا نشان مٹا ڈال۔ اور اگر میں تیری طرف سے ہوں۔ اور میں تیرے فضل کا مورد ہوں۔ تو اے قادر کریم اسی سال میں میری جماعت کو ایک فوق العادت ترقی دے اور فوق العادت برکات شامل حال فرما۔ اور میری عمر میں برکت بخش اور آسمانی تائیدات نازل کر۔ اور جب دعا ہو چکے تو تمام مخالف جو حاضر ہوں آمین کہیں"

اے بزرگو! اور قوم کے مشائخ اور علماء عصر میں آپ لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اس درخواست کو ضرور قبول فرمائیں۔ کیونکہ اس دعا کا نفع نقصان کل میری ذات تک محدود ہے۔ مخالفین پر اس کا کچھ اثر نہیں"

مگر علماء اسی طریق پر فیصلہ کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہوئے اور اپنے فرار سے ثابت کر دیا کہ وہ الہامات جن پر مختار مدعیہ نے اعتراضات کیے ہیں خدا تعالےٰ کی طرف سے ہیں۔

تیسرا جواب

براہین احمدیہ جب شائع ہوئی اس پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے ریویو لکھا اور مطالب خلاصہ کتاب جس میں ایک عنوان مولف الہامات بھی ہے لکھ کر ان الفاظ میں اس کتاب براہین احمدیہ کی تعریف کی۔ اور یہ عبارتیں میں صرف اس امر کے اثبات کے لیے پیش کرتا ہوں کہ جو الہامات براہین احمدیہ میں درج ہیں قابل اعتراض نہیں کتاب کی توثیق مقصود ہے۔

"یہ اس کتاب کا خلاصہ مطالب ہے اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا اور اس کا مولف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دیے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہے ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کریں جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی وجانی وقلمی ولسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھایا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ ومشاہدہ کرے اس تجربہ ومشاہدہ کا اقوام غیر کو مزا بھی چکھا دیا ہو" (اشاعۃ السنۃ، ۶جلد ۷ نمبر ۶)

مولف براہین احمدیہ کے الہامات پر ایک دو مولویوں نے اعتراض کیے تھے۔ جن کا مولوی محمد حسین بٹالوی نے مفصل اور

اور مدلل جواب دیا اور کہا کہ ایسے الہامات کا ہونا جائز ہے۔ اور اسی کتاب میں یہ الہامات بھی مندرج ہیں۔ جن پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیے ہیں "چنانچہ البشریٰ میں بحوالہ براہین احمدیہ یہ الہامات درج ہیں"

(۱) الارض والسماء معك كما هو معي۔ (البشریٰ ص۱۸)

(۲) قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ (براہین احمدیہ)

(۳) ربنا عاج۔ (البشریٰ ص۲۳)

(۴) انت مني بمنزلة لا يعلمها الخلق۔ ص۲۶

(۵) كان الله نزل من السماء یہ الہام ۱۸۸۶ء کا ہے البشریٰ جلد ۲ ص۶

(۶) انا فتحنا لك فتحا مبينا البشریٰ ص۱۳ اور ۳۷

(۷) هو الذي ارسل رسوله بالهدى۔ البشریٰ ص۱۲

(۸) انا اعطيناك الكوثر۔ البشریٰ ص۳۸

(۹) عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا۔ البشریٰ ص۱ جلد ۲ تاریخ نزول الہام ۱۸۸۶ء

(۱۰) وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔ البشریٰ ص۳۰

(۱۱) قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله۔ البشریٰ ص۱۲

(۱۲) وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى۔ البشریٰ ص۱۲

(۱۳) وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم۔ البشریٰ ص۱۳ اور ۳۶

(۱۴) سبحان الذي اسرى بعبده۔ البشریٰ ص۲۸

(۱۵) محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار۔ البشریٰ ص۳۷۔

بلکہ ان کے علاوہ براہین احمدیہ میں اور الہامات بھی اس قبیل سے ہیں۔ جیسے انك على صراط مستقيم۔ فاصدع بما تؤمر (البشریٰ ص۲۷) انذر عشيرتك الاقربين دنا فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى (ص۲) انك اليوم لدينا مكين امين (ص۲۸) واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى (ص۳۳) الم نشرح لك صدرك (ص۴۵) بيت الفكر بيت الذكر ومن دخله كان امنا (ص۴۵)

وغیرہ ہیں۔ لیکن اس وقت ان الہامات کے متعلق علماء نے یہ تسلیم کر لیا کہ امت محمدیہ کے ایک فرد پر ان الہامات کا نزول ہو سکتا ہے۔ اور ایسا ہونا قابل اعتراض نہیں ہے۔ اور گواہ مدعیہ ۲ نے ازالہ اوہام کی ایک عبارت کے متعلق عدالت کے سوال کے جواب میں ۲۴ اگست ۱۹۳۲ء یہ تسلیم کیا ہے کہ جب تک مرزا صاحب نے یہ عبارت لکھی تھی اس وقت تک مرزا صاحب

مسلمان تھے "۔ بس گواہ مدعیہ ۲ ازالہ اوہام کی تالیف کے زمانہ تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسلمان ہونا تسلیم کرتا ہے۔ اور مختار مدعیہ ۱ نے بھی ۲۸ اکتوبر کو بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے " وہ کفریات جو حقیقت الوحی سے پیش کی ہیں۔ اگر وہ اس وقت (یعنی خواجہ غلام فرید صاحب کے وقت) موجود نہیں تو یہ شہادت صحیح ہے "۔

چونکہ ہم نے ان الہامات کا جو مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کفر ثابت کرنے کے لیے پیش کی ہیں۔ براہین احمدیہ اور ان کتب سے ثابت کر دیا ہے۔ جو خواجہ صاحب کی زندگی میں شائع ہوئیں۔ لہٰذا گواہ مدعیہ ۲ اور مختار مدعیہ کے اقراروں کی بنا پر یہ الہامات قابل اعتراض نہیں ہیں "۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

ملائکہ

مختار مدعیہ نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ملائکہ کو ارواح کواکب مانتے ہیں شریعت والے ملائکہ کو جن کے متعلق قرآن مجید میں عباد مکرمون وارد ہے نہیں مانتے کیونکہ عبد کا لفظ ذوالعقول پر اطلاق پاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص ملائکہ کو ارواح کواکب کہے اور ان کے وجود فی الخارج کا منکر ہو اس کا ملائکہ پر ایمان کیا؟ اور وہ کیسے مومن کہلا سکتا ہے۔

مگر یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر بڑی کثرت سے آیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں "۔

(۱) از ملائک راز خبر ہائے معاد — آنچہ گفت آں مرسل رب العباد
آں ہمہ از حضرت احدیت است؛ — منکر آں مستحق لعنت است

(سراج منیر)

(۲) تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں راز دار (براہین حصہ پنجم)

(۳) اے میرے مولا تو اب فوج ملائک کو اتار (براہین حصہ پنجم)

(۴) ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق حشر اجساد حق اور جنت حق اور دوزخ حق ہے (ایام الصلح صفحہ ۸۶)

(۵) واعتقد ان للہ ملائکۃ مقربین لکل واحد منھم مقام معلوم (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۸۴)
یعنی میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ خدا کے مقرب فرشتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک معین مقام ہے۔

(۶) فرشتوں پر ایمان لانے کا یہ راز ہے کہ بغیر اس کے توحید قائم نہیں رہ سکتی اور ہر ایک چیز کو اور ہر ایک تاثیر کو خدا تعالیٰ

کے ارادہ سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ اور فرشتہ کا مفہوم تو یہی ہے کہ فرشتے وہ چیزیں ہیں۔ جو خدا کے حکم سے کام کر رہے ہیں پس جب کہ یہ قانون ضروری اور مُسلّم ہے۔ تو پھر جبرئیل اور میکائیل سے کیوں انکار کیا جاتے۔ (چشمہ معرفت ص۱۳۷ مطبوعہ ۱۹۰۸ء)
اور عجب بات ہے کہ مختار مدعیہ نے جس کتاب۔ توضیح مرام سے فرشتوں کا انکار نکالا ہے۔ اس میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"قرآن شریف نے جس طرز سے ملائک کا حال بیان کیا ہے۔ وہ نہایت سیدھی اور قریب قیاس راہ ہے اور جز اس کے ماننے سے کچھ بن نہیں پڑتا۔ (توضیح مرام ص۳۷ طبع دوم)

اور فرماتے ہیں: "وما منّا الا له مقام معلوم و انا لنحن الصافون۔

"فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو ان کے لیے خدا تعالےٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ ایک ذرہ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے جب کہ خدا تعالےٰ ان کی طرف سے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وما منا الا له مقام معلوم و انّا لنحن الصّافون (توضیح مرام ص۳۲)

اور فرماتے ہیں:۔
"ملائک کو اس معنے سے ملائک کہتے ہیں کہ وہ ملائک اجرام سماویہ اور ملاک اجسام الارض ہیں یعنی ان کے قیام اور بقا کے لیے ارواح کی طرح ہیں۔ اور نیز اس معنے سے بھی ملائک کہتے ہیں کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں۔ (توضیح مرام ص۳۳)
اور ملائکہ کو روح کی طرح کہنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ مراد نہیں کہ فی الواقعہ وہ روحیں ہیں اور ان کا علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ روح کی طرح سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ کو ان نورانی اور روشن ستاروں سے ایک مجہول الکنہ تعلق ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:۔
"پس اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت ذری وہ نفوس طیبہ ان روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہوں گے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جیسے زمین کا ہر ایک جاندار اپنے اندر جان رکھتا ہے۔ بلکہ ان نفوس طیبہ کو بوجہ مناسبت اپنی نورانیت اور روشنی کے جو روحانی طور پر انہیں حاصل ہے۔ روشن ستاروں کے ساتھ ایک مجہول الکنہ تعلق ہے۔ اور ایسا شدید تعلق ہے کہ اگر ان نفوس طیبہ کا ان ستاروں سے الگ ہونا فرض کیا جائے تو پھر ان کے تمام قویٰ میں فرق پڑ جائے گا۔"
انہیں نفوس کے پوشیدہ ہاتھ کے زور سے تمام ستارے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور جیسے خدا تعالےٰ تمام عالم کے لیے بطور جان کے ہے ایسے ہی (مگر اس جگہ تشبیہ کامل مراد نہیں ہے)۔ وہ نفوس نورانیہ کواکب اور سیارات کے لیے جان کا ہی حکم رکھتے ہیں۔" (توضیح مرام ص۳۷ و ص۳۸)
اور توضیح مرام صفحہ ۶۸ پر جو آپ نے فرمایا ہے "مثلاً جبرئیل جو ایک عظیم الشان فرشتہ ہے اور آسمان کے ایک

نہایت روشن نیر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو کئی قسم کی خدمات سپرد ہیں جن میں سے ایک وحی کرنا بھی ہے" تو یہاں بھی تعلق سے آپ کی مراد ایسا ہی تعلق ہے۔ جو فرشتوں کو دوسرے اجسام سے ہے۔ چنانچہ آپ توضیح مرام صفحہ ۸۲ میں فرماتے ہیں۔

"تیسرا کام جبرئیل کا یہ ہے کہ جب خدا تعالےٰ کی طرف سے کسی کلام کا ظہور ہو تو ہوا کی طرح موج میں آکر اس کلام کو دل کے کانوں تک پہنچا تا ہے۔ یا روشنی کے پیرایہ میں افروختہ ہو کر اس کو نظر کے سامنے کر دیتا ہے۔ یا حرارۂ محرقہ کے پیرایہ میں تیزی پیدا کر کے زبان کو الہامی الفاظ کی طرف چلاتا ہے"

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام سورج نہیں ہے۔ بلکہ سورج کے علاوہ ایک اور وجود ہے اور آئینہ کمالات اسلام میں آپ فرماتے ہیں۔

"خدا تعالےٰ نے فرشتوں کا نام مدبرات و مقسمات امر رکھا ہے۔ اور ہر ایک عرض اور جوہر کے حدوث و قیام کا وہی موجب ہیں۔ یہاں تک کہ خدا تعالےٰ کے عرش کو بھی وہی اٹھائے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ان کل نفس لما علیہا حافظ سے کلی طور پر فرشتوں کا تصرف ہر ایک چیز پر ثابت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے خدا تعالےٰ نے قرآن کریم کے بعض مقامات میں رمی شہب کا فاعل فرشتوں کو ٹھہرایا اور بعض دوسرے مقامات میں اس رمی شہب کا فاعل ستاروں کو ٹھہرایا کیونکہ فرشتے ستاروں میں اپنا اثر ڈالتے ہیں جیسا کہ جان بدن میں اپنا اثر ڈالتی ہے۔ ملائکہ کو اجرام سماوی بلکہ بعض فرشتوں کو جو عنصری ہیں۔ عناصر اور اجرام سماوی سے ایسا شدید تعلق ہے۔ جیسا کہ ارواح کو قوالب کے ساتھ ہے۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ملائک آسمان پر ایک مستقل وجود رکھتے ہیں مگر کیا۔ یہ دوسری بات بھی اسی کتاب عزیز کی رو سے سچی ثابت نہیں ہوتی کہ ملائکہ کا تعلق ہر ایک اجرام سماوی سے ایک حافظانہ تعلق ہے اور ہر ایک ستارہ اپنے بقاء اور قیام اور صدور افعال میں ملائکہ کی تائید کا محتاج ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ جو اپنے تئیں مولوی کہلاتے ہیں یوں تو مسلمانوں کو کافر بنانے کے لیے بڑے سرگرم ہیں مگر قرآن کریم کی تعلیم مبارکہ حکمیہ کو تدبر اور تعمق کی نظر سے نہیں دیکھتے پھر حق کے سمجھنے میں کیونکر کامیاب ہوں۔

(آئینہ کمالات اسلام حاشیہ صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵)

اور فرماتے ہیں "

"واضح ہو کہ یہ خیال کہ فرشتے کیوں نظر نہیں آتے بالکل عبث ہے۔ فرشتے خدا تعالےٰ کی طرح ایک نہایت لطیف وجود رکھتے ہیں۔ پھر کس طرح ان آنکھوں سے نظر آئیں۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۰۹)

ان تمام مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک فرشتے دراصل کواکب کی ارواح کا نام نہیں ہے۔ اور ان کے لیے روح یا جان کا لفظ جو استعمال کیا ہے۔ تو وہ صرف اس لیے استعمال کیا ہے۔ تا ستاروں کے ساتھ ان کا شدید تعلق ظاہر ہو۔ اور ان میں جو تغیرات ہوتے ہیں۔ وہ سب فرشتوں کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی آیت و انشقت السماء فھی یومئذ واھیۃ والملک علی

اذا جانبها و یحمل عرش ربك فوقهم یومئذ ثمانیة (کی تفسیر میں یہی لکھتے ہیں کہ

" درحقیقت آسمان کی بقاء بباعث ارواح کے ہے یعنی ملائک کے جو آسمان اور آسمانی اجرام کے لیے بطور روح کے ہیں۔ اور جیسے روح بدن کی محافظ ہوتی ہے۔ اور بدن پر تصرف رکھتی ہے۔ اسی طرح ملائک آسمان اور آسمانی اجرام پر تصرف رکھتے ہیں۔ اسی طرح ملائک سماوی انہیں کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور انہی کے ذریعہ سے صدور انعال کو اکب ہے۔ پھر جب وہ ملائک جان کی طرح اس قالب سے نکل جائیں گے۔ تو آسمان کا نظام ان کے نکلنے سے درہم برہم ہو جائے گا۔ جیسے جان کے نکل جانے سے قالب کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اور شیخ محی الدین ابن العربی نے فتوحات مکیہ باب ۶۰ میں سورج اور چاند ستاروں کو فرشتوں کی سواریاں قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ فرشتہ کے لیے ایک ستارہ ہے جو اس کی سواری ہے۔ اور اس میں وہ خدا کی تسبیح کرتا ہے۔ (الیواقیت جلد ۲ صفحہ ۵۵)

اب میں اس اعتراض کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں بھی دے دینا چاہتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں

" ومن اعتراضاتهم انهم قالوا ان هذا الرجل يحسب الملائكة ارواح الشمس و القمر و النجوم. اما الجواب. فاعلموا انهم قد اخطأوا فى هذا والله يعلم انى لا اجعل ارواح النجوم ملائكة بل اعلم من ربى ان الملائكة مدبرات للشمس و القمر والنجوم وكل ما فى السماء و الارض وقد قال الله تعالى وان كل نفس لما عليها حافظ و قال والمدبرات امرا و مثل تلك الايات كثير فى القران فطوبى للمتدبرين. (حمامة البشرى صفحہ ۲۷)

" یعنی مخالفین کا یہ اعتراض بھی ہے کہ یہ شخص ملائکہ کو سورج اور چاند اور ستاروں کی ارواح خیال کرتا ہے۔ جواباً واضح ہو کہ انہوں نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے۔ کہ میں ستاروں کی ارواح کو قرار نہیں دیتا۔ بلکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے مجھے یہ علم دیا گیا ہے کہ ملائکہ سورج اور چاند اور ستاروں اور ہر اس چیز کے جو آسمان و زمین میں ہے۔ مدبر ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وان کل نفس لما علیہا حافظ اور فرمایا ہے والمدبرات امرا۔ اور ایسی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ پس سعادت ہے غور کرنے والوں کے لیے "

اور مدعا علیہ کے اس سوال کا جو اس نے توضیح مرام کی عبارت کی بناء پر کیا ہے۔ اور جس کا میں نے ابھی جواب دیا ہے۔ حضرت اقدس خود بھی جواب دے چکے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب " ازالہ اوہام " میں مختار مدعیہ کے ہم رنگ مولویوں کا پہلے سوال درج کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں "

(سوال) ملائک اور جبرئیل علیہ السلام کے وجود سے انکار کیا ہے۔ اور ان کو توضیح مرام میں کواکب کی قوتیں ٹھہرایا ہے

"جواب": یہ آپ کا دھوکا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ عاجز ملائک اور جبرئیل کے وجود کو اسی طرح مانتا ہے۔ جس طرح قرآن اور حدیث میں وارد ہے۔ اور جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی رو سے ملائک کے اجرام سماوی سے خادمانہ تعلقات پائے جاتے ہیں۔ یا جو کام خاص طور پر انہیں سپرد ہو رہا ہے اس کی تشریح رسالہ توضیح مرام میں ہے۔"

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

(ازالہ اوہام حصہ اول طبع سوم صفحہ ۱۰۲)

اب جائے انصاف ہے کہ حضرت اقدس نے توضیح مرام کی عبارت کے متعلق اپنی قطعی ویقینی مراد اس قدر صراحت ووضاحت سے ظاہر فرما دی ہے۔ لیکن باوجود اس کے اس قطعی اور یقینی مراد کو چھوڑ کر عدالت اور پبلک کو مغالطہ دینے کے لیے آپ کی عبارت توضیح مرام کے وہ معنے لیے جاتے ہیں جو قطعی ویقینی طور پر غلط ہیں اور پھر اپنے ان خود تراشیدہ لغو و باطل معنے کی بناء پر کفر کا فتوی دیا جاتا ہے۔ مجھے اس وقت مختار مدعیہ نمبر ۱ کی جو گواہ مدعیہ نمبر ۲ بھی ہے۔ اور ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند بھی رہ چکا ہے ایک عبارت یاد آ گئی جو اس نے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے لیے لکھی تھی۔ میں حسب ضرورت موقع صرف ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اس کو پیش کر دینا مناسب وقت سمجھتا ہوں کہ حقیقتہً وہ اسی موقعہ کے لیے ہے نہ اس موقع کے واسطے جہاں وہ پیش کی گئی تھی۔ اور وہ یہ ہے دھوکہ دینے کے واسطے قطعی ویقینی مراد سے اعراض فرمایا جاتا ہے اور جو قطعی اور یقینی غلط معنی ہیں۔ وہی مراد لے کر قطعی اور یقینی تکفیر فرمائی جاتی ہے۔ اے چودھویں صدی! جب تیرے علماء ایسے ہیں تو دجال کیسے ہونگے۔ (السحاب المدرار صفحہ ۴۵)

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بارہ میں مختار مدعیہ کے نزدیک سر سید کا جن کو انہوں نے علیہ الرحمۃ کہا ہے مذہب بھی بیان کر دیا جاوے۔ وہ فرماتے ہیں:

"قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے۔ ۲۔ جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان کا اصل وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔"

(تفسیر سر سید جلد ا صفحہ ۴۹)

اور لکھتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالے انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے۔ اور جو قوی بہیمیہ اس میں ہیں ان کی برائی یا ان کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے۔ مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا۔ جو عام لوگوں کی اور اونٹ چرانے والوں کے لیے قصہ یا خدا اور فرشتوں کے مباحثہ کے طور پر اس فطرت کو بیان کیا ہے۔ تاکہ ہر کوئی خواہ اس کو فطرت کا راز سمجھے خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ۔ خواہ شیطان اور خدا کا جھگڑا۔ اصل مقصد حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔"

(تفسیر سر سید صـ۵۳)

اب یہ امر خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے۔ کہ مختار مدعیہ فرشتوں کے متعلق وہ عقیدہ رکھنے پر جو میں حضرت اقدس کی تحریروں سے ادھر دکھا چکا ہوں حضرت اقدس پر تو کفر کا فتویٰ دیتا ہے۔ اور سر سید احمد خاں کو فرشتوں کی بابت با وجود یہ عقیدہ رکھنے کے جو اوپر میں نے ان کی تفسیر سے نقل کیا ہے۔ ان کو الفاظ "رحمۃ اللہ علیہ" کا مستحق قرار دیتا ہے۔"

(۲)

نزولِ ملائکہ

شاہد مدعیہ ۶ ب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نزول ملائکہ کے متعلق یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ جبرئیل کے زمین پر نزول اور ملک الموت کے بذات خود زمین پر اتر کر قبض ارواح کرنے کے قائل نہیں ہیں اور جبرئیل کے نزول کو جو شرع میں وارد ہے اس کی تاثیر کا نزول مانتے ہیں۔ اور جو صورت جبرئیل کی دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کو جبرئیل کا عکس بتاتے ہیں۔"

"اما الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نزول جبرئیل و ملک الموت کی اصل حقیقت نہایت مدلل طور پر توضیح مرام میں بیان فرما دی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

" اس جگہ اثبات کا بیان کر دینا بے موقعہ نہ ہوگا۔ کہ جو کچھ ہم نے روح القدس اور روح الامین وغیرہ کی تعبیر کی ہے۔ یہ درحقیقت ان عقائد سے جو اہل اسلام ملائک کی نسبت رکھتے ہیں۔ منافی نہیں ہے۔ کیونکہ محققین اہل اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملائک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل کر زمین پر اترتے ہیں۔ اور یہ خیال بہ بداہت باطل ہے۔ کیونکہ اگر یہی ضرور ہوتا۔ کہ ملائک اپنی اپنی خدمات کی بجا آوری کے لیے اپنے اصلی وجود کے ساتھ زمین پر اترا کرتے تو پھر ان سے کوئی کام انجام پذیر ہونا بغایت درجہ محال تھا۔ مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سیکنڈ میں ہزارہا ایسے لوگوں کی جانیں نکالتا ہے۔ جو مختلف بلاد و امصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اگر ہر ایک کے لیے اسباب کا محتاج ہو کر اور پیروں سے چل کر اس کے ملک اور شہر اور گھر میں جاوے اور پھر اتنی مشقت کے بعد جان نکالنے کا موقعہ ملے تو ایک سیکنڈ میں اتنی بڑی کارگزاری کے لیے تو کئی مہینے کی مہلت بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کر کے ایک طرفۃ العین کے یا اس کے کم عرصہ میں تمام جہان گھوم کر چلا آوے ہرگز نہیں۔ بلکہ فرشتے اپنے اصل مقامات سے جو ان کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف سے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وما منا الا له مقام معلوم وانا لنحن الصافون ۔

(سورہ صافات جز ۲۳ ع۹) (توضیح مرام صـ۲۹ تا ۳۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس عبارت میں جو حضرت عزرائیل وغیرہ فرشتوں کے نزول کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ وہ سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ کہ تمام فرشتے اپنے مقام معلوم میں موجود رہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے مستقر سے ادھر ادھر نہیں ہوتا اور حضرت جبرئیل کا انبیاء کے پاس آنا صرف تمثیلی رنگ میں تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

یاتی الملک احیانا فی مثل صلصلۃ الجرس فیفصم عنی وقد وعیت ما قال وھو اشد علی ویتمثل لی الملک احیانا رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ باب ذکر الملائکہ)

کہ فرشتہ کبھی تو گھنٹی کی آواز کے تمثیل میں آتا ہے۔ اور یہ صورت مجھ پر سخت ہوتی ہے۔ اور بعض دفعہ وہ انسان کی تمثیل میں آتا ہے۔ تو وہ مجھ سے کلام کرتا ہے۔ تو میں اس کی بات کو یاد رکھتا ہوں۔

اس سے بھی ثابت ہے کہ جبرئیل کا نزول تمثیلی طور پر ہی ہوتا ہے۔ خود آنحضرت صلعم نے بھی جبرئیل کے نزول کو تمثیلی رنگ میں ہی بتایا ہے۔ اور اسی طرح حضرت مریم کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالے نے بھی فرمایا ہے فتمثل لھا بشرا سویا۔ یعنی وہ روح القدس فرشتہ حضرت مریم کے لیے انسانی صورت میں متمثل ہو کر ظاہر ہوا۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کتاب "مدارج النبوۃ" مؤلفہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی سے جبرئیل کے تمثیلی نزول کا ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

"خدا تعالے شیخ بزرگ عبدالحق محدث کو جزائے خیر دیوے کیونکہ انہوں نے بصدق دل قبول کر لیا۔ کہ جبرئیل بذات خود نازل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک تمثیلی وجود انبیاء علیہم السلام کو دکھائی دیتا ہے۔ اور جبرئیل اپنے مقام آسمان میں ثابت اور برقرار ہے۔ یہ وہی عقیدہ ہے۔ جو اس عاجز کا ہے۔ جس پر حال کے کور باطن نام کے علماء کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ افسوس کہ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ اسبات پر تمام مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اپنے حقیقی وجود کے ساتھ صرف دو مرتبہ آنحضرت صلعم کو دکھائی دیا ہے۔"

"اور ایک بچہ بھی اسبات کو سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر وہ اپنے اصل اور حقیقی وجود کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو خود یہ غیر ممکن تھا۔ کیونکہ ان کا حقیقی وجود تو مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ان کے بازو آسمان کے کناروں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر وہ مکہ اور مدینہ میں کیونکر سما سکتے تھے۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۲۲)

اور بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت ولقد راٰہ بالافق المبین۔ اور آیت ولقد راٰہ نزلۃ کی تفسیر میں فرمایا ہے:

فقالت انا اول ھذہ الامۃ سال عن ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا انما ھو جبرئیل لم ارہ علی صورتہ التی خلق علیھا غیر ھاتین المرتین رایتہ

منهبطا من السماء سادا عظم خلقه بين السماء و الارض۔ (مسلم جلد ۱ صـ۹۸)

اس میں حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا ہے "

"کہ میں اس امت کا سب سے پہلا فرد ہوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا کو دیکھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا بلکہ جبرئیل کو دیکھا تھا۔ میں نے اسے حقیقی صورت میں جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے سوائے ان دو مرتبہ کے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے اسے آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا۔ اور اس کے عظیم الشان وجود سے زمین سے آسمان تک تمام افق بھرا ہوا تھا "

اور بخاری میں ہے۔ انه رای جبریل وله ستمائة جناح (بخاری ذکر الملائکہ جلد ۲ صـ۱۴۴)

یعنی آپ نے جبرئیل کو دیکھا کہ اس کے چھ سو پر تھے۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ جبرئیل وغیرہ ملائکہ اپنی حقیقی صورت میں نازل نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ ان کا زمین پر آنا بصورت انسانی تمثلی رنگ میں ہوتا ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو ہی بار دیکھنا کیا معنے رکھتا ہے جب کہ وہ بکثرت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

علاوہ ان کے اور علماء امت نے بھی تسلیم کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تمثالی طور پر دکھائی دیتے تھے۔ اور خود نہیں اترتے تھے۔ چنانچہ "روح المعانی" میں لکھا ہے "کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کا دکھائی دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض نے نزول جبریل کے متعلق کہا ہے "

ان جبريل عليه السلام مع ظهوره بين يدى النبى عليه الصلوٰة والسلام فى صورة دحية الكلبى او غيره لما يفارق سدرة المنتهىٰ۔ (روح المعانی جلد ۷ صـ۶۲)

یعنی جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دحیہ کلبی وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ سے کبھی علیحدہ نہیں ہوئے۔

یہ ہے قرآن شریف اور احادیث اور اکابر بزرگان اسلام کے بیان کی رو سے نزول جبرئیل کی حقیقت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسلک بھی اسی کے مطابق ہے۔ ایسی حالت میں اس عقیدہ کے متعلق حضرت اقدس پر اعتراض کرنا ان سب بزرگان دین پر جو یہی مسلک رکھتے ہیں اعتراض کرنا ہے۔ بلکہ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حق تعالیٰ عزاسمہ وجل شانہ۔ کی ذات پاک پر بھی کیونکہ حدیث و قرآن سے بھی جبرئیل علیہ السلام کا نزول بطور تمثل ہی ثابت ہوتا ہے۔ نہ اس کے خلاف۔ گواہ مدعیہ نے جبریل کے تمثیلی نزول کو خلاف نزول وارد شرع تو قرار دیا۔ مگر نہ تو وہ کوئی حدیث یا آیت ایسی پیش کر سکا ہے جس سے جبریل و ملک الموت کا ذاتی نزول ثابت ہوتا اور نہ اس نے ان دلائل میں سے جو تمثیلی نزول کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے پیش کی ہیں کوئی دلیل توڑ کر دکھائی ہے۔ ایسی حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

متعلق یہ کہہ دینا کہ آپ ملائکہ کے نزول وارد سنہ رع کو نہیں مانتے لغو و باطل ہونے کے لحاظ سے قطعاً قابل التفات نہیں ملائکہ اور جبرئیل کا نزول وارد شرع رہی ہے۔ جو قرآن و حدیث اور اقوال اکابر امت سے ظاہر ہے۔ اور وہی حضرت اقدس مانتے ہیں

(۳)

نجوم کی تاثیر

اور شاہد مدعیہ صاحب نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ "مرزا صاحب اس وجہ سے بھی مسلمان نہیں ہیں کہ وہ نجوم کی تاثیر کے قائل ہیں۔ چنانچہ توضیح مرام ص۵ میں لکھتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ نجوم کی تاثیر ہے"۔

اما الجواب۔ توضیح مرام کے صفحہ ۵ پر یہ عبارت نہیں ہے البتہ صفحہ ۳۸ پر آپ فرماتے ہیں۔

"آج تک کسی نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا۔ کہ جس قدر آسمانوں میں سیارات اور کواکب پائے جاتے ہیں۔ وہ کائنات الارض کی تکمیل و تربیت کے لیے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں۔ غرض یہ نہایت بچی ہوئی اور ثبوت کے چرخ پر چڑھی ہوئی صداقت ہے۔ کہ تمام نباتات اور جمادات اور حیوانات پر آسمانی کواکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے۔ اور جاہل سے جاہل ایک دہقان بھی اس قدر تو ضرور یقین رکھتا ہوگا کہ چاند کی روشنی پھلوں کو موٹا کرنے کے لیے اور سورج کی دھوپ ان کے پکانے کے لیے اور شیریں کرنے کے لیے اور بعض ہوائیں بکثرت پھل آنے کے لیے بلاشبہ موثر ہیں"۔ (توضیح مرام ص۳۸ و ۳۹)

اس زمین میں نجوم کی تاثیر کا انکار کرنا تو تجربہ اور مشاہدہ کو غلط اور باطل ٹھہراتا ہے۔ اور یہ ایسی واضح بات ہے۔ کہ جس کا انکار ایک کم فہم آدمی بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ عقائد کی کتاب "نبراس" میں لکھا ہے۔

"اما القول بان الكواكب اسباب وعلامات بتسخير الواجب تعالىٰ فلا كفر بل قد اعترف به المحققون كالامام الغزالي وصاحب الفتوحات" (نبراس مطبوعہ میرٹھ ص۱۹۲)

یعنی "یہ کہنا کہ ستارے اللہ تعالیٰ کے مسخر کرنے کی وجہ سے بعض چیزوں کے حدوث یا تغیر کے لیے ذرائع اور علامات ہیں۔ تو یہ کفر نہیں ہے۔ بلکہ محققین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے جیسے امام غزالی اور شیخ محی الدین ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ نے"۔

اور اسی کی کتاب کے حاشیہ ص۲۲۸ میں لکھا ہے۔

"قد صرح الشيخ الاكبر في الفتوحات في مواضع كثيرة بان حركات الافلاك والكواكب واوضاعها موثرات وعلامات باذن الحق سبحانه في العناصر وقال لو عرف الجهال المنكرون لهذا العلم في قوله تعالىٰ والنجوم مسخرات بامره لما قالوا شيئاً عما قالوا۔

یعنی "شیخ اکبر نے فتوحات کے بہت سے مقامات پر تصریح کی ہے کہ آسمانوں اور ستاروں کے حرکات اور اوضاع

اللہ تعالیٰ کے اذن سے عناصر میں مؤثر ہیں یا بطور علامات کے ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اگر اس علم سے جاہل درندہ لوگ جانتے کہ نجوم بھی اللہ تعالیٰ کے زیر حکم خدمات میں لگے ہوئے ہیں تو جو اعتراض وہ کرتے ہیں نہ کرتے"

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی "حجۃ اللہ البالغہ" جلد ۲ ص۱۰۹ میں فرماتے ہیں۔

جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"کہ انواء اور نجوم میں کسی حقیقت کا پایا جانا بعید امر نہیں ہے اور شریعت میں اس کو شغل بنا لینے سے منع کیا گیا ہے۔ کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ کیونکہ بعض تاثیرات تو بدیہیات اور اولیات میں سے ہیں۔ جیسے فصلوں کا اختلاف سورج اور چاند کے اختلافات کی وجہ سے ہے۔ اور ایسی اور تاثیرات۔ اور بعض ایسی تاثیرات ہیں جو تجربہ اور حدس اور رصد سے معلوم ہوتی ہیں۔ پس جیسا کہ ہر ایک نوع کے لئے گرمی اور سردی، خشکی اور رطوبت کے لحاظ سے جو امراض کے دفعیہ کے لیے وقت ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ مخصوص طبائع ہیں اسی طرح افلاک اور کواکب کی طبائع اور خواص ہیں جیسے سورج کی حرارت اور چاند کی رطوبت۔ پس جب کوئی ستارہ اپنے محل میں آتا ہے تو اس وقت اس کی قوت زمین میں ظاہر ہوتی ہے۔ کیا تجھے علم نہیں کہ عورت عورتوں کے عادات اور اخلاق سے ایک ایسے سبب کی وجہ سے مختص ہوتی ہے۔ جو اس کی طبیعت میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ادراک کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح مرد کی طبیعت میں ایک بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ جرأت اور جمہوریت وغیرہ صفات سے مختص ہو گیا ہے۔ پس تجھے اس امر کا بھی انکار نہیں کرنا چاہئے کہ زہرہ اور مریخ کے قویٰ کے زمین پر حلول کرنے کے وقت ان پوشیدہ طبائع مذکورہ کی طرح تاثیر ہو۔"

پس بقول شاہ ولی اللہ صاحب حدیث میں مطلقاً نجوم کی تاثیر سے انکار نہیں کیا گیا بلکہ اس امر سے منع کیا گیا ہے کہ حقیقی طور پر نجوم اور انواء مؤثر سمجھے جائیں۔ اور خیال کیا جائے کہ نجوم ہی ان اشیاء کے حصول کی حقیقی علت اور سبب ہیں چنانچہ شاہد مدعیہ نے جس کتاب سے یہ اعتراض کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی میں اس امر کی تردید فرما دی ہے۔ کہ نجوم حقیقی طور پر مؤثر نہیں ہیں بلکہ حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ان کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"یحسبون الشمس والقمر والنجوم مؤثرات بذاتہا ولا مؤثر الا ھو" (توضیح مرام ص۴۲)

یعنی "لوگ سورج اور چاند اور نجوم کو مؤثر بالذات خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت سوائے ذات باری کے کوئی مؤثر بالذات نہیں۔ اس شاہد مدعیہ کا اعتراض حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہی نہیں بلکہ تمام محققین امت پر ہے۔ اور اس کے اعتراض کو صحیح ماننے کی صورت میں مشاہدات اور تجارب صحیحہ کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

(۴)

"پاک تثلیث"

اور اس شاہد مدعیہ نے ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے روح القدس اور روح الابن سب انسانوں کی صفتیں بنائی ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہی پاک تثلیث ہے۔ جو خدا کی محبت اور آدمی کی محبت کے ملنے سے بطور نتیجہ پیدا ہوتی ہے۔

شاہد مدعیہ کا یہ الزام کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ لکھا ہے۔ کہ روح القدس اور روح الابن سب انسان کی صفتیں ہیں بالکل غلط ہے آپ فرماتے ہیں۔

"اوپر کی طرف سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی محبت ہے قوی ایمان سے ملی ہوتی ہے۔ جو اول بندہ کے دل میں باذن الٰہی پیدا ہو کر رب قدیر کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور پھر ان دونوں محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتی ہیں۔ ایک مستحکم رشتہ اور ایک شدید مواصلت خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر الٰہی محبت کے چمکنے والی آگ سے جو مخلوق کو ہیزم مثال محبت کو پکڑ لیتی ہے۔ ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔ (توضیح مرام صـ۲۱) (اس کے لیے تفصیل ملاحظہ ہو توضیح مرام صـ۲۱ تا ۲۶)

اور شاہد مدعیہ کا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب تثلیث کے قائل ہیں عدالت کو مغالطہ دینا ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں تثلیث سے عیسائیوں کی تثلیث (یعنی تین خدا ہونا) مراد نہیں لی۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں۔

"اور یہی پاک تثلیث ہے۔ جو اس درجہ محبت کے لیے ضروری ہے جس کو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے اور ذرہ امکان کو جو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقۃ ہے۔ حضرت اعلیٰ واجب الوجود کے ساتھ برابر ٹھہرا لیا ہے۔" (توضیح مرام صـ۲۲)

" پس اس میں تو عیسائیوں کی تثلیث کی تردید ہے۔ نہ کہ اس کا اقرار۔ جس طریق پر حضرت اقدس نے لفظ تثلیث کا استعمال فرمایا ہے۔ وہ بالکل برمحل اور درست ہے۔ لیکن اس پر اعتراض کرنے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید مختار و گواہان مدعیہ اس کو کسی طرح بھی قابل استعمال نہیں جانتے اور اگر یہی بات ہے تو صد درجہ کی لغویت ہے کیونکہ اس طرح تو ثانی اثنین (سورہ توبہ) کا استعمال بھی جائز نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ فرقہ ثانویہ دو خداؤں کا قائل ہے۔ اور اس کی تردید میں اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ لاتتخذوا الٰھین اثنین (نحل ع ۷) کہ تم دو خدا مت بناؤ۔ اور پھر اس وجہ سے ازواج مطہرہ پاک جوڑے کا لفظ بھی نہیں بولنا چاہیئے۔ اور مومنوں

کے لیے من یکفر بالطاغوت میں کفر کے لفظ کا استعمال بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا تا کہ نازوں سے مومنوں کی لفظ کفر میں مشابہت نہ ہو جائے۔ پس لفظی اشتراک کی وجہ سے عقیدہ ثابت نہیں ہو جاتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے تثلیثی عقیدہ کی تردید اپنی متعدد کتب میں کی ہے۔ اور ملکہ وکٹوریہ کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

"اس نے (یعنی خدا نے) میرے پر ظاہر کیا ہے کہ وہ اکیلا ہے اور غیر متغیر اور قادر اور غیر محدود خدا ہے۔ جس کی مانند اور کوئی نہیں۔" (تحفہ قیصریہ صـ۱۷ طبع سوم)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر مخالفین کا یہ الزام کہ آپ نعوذ باللہ عیسائیوں والی تثلیث کے قائل ہیں باوجود [illegible] محض کذب صریح و افترائے قبیح ہے۔

"قرآن مجید کی توہین"

(۱)

"قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں"

(حقیقۃ الوحی صـ۸۴)

مختار مدعیہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کو اللہ تعالیٰ کی کتب پر ایمان نہیں ہے حضرت اقدس پر یہ الزام لگایا ہے۔ کہ آپ نے لکھا ہے۔ "قرآن خدا کی کتاب ہے اور میرے منہ کی باتیں ہیں"۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے قرآن مجید کو اپنے منہ کی باتیں قرار دیا ہے۔ تو لاریب انہوں نے پاک قرآن کی توہین کی۔ لیکن یہ بھی منجملہ مختار مدعیہ کے بہت سے مغالطوں کے ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ جس جملہ کے متعلق اس نے یہ یقین دلانا چاہا ہے۔ کہ وہ مسیح موعود کا قول ہے۔ وہ درحقیقت حضور کا قول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا الہام ہے اور مختار مدعیہ نے اس کو حقیقۃ الوحی کے مجموعہ الہامات میں سے نقل بھی کیا ہے۔ اور اس مقام پر یہ اپنے سابقہ الہاموں کے ساتھ اس طرح درج ہے۔

"خدا تیرے سب کام درست کر دے گا۔ اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا رب الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔ اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صـ۸۴)

اور یہ مجموعہ الہامات [illegible] سے شروع ہو کر صـ[illegible] تک چلا گیا ہے۔ اور اس مجموعہ الہامات سے پہلے صـ۶۶

میں حضرت مسیح موعود نے تحریر فرمایا ہے۔

"اب ہم وہ الہامات بطور نمونہ ذیل میں لکھتے ہیں" اور اس کے بعد آپ نے مجموعہ الہامات شروع کیا ہے اور صفحہ ۸۴ پر الہام مذکورہ درج فرمایا ہے۔ اور جب یہ ثابت ہے کہ یہ الہام ہے۔ تو اس میں "میرے منہ" سے حضرت اقدس کا منہ مراد نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا منہ مراد ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ یعنی خدا کے منہ کی باتیں ہیں۔ اس قسم کے اختلاف ضمائر کی مثالیں جابجا قرآن شریف میں موجود ہیں نمونہ کے طور پر سورۃ فاتحہ ہی دیکھ لی جاوے کہ الحمد للہ رب العالمین میں تو غائب کا صیغہ رکھا گیا ہے۔ اور ایاک نعبد میں مخاطب کا۔

غرض جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ کہ یہ حضرت اقدس کا قول نہیں بلکہ الہام الٰہی ہے۔ صرف اس امر کے علم سے کہ یہ الہام ہے اس پر وہ اعتراض نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ جو کیا گیا ہے۔ اور مجموعہ الہامات کے اندر اس کے موجود ہونے سے اس کا الہام ہونا بخوبی ظاہر تھا۔ لیکن بات یہاں تک پہنچ کر ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے متعلق حضرت اقدس سے سوال بھی کیا گیا ہے کہ اس الہام میں میرے منہ کی باتوں سے کس کے منہ کی باتیں مراد ہیں۔ اور "میرے" کی ضمیر کس کی طرف پھرتی ہے۔ تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ۔

"خدا کی منہ کی باتیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے منہ کی باتیں اس طرح کی ضمائر کے اختلاف کی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں"

(ملاحظہ ہو اخبار بدر ۱۱ جولائی ۱۹۰۵ء)

مگر ایں ہمہ مختار مدعیہ نے اس پر اعتراض کرتے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے۔ ایک تو یہ الہام تھا اس لیے منہ سے خدا تعالیٰ کا منہ مراد ہو سکتا تھا۔ نہ کسی اور کا۔ دوسرے ملہم نے ایک سوال کے جواب میں اس کی تشریح بھی فرما دی تھی کہ یہ الہام میں جو "میرے منہ" کے الفاظ ہیں ان سے خدا تعالیٰ کا منہ مراد ہے۔ ایسے صاف لکھے ہوئے مضمون کی موجودگی میں اور پھر اس قدر تشریح کر دئے جانے کی حالت میں خلاف منشائے متکلم معنے لے کر ان پر رائے زنی کرنا جتنی قابل نفرت حرکت ہے میں اس کے متعلق خود کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ مختار مدعیہ ؑ کی رائے پیش کیے دیتا ہوں وہ کہتا ہے۔

"اگر ایسے صاف کھلے ہوئے مضامین پر بھی اختیار ہے کہ جس کا جی چاہے عبارت کا مطلب کہدے اور فتویٰ دے دے تو اب مسلمانی تو دنیا میں رہنے کی نہیں۔ مگر اس کا نتیجہ بجز ذلت و رسوائی کچھ نہیں ہے۔ کوئی شخص کسی کے کہنے سے کافر نہیں ہو سکتا۔

(السحاب المدرار صفحہ ۴۸)

(٢)

فبایّ حدیث بعدہٗ یؤمنون

مختار مدعیہ نے عدالت کو ایک یہ مغالطہ دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ اپنی وحی کو قرآنی وحی کی طرح مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

"مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات و انجیل اور قرآن پر" اور فرماتے ہیں۔ ؎

ہمچو قرآن منزہ اش دانم !

؎

اور یہ امر قرآن مجید کی آیت فبایّ حدیث بعدہٗ یومنون کے صریح خلاف ہے مختار مدعیہ نے آیت تو پیش کر دی مگر اس کا مطلب نہ سمجھ سکا اگر مطلب سمجھتا تو یہ آیت کبھی پیش ہی نہ کرتا۔ کیونکہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ قرآن مجید کو چھوڑ کر وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ یعنی قرآن مجید کے مخالف کسی چیز پر ایمان لانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر آیت کا یہ مطلب نہ لیا جاوے تو احادیث رسول اللہ صلعم اور وحی غیر متلو اور قدسی احادیث وغیرہ سب کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی قرآن مجید کے بالکل موافق ہے۔ اور اس کا کوئی کلمہ بھی قرآنی تعلیم کے معارض نہیں ہے۔ اور آپ کی وحی کے قرآن کی طرح منزہ ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ جیسے قرآنی وحی شیطانی دخل سے پاک ہے ویسے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی بھی شیطانی دخل سے پاک ہے۔ نہ کہ دونو وحیاں مرتبہ میں بھی برابر ہیں کیونکہ یہاں تشبیہ مرتبہ کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ خدا تعالے کی طرف سے ہونے اور شیطانی دخل سے پاک ہونے کے اعتبار سے ہے۔ جیسے کہ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح (النساء) میں بھی تشبیہ مرتبہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہونے کے لحاظ سے ہے۔ یعنی اس آیت شریفہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو حضرت نوحؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی وحی کے مانند فرمایا ہے تو یہ فرمانا اس لیے نہیں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی دوسرے انبیاء کی وحی مرتبہ میں برابر تھی بلکہ صرف اس لیے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کی وحی اور دوسرے انبیاء کی وحی اللہ کی طرف سے ہونے میں برابر تھیں۔ ورنہ مرتبہ کے لحاظ سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا تمام انبیاء کی وحی سے بمدارج افضل ہونا ظاہر ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے اس قول کا "کہ مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسے کہ تورات، انجیل اور قرآن پر"۔ یہی مطلب ہے۔ کہ خدا تعالے کی طرف سے ہونے میں سب برابر ہیں۔ مرتبہ میں برابری کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ اور حضرت اقدس کے اس قول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ نے اپنی وحی اور قرآنی وحی کو درجہ و مرتبہ میں ایک قرار دیا ہے۔ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کوئی آیت شریفہ مندرجہ بالا سے یہ نتیجہ نکالے کہ اس میں حضرت نوحؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو درجہ و مرتبہ میں برابر بتایا ہے۔"

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود نے نہ ایک جگہ بلکہ جا بجا اس امر کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ قرآنی وحی تمام وحیوں سے افضل اور برتر ہے۔ اور کوئی وحی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔

" خدا کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن مجید کی مثل لا سکتے ہیں۔ قرآن کریم سراپا معجزہ ہے۔ جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا۔ اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں ہیں جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ایسی پاک وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد اور بھی کوئی وحی ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم الانبیاء پر ہوئی ایسی نہ کسی پر پہلے ہوئی اور نہ کبھی آئندہ ہو گی۔" (الہدیٰ صـ۳۰)

اور فرماتے ہیں۔

" سو جیسا کہ فطرت کی رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطا ہوا۔ اور اعلیٰ و ارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیح دونو اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ جس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت تامہ ہے۔" (توضیح مرام صـ۲۳)

چونکہ تفصیل مسئلہ وحی میں آئے گی۔ اس لیے انہیں دو حوالوں پر اکتفاء کرتا ہوں اور یہ دو بھی جو رتبہ رکھتے ہیں ہر منصف مزاج اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

(۳۱)

تحدی

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ آپ نے اپنے قصیدہ اعجاز احمدی کو بطور تحدی پیش کیا ہے۔ اور خطبہ الہامیہ کے ٹائٹل پیج پر آیت کا لفظ لکھا ہے اور یہ بھی کہ اس کی مثل کوئی نہیں لا سکتا۔ لہٰذا اس سے قرآن مجید کی توہین لازم آتی ہے۔

تعجب ہے کہ مختار مدعیہ تو اس سے توہین قرآن مجید نکال رہا ہے۔ مگر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

" ہمارا تو یہ دعویٰ ہے۔ کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشاء پردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے تا حقائق قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کریں۔ اور وہ بلاغت جو ایک بے ہودہ اور لغو طور پر اسلام میں رائج ہو گئی تھی۔ اس کو کلام الٰہی کا خادم بنایا جائے۔" (نزول المسیح صـ۵۹)

اور جب آپ کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ آپ کو عربی انشاء پردازی کا معجزہ جس میں آپ تمام دنیا کے آدمیوں پر غالب رہے۔ اور عرب و عجم میں کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس لیے عطا ہوا تھا کہ آپ حقائق قرآنی کو اس

پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کردیں۔ اور وہ بلاغت جو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی تھی اور جس کا رواج اسلام میں لغو اور بے ہودہ طور پر رہ گیا تھا۔ کلام الٰہی یعنی قرآن شریف کی خادم بنائی جائے۔ اور اس سے قرآن شریف کی خدمت لی جائے۔ تو مختار مدعیہ کا اعجاز احمدی کی اس تحدی پر کہ اس کا کوئی جواب نہیں لاسکتا یہ اعتراض کہ اس سے قرآن شریف کی ہتک لازم آتی ہے۔ بالکل باطل ثابت ہو کر قطعاً ناقابل التفات ہوگیا۔

اور خطبہ الہامیہ کے ٹائیٹل پیج پر جو آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ "اس میں نئے معارف اور حقائق بیان کیے گئے ہیں اور میری طرح فی البدیہہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت میں کوئی نہیں بول سکتا اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے کیونکہ یہ معارف اور اس کتاب کا ایک حصہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام کیا گیا ہے۔" اگر اس کے نشان ہوں گے مختار مدعیہ کے نزدیک قرآن مجید کی توہین لازم آتی ہے۔ تو اس لحاظ سے خود قرآن مجید کو بھی اپنی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان فی خلق السمٰوٰت و الارض - الی - لآیات لقوم یوقنون -

اس آیت کا ماحصل یہ ہے۔ کہ زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور کشتیوں اور ہواؤں اور بادلوں میں یقین کرنے والی قوم کے لیے آیات ہیں۔ اور اسی طرح فرمایا و فی الارض آیات للموقنین و فی انفسکم افلا تبصرون کہ زمین میں بھی یقین کرنے والوں کے لیے بہت سی آیات اور نشانات ہیں۔ اور خود تمہاری جانوں میں بھی نشانات ہیں۔ پس کسی چیز کے آیت اور نشان ہونے سے قرآن مجید کی توہین لازم نہیں آتی۔

اور قصیدہ اعجازیہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ۔

"میرے پیارے قادر! اور دلوں کے اسرار کے گواہ!! میری مدد کر اور ایسا کر کہ یہ تیرا نشان دنیا میں چمکے اور کوئی مخالف میعاد مقررہ میں قادر نہ ہو اے میرے پیارے ایسا ہی کر" (اعجاز احمدی صفحہ ۲۹)

اور صفحہ ۳۷ پر تصریح فرمادی کہ چونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں۔ اور صادق ہوں۔ اس لیے وہ مدت مقررہ میں قصیدہ نہیں بنا سکیں گے۔

"کیونکہ خدا تعالیٰ ان کی قلموں کو توڑ دے گا۔ اور ان کے دلوں کو غبی کردے گا۔ اور صفحہ ۹۰ پر آپ نے یہ تحریر فرمادیا۔

"اگر بیس دن میں جو دسمبر ۱۹۰۲ء کی دسویں تاریخ کے دن کی شام تک ختم ہو جائے گی انہوں نے اس قصیدہ اور اردو مضمون کا جواب چھاپ کر شائع کر دیا۔ تو یوں سمجھو کہ میں نیست و نابود ہوگیا۔ اور میرا سلسلہ باطل ہوگیا۔ اس صورت میں میری جماعت کو چاہیئے کہ مجھے چھوڑ دیں اور قطع تعلق کر دیں۔

لیکن مخالفین مدت معینہ میں کوئی جواب نہ لکھ سکے اور ان کے قلم ٹوٹ گئے اور حضرت مسیح موعود کی صداقت

پر یہ چمکتا ہوا نشان قیامت کے دن تک باقی رہ گیا۔ اور یہ یاد رہے کہ قرآن کریم کی تحدی اور اس تحدی میں فرق ہے۔ قرآن مجید میں کسی مہلت کا ذکر نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی تحدی میں مہلت کا ذکر ہے۔ یعنی اس مہلت کے اندر اندر خدا تعالے نے مولویوں اور عالموں کے دلوں اور قلموں پر ایسا تصرف کرے گا کہ وہ اس کتاب کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ لکھ سکیں۔ اور یہ امر یقینی خدا تعالے کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک نشان ہے اور بحوالہ الہدیٰ صے۳۶ میں ذکر کر چکا ہوں کہ۔

" خدا کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن کی مثل لا سکتے ہیں۔ قرآن کریم سراپا معجزہ ہے۔ جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا۔ اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کر سکتا۔"

اور فرماتے ہیں:۔

" کلما قلت من کمال بلاغتی فی البیان فھو بعد کتاب اللہ القرآن (لجۃ النور)

یعنی جو کچھ میں نے بیان میں کمال بلاغت سے کہا ہے۔ تو وہ خدا تعالے کی کتاب قرآن کے بعد ہے یعنی اس کے مرتبہ پر نہیں۔

پس مختار مدعیہ کا لفظ آیت اور قصیدہ اعجازیہ کے مقابلہ میں ویسا قصیدہ بنانے کے لیے تحدی سے قرآن مجید کی توہین نکالنا سراسر مغالطہ ہے۔

(۴)

کیا قرآن گالیوں سے پُر ہے؟

مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ نے الف کا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ آپ نے قرآن کو گالیوں سے پر مانا ہے اور یہ لکھا ہے کہ۔

" پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ قرآن کریم گالیوں سے پُر ہے"۔ اور اس قول سے قرآن مجید کی صریح توہین لازم آتی ہے لیکن یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس کی منقولہ بالا عبارت بتا رہی ہے کہ اس کا پہلی عبارت سے تعلق ہے۔

اور چونکہ یہ عبارت پہلی عبارت کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے تو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا اس لیے مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ نے عمداً پہلی عبارت چھوڑ دی ہے۔ اور یہ نا تمام عبارت اس میں سے قطع کر کے اعتراض بے جا کے شوق کو پورا کرنے کی ایک نہایت ہی غیر صحیح راہ پیدا کی ہے۔ اب میں اصل عبارت پیش کرتا ہوں تا حقیقت الامر کا انکشاف ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں۔ اور ان دو مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے۔ دشنام دہی تصور کر لیتے ہیں حالانکہ دشنام اور سب اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے۔ جو خلاف واقع اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے۔ اور اگر ہر ایک سخت اور آزار دہ تقریر کو محض بوجہ اس کے مرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں۔ تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارہ میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کیے گیے ہیں یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے سننے سے بت پرستوں کے دل خوش ہوتے ہوں۔ بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدا تعالیٰ کا کفار مکہ کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو "شر البریۃ" قرار دینا اور تمام رذیل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کی رو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا؟ کیا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں واغلظ علیہم نہیں فرمایا۔ کیا مومنوں کی علامات میں اشداء علی الکفار نہیں لکھا گیا۔ کیا حضرت مسیح کا یہودیوں کے معزز فقیہوں اور فریسیوں کو سؤر اور کتّے کے نام سے پکارنا اور گلیل کے عالی مرتبہ فرمانروا ہیرودیس کا لومڑی نام رکھنا اور معزز سردار کاہنوں اور فقیہوں کو کنجری کے ساتھ مثال دینا اور یہودیوں کے بزرگ مقتداؤں کو جو قیصری گورنمنٹ میں اعلیٰ درجہ کے عزت دار۔ اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے۔ ان کو کریہ اور نہایت دل آزار اور خلاف تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ تم حرامزادے ہو۔ حرامکار ہو۔ شریر ہو۔ بدذات ہو۔ بے ایمان ہو۔ احمق ہو، ریاکار ہو۔ شیطان ہو۔ جہنمی ہو۔ تم سانپ ہو۔ سانپوں کے بچے ہو کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندی گالیاں نہیں ہیں! اس سے ظاہر ہے۔ کہ معترض کا اعتراض نہ صرف مجھ پر اور میری کتابوں پر بلکہ درحقیقت معترض نے خدا تعالیٰ کی ساری کتابوں اور سارے رسولوں پر نہایت حد درجہ کے جلے سڑے دل کے ساتھ کیا ہے۔"

(ازالہ اوہام بار پنجم ص ۸ و ۹)

اس عبارت میں بتایا گیا ہے کہ دشنام دہی و سب و شتم اور چیز ہے اور بیان و امر واقعہ اور چیز۔ اور پھر دونوں کا فرق ظاہر کر کے جتایا گیا ہے۔ کہ اگر بیان واقعہ کو محض اس کی تلخی کے سبب جو حق گوئی میں لازمی ہے۔ دشنام دہی میں داخل کر لیا جائے تو پھر اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے۔ کیونکہ بیان واقعہ مع اپنی تلخی اور ایذا رسانی کے قرآن شریف میں بھی جا بجا موجود ہے۔ اور پھر ایسے بیان واقعہ کی متعدد مثالیں بھی

پیش کر دی گئی ہیں:۔

اب دیکھنا چاہئیے کہ اس عبارت سے حضرت اقدس کا منشاء یہ ظاہر کرنا ہے کہ قرآن گالیوں سے پُر ہے۔ یا آپ ان لوگوں کو جو اپنی بدد ماغی اور لغزیت پسندی کی وجہ سے بیان واقعہ کو دشنام دہی میں داخل کر لینے کی مالیخولیا میں مبتلا ہیں۔ یہ تنبیہ فرمارہے ہیں کہ امرحق پوش اور حق گوش لوگو! اپنی غلط پسندی اور بے راہ روی سے قرآن شریف جیسی تقدس اور حقیقی تہذیب سے معمور کتاب کو گالیوں سے پُر نہ ٹھہراؤ۔ کیونکہ جب تم اپنی حماقت د بلادت سے بیان واقعہ کو محض اس کی کسی قدر لازمی تلخی کی وجہ سے دشنام دہی میں داخل کردگے۔ تو پھر تمہیں ماننا پڑے گا کہ قرآن بھی گالیوں سے پر ہے۔ کیونکہ بیان واقعہ معہ اپنی تلخی کے اس میں بھی موجود ہے۔ علم و فہم سے معمولی سا حصہ رکھنے والے بھی نہایت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ حضرت اقدس تو بیان واقعہ کو دشنام دہی میں داخل کرنے والے نا عاقبت اندیش لوگوں سے یہ فرمارہے ہیں۔ کہ اپنے اس غلط طرز عمل سے قرآن شریف کو گالیوں سے پر ہونے کے اعتراض کا مورد نہ بناؤ۔ نہ یہ کہ آپ خود نعوذ باللہ قرآن شریف کو گالیوں سے پر بتا رہے ہیں "

جب ایسے بدیہی امر کے متعلق بھی مخالفین احمدیت کا یہ حال ہے کہ وہ اس کو بھی مغالطہ دہی کا ذریعہ بنانے سے نہیں چوکتے۔ تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نظری امور کے متعلق ان سعادتمندوں کا کیا حال ہوگا۔

بلا خوف تردید کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی عظمت و تقدس کے اظہار اور اس کے کامل و مکمل اور ہر لحاظ سے بے نظیر ہونے کے بیان اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید اور اس کی تعریف و توصیف میں جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قلم سے نکلا ہے۔ اس کی نظیر دوسری جگہ تلاش کرنی بالکل بے سود ہے۔ نمونہ کے طور پر ان کے چند ارشادات پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں "

"حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو۔ اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ الخیر کلہ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں ہے جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے۔ اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں۔ جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے۔ جو قرآن جیسی نعمت تمہیں عنایت کی۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا۔ تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔

قرآن وہ کتاب ہے۔ جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں" (کشتی نوح صلا)

اور فرماتے ہیں :-

" کہ ہیچ شریعت بعد او نیست و نہ ہیچ کتاب ناسخ کتاب و شریعت اوست و ہیچکس مبدل کلمہ او نیست و ہیچ بارشے ہمچو باران او نیست و ہر کہ بمقدار یک ذرہ از قرآن خارج باشد پس او از ایمان خارج شد" (مواہب الرحمان ص۶۸)

القصہ آپ فرماتے ہیں"

زعشاق و فرقان و پیغمبریم ۔ بدیں آمدیم و بدیں بگذریم !

(۵)

بشارت احمدؐ !

مختار مدعیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد مندرجہ" انوار خلافت" ص۲۸ پر کہ آیت مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" میں احمد ؑ سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں اور حضرت عیسٰی کی یہ بشارت اپنے مثیل یعنی مسیح محمدی کے حق میں تھی ۔ یہ اعتراض کیا ہے۔

" کہ چونکہ مرزا محمود احمدؓ صاحب نے اس آیت میں احمدؐ سے حضرت مرزا صاحب مراد لی ہے۔ لہٰذا وہ اس آیت قرآنیہ کے منکر ہوئے"

مختار مدعیہ کا یہ استدلال نہایت ہی عجیب و غریب ہے کیونکہ قرآن شریف میں ایک ذکر شدہ پیشگوئی کا مصداق بیان کرنے سے آیت کا انکار لازم آئے گی تو کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ یہ استدلال اتنا محیر العقول ہے کہ فاضل ججان ہائیکورٹ مدراس بھی اس پر اظہار تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔

غرض استدلال مذکور سوا اس کے کہ اہل نظر کو تھوڑی دیر کے لیے تفریح نامطبوع کا کام دے اور وہ اس پر اظہار تعجب کر لیں۔ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور صحت سے تو اس کو دوری کا تعلق بھی نہیں ہے۔ کیونکہ آیت و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں ایک ایسے رسول کے آنے کی پیشگوئی ہے۔ جس کا نام احمدؐ ہو۔ اب اگر اس احمد کی تعیین کی جائے کہ احمدؐ سے فلاں وجود مراد ہے اور وہ تعیین صحیح نہ ہو تو اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ اسم احمدؐ کی جو تعیین کی گئی ہے وہ غلط کی گئی ہے۔ نہ یہ کہ جس آیت میں احمدؐ کے آنے کی پیشگوئی تھی غلط تعیین کرنے والے نے اس آیت کا انکار کر دیا ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ کسی مذکور فی الخبر کی تعیین میں غلطی ہو جانی اور بات ہے۔ اور اس خبر کا انکار اور بات ہے۔

مختار مدعیہ نے یہ ذہن نشین کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ گویا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے یہ آیت "اسمہ احمد" والی پیشگوئی کا مصداق بہرحال و بہر لحاظ حضرت مسیح موعودؑ ہی کو قرار دیا ہے۔ حضرت سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اعتبار اور کسی لحاظ سے بھی نہیں۔ لیکن یہ مختار مدعیہ کا نرا مغالطہ ہے۔ اور اگر یہ یہ صحیح ہوتا تو بھی حضرت خلیفۃ المسیح کی تعیین اسم احمدؐ از روئے دلائل صحیح ثابت نہ ہو سکنے کی حالت میں اس کا نام تعیین کی غلطی ہی رکھا جا سکتا تھا۔ نہ کہ آیت کا انکار۔ لیکن حقیقت الحال یہ ہے کہ جس طرح مختار مدعیہ کی وہ پہلی بات کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے بیان سے آیت کا انکار لازم آتا ہے غلط اور باطل تھی۔ اسی طرح اس کی یہ دوسری بات بھی کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی لحاظ سے بھی آیت موصوفہ کا مصداق قرار نہیں دیا۔ غلط اور باطل ہے کیونکہ آپ نے اس آیت کے دو مصداق قرار دیئے ہیں۔ ایک بلحاظ اسم ذاتی کے۔ اسم وصفی کے لحاظ سے تو آنحضرت صلعم کو مصداق بتایا ہے۔ کہ احمدؐ آپ کا اسم وصفی تھا۔ اور اسم ذات کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کہ احمدؑ آپ کا اسم ذات تھا۔

چنانچہ اسم وصفی کے لحاظ سے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق اول آیت موصوفہ ہونے کی بابت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا ارشاد یہ ہے۔

"جس قدر پیشگوئیاں آپ کی امت کی نسبت ہیں۔ ان کے پہلے مظہر تو آنحضرت صلعم ہی ہیں آپ احمدؐ نہ ہوتے تو مسیح موعود کیونکر احمدؑ کہلا سکتا تھا۔ حضرت مسیح موعود کو تو جو کچھ ملا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملا ہے۔ اگر ایک صفت کی نفی آنحضرت صلعم سے کی جائے تو ساتھ ہی اس صفت کی نفی حضرت مسیح موعود سے بھی ہو جائے گی۔ کیونکہ جو چیز چشمہ میں نہیں ہے۔ وہ گلاس میں کہاں سے آسکتی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمدؐ تھے اور بلحاظ وصفی، اس پیشگوئی کے اول مظہر وہی تھے۔

(القول الفصل ص۱۲)

اور آپ انوار خلافت میں فرماتے ہیں۔

"یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو احمدؑ کہنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں اور اس سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت صلعم احمدؐ نہ تھے۔ آپ احمدؐ تھے۔ اور ضرور تھے۔ لیکن احمدؐ آپ کی صفت تھی۔ نہ کہ آپ کا نام اور جو شخص کہے کہ احمدؐ آپ کی صفت نہیں تھی وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے۔ اور اگر آپ احمد نہ ہوتے تو حضرت مسیح موعود احمد ہو ہی کیونکر سکتے تھے۔ کیونکہ آپ نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہی شاگردی میں حاصل کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ کہنا درست نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمدؐ تھا۔" ص۱۹

ان عبارتوں میں نہایت صراحت کے ساتھ قرار کیا گیا ہے۔ کہ بلحاظ اسم وصفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمدؐ تھے۔ اور حضور احمد تھے۔ ایسے کہ اگر حضور احمدؐ نہ ہوتے تو مسیح موعود بھی احمدؐ نہیں ہو سکتے تھے۔ اور بلحاظ اسم وصفی پیشگوئی اسمہ احمدؐ کا مصداق اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ لیکن حضور کا اسم ذات احمدؐ نہ تھا۔ اور جن عبارتوں میں یہ بتایا ہے کہ بلحاظ اسم ذات اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمدؐ نہ تھا۔ بلکہ محمدؐ تھا۔ ۔ ۔ کسی جگہ بھی قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احمدؐ نام سے یاد نہیں کیا گیا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمدؐ ہوتا اور جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ والدہ کو الہام کے ذریعے سے یہ نام بتایا گیا ہوتا۔ تو قرآن کریم میں جو وحی الہٰی ہے۔ اوّل تو احمدؐ نام ہی آتا۔ اور اگر محمدؐ بھی آتا تو احمدؐ بعض مقامات پر ضرور آتا۔ وہ عجیب الہٰی نام نہ تھا۔ کہ قرآن کریم اس نام سے ایک دفعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارتا۔ ہر جگہ محمدؐ ہی کے نام سے پکارتا ہے۔ جیسا کہ آیت ما محمد الا رسول اور آیت محمد رسول اللہ والذین معہ اور آیت بما نزل علیٰ محمد اور آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم سے ظاہر ہے۔ (شمس)

دوسری دلیل آپ کا نام احمدؐ نہ ہونے کی یہ ہے۔ کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ آپ کا نام احمد تھا۔ کلمہ شہادت جس پر اسلام کا دارومدار ہے۔ اس میں بھی محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے۔ کبھی احمدؐ رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ اگر آپ کا نام احمدؐ ہوتا تو کلمہ شہادت کی کوئی روایت تو یہ بھی ہوتی۔ کہ اشھد ان احمد رسول اللہ۔ پنجوقتہ اذان میں بھی ببانگ بلند محمدؐ رسول اللہ کہہ کر آپ کی رسالت کا اعلان کیا جاتا ہے کبھی احمدؐ رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ تکبیر میں بھی محمدؐ ہی آنحضرت کا نام آتا ہے۔ اور درود (اللھم صل علی محمد) میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محمدؐ نام لے کر ہی یاد کیا جاتا ہے اور اس نام کے رسول پر خدا تعالیٰ کی رحمتیں بھیجی جاتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی نقلیں موجود ہیں ان سب میں آپنے دستخط کی جگہ محمدؐ نام کی ہی مہر لگائی ہے۔ ایک خط میں بھی احمدؐ اپنا نام تحریر نہیں فرمایا (ہرقل کو جو ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ جب آپ نے خط لکھا تو اس پر بھی آپ نے محمدؐ نام کی ہی مہر لگائی۔ حالانکہ اسے یہ بتانے کے لیے کہ میں مسیح علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں احمدؐ نام کی مہر لگانا زیادہ مناسب تھا۔ شمس) اگر آپ کا نام احمدؐ ہوتا تو پھر صحابہ کرام کی گفتگوئیں احادیث میں مذکور ہیں۔ لیکن ایک دفعہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احمدؐ کہہ کر پکارا ہو۔ اور نہ ان کی آپس کی گفتگو ہی میں یہ

نام آتا ہے نہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ کا نام احمدؐ رکھا گیا تھا۔ بلکہ تاریخ سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ کا نام محمدؐ رکھا گیا تھا۔ آپ کے مخالف جس قدر تھے جن میں خود آپ کے رشتہ دار اور چچا بھی شامل تھے۔ سب آپ کو محمدؐ نام سے پکارتے تھے۔ یا شرارت سے مذمم کہہ کر پکارتے تھے۔ کہ وہ بھی محمدؐ کے وزن پر ہے۔ غرض جس قدر بھی غور کریں اور فکر کریں آپ کا نام قرآن کریم سے احادیث سے کلمہ سے اذان سے تکبیر سے درود سے آپ کے خطوط سے معاہدات سے تاریخ سے صحابہ کے اقوال سے محمدؐ ہی معلوم ہوتا ہے نہ کہ احمدؐ پھر اس قدر دلائل کے ہوتے ہوئے کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا نام احمدؐ تھا۔ (انوار خلافت صفحہ ۲۱ تا ۲۴)

اور فرماتے ہیں:۔

"آیت مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں ایک ایسے رسول کی پیشگوئی ہے جس کا نام احمدؐ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت احمدؐ تھی نام احمدؐ نہ تھا۔ اور دوسرے جو نشان اس کے بتائے گئے ہیں۔ وہ اس زمانہ میں پورے ہوئے۔ اور مسیح موعود پر پورے ہوتے ہیں۔ اور آپ کا نام احمد تھا۔ اور آپ احمد کے نام پر ہی بیعت لیا کرتے تھے۔ اور خدا نے بھی آپ کا نام احمد رکھا تھا۔ اور آپ نے اپنے نام کا یہی حصہ اپنی اولاد کے ناموں سے ملا۔ اس لیے سب باتوں پر غور کرتے ہوئے وہ شخص جس کی نسبت خبر دی گئی تھی۔ مسیح موعود ہی ہیں، ہاں اس لحاظ سے کہ آپ کے کل کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیے ہوئے تھے۔ اولین مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دینا ضروری ہے۔ مگر اس لیے کہ آپ صفت احمدیت کے سب سے بڑے مظہر تھے۔ اس لیے آپ کا نام احمد تھا۔ کیونکہ درحقیقت آپ کا نام احمدؐ نہ تھا۔"

(القول الفصل صـ۲۹)

اور فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمد تھے۔ اور سب سے بڑے احمد تھے۔ کیونکہ آپ سے بڑا کوئی مظہر صفت احمدیت کا نہیں ہوا۔ لیکن آپ کا نام احمدؐ نہ تھا۔ اور اسمہ احمد کا مصداق (بلحاظ اسم ذات احمد ہونے کے) مسیح موعود ہے۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہ پیشگوئی بوجہ آقا اور استاد ہونے کے اشارہ کرتی ہے۔"

(القول الفصل صـ۳۱)

اور فرماتے ہیں "انوار خلافت صـ۱۱۹ میں"

"کسی شخص کا پیشگوئی کا مصداق ہونا دلائل سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جب دلائل اس بات کو ثابت کرتے ہیں۔ کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعودؑ ہیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں کسی درجہ سے ہتک نہیں ہوئی؟ یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمدؐ نہیں آپ کی ہتک نہیں ہے۔ کیونکہ نام

کا بغیر نام کی صفات کے ہونا کچھ فائدہ نہیں رکھتا جب تک کسی میں اس نام کے مطابق اوصاف نہ پائے جاتے ہوں۔ نام کوئی قابل عزت بات نہیں۔ دیکھو بعض لوگوں کا نام عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم ہوتا ہے۔ لیکن وہ کام عبدالشیطان کے کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض کا نام نیک اور شریف ہوتا ہے۔ لیکن دراصل وہ بد اور بدوضع ہوتے ہیں۔ تو ماں باپ کا رکھا ہوا نام کوئی عزت کی شے نہیں ہو جاتا۔ اگر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہیں کہ رسول اللہ میں احمدؐ کی صفت نہیں پائی جاتی تو یہ آپ کی ہتک ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ آپ کا نام احمد نہیں ہرگز آپ کی ہتک کرنا نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ یہ امر واقعہ کہلائے گا۔ پس جب کہ نام فضیلت کا ذریعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ کام فضیلت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ تو پھر آپ کا نام احمدؐ نہ ماننے میں آپ کی ہتک کس طرح ہو سکتی ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ بھی نہ ہوتا۔ بلکہ کچھ اور ہوتا تو کیا اس میں آپ کی ہتک کسی طرح ہو سکتی ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی نہ ہوتا بلکہ کچھ اور ہوتا تو کیا اس میں آپ کی ہتک ہو جاتی اور کیا آپ کے ہر کام میں کمی آ جاتی آپ کا نام جو کچھ بھی ہوتا وہی بابرکت ہوتا اور اس نام پر دنیا اسی طرح فدا ہوتی جس طرح آپ کے محمدؐ نام پر فدا ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ آپ کے نام پر فدا نہیں ہوتے بلکہ درحقیقت آپ کے کام پر فدا ہوتے ہیں۔ پس اگر یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمدؐ نہیں، ہاں احمدؐ کی صفات آپ میں پائی جاتی ہیں۔ تو پھر نادان ہے وہ جو یہ کہے کہ ایسا کہنے سے آپ کی ہتک ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں جو احمد کی خبر دی گئی ہے۔ اس کے متعلق میں نے وہ آیات پڑھ دی ہیں جن میں احمد کا ذکر ہے۔ اور اب میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بتاتا ہوں کہ آیات میں احمد کا اصل مصداق (اس لحاظ سے کہ آپ کا اسم ذات احمدؐ تھا) حضرت مسیح موعود ہی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (نام کے لحاظ سے احمدؐ کا مصداق نہیں کیونکہ آپ کا نام احمدؐ نہیں بلکہ محمدؐ تھا) صرف صفت احمدیت کی وجہ سے اس کے مصداق ہیں۔ ورنہ جس احمدؐ نام کے انسان کے متعلق خبر ہے وہ حضرت مسیح موعود ہی ہیں۔ (انوار خلافت ص۱۹ تا ۲۰)

اور فرماتے ہیں :۔

”جب کہ واقعات سے ثابت ہو گیا کہ احمد سے مراد (اسم ذات کے لحاظ سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم (یعنی حضرت مسیح موعود) ہے۔ تو پھر بھی ہٹ دھرمی سے کام لینا شیوہ مومنانہ نہیں۔ (انوار خلافت ص۲۲)

اور فرماتے ہیں :۔

”اس پیشگوئی (من بعدی اسمہ احمد) کے آپ ہی مصداق ہیں اور اگر کسی دوسری جگہ پر آپ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس آیت کا مصداق قرار دیا ہے۔ تو اس کے یہی معنے ہیں کہ بوجہ اس کے کہ کل فیضان جو حضرت مسیح موعود کو پہنچا ہے۔ آپ ہی سے پہنچا ہے اس

ہیں جو خبر آپ کی نسبت دی گئی ہے۔ اس کے مصداق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضرور ہیں۔ کیونکہ جو خوبیاں ظل میں ہوں اصل میں ضرور ہونی چاہئیں۔ عکس کی خبر دینے والا ساتھ ہی اصل کی خبر بھی دیتا ہے۔ پس اس آیت میں ضمنی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خبر دی گئی ہے اور اس بیان سے یہ واجب نہیں آتا کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود نہ ہوں۔ اس کے اصل مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔ اور اس لحاظ سے کہ آپ کے سب کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیے ہوئے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی پیشگوئی اس میں سے نکل آتی ہے۔"
(انوار خلافت صفحہ ۳۷، ۳۸)

ان عبارتوں میں نہایت تفصیل وتشریح سے ظاہر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ذات احمدؐ نہیں بلکہ محمدؐ ہی تھا۔ ہاں بلحاظ صفات آپ ضرور احمدؐ تھے۔ اور بلحاظ اسم وصفی آپ کا ایک نام احمد بھی تھا جیسے کہ علہ عاقب وحاشر ونبی التوبہ ونبی الرحمۃ وغیرہا بہت سے نام بھی بلحاظ وصف ہی تھے نہ بلحاظ ذات۔ اور آپ کی پیشگوئی من بعدی اسمہ احمد کے مصداق بھی بلحاظ اسم وصفی تھے نہ کہ بلحاظ اسم ذات کیونکہ آپ کا اسم ذات

علہ:۔ اس موقعہ پر یہ شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ بخاری شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسماء محمدؐ۔ احمدؐ۔ ماحی، حاشر، عاقب۔ بیان فرمائے ہیں۔ لہٰذا یہ سب آپ کے نام ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں اسماء بمعنے صفات آتا ہے۔ جیسا قرآن شریف میں ہے۔ لہ الاسمآء الحسنیٰ یعنی سب اچھے نام خدا تعالیٰ کے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات تو صرف ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ۔ باقی سب صفاتی نام ہیں۔ پس حدیث میں بھی آپ نے اپنے صفات بیان فرمائی ہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ ماحی حاشر۔ عاقب سب آپ کے نام ہی تھے حالانکہ تمام مسلمان تیرہ سو برس سے مانتے چلے آتے ہیں کہ یہ آپ کے صفات ہیں نام نہیں تھے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حدیث میں بلاشبہ محمدؐ بھی بطور صفت ہی آتا ہے بطور نام نہیں آیا۔ ہاں قرآن کریم اور دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کا نام محمدؐ ہی تھا۔ اور اس امر کا ثبوت کہ اس حدیث میں بطور صفت آیا ہے یہ ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا ہے کہ میرے یہ نام ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ صرف یہ امر تو کسی تعریف کے لائق نہیں ہو سکتا کہ فلاں فلاں میرے نام ہیں اور کیا آنحضرت صلعم جیسے عظیم الشان انسان کے متعلق یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ آپ خالی نام پر فخر کریں گے۔ معاذ اللہ من ذالک حقیقت الامر یہ ہے کہ آپ نے اس حدیث میں اپنے صفات ہی بیان فرمائے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے محمدؐ بنایا ہے۔ یعنی خوب ہی تعریف کی ہے۔ اور مجھے احمد بنایا ہے یعنی سب سے بڑھ کر خدا کی تعریف کرنے والا۔ اور دیگر صفات حسنہ سے متصف کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھنا چاہیئے "انوار خلافت" کہ اس میں تمام خدشات وسادس کا نہایت قوی دلائل سے قلع قمع کر دیا گیا ہے۔"

محمدؐ تھا نہ کہ احمدؐ اور اسم ذات کے لحاظ سے اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔ کیونکہ آپ کا اسم ذات احمدؐ تھا۔ اور اس مدعا کے ثبوت میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے "انوار خلافت" کے صفحہ ۱۸ سے لے کر ۵۲ تک نہایت قوی اور زبردست دلائل کا دریا بہا دیا ہے۔

اور اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ جو شخص اپنے امام کو اس آیت کا مورد و مصداق ٹھہراتا ہے۔ وہ یقیناً اس آیت پر صدق دل سے ایمان لاتا ہے۔ ورنہ وہ اپنے امام کے صدق پر اس آیت سے استدلال نہ کرتا۔ اور نیز اگر مختاران مدعیہ کو منکر آیت ہونے کا فتوٰی دینے کا بہت ہی شوق تھا تو انہیں چاہیئے تھا کہ پہلے ان مفسرین اور بزرگوں کے بھی جنہوں نے آیت ھو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله۔ میں مسیح موعود اور مہدی کو بھی آنحضرت صلعم کے ساتھ شامل بتایا تھا۔ منکر آیت ہونے کا فتوٰی صادر فرماتے پھر دوسری طرف توجہ کرنے کا خیال دل میں لاتے۔

(۶)

قرآن مجید اور احادیث اور وحی مسیح موعود

مختار مدعیہ نے اعجاز احمدی صفحہ ۳۰ اور صفحہ ۵۷ کے حوالوں کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے۔ کہ آپ نے حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دینے کے قابل قرار دے کر حدیثوں کی سخت توہین کی ہے۔ اور اپنی وحی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں پر ترجیح دی ہے اور یہ بھی حدیثوں کی توہین ہے۔

لیکن مختار مدعیہ کا یہ بھی ایک مغالطہ ہی ہے۔ کیونکہ اس اعتراض سے اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ نے صحیح احادیث کی بابت یہ فرمایا ہے۔ کہ ہم وہ ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور حضرت مسیح موعودؑ نے صحیح احادیث کی بابت ہرگز یہ نہیں فرمایا جیسا کہ علاوہ اور بے شمار حوالوں کے خود مختار مدعیہ کے پیش کردہ حوالوں سے بھی ظاہر ہے۔

مختار مدعیہ کا پیش کیا ہوا پہلا حوالہ یہ ہے۔

"میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی ہے۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں۔ اور میری وحی کے معارض نہیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

(اعجاز احمدی صفحہ ۳۰)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کلام ان حدیثوں کی بابت ہے جو آپ کے دعویٰ کے متعلق ہیں اور ان کی آپ نے دو قسمیں فرما دی ہیں۔ ایک وہ جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور ان کے متعلق آپ نے صاف فرما دیا ہے کہ ہم انہیں تائیدی طور پر پیش کرتے ہیں یعنی ہم انہیں قبول کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس قسم کے مقابلے میں دوسری قسم انہی حدیثوں کی ہوگی جو مخالف قرآن ہیں۔ اور اسی قسم کی حدیثوں کے متعلق حضرت مسیح موعود نے یہ فرمایا ہے۔ کہ دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی جیسا کہ آگے بیان ہوگا قرآن کے بالکل مطابق ہے۔

پس مختار مدعیہ کے پیش کیے ہوئے اس حوالے سے بخوبی ظاہر ہے کہ ردی میں پھینک دینے کا ارشاد ان حدیثوں کے لیے ہرگز نہیں ہے جو مطابق قرآن ہوں بلکہ ان کے لیے ہے جو مخالف قرآن ہوں۔

(۲) دوسرا حوالہ مختار مدعیہ نے یہ پیش کیا ہے۔

"اور حدیثیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں اور ہر ایک گروہ اپنی حدیثوں سے خوش ہو رہا ہے۔ ہم نے اس سے لیا کہ وہ حی قیوم اور واحد لاشریک ہے اور تم لوگ مردوں سے روایت کرتے ہو۔"

(اعجاز احمدی صفحہ ۵۷)

جواب:۔ نظر بر حوالہ اول جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان احادیث کے متعلق جو قرآن کے مطابق ہیں۔ اور آپ کی وحی کی (جو قرآن مجید کے موافق ہے۔ معارض نہیں فرمایا ہے کہ انہیں ہم قبول کرتے ہیں اور سا بنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اور جو حدیثیں قرآن مجید کے مخالف ہیں انہیں ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اس حوالہ میں بھی انہی حدیثوں کا ذکر ہے، جو خلاف قرآن ہے لیکن اس پر بس نہیں بلکہ جہاں سے مختار مدعیہ نے یہ حوالہ لیا ہے۔ جو درحقیقت ایک عربی شعر کا ترجمہ ہے وہیں یہ بھی موجود تھا کہ یہ خلاف قرآن حدیثوں کے لیے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "اے گمراہ کرنے والے! کیا تو قرآن کی شان سے انکار کرتا ہے۔ اور بجز قرآن ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔"

(اعجاز احمدی صفحہ ۵۶)

اور اسی صفحہ میں فرماتے ہیں:۔

"پس اے مخالفو! نقلوں کے ساتھ خوش نہ ہو جاؤ اور بہتیری نقلیں اور حدیثیں ہیں۔ جو دھوکہ بازنے بنائی ہیں اس کے بعد ہی فرماتے ہیں:۔

"اور خدا تعالےٰ کی وحی کے بعد نقل کی کیا حقیقت ہے پس ہم خدا کی وحی کے بعد کسی حدیث کو مان لیں۔ یہ تعلیم آیت فبای حدیث بعد اللہ و آیاتہ یومنون کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۵۷ کے شروع ہی میں جو شعر ہے اس کا ترجمہ یہ فرمایا ہے۔" اور حدیثیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں اور ہر ایک گروہ اپنی حدیثوں سے خوش ہو رہا ہے۔" اور یہ وہ مضمون ہے جو مختار مدعیہ کے دوسرے حوالے کا پہلا جز ہے۔

اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام دو شعروں میں مولوی محمد حسین بٹالوی کا ذکر فرماتے ہیں۔ "کیا تو میرے پاس اس اڑنے والا کا ذکر کرتا ہے۔ جس کو تو نے نہیں دیکھا۔ اور ایسی حدیثیں پیش کرتا ہے جس کا تحریف نے ستیاناس کر دیا۔
پھر دو شعروں میں اس بیان کے بعد کہ ظن کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ اور میں تیری طرح ظنوں میں گرفتار نہیں ہوں فرماتے ہیں۔

"ہم نے اس سے لیا کہ وہ حی و قیوم اور واحد ولا شریک ہے اور تم لوگ مردوں سے روایت کرتے ہو۔"

پہلے شعر میں آپ نے ایک مخالف کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے گمراہ کرنے والے! کیا تو قرآن کی شان سے انکار کرتا ہے در بحر قرآن ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔ اس مضمون سے ظاہر تھا۔ کہ یہ خطاب ایک ایسے مخالف کو ہے جو قرآن شریف سے بھاگتا اور مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی تردید میں کچھ ایسی حدیثیں پیش کرتا تھا جو خلاف "قرآن تھیں"۔ کیونکہ اگر وہ موافق قرآن ہوتیں تو قرآن شریف سے گریز کر کے کیوں پیش کی جاتیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے اسی پر اکتفاء نہ فرما کر صاف الفاظ میں ظاہر فرما دیا کہ اسی موقع پر ذکر کس قسم کی حدیثوں کا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

"بہتیری نقلیں اور حدیثیں ہیں۔ جو دھوکہ بازوں نے بنائی ہیں۔" صہ ۵۶

اور پھر اس سے بھی زیادہ مخالف مذکور کو مخاطب کر کے یہاں تک فرما دیا۔ کہ کیا تو میرے سامنے ایسی حدیثیں پیش کرتا ہے۔ جن کا تحریف نے ستیاناس کر دیا۔ اب ہر منصف مزاج و حق پسند کے لیے یہ امر قابل توجہ ہے کہ باوجود اس صراحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیئے۔ جانے کہ اس موقع پر خلاف قرآن حدیثوں کا ذکر ہے۔ نہ کہ مطابق قرآن کا۔ لیکن مختار مدعیہ نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کر کے اور ان سب اشعار سے جو اس امر کو ظاہر کر رہے تھے۔ منہ پھیر کر صفحہ ۵۷ کے پہلے شعر کا اور پھر بیچ کے شعر چھوڑ کر ساتویں شعر کا ترجمہ نقل کر کے یہ دکھانا چاہا کہ گویا حضرت اقدس نے صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دیتے کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صادق اور کاذب کی امتیازی علامت یہ فرمائی کہ صادق شخص اپنے اقوال اور اپنے افعال میں صادقوں سے مشابہت رکھتا ہے اور کاذب اپنے اعتراضات اور اپنی تحریکات اور اعمال میں کاذبوں کا ہم رنگ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت قل ما کنت بدعًا من الرسل اور آیت ما یقال لك الا ما قد قیل للرسل من قبلك اور آیت تشابهت قلوبهم وغیرہ آیات سے ظاہر ہے۔ اب دیکھو کہ مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قول پر کہ "ہم نے اس سے لیا کہ وہ حی اور قیوم اور واحد ولا شریک ہے۔ اور تم مردوں سے روایت کرتے ہو اعتراض کیا ہے۔ اور یہی قول آپ سے قبل اولیاء اللہ کی جماعت کا ایک ممتاز فرد اپنے منکرین کے جواب میں کہہ چکا ہے چنانچہ الیواقیت والجواہر جلد ا صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے۔"

وقد کان الشیخ ابو یزید بسطامی رضی یقول لعلماء زمانہ

(خطاباً للمنکرین علیہ و فی الصفحۃ صـ۲۲ فی الجزء الثانی) قد اخذ تم علمکم میتاً عن میت و اخذنا علمنا من الحی الذی لا یموت"

یعنی ابو یزید بسطامیؒ اپنے زمانہ کے منکرین مولویوں کو مخاطب کر کے کہتے تھے تم نے اپنا علم مردوں سے حاصل کیا ہے۔ اور ہم نے اس زندہ خدا سے علم پایا ہے جو کبھی نہیں مرتا کیا یہ وہی قول نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے اور جس پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔

یہاں اس امر کا ظاہر کر دینا نامناسب نہیں ہے کہ مختاران مدعیہ کے بیشتر اعتراضات کی بنا قطع و برید عبارات پر ہے۔ وہ اچھے خاصے مضمونوں اور عبارتوں میں سے بعض ایسے جملے نقل کر کے جن کے معنے اپنی ملحقہ عبارت سے علیحدہ ہونے پر خراب ہو جائیں پیش کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی دکھایا جا چکا ہے اور اس اعتراض کے حوالہ ۱ کے متعلق بھی دکھایا گیا ہے اور حوالہ نمبر اول میں مختار مدعیہ نے جتنی عبارت پیش کی ہے۔ اگرچہ وہی اظہار حقیقت الامر کے لیے کافی ہے۔ تاہم اس موقع سے چند اور حوالے بھی پیش کرتا ہوں۔ جن کے دیکھ لینے کے بعد کسی خدا ترس اور شریف الطبع انسان کے لیے یہ موقع نہیں ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق یہ کہنے کی جسارت کر سکے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں"۔

مختار مدعیہ نے جس مضمون کے صفحہ ۳۰ سے ایک حوالہ نقل کر کے حضرت مسیح موعود پر صحیح حدیثوں کے ردی کی طرح پھینک دینے کا بہتان باندھا ہے۔ اسی مضمون کے صفحہ ۲۷ سے ۲۸ میں حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں"۔

علاوہ اس کے ان حدیثوں میں اس قدر تناقض ہے کہ اگر ایک حدیث کے برخلاف دوسری حدیث تلاش کرو تو فی الفور مل جائے گی۔ پس اس سے قرآن شریف کے بینات کو چھوڑنا اور ایسی متناقض حدیثوں کے لیے ایمان ضائع کرنا کسی ابلہ کا کام ہے۔ نہ عقلمند کا"۔

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود ان حدیثوں کو چھوڑ دینے کے لیے فرما رہے ہیں جو قرآن شریف کے خلاف ہوں اور فرماتے ہیں"۔

"مناسب ہے کہ حدیث کے لیے قرآن کو نہ چھوڑا جائے ورنہ ایمان ہاتھ سے جاتے گا۔ (اعجاز احمدی صـ۲۸)

اور فرماتے ہیں۔

"ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ تمام حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دو۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں سے وہ قبول کرو جو قرآن کے منافی و معارض نہ ہوں تا ہلاک نہ ہو جاؤ۔ (اعجاز احمدی صـ۲۸)

یہ اس مضمون کے حوالجات ہیں جس کے صفحہ ۳۰ سے ایک حوالہ نقل کر کے مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کو صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے کا مدعی قرار دینا چاہتا تھا۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس باطل کارروائی کا جواب پہلے ہی حضرت مسیح موعود ؑ کے قلم حق رقم سے لکھوایا اور وہ بھی اس شان سے کہ گویا آپ مخالف کا یہ اعتراض دیکھ رہے ہیں کہ مرزا صاحب نے احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ سب کو ردی کی طرح پھینک دینے کے لائق ٹھہرایا ہے اور اس اعتراض کے جواب میں آپ فرماتے ہیں "ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دو بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں وہ قبول کرو جو قرآن کے منافی و معارض نہ ہوں تا ہلاک نہ ہو جاؤ۔ (اعجاز احمدی صہ ۲۸)

مرزا صاحب کی اتنی ہی تحریر قابل لحاظ ہے۔ جو ان پر اعتراض کرنے کے لیے پیش کی جائے۔ اور جس سے ان کی تکفیر کی جائے باقی تحریروں کے دیکھنے کی مطلق ضرورت نہیں کیونکہ ان کی تحریریں متضاد ہوتی ہیں۔ کہیں کچھ اور کہیں کچھ۔ اب حضرت مسیح موعود ؑ کی عبارتیں اور مختار مدعیہ کے اعتراضات عدالت کے سامنے ہیں۔ اور ان سے اچھی طرح فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کی عبارتوں میں تناقض و تعارض ہے یا مختار مدعیہ کے خیالات میں۔

اگرچہ منقولہ بالا حوالجات سے بخوبی ظاہر ہے کہ وہی حدیث رد کر دینے کے لائق ہے جو مخالف قرآن ہو کیونکہ مخالف قرآن حدیث درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں۔ ہے لیکن انہیں پر بس نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری کتب میں بھی یہ مضمون بڑی کثرت اور بڑی صفائی سے موجود ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔

"جو حدیث قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو اس کو بسر و چشم قبول کیا جائے اور جہاں قرآن و سنت سے کسی حدیث کو متعارض پائیں تو اس کو چھوڑ دیں۔" (ریویو بر مباحثہ مولوی محمد حسین بٹالوی)

اور فرماتے ہیں :۔

"ہاں اگر ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کی مخالف ہو تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہوگی کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور ان تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہیں رد کرنا پڑتا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ کوئی پرہیزگار اس پر جرأت نہیں کرے گا۔ کہ اس حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن و سنت کے برخلاف ہو اور ایسی حدیثوں کے مخالف ہو جو قرآن کے مطابق ہیں۔" (کشتی نوح صفحہ ۵۸)

اور فرماتے ہیں۔

"لیکن اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن کریم کے بیان کردہ قصص کے صریح مخالف ہے تو اس کی تطبیق

سے ہے فکر کرو شاید وہ تعارض تمہاری غلطی ہو اور اگر کسی طرح وہ تعارض دور نہ ہو تو ایسی حدیث کو پھینک دو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہے۔ (کشتی نوح) صفحہ ۵۸

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں کہیں بھی حدیث کو چھوڑنے رد کرنے اور پھینک دینے کے لیے لکھا ہے وہ اس کے لیے لکھا ہے جو مخالف قرآن ہو اور جو باوجود وسعی بلیغ کے بھی موافق نہ ہو سکے اور ایسی حدیث بلاریب آنحضرت صلعم کی حدیث کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں کچھ اور فرمایا ہوا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف کچھ اور فرما دیں۔ حاشا و کلا اور ایسی مخالف قرآن حدیثوں کو رد کرنے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی اکابر علماء اہل سنت والجماعت بلکہ مسلم بزرگان دیوبند بھی بارہا لکھ چکے ہیں اور انہیں سے بعض کے اقوال حدیث "فاعرضوہ" ہے "کتاب اللہ" کے عنوان کے ماتحت درج کیے جائیں گے۔"

پس خوب یاد رکھو کہ جن احادیث کے رد کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "اعجاز احمدی" میں ارشاد فرمایا ہے۔ وہ وہی حدیثیں ہیں جو مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ قرآن مجید کے خلاف آپ کے دعویٰ مہدویت و مسیحیت کو باطل ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے۔ جن کا ظنی ہونا سب کو مسلم ہے۔ اور ان میں سے اکثر اکابر علماء امت کے نزدیک موضوع ہیں۔ چنانچہ ان حدیثوں کی مثال آپ نے "تحفہ گولڑویہ" میں ذکر کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:-

"لوگ اپنے دلوں میں پہلے ہی ٹھہرا لیتے ہیں کہ جو کچھ مہدی اور مسیح کی نسبت حدیثیں لکھی ہیں اور جس طرح ان کے معنے کیے گئے ہیں وہ سب صحیح اور واجب الاعتقاد ہیں اس لیے جب وہ لوگ اس فرضی نقشہ سے جو قرآن شریف سے بھی مخالف ہے مجھے مطابق نہیں پاتے تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کاذب ہے۔

مثلاً وہ خیال کرتے ہیں کہ مسیح موعود ایک ایسی قوم یاجوج ماجوج کے وقت آنا چاہیئے جن کے لمبے درختوں کی طرح قد ہوں گے اور اس قدر لمبے کان ہوں گے۔ کہ ان کو بستر کی طرح بچھا کر ان پر سو رہیں گے۔ اور نیز کہ مسیح آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اترنا چاہیئے بیت المقدس کے منارہ کے پاس مشرقی طرف اور دجال عجیب الخلقت۔ اس سے پہلے موجود چاہیئے جس کے قبضہ قدرت میں سب خدائی کی باتیں ہوں۔ مینہ برسانے اور کھیتیاں اگانے اور مردوں کے زندہ کرنے اس کے گدھے کا سر اتنا بڑا موٹا ہو کہ دونوں کانوں کا فاصلہ تین سو ہاتھ

کے قریب ہو اور دجال کی پیشانی پر کافر لکھا ہوا ہو۔
اور مہدی ایسا چاہیئے کہ جس کی تصدیق کے لیے آسمان سے زور زور سے آواز آوے کہ یہ خلیفۃ اللہ المہدی ہے۔ اور وہ آواز تمام مشرق و مغرب تک پہنچ جاوے اور مکہ سے اس کے لیے ایک خزانہ نکلے اور وہ عیسائیوں سے لڑے اور عیسائی بادشاہ اس کے پاس پکڑے آویں۔ اور تمام زمین کو کفار کے خون سے پر کردیوے اور ان کی تمام دولت لوٹ لے اور اس قدر قاتل اور خون ریز ہو کہ جب سے دنیا کی بنیاد پڑی ہو ایسا خونی آدمی کوئی نہ گذرا ہو۔ اور اس قدر اپنے تابعوں میں مال تقسیم کرے کہ لوگوں کو مال رکھنے کے لیے کوئی جگہ نہ رہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قبول کر لینے تک
(تحفہ گولڑویہ صـ۴۲ و ۴۴)

پس ایسی روایات جو بعض تو الفاظ کے ظاہری معنی کے لحاظ سے اور بعض من کل الوجوہ قرآن مجید اور آپ کی وحی کے جو قرآن مجید کے موافق ہے۔ مخالف ہیں انہیں ردی کی طرح پھینکنے کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے کیونکہ وہ درحقیقت آنحضرت صلعم کی حدیثیں نہیں ہیں بلکہ ذخیرہ موضوعات ہیں ؟"
اگرچہ مذکورہ بالا تمام بیان سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام موافق قرآن احادیث کو مانتے ہیں۔ لیکن اب اس امر کے متعلق چند مستقل حوالجات بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کیا یہ سچ ہے کہ حدیثیں ایسی ہی ردّی اور لغو ہیں۔ جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب نے سمجھا ہے معاذ اللہ ہرگز نہیں" (حکم ربانی کاریویو صـ۱)

اور فرماتے ہیں ؟"
احادیث نبویہ مرفوعہ متصلہ ایسی چیز نہیں ہے کہ ان کو ردی اور لغو سمجھا جائے"۔ صـ۲

اور فرماتے ہیں ؟"
احادیث کا انکار ایک طور سے قرآن شریف کا انکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کہ خدا تعالیٰ کی محبت بھی آنحضرت صلعم کی اتباع سے وابستہ ہے پھر آنجناب کے عملی نمونوں کے دریافت کے لیے جن پر اتباع موقوف ہے حدیث بھی ایک ذریعہ ہے۔ پس جو شخص حدیث کو بھی چھوڑتا ہے وہ طریق اتباع کو بھی چھوڑتا ہے"۔ صـ۲

اور فرماتے ہیں :۔
جو حدیث قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو اس کو بسرو چشم قبول کیا جائے "۔ صـ۵

اور فرماتے ہیں ؛۔
ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی حدیث معارض و مخالف قرآن و سنت نہ ہو تو خواہ کیسی

ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو وہ اس پر عمل کریں "۔ ص۵

اور کشتی نوح میں آپ فرماتے ہیں ۔

(۱) ۔ حدیث کی قدر نہ کرنا گویا ایک عضو اسلام کا کاٹ دینا ہے ص۵۸

(۲) بہرحال احادیث کی قدر کرو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلعم کی طرف منسوب ہیں اور جب تک قرآن اور سنت ان کی تکذیب نہ کرے تم بھی ان کی تکذیب نہ کرو بلکہ چاہیئے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل اور نہ ترک فعل مگر اس کی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو ص۵۸ ۔

(۳) ۔ اگر کوئی حدیث ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے تو اس حدیث کو قبول کر لو کیونکہ قرآن اس کا مصدق ہے ۔ اور اگر کوئی ایسی حدیث ہے جو کسی پیشگوئی پر مشتمل ہے ۔ مگر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے ۔ اور تمہارے زمانہ میں یا پہلے اس سے اس حدیث کی پیشگوئی سچی نکلی ہے تو اس حدیث کو سچی سمجھو ص۵۸

(۴) اگر ایک حدیث ضعیف درجہ کی بھی ہو بشرطیکہ وہ قرآن و سنت اور ایسی احادیث کے مخالف نہیں جو قرآن کے موافق ہیں تو اس حدیث پر عمل کرو ص۵۹ ۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ اس سے زیادہ حدیث کو ماننے اور اس کی قدر و عظمت کرنے کی اور کون سی صورت ہو سکتی ہے احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ کا تو ذکر ہی کیا ہے ۔ حضرت اقدس تو ایک ضعیف سے ضعیف حدیث کو بھی ماننے اور اس پر عمل کرنے کی اتنی شد ومد سے تاکید فرما رہے ہیں کہ کوئی حرکت و سکون اور کوئی فعل یا ترک فعل ایسا نہیں ہونا چاہیئے جس کے متعلق تمہارے پاس حدیث نہ ہو یعنی تم اپنے تمام کاموں میں حدیث کو دستور العمل بنا دو ۔ مگر اس شرط سے کہ وہ حدیث قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سنت ثابتہ کے خلاف نہ ہو اور آپ نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ

ع

کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبی کی حدیث کو
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو

ان حوالجات سے یہ امر بڑی وضاحت سے ظاہر ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے کے لیے لکھا ہے جو مخالف قرآن اور مخالف سنت ثابتہ و احادیث صحیحہ ہونے کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ ردی کی طرح پھینک دی جائیں معلوم نہیں کہ ایسی حدیثوں کے ردی کی طرح پھینک دیے جانے کے خلاف قرآن ہونے کی حالت میں وو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ۔ یا تو یہ کہ ایسی حدیثیں ردی کی طرح پھینک دی جائیں اور یا کہ (نعوذ باللہ) قرآن شریف سے دست کشی کی جائے اور اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ جو شخص خلاف قرآن

حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دینا نہیں چاہتا وہ یقیناً ایسے سامان پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ جس سے (نعوذ باللہ) قرآن شریف ردی کی طرح پھینک دیا جائے۔"

مختاران مدعیہ نے تو سراسر مغالطہ کی راہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو احادیث صحیحہ کا ردی کی طرح پھینک دینے والا ثابت کرنا چاہا تھا اور نہ صرف حضرت اقدس کو ہی بلکہ آپ کے ساتھ علامہ ابن خلدون جنہوں نے مہدی کی احادیث کو مجروح اور ضعیف ٹھہرایا ہے۔ اور دیگر محققین کو بھی لیکن آپ خود خبر سے قرآن شریف کے ردی کی طرح پھینک دینے والے ٹھہر گئے اور اس مصرع کے پورے مصداق ثابت ہوئے ہیں۔

پس الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

چونکہ مختاران مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف قرآن احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے والے قول میں بڑے زور سے بحث کی ہے۔ حتیٰ کہ من جملہ وجوہ کفر کے ایک یہ بھی وجہ کفر قرار دی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ وہ خود بہت بڑے عامل بالحدیث ہوں اس لیے یہ دیکھ لینا نہایت ضروری ہوگا کہ وہ من حیث الفرقہ کہاں تک حدیث پر عمل کرنے والے ہیں۔ اور اس کے متعلق ہم سب سے پہلے نماز کی حدیثوں کو لیتے ہیں"

کیا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے اور رفع یدین کرنے۔ آمین بالجہر کہنے اور وتر کی ایک اور تراویح کی آٹھ رکعات پڑھنے کے متعلق احادیث موجود ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں اور ضرور ہیں۔ تو کیا دیوبندی حضرات امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھتے ہیں؟ اور کیا وہ رفع یدین کرتے ہیں؟ کیا وہ آمین بالجہر کہتے ہیں؟ کیا وہ وتر کی ایک رکعت اور تراویح کی آٹھ رکعات ادا کرتے ہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو کیا وہ ان سب حدیثوں کو جو بھی نہیں کہ خلاف قرآن شریف نہیں ہیں۔ بلکہ صحیح بخاری میں آئی ہیں ردی کی طرح پھینک دینے والے ہوئے یا کوئی کسر باقی رہ گئی"

اس طرح حدیث لو کان موسیٰ وعیسیٰ حیین لما وسعھما الا اتباعی اور حدیث مالکم تخافون من موت بینکم وبین خلافتی قبلی فیمن بعث فاضلہ فیکم (الیواقیت والاخیار ص ۴۸)

جن سے وفات مسیح ثابت ہوتی ہے۔ کیا دیوبندی مولویوں نے وفات حضرت مسیح ناصری ان کو صحیح تسلیم کیا؟ اگر نہیں تو وہ ان احادیث کو ردی کی طرح پھینکنے والے ہوئے یا نہیں؟ پھر حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ یعنی جو روایت ہو اسے قرآن مجید پر عرض کرو۔ جو اس کے موافق ہوئے لو اور جو منافی ہو اسے چھوڑ دو"۔ کیا مختاران مدعیہ نے صریح طور بر عدالت کے روبرو اس حدیث کو ردی کی طرح پھینکا یا نہیں۔ اس طرح اور حدیثیں ہیں۔ جنہیں مختاران مدعیہ نے صریح طور پر عدالت کے روبرو اس حدیث کو ردی کی طرح پھینکا نہیں۔ اس طرح اور حدیثیں ہیں جنہیں مختاران مدعیہ اور گواہان مدعیہ ردی سمجھ کر قابل عمل خیال نہیں کرتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے عدالت میں اپنے آپ کو عامل بالحدیث اور تمام احادیث کو صحیح ماننے والے ظاہر کرتے ہیں

رہا مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی وحی کو احادیث پر ترجیح دی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے حدیث کے رد کر دینے کے متعلق جہاں کہیں فرمایا ہے تو وہ قرآن شریف کے خلاف ہونے کی سند رملہ کے ساتھ فرمایا ہے اور ساتھ ہی اپنی وحی کا جو ذکر کیا اپنے منصب حلم و عدل کے اظہار کے لیے اور اس غرض سے کہا ہے۔ کہ معلوم ہو کہ آپ کو مخالف قرآن وحی ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ آپ اپنی وحی کو از اول تا آخر تمام و کمال مطابق قرآن شریف جانتے ہیں۔ اور کسی امر میں سر مو بھی خلاف نہیں جانتے۔ اب پہلے میں وہ حوالہ بیان کرتا ہوں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود نے امر مذکورہ میں اپنی وحی کو اپنے عہدہ و منصب کے اظہار کی غرض سے شامل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ بعض چالاک مولوی کہتے ہیں کہ اگر کوئی آسمان سے اترے اور یہ کہے کہ فلاں فلاں حدیث جو تم جانتے ہو صحیح نہیں ہے۔ تو ہم بھی قبول نہ کریں گے۔ اور اسے منہ پر طمانچے ماریں گے اس کا جواب یہی ہے کہ ہاں حضرات آپ کے وجود پر یہی امید ہے مگر ہم باادب عرض کرتے ہیں کہ پھر وہ حکم کا لفظ جو مسیح موعود کی نسبت صحیح بخاری میں آیا ہے۔ اس کے ذرا معنے تو کریں ہم تو اب تک یہی سمجھتے تھے کہ حکم اس کو کہتے ہیں کہ اختلاف رفع کرنے کے لیے اس کا حکم قبول کیا جائے اور اس کا فیصلہ گو وہ ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے ناحق سمجھا جائے۔ جو شخص خدا کی طرف سے آئے گا وہ آپ کے طمانچے کھانے کو نہیں آئے گا۔ خدا تعالےٰ اس کے لیے خود راہ نکالے گا۔ جس شخص کو خدا نے کشف اور الہام عطا کیا اور بڑے بڑے نشان اس کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے۔ اور قرآن کے مطابق ایک راہ اس کو دکھلا دی تو پھر وہ بعض ظنی حدیثوں کے لیے اس روشن یقینی راہ کو کیوں چھوڑ دے گا۔ اور کیا اس پر واجب نہیں ہے۔ کہ جو کچھ خدا نے اس کو دیا ہے۔ اس پر عمل کرے۔ اور اگر خدا کی پاک وحی سے حدیثوں کا کوئی مضمون مخالف پائے اور اپنی وحی کو قرآن کے مطابق پائے اور بعض حدیثوں کو بھی اس کے مؤید دیکھے تو ایسی حدیثوں کو چھوڑ دے۔ ان حدیثوں کو قبول کرے جو قرآن کے مطابق ہیں۔ اور اس کی وحی کے مخالف نہیں" (اعجاز احمدی ص ۲۹ و ۳۰) میں اس موقعہ پر اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کہ وحی الٰہی جب کہ اس کا وحی الٰہی ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو۔ تو وہ حدیث پر مرجح ہے یا نہیں اور جب ہمارے مخالفین کے وہ مسیح جو ان کے خیال میں آسمان پر تشریف رکھتے ہیں۔ دنیا میں نازل ہوں گے۔ اور ان کو وحی ہو گی تو بحیثیت کلام الٰہی ہونے کے وہ حدیثوں پر مرجح ہو گی یا نہیں ہو گی۔ بلکہ موقعہ کے لحاظ سے صرف اتنا بیان کر دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود نے اس موقعہ پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ صرف ان احادیث کے متعلق لکھا ہے جو قرآن شریف کے بھی خلاف ہوں اور احادیث صحیحہ کے بھی۔ یہ عرض کر دینے کے بعد میں حضرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ بالا طریق فیصلہ حدیث کی طرف عدالت کو توجہ دلاتا ہوں کہ کیا یہ طریق فیصلہ پکا نہیں رہا۔ کہ میں ایک حد درجہ کے صادق اور راستباز انسان کے دل و دماغ کا نتیجہ ہوں اور کیا اس کا لفظ لفظ ظاہر نہیں کر رہا ہے۔

کہ یں کسی منصوبہ باز اور دنیا ساز کے مناسب حال نہیں ہوں۔

اس کے بعد سب وہ حوالہ بیان کرتا ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کی وحی قرآنی وحی سے سرمو مخالف نہیں ہو بہو مطابق و موافق ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

" وکل ما فہمت من موہبات القرآن او ما الھمت من اللہ الرحمان فقبلتہ علی شریطۃ الصحت والصواب والسمت وقد کشف علی انہ صحیح خالص یوافق الشریعۃ لاریب فیہ ولا لبس ولا شک ولا شبہۃ الی والرسول الکریم" (آئینہ کمالات اسلام صہ ۲۱) یعنی جو کچھ مجھے خدا تعالےٰ کی طرف تفہیم ہوئی ہے یا الہامات نازل ہوئے ہیں ان سب کو میں نے اسی شرط سے قبول کیا ہے۔ کہ وہ سب صحیح اور درست ہیں اور نشانات صداقت بھی ساتھ رکھنے اور مجھے میر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ تمام الہامات صحیح اور خالص اور قرآن حکیم کے مطابق ہیں۔ ان میں کوئی شک وشبہ نہیں اور بفرض محال اگر کوئی الہام خلاف قرآن ہوتا ردی کی طرح پھینک دیتے اور وہی معنے مراد لیتے جو خدا تعالےٰ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلعم کی مراد تھی "۔

اور فرماتے ہیں :- " وان القرآن مقدم علی کل شیئ ووحی الحکم مقدم علی احادیث ظنیۃ بشرط ان تطابق القرآن وحیہ مطابقۃ تامۃ وبشرط ان تکون الاحادیث غیر مطابقۃ للقرآن وتوجد فی قصصہا مخالفۃ لقصص صحف مطہرۃ "۔ (مواھب الرحمان صلہ ۶۹) یعنی قرآن مجید ہر ایک چیز پر مقدم ہے۔ اور حکم کی وحی ظنی حدیثوں پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ اس کی وحی قرآن مجید کے ساتھ مطابقت تامہ رکھتی ہو اور بشرطیکہ احادیث قرآن مجید کے غیر مطابق ہوں اور قرآن مجید کے قصوں کے برخلاف ان احادیث میں قصص مذکور ہوں۔

ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی قرآن مجید کے موافق ہے۔ اس لیے اس کے معارض جو ظنی حدیثیں ہونگی وہ قرآن مجید کے بھی معارض ہونگی اس لیے قابل قبول نہیں ہیں۔ اور ردی کی طرح پھینکنے کے قابل ہیں۔ لیکن احادیث صحیحہ کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں ہمارا عقیدہ اور ہمارا مذہب بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہی ہے جو آپ نے فرمایا "۔

؎ اقتدائے قول او در جان ما ست
ہرچہ زو ثابت شود ایمان ما ست

---

(۷)

حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعجاز احمدی میں فرمایا ہے۔ کہ جو روایت قرآن مجید کے خلاف ہے اسے ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اور یہی اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے۔
چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔

"تکثر لکم الاحادیث بعدی فاذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافق فاقبلوہ وما خالف فردوہ" کہ یعنی میرے بعد کثرت سے تمہارے پاس حدیثیں پہنچیں گی پس جب تمہارے پاس کوئی حدیث میری طرف منسوب کر کے بیان کی جائے۔ تو تم اس کو کتاب اللہ پر عرض کرو پس جو کتاب اللہ کے موافق ہو۔ اسے قبول کر لو۔ اور جو اس کے مخالف ہو۔ اسے رد کرو۔
لیکن اس حدیث پر مختار مدعیہ نے یہ جرح کی ہے"

(۱)۔ کہ یہ حدیث توضیح تلویح اور اصول شاشی سے پیش کی گئی ہے۔ اور وہ اصول فقہ کی کتابیں ہیں۔ کسی حدیث کی کتاب سے نقل نہیں کی گئی۔ اور جن کی کتابوں سے نقل کی گئی ہے۔ وہ محدث نہیں ہیں"

(۲) - فوائد المجموعہ میں علامہ شوکانی نے کہا ہے۔ وضعتہ الزنادقہ کہ یہ بے دینوں کی حدیث ہے اور یہی بات یحی بن معین اور علامہ ذہبی کہتے ہیں۔ اور علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے اس آیت کو ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا رد کرتی ہے۔

(۳) گواہ مدعا علیہا کا یہ کہنا کہ حدیث بلا سند بھی معتبر ہو سکتی ہے۔ اور اصول حدیث کی کتاب شرح نخبۃ الفکر میں ایسا لکھا ہے محض اتہام ہے۔ اور محض مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور صحیح مسلم جو صحیح بخاری کے ہم پایہ کتاب ہے۔ اس میں عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ اسناد دین سے ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہہ دیتا لہٰذا بلا سند حدیث معتبر نہیں ہو سکتی۔

پہلی بات کا جواب :۔
مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کر کے کہ چونکہ یہ حدیث توضیح تلویح اور اصول شاشی سے پیش کی گئی ہے۔ اور وہ اصول فقہ کی کتاب ہے۔ اس لیے قابل تسلیم نہیں ہے۔ فقہ حنفیہ کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے۔ گویا یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ اصول جن پر فقہ حنفی مبنی ہے۔ وہ ایسی حدیثوں سے بھی وضع کیے گئے ہیں جو غیر معتبر اور وضعی ہیں، کیا کوئی سچا حنفی اس خطرناک اعتراض کو صحیح تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو گا ہرگز نہیں!

اب دیکھنا یہ ہے کہ جن کتب میں یہ حدیث آئی ہے۔ آیا ان کے مولفوں نے یہ حدیث وضع کر لی ہے۔!
وہ فی الواقع اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سمجھتے ہیں۔ مختار مدعیہ بھی اس امر کے متعلق بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کہ انہوں نے صحیح سمجھ کر یہ حدیث اصول فقہ کی کتابوں میں درج کی ہے اور صحیح قرار دے کر صحابہ کرام کے کلام سے اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ علامہ محمد فیض الحسن ابن علامہ فخرالحسن صاحب گنگوہی اصول شاشی میں یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں۔

"وتحقيق ذلك فيما روى عن على ابن ابى طالب رض انه قال كانت الرواة على ثلاثة اقسام۔ الى قوله ا المعنى وجب عرض الخبر على الكتاب والسنة المشهورة" (اصول شاشی مطبوعہ مطبع نامی کانپور صلہ)

یعنی اس حدیث کی حقیقت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ جو علی ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا راوی تین قسم کے تھے۔ ایک مومن مخلص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ اور آپ کے کلام کے معانی کو سمجھا۔ دوسرا اعرابی جو اپنے قبیلہ سے آیا۔ اور اس نے سنا جو سنا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی حقیقت تک نہ پہنچا اور اپنے قبیلہ میں واپس آکر آپ کے الفاظ سے سوا دوسرے الفاظ میں آپ کی بات بیان کی۔ اور معنی بدل گئے۔ لیکن اس کا خیال یہی رہا۔ کہ مطلب میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ تیسرا منافق جس کا نفاق غیر معروف تھا۔ تو اس نے افتراء کر کے وہ باتیں روایت کیں جو اس نے سنی نہ تھیں۔ اور لوگوں نے اس سے سن کر اور اسے مومن مخلص سمجھ کر وہ روایت آگے بیان کی۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں میں شہرت پا گئی۔ پس اس وجہ سے روایت کا کتاب اللہ اور سنت مشہورہ پر عرض کرنا واجب ہو گیا۔

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ حدیث کسی محدث نے بیان نہیں کی۔ قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ تلویح میں یہ روایت امام بخاری کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ کہ انہوں نے یہ روایت اپنی کتاب میں بھی بیان کی ہے۔ اور تلویح کے حاشیہ فنری میں لکھا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔
"کہ صاحب تلویح نے صاحب الکشاف کے اس جواب کو رد کیا ہے۔ جو اس نے حدیث کے ضعیف ہونے کا دیا تھا۔ کہ چونکہ امام ابو عبداللہ البخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ اور وہ اس فن میں نہایت بلند پایہ اور اس صفت کا امام ہے۔ پس اس کا اس حدیث کو بیان کرنا ہی اس کی صحت کی کافی دلیل ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے کے طعن کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور صاحب تلویح کے رد کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ امام بخاری نے جو حدیثیں اپنی صحیح میں ذکر کی ہیں۔ وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس کا اس نے اثبات کیا ہے۔ اور ایک قسم وہ ہے جسے اس نے محض استشہاد اور تائید کے لیے ذکر کیا ہے۔ پہلی قسم تو بالکل صحیح ہے۔ بخلاف دوسری قسم کی۔ فنری کہتا ہے کہ اس تردید کا یہ جواب ہو سکتا ہے۔ کہ یہ رد اس وقت تام کہلا

سکتا ہے۔ جب کہ اسی حدیث کی تائید میں دوسری حدیث موجود نہ ہوتی۔ جو محمد بن جبیر مطعم سے مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ " ماحدثتم عن مما تنکرون فلا تصدقوا فانی لا اقول المنکر وانما یعرف ذٰلك بالعرض علی الکتاب ۔"

یعنی اگر میری طرف سے کوئی ایسی بات جو تمہارے نزدیک منکر ہے بیان کی جائے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو کیونکہ میں منکر بات نہیں کہتا اور کسی بات کا منکر ہونا کتاب پر عرض کرنے سے ہی معلوم ہوگا۔" (شرح التوضیح علی التنقیح صـ۲۶۱)

اور اس حدیث کی تائید ایک اور صورت سے بھی ہو سکتی ہے جو امام بیہقی نے پوری سند کے ساتھ مدخل میں نکالی ہے چنانچہ علامہ وحید الزمان صاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں۔

" اخرج البیہقی فی المدخل باسنادہ عن ابی جعفر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ دعا الیہود فسألہم فحدثوہ حتی کذبوا علی عیسیٰ فصعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فخطب الناس وقال ان الحدیث سیفشو فما اتاکم عنی یوافق القرآن فہو عنی وما اتاکم عنی یخالف القرآن فلیس عنی ۔"

(اشراق الابصار فی تخریج احادیث الانوار مطبوعہ مصطفائی دہلی صـ۲۶)

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلا کر ان سے سوال کیا۔ تو انہوں نے باتیں کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بعض جھوٹ باتیں منسوب کیں تو آپ منبر پر چڑھے اور لوگوں میں یہ خطبہ کیا۔ اور فرمایا کہ عنقریب بہت باتیں پھیل جائیں گی۔ پس جو بات تمہارے پاس میری طرف سے قرآن مجید کے موافق پہنچے۔ تو وہ مجھ سے ہوگی اور جو مخالف قرآن پہنچے۔ تو وہ مجھ سے نہیں ہوگی۔ پس بیہقی کی وہ حدیث بھی حدیث متنازعہ فیہ کی موید ہے۔ جس سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

علاوہ ان کے اور بھی بہت سی احادیث اور روایات اس قسم کی پائی جاتی ہیں جن سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے اور اس حدیث کے معانی اور مفہوم کی مقوی اور ممد ہیں۔ مثلاً دار قطنی میں ہے۔ کلامی لا ینسخ کلام اللہ (مشکوٰۃ صـ۲۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا کلام اللہ تعالےٰ کے کلام کا ناسخ نہیں۔ پس جو حدیث بھی اللہ تعالےٰ کے کلام کے مغائر منافی اور اس کی ناسخ ہوگی۔ وہ یقیناً حدیث مذکور کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ ہوگا۔

اس طرح بخاری کی حدیث اوصی بکتاب اللہ بخاری جلد ۳ صـ۶۵ در ما کان من شرطٍ لیس فی کتاب اللہ فہو باطل قضاء اللہ احق "۔ بخاری جلد ۲ صـ۸ اور حدیث ماعندنا شیئی الا کتاب اللہ اور حدیث

انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وسنتی، اور حدیث ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنت رسولہ مشکوٰۃ صہ۳۱
اور مذکورہ ہر امر کے لیے کتاب اللہ کو محک اور کسوٹی قرار دیتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث یقیناً صحیح ہے۔ اور اس کو موضوع کہنا لغو و باطل۔

دوسری بات کا جواب

اول: تو اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حدیث زنادقہ اور دجاجلہ کی مخترعہ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس حدیث میں زندیقانہ اور ملحدانہ روش کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ اور یہ ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ یہ حدیث زنادقہ کی وضع کی ہوئی نہیں ہے۔

دوم:۔ اگر اس حدیث کے مفہوم اور معانی پر غور کیا جاوے تو بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ موضوع نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں ایک ایسا اصل بتایا گیا ہے۔ کہ اگر اسے مدنظر رکھا جاتے تو امت محمدیہ کا اکثر حصہ تباہی و بربادی سے بچ جاتا۔ محض اس اصل کو ترک کر دینے کی وجہ سے قرآن مجید کی تعلیم پس پشت ڈال دی گئی۔ اور روایات اور فقہ کی کتابوں پر دارومدار سمجھ لیا گیا۔

دراصل اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فتنہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ جو احادیث موضوعہ سے پیدا ہونے والا تھا۔ جس سے بچنے کے لیے سرور کائنات نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب احادیث کثرت سے ہو جائیں اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ فرمودہ نبوی کون سا ہے۔ تو اس وقت اس اصل کو مدنظر رکھنا۔ کہ جو احادیث قرآن کریم کے موافق ہوں۔ انہیں قبول کر لینا اور جو احادیث قرآن کریم کے مخالف ہوں انہیں رد کر دینا۔ یہ اعلیٰ مفہوم ہے اس حدیث کا۔ کیا اس پاکیزہ و مفید مفہوم کی موجودگی میں یہ خیال کئے جانے کی گنجائش ہے کہ یہ حدیث موضوع اور زنادقہ کی اختراع ہو سکتی ہے۔؟

سوم:۔ بہت سی اور احادیث اور روایات اس حدیث کے مضمون کی تائید کر رہی ہیں۔ جن میں سے بعض اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔؟

چہارم:۔ کسی امام کے ایک حدیث کو موضوع کہہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ فی الواقعہ بھی موضوع ہے کیونکہ بہت ممکن ہے۔ کہ اسے اس حدیث کی سند یا صحت کا علم نہ ہوا ہو۔ اور اس لیے اس نے اس کو موضوع کہا ہو۔ اور جب علم ہوا۔ اس نے صحیح کہا۔ مثلاً حدیث " لولاک لما خلقت الافلاک " جس کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے۔ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خصوصیات میں سے ہے۔ جس میں آپ کا کوئی

شریک نہیں اس کے متعلق صنعانی نے کہا ہے کہ موضوع ہے۔ (ملاحظہ ہو فوائد المجموعہ للشوکانی ص۱۱۶)
اور گو امام کے مسلم مقتدا گنگوہی صاحب بھی اس کی کوئی اصل پائے جانے کے منکر ہیں اور حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے۔ وھو باطل لا اصل لہ کہ یہ حدیث باطل اور بے اصل ہے۔ حالانکہ یہ عقیلی اور ابن عدی نے انس سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ (فوائد المجموعہ ص۹۶)
پس صرف کسی کے اس قول کی بنا پر کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ کوئی حدیث موضوع نہیں قرار دی جاسکتی بلکہ موضوع قرار دینے والوں کے دلائل پر غور کر لینے کے بعد اس کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔
چنانچہ متنازعہ فیہ حدیث پر دو قسم کی جرح کی گئی ہے:۔

مختار مدعیہ کی پہلی جرح

یہ حدیث یزید بن ربیعہ نے ابوالاشعث سے اور اس نے ثوبان سے روایت کی ہے۔ اور یزید ابن ربیعہ مجہول ہے۔ اور اس کا ابوالاشعث سے سماع معروف نہیں ہے۔ یہ حدیث منقطع ہوگی۔
جواب :۔ اس جرح کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بہت ہی کم راوی ایسے ہیں جن کے متعلق ائمہ حدیث میں اختلاف نہ ہوا ہو۔ اگر ایک کہتا ہے۔ کہ فلاں راوی نہایت راست باز ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے اور تیسرا کہتا ہے کہ وہ سیئ الحفظ چوتھا کہتا ہے کہ وہ وضاع ہے۔ خود حدیثیں بنا لیتا ہے۔ غرض کہ روایت کے متعلق کثرت سے اختلاف ہے۔ پس جب کسی راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے متعلق اختلاف ہے۔ تو وہ حدیث اس وقت نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ جب تک کہ حدیث کا مفہوم بھی اس کے چھوڑنے پر مجبور نہ کرے۔ چنانچہ یزید ابن ربیعہ کے متعلق بھی متقدمین میں اختلاف ہوا ہے۔ ابومسعر نے کہا ہے:۔
"کان یزید ابن ربیعۃ فقیھا غیر متھم ما ننکر علیہ اذ ادرک ابا الاشعث ولکن اخشی علیہ سوء الحفظ والوھم۔
یزید بن ربیعہ فقیہ تھا۔ اس پر کوئی اتہام نہیں لگایا جاسکتا اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس امر کا انکار کریں کہ اس نے ابوالاشعث کو پایا۔ البتہ مجھے اس پر سوء حفظ اور وہم کا ڈر ہے۔
اور ابن عدی نے کہا ہے:" ارجو انہ لا باس بہ" مجھے تو یہی امید ہے کہ اس پر کسی قسم کا حرج نہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۲۶)
اور مولوی محمد فیض الحسن اور حافظ مولوی نور الحسن صاحب لکھتے ہیں:" فان قلت سے الی غیرہ تک "یعنی اگر تو کہے کہ اس حدیث میں محدثین نے طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث یزید بن ربیعہ نے ابوالاشعث،

سے اور اس نے ثوبان سے روایت کی ہے۔ اور یزید بن ربیعہ مجہول ہے۔ اور ابوالاشعث سے اس کا سماع غیر معروف ہے۔ تو یہ حدیث منقطع ہوگی۔ جس سے حجت پکڑنا درست نہیں ہو سکتا تو اس طعن کا جواب یہ ہے کہ امام محمد بن اسمٰعیل البخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں بیان کی ہے۔ اور وہ محدثین کے امام ہیں۔ پس یہ ان کا حدیث لانا ہی اس کی صحت کی کافی دلیل ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی کے طعن پر التفات نہیں کیا جا سکتا"

(عمدۃ الحواشی برحاشیہ اصول شاشی مطبوعہ نامی کانپور ص۷۶)

اور تلویح کے حاشیہ فنری میں یہ لکھا ہے۔ کہ چونکہ اس حدیث کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔ جو محمد بن جبیر مطعم سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث صحیح ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

مختار مدعیہ کی دوسری جرح

علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔ اس حدیث میں خود اس کا رد موجود ہے۔ کیونکہ جب ہم نے اسے کتاب اللہ پر عرض کیا تو اسے کتاب اللہ کی آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا کے مخالف پایا اور خطابی نے کہا ہے کہ اسے حدیث اوتیت الکتٰب ومثلہ معہ رد کرتی ہے اور فیروز آبادی نے بھی حدیث یعنی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ کو لے کر اسے موضوع ٹھہرایا ہے"

جواب :- مولوی وحید الزمان حیدر آبادی نے اشراق الابصار فی تخریج احادیث الانوار میں ان اقوال کو درج کر کے لکھا ہے۔ وفیہ ما فیہ یعنی یہ جواب بہت کمزور ہے۔ چنانچہ حاشیہ پر وہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"اشارۃ الی ان ھذا القول یجری فیما سکت الکتاب عنہ واما اذا خالفہ کما ھو المراد ھھنا لعدم الموافقۃ فردہ واجب۔

یعنی علامہ شوکانی نے جو آیت پیش کی ہے۔ کہ رسول جو تمہارے پاس لائے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔ اور حدیث کہ مجھے قرآن اور اس کی مثل دیا گیا ہے۔ تو اس سے مراد وہ اقوال یا وہ باتیں ہیں جن کے بارہ میں قرآن مجید ساکت ہے۔ اور لیکن اگر کوئی قول قرآن کے مخالف ہو جیسا کہ حدیث میں عدم موافقت بالقرآن سے مراد ہے تو ایسے قول کا رد کرنا واجب ہے۔

جب علامہ شوکانی وغیرہ کو حدیث اذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ کی آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ اور حدیث اوتیت القرآن ومثلہ سے مطابقت معلوم نہ ہوئی تو اسے موضوع ٹھہرا دیا۔ حالانکہ آیت میں یہ کہیں نہیں لکھا تھا کہ جو بات رسول قرآن مجید کے مخالف لائے تو اسے لے لو

اور نہ ہی حدیث میں یہ تھا کہ جو قرآن کی مثل آنحضرت صلعم کو دیا گیا ہے وہ قرآن مجید کے مخالف ہے بلکہ حدیث "اذا روی لکم عنی" اس آیت اور حدیث کی تفسیر کر رہی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا موضوع اقوال سے جو افتراء کرکے آپ کی طرف منسوب کیے گئے ہوں معلوم کرنا مشکل ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم کا قول وہی ہوگا جو قرآن مجید کے مخالف نہ ہو اور اگر کوئی مخالف پاؤ تو یقیناً سمجھ لو وہ قول افترا کے طور پر آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چنانچہ شرح التوضیح علی التنقیح صـ۲۶۳ میں اذا روی لکم عنی حدیث" کو ذکر کرکے لکھا ہے۔

"فدل ھذا الحدیث علی ان کل حدیث یخالف کتاب اللہ فانہ لیس بحدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وانما ھو مفتری" کہ اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف ہو تو وہ رسول اللہ کی حدیث نہیں۔ بلکہ وہ محض افترا ہے۔ جو آپ پر کیا گیا ہے۔

پنجم :- یہ حدیث مسلم اکابر ائمہ نے صحیح تسلیم کی ہے اور اس کے مطابق اپنا عقیدہ رکھا ہے۔ چنانچہ نور الانوار میں لکھا ہے۔

"وتمسک الشافعی رح ایضاً فی عدم جواز نسخ الکتاب بالسنۃ بقولہ علیہ السلام اذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ تعالیٰ فما وافقہ فاقبلوہ والا فردوہ فکیف ینسخ بھا۔ (نور الانوار مطبوعہ مصطفائی صـ۱۷۹)

(۱) اور امام شافعی رح نے کتاب کے سنت سے منسوخ نہ ہونے پر آنحضرت صلعم کی اس حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے کہ جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی روایت بیان کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر عرض کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو لے لو ورنہ اسے رد کر دو۔ پس سنت کے ساتھ کتاب اللہ کس طرح منسوخ ہو سکتی ہے۔

(۲) اسی طرح تفسیر قادری میں زیر آیت اقیموا الصلاۃ ولا تکونوا من المشرکین لکھا ہے۔

"تیسیر میں شیخ محمد ابن اسلم طوسی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک حدیث مجھے پہنچی کہ جو کچھ مجھ سے روایت کی جائے۔ تو اسے قرآن شریف پر پیش کرو اگر موافق ہو تو وہ روایت مجھ سے ہے۔ تو میں نے اس حدیث کو کہ من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر چاہا کہ کسی آیت سے موافق کر دوں اور تیئس برس تک میں نے فکر کی یہاں تک کہ یہ آیت پائی کہ اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔

بہت صاف بات ہے کہ اگر حدیث اذا روی لکم عنی حدیث موضوع ہوتی تو یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ ایک جلیل القدر امام اس پر عمل کرکے حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمداً کی صحت قرآن کریم سے معلوم کرنے کے لیے تیئس ۲۳ برس تک کوشش کرتے رہے۔ کیا شیخ محمد ابن اسلم طوسی قدس سرہ جیسے رفیع المرتبت

امام کاجن کی جلالت شان محتاج بیان نہیں ہے۔ زنادقہ کی گھڑی ہوئی حدیث پر عمل کرنے میں طویل زمانہ ضائع کر دینا عقل انسانی تسلیم کر سکتی ہے۔ ہرگز نہیں اور عقل و انصاف سے واسطہ رکھنے والوں کو یہ تسلیم کیئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ کہ دراصل امام موصوف اس حدیث کو نہایت صحیح اور درست سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے انجناب نے مدت دراز تک اس کے مطابق عمل کر کے بحر تلاش میں غواصی جاری رکھی اور بالآخر گوہر مقصود حاصل کر لیا۔

اور علامہ جیونؒ اپنی تفسیر احمدی کے مقدمہ میں جو زمانہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تصنیف فرمائی تھی آیت ما فرطنا فی الکتاب من شیئ وغیرہ لکھ کر فرماتے ہیں :-

"وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا بلغکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فان وافقہ فاقبلوہ والا فردوہ. ففی القران تصدیق کل حدیث ورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (التفسیر الاحمدی ص۳ مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور)

یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب تمہیں میری طرف سے کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو اگر اس کے موافق ہو تو اسے قبول کر لو ورنہ اسے رد کر دو۔ پس قرآن مجید میں ہر ایک اس حدیث کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے، تصدیق موجود ہے۔

ششم :- جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث اپنے مفہوم کے لحاظ سے قرآن مجید کے مخالف ہے انہوں نے صریح غلطی کی ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس حدیث کی تصدیق و تائید کرنے والی آیات کثرت سے موجود ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی شان میں فرماتا ہے۔

"فیہا کتب قیمۃ - لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ - ان ھذا القران یہدی للتی ھی اقوم - وانہ لحق الیقین - حکمۃ بالغۃ تبیانا لکل شیئ - انزل الکتاب بالحق والمیزان - ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان - انہ لقول فصل لا ریب فیہ"

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی کئی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ تمام صداقتوں پر مشتمل ہے۔ اور باطل کسی طور سے بھی اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا۔ وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلاتا ہے۔ وہ حق الیقین ہے۔ اس میں ظن اور شک کی جگہ نہیں۔ وہ کلمۃ بالغہ ہے۔ اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔ وہ حق ہے اور میزان حق ہے یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کے لیے محک بھی ہے۔ وہ لوگوں کے لیے صداقت ہے۔ ہدایتوں کی اس میں تفصیل ہے۔ اور حق و باطل میں فرق کرتا ہے۔ وہ قول الفصل ہے۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں۔

پس جس کتاب کی یہ خصوصیات ہوں وہ کیوں احادیث کی صحت کا معیار نہ ٹھہرے۔ اور اپنی خصوصیات کی

وجہ سے اللہ فرماتا ہے۔ فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یومنون اور فبای حدیث بعدہ یومنون یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے یہاں تک کہ اس فیصلہ میں کسی طور شک باقی نہ رہ جائے اور منشاء اچھی طرح کھل جاوے تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہو مومن کا کام نہیں چنانچہ مشکوٰۃ ص۱۸۶ میں ایک حدیث ترمذی اور دارمی سے منقول ہے جس سے متنازعہ فیہ امر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

"عن الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علیؓ فاخبرتہ فقال اوقد فعلوھا۔ قلت نعم۔ قال اما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انھا ستکون فتنۃ قلت ما المخرج یا رسول اللہ قال کتاب اللہ فیہ نباء ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الھدیٰ فی غیرہ اضلہ اللہ وھو حبل اللہ المتین من قال بہ صدق ومن عمل بہ اجر ومن حکم بہ عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم (رواہ الترمذی والدارمی)

یعنی حارث اعور نے کہا کہ میں مسجد میں جہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور حدیثوں میں خوض کر رہے تھے۔ گذرا سو میں یہ بات دیکھ کر کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر حدیثوں میں کیوں لگ گئے ہیں حضرت علیؓ کے پاس گیا اور آپ کو خبر دی آپ نے مجھ سے فرمایا۔ یقیناً سمجھ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ عنقریب ایک فتنہ ہوگا یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں ہوں گی اور اختلاف میں پڑ جائیں گے اور کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھیں گے۔ تب میں نے عرض کی کہ اس فتنہ سے کیونکر رہائی ہوگی۔ تب آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے ذریعہ سے رہائی ہوگی اس میں تم سے پہلوں کی خبر موجود ہے۔ اور آنے والے لوگوں کی بھی خبر ہے۔ جو تم میں تنازعات پیدا ہوں ان کا اس میں فیصلہ موجود ہے اور وہ قول فصل ہے۔ ہزل نہیں۔ جو شخص اس کے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا۔ اور اس کو حکم نہیں بنائے گا۔ خدا تعالےٰ اس کو گمراہ کر دے گا۔ وہ حبل اللہ المتین ہے جس نے اس کے حوالہ سے کوئی بات کہی اسے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہے۔ اور جو اس کی رو سے حکم بنا اس نے عدالت کی اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے راہ راست کی طرف بلایا۔

پس اس حدیث میں صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اختلافات کے فتنہ کے وقت جو شخص قرآن مجید کو محک اور معیار اور میزان قرار دے گا وہ بچ جائے گا۔ اور جو شخص اسے حکم نہیں بنائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا یہ حدیث بآواز بلند پکار رہی ہے کہ احادیث وغیرہ میں جس قدر اختلافات باہمی پائے جاتے ہیں ان کا تصفیہ قرآن کریم کے

کی رو سے کرنا چاہیے اور یہی مفہوم حدیث اذا روی لکم عنی حدیث کا بھی ہے پس چونکہ یہ حدیث اپنے مفہوم اور معانی کی رد سے قرآن مجید اور دوسری احادیث صحیحہ کے بالکل مطابق ہے اس لیے اس کو موضوع قرار دینا لغو و باطل ہے۔

ہفتم: یہ صحابہ اور ان کے بعد دوسرے اکابر امت کا تعامل بھی اس حدیث کی صحت ثابت کرتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے بہت سی احادیث جو صحابہ میں رائج تھیں قرآن مجید کے مخالف ہونے کی وجہ سے رد کر دی ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ہشام نے اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت عائشہ رضی کے پاس ذکر آیا کہ ابن عمر رضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ان المیت یعذب فی قبرہ ببکاء اھلہ کہ میت کو اس کی قبر میں اس کے اہل کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ تو حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلعم نے یہ تو فرمایا تھا کہ "انہ لیعذب بخطیئتہ وذنبہ وان اھلہ لیبکون علیہ الاٰن" کہ اس میت کو تو اپنے قصوروں اور گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ اور اس کے اہل اب اس پر روتے ہیں۔ دوسری روایات میں ہے کہ پہلی بات غلط ثابت کرنے کے لیے حضرت عائشہ نے آیت لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ اور حضرت ابن عباس نے آیت واللہ اضحک وابکی پڑھی۔ (بخاری جلد اص ۱۵۶) پھر حضرت عائشہ نے فرمایا اور یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی مانند ہے جو آپ نے اس کنویں پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ جس میں بدر کے مشرکین مقتول ڈالے گئے تھے کہ ان سے جو میں کہتا ہوں سنتے ہیں اور اس وقت بھی آپ کا وہ مطلب نہیں تھا جو لیا گیا بلکہ آپ نے فرمایا تھا

انھم الاٰن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق ثم قرأ انک لا تسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور۔ (بخاری جلد ۳، ص: ۵)

کہ وہ اب ضرور جانتے ہیں کہ جو میں ان سے کہتا تھا وہ حق ہے پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت پڑھی کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اسی طرح مسروق سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی سے عرض کیا کہ اُماں! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ تیرے اس قول سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ غور سے سن۔ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے وہ تیرے سامنے بیان کیں۔ اس نے جھوٹ بولا۔

من حدثک ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رأی ربہ فقد کذب۔ ثم قرأت لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب۔ ومن حدثک انہ یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذا تکسب غدا۔ ومن حدثک انہ کتم شیئاً فقد کذب ثم قرأت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الایۃ ولکنہ رای جبرئیل علیہ السلام فی صورتہ مرتین (بخاری جلد ۳ ص ۱۲۶)

یعنی جس نے تجھ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ خدا تعالےٰ کو دیکھنا آیت لا تدرکہ الابصار اور آیت وما کان لبشر کے خلاف ہے اور اگر تجھے کوئی بتائے کہ جو کل ہونے والا ہے اسے آنحضرت صلعم جانتے ہیں تو اس نے بھی جھوٹ بولا۔ کیونکہ یہ آیت لا تدری نفس ماذا تکسب کے مخالف ہے۔ اور اگر تجھے کوئی کہے کہ آنحضرت صلعم نے وحی میں سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے بھی جھوٹ بولا کیونکہ ایسا کہنا آیت یاایہا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک کے خلاف ہے اور سورہ نجم کی آیت ولقد راٰہ بالافق المبین اور آیت ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ سے جبرئیل کو اس کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھنا مراد ہے۔

حضرت عائشہؓ کے تعامل سے جو کہ وہ احادیث کو قرآن مجید سے رد کر دیتی تھیں صاف ظاہر ہے کہ حدیث اذا روی لکم عنی بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بھی حضرت عائشہؓ صدیقہ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو رد کر دیا کہ وہ کہتی تھی کہ مطلقہ ثلث کو نفقہ و سکنیٰ نہیں ملتا آپ نے فرمایا کہ ہم کتاب و سنت کو ایک عورت کے قول و روایت سے رد نہیں کر سکتے۔ معلوم نہیں کہ اس کو یاد رہا یا بھول گئی۔ اور حضرت عائشہؓ نے سکنیٰ نہ دینے کی وجہ خاص بیان کر دی جس کو فاطمہ نہ سمجھی تھی اور حضرت عائشہؓ کو جب خبر ملی کہ حضرت عمرؓ و عبداللہ بن عمرؓ اہل میت کے رونے سے میت کو معذب ہونا روایت کرتے ہیں۔ تو آیت قرآن سے جو کہ قاعدہ کلیہ کے ہے۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ سے رد کیا اور کہا کہ قرآن تم کو بس ہے۔

(۲) - اس طرح ابن سعد اور طبرانی نے **مقنع** تمیمی سے روایت کی ہے کہ میں آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور میں نے عرض کی کہ لوگ اس طرح آپ کی حدیث میں خوض کرتے ہیں تو نبی صلعم نے اپنے ہاتھ اتنے اونچے اٹھائے کہ مجھ کو آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور یوں دعا کی "اللھم لا احل لھم ان یکذبوا علی" کہ اے خدا میں ان کے لیے یہ جائز نہیں قرار دیتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ باندھیں۔ مقنع نے کہا۔

فلم احدث بحدیث عنہ علیہ السلام الا حدیث نطق بہ کتاب او جرت بہ سنتہ یکذب علیہ فی حیاتہ فکیف بعد مماتہ "(موضوعات کبیر صلا)

یعنی میں نے آنحضرت صلعم کی اس دعا کے بعد آپ کی طرف کوئی حدیث بیان نہیں کی مگر وہی جو منطوق کتاب اللہ کے مطابق ہو یا اس پر سنت جاری ہو یعنی سنت سے ثابت ہو آپ کی زندگی میں آپ پر جھوٹ باندھا جاتا ہے تو آپ کی وفات کے بعد کیا حالت ہوگی۔

(۲) امام ملا علی قاریؒ موضوعات میں لکھتے ہیں :۔

"الکریم حبیب اللہ ولو کان فاسقاً والبخیل عدو اللہ ولو کان راھباً لا اصل لہ بل الفقرۃ الاولیٰ موضوعۃ لمعارضتھا بنص قولہ تعالیٰ ان اللہ یحب التوابین واللہ لا یحب الظلمین والفاسق اما من الظلمین او الکافرین" (موضوعات کبیر ص۶۲)

یعنی اس حدیث کا یہ جملہ مکڑا " الکریم حبیب اللہ ولو کان فاسقا" اس لیے موضوع ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے قول ان اللہ یحب التوابین اور واللہ لا یحب الظلمین کے معارض ہے کیونکہ فاسق یا ظالم ہوگا یا کافر۔

(۲) - اس طرح فوائد مجموعہ شوکانی میں لکھا ہے -

"حدیث ما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی قرأ وکتب قال الطبرانی منکر معارض للکتاب العزیز"

(فوائد مجموعہ صہ ۱۱۶)

یعنی یہ حدیث کہ آنحضرت صلعم فوت نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ پڑھ لکھ لیتے تھے۔ طبرانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث بوجہ معارض ہونے قرآن مجید کے منکر یعنی غیر صحیح ہے' ایسے ہے حدیثوں کے متعلق گذشتہ اماموں کا روشن اور نورانی طریق عمل اور اس کے ہوتے ہوئے حدیث ازالدی لکم عنی کی صحت کے خلاف کسی کی لب کشائی بجوئے ممے ارزد یہ ہے حدیثوں کے متعلق گذشتہ اماموں کا روشن اور نورانی طریق عمل

اگرچہ بات نہایت صاف اور مطلب بالکل واضح ہوچکا ہے اور از روئے انصاف گنجائش چون وچرا کی مطلق باقی نہیں رہی ہے۔ تاہم میں اس پر اکتفاء نہ کر کے گواہان مدعیہ ومختاران مدعیہ کی ذہنیت کی رعایت سے چند حوالہ اور پیش کرتا ہوں۔ اور حوالے بھی ایسے جو میرے مدعا کو مختاران مدعیہ کی نظر میں روشن سے روشن تر اور مختاران مدعیہ کو حیران وششدر بنا دینے والے ہی نہیں بلکہ یہ بھی ظاہر کر دینے والے ہیں۔ کہ مختاران مدعیہ حالات اندرون خانہ سے بھی کتنے ناواقف اور بے خبر ہیں۔ تمام دیو بندیوں کے مسلم مقتدا اور امام جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانئے دارالعلوم دیو بند اپنی مشہور عالم کتاب، ہدیۃ الشیعہ میں فرماتے ہیں کہ اہلسنت، " کلام اللہ کے سامنے کسی کی نہیں سنتے یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں اگر موافق نکلے تو فبہا ورنہ موافق مثل مشہور کالائے زبون بریش خاوند اس کو راویوں کے سر مارتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ راویوں کا قصور ہے۔ القصہ عقل ونقل کی کسوٹی دین ودنیا میں امام سمجھتے ہیں۔" (ہدیۃ الشیعہ صہ ۱)

حالانکہ حضرت اقدس کا یہ قول نبی کریم صلعم کی سچی حدیثوں کے متعلق ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ ان کے متعلق تھا۔ جو غلطی سے حدیثیں خیال کی جاتی تھیں اور درحقیقت حضور کی حدیثیں نہیں تھیں بلکہ جعلی اور موضوع تھیں اور مفروضہ طور پر آنحضرت صلعم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے حدیثیں کہلاتی تھیں۔ اب میں نے اس قسم کی حدیثوں کے متعلق مولوی محمد قاسم صاحب کا بھی ایک ایسا حوالہ پیش کر دیا ہے۔ جس میں وہ ایسی حدیثوں کو جو خلاف قرآن ہوں راویوں کے سر مارنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان کو کالائے زبون بھی ٹھہراتے ہیں۔ کیا مختاران مدعا علیہ مولوی صاحب کو بھی احادیث رسول اللہ صلعم کی ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے سے بھی زیادہ بے وقعتی کرنے یعنی لوگوں کے سر مار دینے والا قرار دے کر کافر و مرتد ٹھہرائیں گے -

اور مولوی محمد قاسم صاحب بجواب سر سید احمد خان تصفیۃ العقائد صفحہ ۵ میں فرماتے ہیں۔" واقعی مخالف

کلام اللہ نہ کسی محدث کا قول معتبر ہوگا نہ کسی مفسر کا بلکہ خود حدیث اگر مخالف کلام اللہ ہو تو موضوع سمجھی جائے گی۔ مگر مخالف و توافق کا سمجھنا ہم جیسوں کا کام نہیں اس کے لیے تین علموں کی ضرورت ہے ایک تو علم یقینی۔ معانی قرآن دوسرے علم یقینی معانی قول مخالف تیسرے علم یقینی اختلاف جس کو یہ منصب خدا عطا کرے اس کے بڑے نصیب" یہ یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ صاحب کے قول "ہم جیسوں سے" ان کے نزدیک مختار مدعیہ نمبرا کے دینی بزرگ سرسید رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ مراد ہیں نہ اپنے جیسے لوگ اور نہ اپنے بزرگوں اور استادوں جیسے۔ کیونکہ آپ ہدیۃ الشیعہ میں یہ اقرار فرما چکے ہیں۔ کہ اہل سنت ان حدیثوں کو جو مخالف کلام اللہ ہوں راویوں کے سر مارتے ہیں اور اس قول کے مطابق ایسے لوگ جو مخالف قرآن احادیث کو راویوں کے سر مارنے والے ہوں ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں ہر شخص کا یہ کام نہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

درستی غلط نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ بفضل تعالیٰ ان عیوب سے پاک ہیں۔ بلکہ جیسے کسوٹی پر چاندی سونے کو لگا کر کھوٹا کھرا پہچانتے ہیں۔ سنی کلام اللہ پر روایات کو مطابق کر کے صحیح و ضعیف کو دریافت کرتے ہیں۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۹۰)

اور فرماتے ہیں:۔

"جس صورت میں کلام اللہ میں رحماء بینھم ہو اور اس کے تمہارے نزدیک یہی معنی ہوں کہ ان میں ہرگز کبھی رنج ہوتا ہی نہیں۔ تو موافق قاعدہ اصول کے ان روایات کا اعتبار نہ ہوگا جو کلام اللہ کے مخالف ہیں (ہدیۃ الشیعہ ص۹۹)

روایات سے مراد اس قول میں احادیث ہیں

کیا مختار ان مدعیہ کے لیے اپنے اس مسلمہ امام کی یہ صراحت موجود ہوتے ہوئے بھی حدیث اذا رئی کم علی کے متعلق یہ کہنے کی ازروئے انصاف کوئی گنجائش ہے کہ یہ حدیث بلحاظ معنے و مفہوم کے بھی قرآن مجید کے خلاف ہے اور قابل اعتبار نہیں۔

تیسری بات کا جواب

مختار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ ما کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا یہ قول کہ حدیث بلا سند بھی معتبر ہو سکتی ہے۔ اور اصول حدیث کی کتاب شرح نخبۃ الفکر میں ایسا لکھا ہے۔ محض اتہام ہے۔ عدالت کو صریح مغالطہ دینا ہے۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہ ما نے بجواب اپنے دعوی کے ثبوت میں شرح نخبۃ الفکر کی عبارت دکھا دی تھی اور اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حدیث مشہور کا اطلاق ایک تو اس پر ہوتا ہے۔ جو ہم لکھ چکے ہیں۔ اور جو حدیث زبانوں پر چڑھی ہوئی ہو اس کو بھی مشہور کہتے ہیں اور یہ تعریف ان حدیثوں کو بھی شامل ہے۔ جس کے لیے ایک سند پائی جاتی ہو اور جس کی کوئی سند نہ ہو"

چنانچہ حاشیہ میں اس کی مثال جس کی کوئی سند نہیں پائی جاتی (لولاک لما خلقت الافلاک لکھی ہے۔ جسے مختار مدعیہ بھی آنحضرت صلعم کی خصوصیات میں سے تسلیم کرتا ہے اور اس کی سند نہ ہونے کی وجہ سے صنعانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو فوائد المجموعہ للشوکانی ص۱۱۶)

اور اس طرح حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل جسے امام ربانی مجدد الف ثانی نے مکتوبات جلد ۱ ص ۲۶۷ میں بحوالہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ اور ان کے مقتداؤں کو بھی علم ہے۔ اس کی بھی کوئی سند نہیں پائی جاتی چنانچہ فوائد المجموعہ للشوکانی ص۱۰۱ اور موضوعات کبیر ص۵ اور المصنوع فی احادیث الموضوع ص۱۷ میں ابن حجر اور زرکشی اور دمیری اور عسقلانی کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور اس طرح حدیث اختلاف امتی رحمۃ کے متعلق موضوعات کبیر ص۲ میں لکھا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے حالانکہ دیوبندیوں کے مسلمہ بزرگ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے البراہین القاطعہ ص۲۳ میں جو مولوی رشید احمد صاحب کی مصدقہ ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب نے لطائف قاسمیہ مطبوعہ مجتبائی ص۲ میں اس حدیث کو صحیح قرار دے کر پیش کیا ہے۔"

اس طرح البراہین القاطعہ ص۵۱ میں اس حدیث کو جس کا ترجمہ یہ ہے "دو کر مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں" صحیح قرار دے کر پیش کیا ہے۔ حالانکہ اس کے متعلق بھی لکھا ہے۔ لا اعلم خلف جداری ہذا قال ابن حجر لا اصل لہٗ (فوائد المجموعہ ص۱۱۶) کہ ابن حجر نے کہا یہ حدیث بے اصل ہے۔

پس مذکورہ بالا احادیث جن کی کوئی سند نہیں پائی جاتی ائمہ اور اکابر امت میں صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔ اور زبان زد خلائق ہیں۔ اور مشہور کی قسم میں داخل ہیں اور بلا سند معتبر ہیں ہاں عبداللہ بن مبارک کے قول کے مطابق اسناد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی حدیث اس حد تک قبولیت کا درجہ پا چکی ہو کہ اس کے لیے سند کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی ہو اور وہ بلا سند مشہور ہو گئی ہو۔ تو وہ حدیث بھی اس حدیث کی طرح جس کی سند بیان کی گئی ہے۔ معتبر سمجھی جائے گی۔ جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہے کہ باوجود ان کی سندوں کے نہ ہونے کے اکابر ائمہ اور جید علماء انہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں۔"

ورسلہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے تمام پیرو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور حضرت اقدس کی کتابوں میں متعدد جگہ ایمان بالرسل کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ آپ حقیقۃ الوحی صلا میں فرماتے ہیں "اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا اور آدم کو پیدا کیا۔ اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں۔ اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے"

اور فرماتے ہیں "

خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ اٰمنت باللّٰہ و ملٰئکتہٖ و کتبہٖ و رسلہٖ والبعث بعد الموت و اشھد ان لآ الٰـہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و اشھد ان محمدا عبدہٗ و رسولہ۔ ازالہ اوہام صت۔

اور اسی طرح آپ نے مضمون ملحقہ چشمہ معرفت آیت اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہٖ جس میں تمام انبیائیات کا ذکر ہے کو تحریر کیا ہے اور اپنی متعدد کتب میں ایمان بالرسل کا اظہار کیا ہے جیسا کہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں سے واضح ہے۔ اس کے بعد مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر انبیاء اور امت محمدیہ وغیرہ کی توہین کے الزامات لگائے ہیں۔ جن کا جواب عنوان توہین کے ذیل میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سردست میں اس اعتراض کو لیتا ہوں۔ جو مختار مدعیہ نے ۹ اکتوبر کی بحث میں پیش کیا ہے۔ اور ۱۰ اکتوبر کی بحث میں بھی کہ مرزا صاحب نے کرشن ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور گواہ مدعا علیہ نے جواب جرح میں کہا ہے کہ کرشن کو نبی ماننا خلاف قرآن نہیں الغرض مختار مدعیہ کے اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ ایک غیر نبی بلکہ ایک کافر کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنا کفر ہے اور پھر اس کے مثیل ہونے کا دعویٰ کفر در کفر ہے۔

جواب:-

اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ تو کسی کافر یا مومن غیر نبی کو زمرہ انبیاء میں داخل فرمایا ہے۔ اور نہ کسی کافر کے مثیل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

پہلے میں اس امر پر نظر کرتا ہوں کہ آیا سری کرشن جی کافر تھے۔ یا مومن اور نبی۔ اور اس کے لیے قرآن شریف کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نبی ہونا خلاف قرآن نہیں۔ بلکہ بالکل مطابق قرآن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر) (پ۲۲ ع ۱۵) یعنی دنیا میں کوئی

امت ایسی نہیں ہے۔ جس میں خدا تعالےٰ نے کوئی ڈرانے والا نہ بھیجا ہو۔ اور فرمایا ہے منھم من قصصنا علیك و منھم من لم نقصص علیك (پ۲۴-ع۲) یعنی (اے بنی کریم) ہم نے بعض رسول کا ذکر تم سے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔ ان آیتوں میں سے ایک آیت میں تو یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ قرآن شریف میں کل نبیوں کا ذکر نہیں۔ صرف بعض کا ہے اور بعض نبی ایسے بھی ہیں۔ جن کا قرآن شریف میں کچھ ذکر نہیں آیا۔ اور ایک آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ دنیا کی ہر قوم میں خدا کی طرف سے ڈرانے والے یعنی نبی آئے ہیں۔ اور جب ہر قوم میں نبیوں کا آنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ تو اس میں کیا شک ہے۔ کہ ہندو بھی ایک بہت بڑی قوم ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ بڑی قوم میں کوئی نبی نہ بھیجا گیا ہو۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ نذیر کے لفظ سے نبی مراد ہونا ضروری نہیں، عالم وغیرہ بھی مراد ہو سکتے ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ جس آیت میں یہ لفظ نذیر آیا ہے۔ اس سے پہلے اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مخاطب فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ان انت الا نذیر انا ارسلناك بالحق بشیرا و نذیرا و ان من امة الا خلا فیھا نذیر یعنی تو ایک نذیر ہے اور ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشیر و نذیر کر کے بھیجا ہے۔ اور کوئی امت نہیں ہے۔ مگر ہماری طرف سے اس میں ایک نذیر گزرا ہے۔"

سیاق کلام بتا رہا ہے کہ اس آیت میں نذیر سے مراد نبی ہی ہے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ولقد بعثنا فی کل امة رسولا (پ۱۴) یعنی ہم نے ہر امت میں اپنا رسول ضرور بھیجا ہے۔ اور اس سے لفظ نذیر کی اچھی طرح تشریح ہو گئی۔ اور ظاہر ہو گیا کہ ہر امت میں خدا کا نبی و رسول ضرور آیا ہے۔ پھر قرآن مجید اور صحف انبیاء سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جھوٹے نبی کا ذکر دنیا میں زیادہ مدت تک قائم نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ جلد منقطع کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کا کوئی نام پورا نہیں رہتا۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

نظام عالم میں جہاں اور قوانین ہیں یہ بھی ہے۔ کہ کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ خدا نے کسی جھوٹے نبی کو سرسبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی امت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتا سکے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی جلد ۱ صد ۱۶)

پس ہندوستان کا ایک بڑا ملک اور ہندو قوم کا ایک بڑی قوم ہونا اور سری کرشن جس کا ہزاروں سالوں سے اس ملک اور قوم میں اعلیٰ درجہ کا برگزیدہ اور خدا رسیدہ سمجھا جانا اور غیر معمولی عزت و عظمت سے دیکھا جانا بتا رہا ہے۔ کہ درحقیقت وہ خدا کے نبی تھے۔ ورنہ ایک جھوٹے کے لیے خدا کی غیرت اتنی دیر پا عزت کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔ حق پسند طبائع کے لیے تو یہ بیان نہایت تسلی بخش بیان ہے۔ کہ جب قرآن شریف سے

سری کرشن جی کا نبی ہونا پایا جاتا ہے۔ تو ان کے مثیل ہونے کا دعویٰ ایک نبی کے مثیل ہونے کا دعویٰ ہوا پھر اس کا کفر سے تعلق لیکن جو لوگ باوجود اس کے مقبول اور قابل قبول ہونے کے اس کو قبول نہ کریں اُن پر بڑے بڑے علماء و فضلاء بلکہ اولیاء و ائمہ تک کو کافر و مرتد ماننا پڑے گا۔ کیونکہ انہوں نے حضرت کرشن جی کو نبی مانا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ بعض حضرات نے انہیں آیتوں سے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور طرہ یہ کہ مختاران مدعیہ کے مقتداؤں اور پیشواؤں نے اس معاملہ میں دوسروں سے بڑھ کر حصہ لیا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں۔

اول تو قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر جس کے یہ معنے ہیں کہ کوئی امت یعنی گروہ عظیم انسان نہیں ہے۔ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔ پھر کیوں کر کہہ دیجئے کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک عریض و طویل ولایت ہے۔ کوئی ہادی نہ پہنچا ہو۔ کیا تعجب ہے کہ ہندو صاحبان جن کو اوتار کہتے ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے نبی یا ولی یا نائب نبی ہوں۔ دوسرے قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے۔ منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص علیک جس کا حاصل یہ ہوا کہ بعض انبیاء کا قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کر دیا ہے۔ اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ سو کیا عجیب ہے کہ انبیاء ہندوستان بھی انہیں میں سے ہوں۔ جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا۔" (مباحثہ شاہجہانپور مابین مولوی محمد قاسم و پنڈت دیانند و منشی اندرمن و پادری اسکاٹ و نولس صاحبان منعقدہ ۱۲۹۵ھ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۲ھ ص ۳۲)

(۲) اسی طرح مولوی محمد علی صاحب کانپوری ثم مونگیری اپنی کتاب ارشاد رحمانی و فضل یزدانی مطبوعہ مطبع منبع فیض شاہجہانی میں اپنے پیر حضرت قدوۃ الکملا واسوۃ الفضلا ہادی مراحل شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت و معرفت محیط جلال کرام و مرجع خواص و عوام قطب دوران غوث زمان مولانا فضل الرحمان صاحب کا ارشاد لکھتے ہیں۔

ایک روز بعد عصر بخاری شریف کے سبق میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر آیا۔ صاحب زادہ صاحب احمد میاں نے فرمایا۔ کہ کنہیا کی سولہ ہزار گوپیاں تھیں۔ ارشاد ہوا کہ حضرت کے بیشتر یہ لوگ مسلمان تھے، فقیر کہتا ہے کہ بعض اور حضرات نقشبندیہ نے بھی ایسا ہی کچھ کہا ہے۔ چنانچہ قیوم دوران حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ اس شخص کی خواب کی تعبیر میں فرماتے ہیں۔ جس نے دیکھا تھا کہ ایک جنگل آگ سے بھرا ہوا ہے اور کنہیا اس کے بیچ میں ہے۔ اور رامچندر اس کے کنارہ پر۔ ایک شخص نے اس کی تعبیر میں بیان کیا۔ کہ یہ لوگ کافروں کے سردار ہیں۔ اس لیے جہنم کی آگ میں جلتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ اس کی تعبیر دوسری ہے۔ جتنے لوگ گزر گئے ہیں۔ ان میں سے کسی خاص شخص پر کفر کا حکم کرنا بغیر ثبوت شرعی جائز

نہیں ہے۔ اور ان دونوں کا حال نہ قرآن مجید میں ہے۔ نہ حدیث میں اور قرآن مجید میں آچکا ہے۔ کہ ہر قریہ میں ہدایت کرنے والا گذرا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہندو میں کوئی ہادی گذرا ہوگا۔ اس تقدیر ہو سکتا ہے۔ کہ لوگ اپنے عہد میں ولی ہوں یا نبی اور رامچندر نسبت سلوکی تعلیم کرتا ہے۔ اور کرشن نسبت جذبی چونکہ کنھیا میں ذوق شوق کا غلبہ تھا۔ اس لیے وہ عشق و محبت کی آگ میں جلتا ہوا نظر آیا اور رامچندر پر سلوک غالب تھا۔ جذب کو طے کر چکا تھا۔ اس وجہ سے وہ اس آگ کے کنارے نظر آیا۔ حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہ نے اس تعبیر کو پسند کیا۔ اور خوش ہوئے" ارشاد رحمانی فضل یزدانی ص۴۷-۴۸)

ان عبارتوں میں جن صاحبوں نے سری کرشن جی اور سری رامچندر جی کے مومن اور ولی ہونے اور نبی ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ یہ سب مختار ان مدعیہ کے مسلم بزرگ ہیں۔ اور مولانا محمد قاسم صاحب نے تو کرشن جی اور رامچندر جی کی نبوت پر انہی آیتوں سے روشنی ڈالی ہے۔ جو میں نے ابتدائے بیان میں اس غرض سے پیش کی ہیں"

اب کیا مختار مدعیہ مولوی محمد قاسم صاحب اور دیوبندیوں کے دوسرے مسلم بزرگ اور مختار مدعیہ ۱؎ کے قبلہ و کعبہ مولوی محمد علی صاحب کانپوری ثم مونگیری سابق ناظم ندوۃ العلماء اور شہرۂ آفاق بزرگ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادی اور قیوم دوران حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید علیہ الرحمۃ اور حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہ، غیر انبیاء کا زمرہ انبیاء میں داخل کرنے والا قرار دے کر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے گا۔

یہ بیان نامکمل رہ جائے گا۔ اگر میں اس موقع پر ان سب حضرات کے مقتدا و پیشوا امام ربانی حضرت الشیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ارشاد فیض رشاد بھی نہ سنا دوں۔ آنجناب فرماتے ہیں:۔

و در امم سابقہ کہ ملاحظہ مے کند کم بقعہ مے یابد کہ در آنجا بعثت پیغمبر نہ شدہ باشد حتی کہ در زمین ہند کہ در رازیں معاملہ مینماید نیز مے یابد کہ از اہل ہند پیغمبران مبعوث شدہ اند دعوت بہ صانع جل شانہ فرمودہ اند در بعض بلاد ہند محسوس میگردد کہ انوار انبیاء در ظلمات شرک در رنگ مشعلہا فروختہ اند۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اینجا کو تہ اندیشے سوال نہ کند کہ اگر در زمین ہند انبیاء مبعوث مے شدند ہر آئینہ خبر بعثت ایشان نیز بما میرسید بلکہ آں خبر از جہت توفر دواعی بتواتر منقول میگشت۔ ولیس فلیس۔ زیرا کہ گوئیم کہ دعوت ایں پیغمبران مبعوث عام نبود بلکہ دعوت بعضے مخصوص بیک قوم بودہ بعضے دعوت بیک قریہ و یا بیک بلدہ بود و تو اند بود کہ حضرت حق سبحانہ در قومی یا در قریہ شخص را بایں دولت مشرف ساختہ باشد و آں شخص آں قوم یا اہل آں قریہ را دعوت معرفت صانع جل شانہ کردہ باشد و منع از عبادت غیر او تعالیٰ نمودہ۔ ۔ الفاظ رسالت و نبوت و پیغمبری از لغات عرب و فارس آمدہ بواسطہ

اتحاد دعوت پیغمبر ما علیه وعلی آله وعلی جمیع الانبیاء الصلوت والتسلیمات واین الفاظ در لغت ہند نبودہ تا انبیاء مبعوثہ ہند
را نبی یا رسول یا پیغمبر گویند دباین اسامی ایشان را یاد کنند . . . . . اگر انبیاء در ہند مبعوث نہ شدہ باشند وہم زبان
ایشان بایشان دعوت نکردہ باشند مر آئینہ حکم اینہا حکم شاہق جبل بود باوجود تمرد و دعوی الوہیت بدوزخ نہ درآیند و
عذاب مخلدایشان نشود ہذا مما لایقتضیه العقل السلیم ولا یساعدہ الکشف الصحیح فانا نشاہد بعض مردہم فی وسط الجحیم
مکتوبات جلد اول صفحہ ۲۸۴ ر ۲۸۵ مکتوب صفحہ ۲۵۹)

اس عبارت کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ ہندوستان میں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں ۔ اور ہندوستان کے بعض
شہروں کے اندر شرک کی تاریکیوں میں انبیاء کے انوار مشعل کی طرح روشن معلوم ہوتے ہیں ۔ اور اس جگہ کوئی کو نہ
اندیشہ یہ سوال نہ کرے کہ اگر ہند میں انبیاء مبعوث ہوئے ہوتے تو ہم کو بھی اس کی خبر ہوتی ۔ کیونکہ خبر نہ ہونے کی وجہ
یہ ہے کہ ہند میں جو انبیاء مبعوث ہوئے ہیں ۔ ان کی دعوت عام نہیں تھی ۔ بعض ایک مخصوص قوم کے لیے تھے ۔ اور
بعض ایک گاؤں کے لیے اور بعض ایک شہر کے لیے اور وہ نبی اور رسول اور پیغمبر کے نام سے مشہور نہیں ہوئے
کیونکہ یہ الفاظ عربی و فارسی کے تھے ۔ ہندوستان کی زبان کے نہیں تھے ۔ اور اگر یہ پایا جائے کہ ہندوستان
میں انبیاء مبعوث نہیں ہوئے اور اہل ہند کو ان کی زبان میں دعوت نہیں دی گئی تو پھر یہاں کے لوگ بھی انہیں
لوگوں کے حکم میں ہوں گے ۔ جو بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے ہوں ۔ اور جنہیں کبھی رسول کی دعوت نہ
پہنچی ہو ۔ تو اس صورت میں یہاں جو سرکش اور مدعی الوہیت وغیرہ گذرے ہیں ۔ چاہیئے کہ انہیں جہنم کا عذاب نہ
ہو ۔ اور یہ وہ بات ہے جس کو قبول کرنے کے لیے عقل سلیم تیار نہیں ہے ۔ اور کشف صحیح بھی اس کو رد کرتا ہے
اور اس کی تائید نہیں کرتا ہے ۔ کیونکہ ہم کشفاً ان کے بعض سرکشوں کو دوزخ میں پڑا ہوا مشاہدہ کرتے ہیں ۔

اس عبارت میں بڑی صراحت و وضاحت اور بڑے شد و مد سے ہندوستان میں نبیوں اور رسولوں کا آنا
بیان کیا گیا ہے ۔ اور ان لوگوں کو جو اس میں کلام کریں مثلاً یہ کہیں کہ ہم کو ان کی آمد کیوں معلوم نہ ہوئی کم سمجھ
اور کم فہم قرار دے کر یہاں کے انبیاء کی آمد معلوم نہ ہوسکنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ یہاں کے انبیاء رسول اور
نبی اور پیغمبروں کے نام سے مشہور نہیں ہوئے ۔ کیونکہ یہ الفاظ ان کی زبان کے نہیں ہیں ۔ اور چونکہ وہ ان
ناموں کی بجائے اور ناموں سے مشہور ہوئے اس لیے ان کا نبی و رسول ہونا عام طور پر معلوم نہ ہوسکا ۔ اور
پھر بتایا ہے ۔ کہ ہندوستان میں نبیوں کا نہ آنا ایسی بات ہے جس کو عقل سلیم کسی طرح قبول نہیں کرسکتی ۔ کیونکہ
جہاں نبی نہ آیا ہو وہاں کے نافرمان باشندے دوزخ میں نہیں ڈالے جاسکتے ۔ حالانکہ یہاں کے نافرمان و سرکش
باشندوں کا دوزخ میں پڑا ہوا ہونا کشف صحیح کے ذریعہ ہمارے مشاہدے میں آرہا ہے ۔

اب کیا گذشتہ اصحاب کے ساتھ ختم نبوت کا عقیدہ رکھنے والوں کی طرح حضرت مجدد الف ثانی پر بھی یہی فتویٰ لگائے گا کہ وہ

غیر انبیاء کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) کافر و مرتد ہیں ۔

کلام انتہاء کو پہنچ گیا اور حقیقت اپنی پوری نورانیت کے ساتھ مثل مہر نیم روز تاباں اور درخشاں ہو چکی ہے۔ لیکن سرزمین بہاولپور تشنہ سی رہ جائے گی۔ اگر انہیں سب سے آخر میں اس سرزمین سے تعلق خاص رکھنے والے بزرگ فرد یگانہ وحید حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات میں سے بھی کچھ پیش نہ کر دوں گا۔

اشارات فریدی جلد ۲ صفحہ ۷۹ ، ۸۰ میں لکھا ہے۔

" بعد ازاں یکے از حضار عرض کرد کہ سری کرشن جی و رام چند صاحب فقیر و درویش بودہ اند یا نہ۔ حضور خواجہ القاہ اللہ تعالیٰ ببقائہ فرمودند کہ ہمہ اوتاراں و رشیان پیغمبران و نبیان وقت خود بودہ اند۔ و ہر یک از ایشان حسب شریعت خود کتابے دارد۔ چنانچہ چہار وید بلغت سنسکرت الآن نیز موجود است و ہر یک از انہا برائے شکستن عبادات و رسوم بد کہ در آں قوم شائع بودند مبعوث شدہ است۔ چنانکہ چوں در ہندواں قدر و منزلت برہمناں زیادہ از حد افزود و در رابطہ و واسطہ میان حق و خلق بجز برہمن دیگری را نمے پنداشتند پس جہت قلع ایں عقیدہ بدھ جی صاحب مبعوث گردید و فرمان داد کہ ہر کہ برہمن را قتل کند او رستگار و ناجی است و چوں تعظیم گاؤ گوسالہ پرستی در قوم واقع شد۔ پس سری کرشن جی صاحب مبعوث شد و رسم گاؤ پرستی را شکست و محو کرد تا کہ برحرم گاؤ نان میخوردند گاؤ واں را میکشت علاوہ از جگ و ہوم کردن و در کتب ایشان اگرچہ در عادات و فروع عبادات احکام مخالف یکدیگر اند امادر اصل مطلب کہ رجوع الی اللہ تعالیٰ و توحید خدا عزوجل است ہمہ باہم متحد و متفق ہستند۔ بعد ازاں فرمودند کہ نبوۃ زردشت صاحب ہم یک گونہ بحدیث شریف ثابت میگردد ....۔ چوں ذکر مجوس کہ امت زردشت است در مقابلہ اہل کتاب واقع شدہ ازاں صریح و واضح معلوم میشود کہ زردشت صاحب ہم نبی و پیغمبر وقت خود بودہ است "

حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کی اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں مختلف بدعات و رسوم قبیحہ کے مٹانے اور مخلوق کو خدا تعالیٰ کی اطاعت و عبادات کی طرف بلانے کے واسطے ہندوستان میں سری کرشن جی اور راجہ رام چندر جی اور بدھ جی وغیرہ کو نبی و رسول بنا کر بھیجا۔ اور اس طرح فارسیوں کی ہدایت کے لیے زردشت کو مبعوث فرمایا۔ سائل نے تو سری رام چندر جی اور سری کرشن جی کے فقیر اور درویش ہونے کے متعلق سوال کیا تھا ہو سکتا تھا کہ جواب اثبات میں دے دینے پر اکتفا کیا جاتا۔ مگر حضرت خواجہ صاحب نے گوارا نہ فرمایا کہ حقیقۃ الامر کا جیسا کہ چاہیے اظہار نہ کر دیا جائے۔ پس آپ نے وضاحت کے ساتھ ان کا نبی و رسول ہونا ظاہر فرمایا۔ اور نہ صرف ان کا بلکہ بدھ جی کا بھی اور زردشت کا نبی و رسول ہونا بھی۔ اب مختار مدعیہ کے نزدیک تو حضرت خواجہ صاحب بھی غیر نبی بلکہ غیر انبیاء کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) کافر و مرتد ٹھہرتے ہیں۔ اور تمام سابق الذکر حضرات

سے زیادہ اور بدرجہا' زیادہ۔ کیوں کہ ان میں سے بعض نے تو صرف کرشن جی اور بعض نے نام نہیں لیئے ہندوستان میں نبیوں کا آنا بتا دیا۔ مگر حضرت خواجہ صاحب نے تو اس پر بس نہ کر کے تمام اوتاروں اور تمام رشیوں کو اپنے اپنے وقت کا نبی بتایا۔ اور وید کو آسمانی کتاب پھر کلام کو چہار دیواری ہند سے نکال کر ایران تک پہنچایا اور زردشت کا بھی نبی ہونا ظاہر فرمایا۔

اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو یہ مان لیا جائے۔ کہ مختار مدعیہ کا حضرت اقدس مرزا صاحب پر یہ الزام لگانا کہ آپ ایک غیر نبی یعنی کرشن جی کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) کافر ہیں، قطعاً لغو و باطل ہے۔ اور کسی لحاظ سے بھی قابل التفات نہیں۔ اور یا یہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ بکثرت علماء و فضلاء اور اولیاء جو حضرت رام چندر جی اور حضرت کرشن جی کو خدا کا نبی و رسول اور ہنود کے تمام اوتاروں اور رشیوں کو اپنے اپنے وقت کا نبی و رسول مانتے ہیں۔ اور جن میں سے صرف بعض کے نام ہیں نے درج کر دیئے ہیں۔ یہ سب کے سب (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور میں ایک آن کے واسطے بھی یہ فرض نہیں کر سکتا کہ کوئی مسلمان ان علماء اور اولیاء کو جن کے نام میں نے لکھے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے ہندوستان کے تمام اوتاروں اور رشیوں کو علی العموم اور بالخصوص حضرت رام چندر جی اور حضرت کرشن جی کو خدا کا نبی و رسول مانا ہے۔ کافر مان لے گا۔ اور مختار مدعیہ کو اپنے بزرگوں کے کافر قرار دینے کے بعد بھی مسلمان ہی سمجھے گا۔

اس موقع سے بغیر اس امر پر غور کیے ہوئے گذر جانا مناسب نہ ہو گا۔ کہ اگرچہ حضرت رامچندر جی اور کرشن جی کو نبی و رسول تو اور بزرگوں نے بھی مانا اور بتایا ہے۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب نے جس حقیقی جوش و خروش اور جیسے شد و مد سے ان کے نبی و رسول ہونے کی شہادت دی ہے۔ کہ کسی اور بزرگ میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ آنجناب نے یہ کام ایک خاص ارادہ الٰہی کے ماتحت ہی کیا ہے۔ چونکہ خدا کے علم میں تھا۔ کہ ریاست بہاولپور میں عدالت کے روبرو بحث پیش آئے گی کہ سری رامچندر جی اور سری کرشن جی کو نبی کہنے والا ایک غیر نبی کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے اور پھر اپنے آپ کو اس کی مثل قرار دینے کی وجہ سے کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لیے اس نے بلحاظ روحانیت اس سرزمین کے سب سے بڑے انسان سے یہ شہادت قلم بند کرا دی کہ رامچندر اور سری کرشن جی نبی ہیں۔ تا وقت پر یہ شہادت پیش ہو کر اس سرزمین کے ہر چھوٹے بڑے پر حجت تمام ہونے کا موجب بنے۔ اور اکابر کی شہادتوں کا یہاں والوں پر اتنا اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ جتنا کہ یہاں کے ایک فرد وحید حضرت خواجہ غلام فرید صاحب قدس سرہ جیسے مسلم مقدس بزرگ کا خواجہ صاحب سے اللہ تعالےٰ نے یہ شہادت اس لیے دلوائی ہے۔ تا اس کے مامور پر جو الزام ریاست بہاولپور میں عائد کیا جائے گا۔ اس کا لغو و باطل ہونا اس کی زمین کے ایک مسلم مقدس کے ذریعہ ظاہر فرما دے۔ لیکن

آج جبکہ یہ ارادہ الٰہی وقوع میں آچکا ہے۔ ہر شخص کے سامنے ہے۔ مبارک وہ جو اس پر غور کریں۔

بیان مندرجہ بالا سے سری کرشن جی کی نبوت معقول و منقول دونو طریقوں پر اس طرح ثابت ہوتی ہے۔ کہ گنجائش کلام باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر یہ وسوسہ پیش کیا جائے۔ کہ جب سری رام چندر جی اور سری کرشن جی کی قوم یعنی ہندو ان کی طرف چوری زنا اور دعوی الوہیت وغیرہ امور جو شان نبوت کے بالکل منافی ہیں۔ منسوب کر رہے ہیں۔ تو پھر ان کو نبی ماننا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اور ایسی حالت میں ان کے مثیل ہونے کا دعوی جو ایک نہایت خراب حال مدعی الوہیت کے مثیل ہونے کا دعوی ہوا کیونکر جائز ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہے۔ کہ ان کو نبی ماننا اسی طرح درست ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت لوطؑ و حضرت یوسفؑ و حضرت داودؑ و حضرت سلیمانؑ اور حضرت مسیحؑ کو نبی ماننا درست ہے۔ حالانکہ ان سب نبیوں کی قوموں نے ان کی طرف ویسی ہی لغویات منسوب کی ہیں۔ جیسی کہ ہندو نے سری رامچندر جی اور سری کرشن جی کی طرف منسوب کی ہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر اور جس طرح ان انبیاء علیہم السلام کی قوموں کا ان کی طرف لغویات منسوب کرنا غلط تھا۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام ان لغویات سے مبرا و منزہ تھے۔ اسی طرح سری رامچندر جی اور سری کرشن جی ان لغویات سے جو ان کی قوم نے ان کی طرف منسوب کیں بری ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا۔ تو کرشن جی کے مثیل ہونے کا دعوی قابل اعتراض نہ رہا۔ میں اس کو ایک مثال کے ذریعہ سے اور زیادہ واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ تمام دیوبندی حضرات کے مسلم مقتدا اور ان کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے پیر مولوی رشید احمد صاحب کو اس زمانے کا مسیحا اور ماہ کنعان یعنی اس زمانے کا یوسف لکھا ہے۔ جیسا کہ وہ مرثیہ میں فرماتے ہیں ؎

مسیحائے زماں پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو
چھپا چاہ لحد میں وائے قسمت ماہ کنعانی

کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فوت ہو کر زیر زمین دفن ہو گئے۔ مجھے اس موقع پر یہ کہنا نہیں کہ آسمان پر چلے جانے سے زیر زمین دفن ہونا بھی مراد ہوا کرتا ہے۔ اور مسیح علیہ السلام بھی مولوی رشید احمد صاحب کی طرح زیر زمین دفن ہو کر آسمان پر جا بیٹھے ہیں۔ بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ مسیحا کی قوم یعنی عیسائی تو مسیحا کی طرف شراب خوری اور دعوی ابنیت والوہیت وغیرہ بہت سے خراب امور منسوب کر رہے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے مولوی محمود حسن صاحب نے، مولوی رشید احمد صاحب کو مسیحائے زماں لکھا تو کیوں لکھا۔ اس غرض سے کہ بائیں عیسائی مسیحا [illegible] مانتے تھے۔ ہرگز نہیں بلکہ مولوی محمود حسن صاحب ان [illegible] باتوں کو جو عیسائی مسیحا کی طرف منسوب کرتے ہیں، غلط سمجھتے تھے۔ اور دعوی ابنیت والوہیت وغیرہ تمام خراب امور سے پاک جانتے تھے۔ اور ان کے نبی و رسول ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ اور مسیحا کی انہیں صفات کے لحاظ سے جو وہ خود مانتے تھے۔ انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب کو مسیحا کہا تھا۔ یہی اور بالکل یہی بات یہاں بھی ہے۔ کہ ہندو جو باتیں حضرت کرشن جی کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام انہیں صحیح نہیں جانتے

اور دعویٰ الوہیت، وغیرہ امور جو ان کی طرف منسوب کیے جا رہے ہیں، اور جو شان نبوت کے خلاف ہیں حضرت، اقدس انکی جناب سے سری کرشن جی کی ذات کو بری جانتے ہیں۔ اور انہیں خدا کا نبی اور رسول یقین کرتے ہیں۔ اور آپ کا مثیل کرشن ہونے کا دعویٰ کرشن جی کی ان صفات کو ملحوظ رکھ کر ہے جنہیں آپ صحیح جانتے اور مانتے تھے، نہ ان خراب امور کے لحاظ سے جو ہندو ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔"

اگرچہ اس مثال سے یہ بات بالکل صاف ہو گئی ہے کہ کرشن جی کی طرف ان کی قوم یعنی ہندوؤں کا خلاف شان نبوت کچھ امور منسوب کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت مسیح وغیرہ انبیاء کی قوموں کا ان کی طرف خلاف شان نبوت بہت سے امور سے منسوب کر دینا۔ لیکن زیادہ اطمینان کے لیے میں اپنے اس بیان پر تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا و پیشوا مولانا محمد قاسم صاحب کی شہادت بھی پیش کیے دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔

" رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے۔ ادھر افعال ناشائستہ مثل زنا چوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے۔ حالانکہ اوتاروں کے معتقد یعنی ہندو ان دونوں باتوں کے معتقد ہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ یہ دونوں باتیں بے شک ان سے سرزد ہوتی ہیں۔ سو اس شبہ کا یہ جواب ہو سکتا ہے۔ کہ جیسے حضرت عیسیٰ کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہے۔ اور دلائل عقل و نقل اس کے مخالف ہیں۔ ایسے ہی کیا عجب ہے۔ سری کرشن اور سری رامچندر کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کر دیا ہو . . . . . علیٰ ہذا القیاس جیسے حضرت لوط اور حضرت داؤد علیہما السلام کی نسبت باوجود اعتقاد نبوت، یہود و نصاریٰ تہمت شراب خوری اور زنا کاری لگاتے ہیں۔ اور ہم انکو ان عیوب سے بری سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی کیا عجیب ہے۔ کہ سری کرشن اور سری رامچندر بھی عیوب مذکورہ سے مبرا ہوں۔ اوروں نے ان کے ذمے یہ تہمت زنا و سرقہ لگا دی ہو۔"

(مباحثہ شاہجہان پور ص ۳۱، ۳۲)

قیامت کے متعلق

علم قیامت صرف خدا کو ہے۔

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ آپ نے قیامت کے متعلق جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے لیکچر سیالکوٹ کے صفحہ ۸ پر فرمایا ہے: -
" یہ صحیح نہیں ہے۔ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں خدا تعالے نے فرمایا ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں "۔

جواب: -
اگر مختار مدعیہ کا مقصد مغالطہ اندازی نہ ہوتا۔ تو وہ یہ اعتراض کبھی نہ کرتا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس امر کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اتنا صاف ہے کہ علم قرآن و علم حدیث سے نہایت قلیل مس رکھنے والا شخص اس کی صحت کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا۔
چنانچہ مختار مدعیہ نے جو فقرہ نقل کیا ہے۔ اس کے آگے ہی حضرت اقدس فرماتے ہیں۔
" پھر آدم سے اخیر تک سات ہزار سال کیونکر مقرر کر دیئے جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی خدا تعالیٰ کی کتابوں میں صحیح طور پر فکر نہیں کیا "۔
اور قرآن شریف سے بھی صاف طور پر یہی نکلتا ہے کہ آدم سے اخیر تک عمر بنی آدم سات ہزار سال ہے۔ اور ایسا ہی پہلی تمام کتابیں باتفاق یہی کہتی ہیں۔ اور آیت ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون سے یہی نکلتا ہے اور تمام نبی واضح طور پر یہی خبر دیتے آئے ہیں اور جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں سورۃ والعصر کے اعداد سے بھی یہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم سے الف پنجم میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور اس حساب سے یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ہزار ہفتم ہے ۔ ۔ ۔
اور یہ جو کہا گیا ہے کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آثار قیامت جو قرآن شریف اور حدیث صحیح میں لکھے گئے ہیں وہ بھی قابل قبول نہیں ہونگے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے بھی قرب قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں

زمین پر بکثرت نہریں جاری ہوں گی۔ کتابیں بہت شائع ہوں گی جن میں اخبار بھی شامل ہیں۔ اور اونٹ بیکار ہو جائیں گے سو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانہ میں پوری ہو گئیں۔ اور اونٹوں کی جگہ ریل کے ذریعہ سے تجارت شروع ہو گئی۔ سو ہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے۔ اور خود مدت ہوئی کہ خدا تعالےٰ نے آیت اقتربت الساعۃ اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی ہمیں خبر دے رکھی ہے۔ سو شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک پہلو سے پوشیدہ ہے۔ بلکہ تمام نبی آخر زمانہ کی علامتیں لکھتے آئے ہیں۔ اور انجیل میں بھی لکھی ہیں پس مطلب یہ ہے کہ اس خاص گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔" (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۸،۶)

اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قول کا مطلب جس پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔ یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ قیامت کا کسی وجہ سے بھی کسی کو علم نہیں بلکہ علامات و آثار قیامت کے ذریعہ سے ایک قسم کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اس علم کے متعلق اس حدیث میں بھی جسے گواہ مدعیہ ۳ بجواب جرح ۲۴ اگست کو صحیح تسلیم کر چکا ہے۔ لکھا ہے۔ جبرئیل نے قیامت کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا اس کے متعلق مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے تب جبریلؑ نے علامات ساعت یعنی قیامت کی نشانیوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب میں علامات قیامت بیان فرمائیں۔ اور خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح کا نزول علامات قیامت میں سے ہے۔ جیسا کہ گواہ ۳ ۲۹ اگست کو بجواب جرح تسلیم کر چکا ہے۔

پس قیامت کے متعلق جس قسم کے علم ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے۔ وہ فریق ثانی کو بھی مسلم ہے۔ اور قرآن مجید و حدیث سے بھی ثابت ہے۔ ہاں اس گھڑی کا کسی کو علم نہیں جس پر قیامت قائم ہو گی۔"

عقیدہ

اوتار و تناسخ

ایک اعتراض مختار مدعیہ نے یہ بھی کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب عقیدہ اوتار اور تناسخ کے قائل ہیں۔ چنانچہ لیکچر سیالکوٹ میں لکھتے ہیں:۔ "اسی طرح میں ہندوؤں کے لیے بطور اوتار کے ہوں" اور کتاب البریہ ص۷۶ میں لکھا ہے "خدا میرے اندر اتر آیا" یعنی اوتار۔ اور تناسخ کا عقیدہ اسی سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے لکھا ہے کہ میں کرشن ہوں۔ چنانچہ اپنا الہام پیش کیا ہے "ہے رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے"۔

اور اسی طرح کہا ہے ؎

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اور تناسخ کی تعریف یہ ہے۔ کہ ایک روح دوسرے جسم میں چلی جائے۔ اوتار اور تناسخ کا عقیدہ بالاتفاق کفریہ عقیدہ ہے۔

جواب:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہ عقیدہ اوتار کے جو ہندوؤں میں رائج ہے قائل ہیں۔ اور نہ تناسخ کے اور مختار مدعیہ نے اپنا ادعاء باطل ثابت کرنے کے لیے جو عبارت لیکچر سیالکوٹ سے پیش کی ہے۔ اس کے آگے اوتار کی تشریح حضرت مسیح موعودؑ نے بھی لکھی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں پائی نہیں جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے روح القدس اترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا۔ جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پر تھا۔ اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنی اوتار

پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۴)

کیا مختار مدعیہ پر وہ حکایت لفظ بلفظ صادق نہیں آتی جو مولوی محمد قاسم صاحب نے لکھی ہے۔ کہ کسی بانو نے کہا تھا۔ کہ کلام اللہ میں خدا نے نماز سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے ہم نہیں پڑھتے کسی نے پوچھا۔ کہ صاحب ہمیں بتلاؤ۔ ہم نے تو آج تلک یہ بات نہیں سنی۔ اگر یہ حکم ہے۔ تو کلام اللہ کے قربان جایئے۔ بڑی آرام کی بات نکل آئی بانو نے کہا صاحب سورہ نساء میں ہے۔ **لاتقربوا الصلوۃ** یعنی نماز کے پاس نہ پھٹکو اس نے کہا صاحب اس کے بعد وانتم سکاریٰ بھی تو ہے۔ یعنی نشے کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ ساری آیت کے معنے پر عمل کرنا چاہیئے۔ بانو نے کہا بابا سارے کلام پر کس سے عمل ہوا ہے یہ بھی غنیمت ہے۔ جو اتنا بھی عمل ہو جائے

(ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۰۱)

سو شاید مختار مدعیہ نے بھی یہ طریقۂ عمل اختیار کیا ہے۔ ایک عبارت لے کر اعتراض کر دیتا ہے۔ اور اس کی تشریح اور توضیح کو جو اُسی جگہ درج ہوتی ہے۔ چھوڑ دیتا ہے "

سنیئے مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں

کیا عجب ہے کہ جس کو ہندو صاحب اوتار کہتے ہیں وہ اپنے زمانہ کے نبی یا ولی یعنی نائب ولی ہوں۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے "

اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

" سو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہو۔ کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچندر کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کر دیا ہو "

(مباحثہ شاہجہان پور صفحہ ۳۰)

اور نواب صدیق حسن خان صاحب شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں :-

" بالجملہ اوتار ہنود مظاہر حق گشتہ باشند خواہ از افراد بشر باشند یا از شیر و ماہی وغیرہ مثل عصائے موسیٰ و ناقہ حضرت صالح علیہما السلام، لیکن عوام ایں فرقہ بسبب قصور فہم در میان ظاہر و مظہر فرق نکردہ ہمہ را معبود ساختند و در ضلالات افتادند و ہمین است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازاں و مجاوران قبور و جلالیان و مداریان واللہ اعلم (حجج الکرامہ صفحہ ۹۵)

پس اوتار سے مراد خدا تعالیٰ لینا نہ قائل کی منشا کے ہی صریح خلاف ہے بلکہ علماء نے بھی اوتار کی جو حقیقت بیان کی ہے۔ اس کے بھی خلاف کرنا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب کہ اوتار کی تشریح اور تفسیر "نبی" کے لفظ سے کر دی تو اس کے بعد کسی نیک نیت انسان کا یہ کام نہیں ہے۔ کہ وہ اس سے مراد خدا لے کر آپ کی

طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کرے۔

اور جو حوالہ کتاب البریہ کا پیش کیا ہے۔ کہ "خدا تیرے اندر اُتر آیا" تو اس کا جواب بھی اسی جگہ موجود ہے کیونکہ اس سے پہلا الہامی فقرہ یہ ہے "میں نے ارادہ کیا کہ اپنا جانشین بناؤں تو میں نے آدم کو یعنی تجھے پیدا کیا۔ اور اس کے بعد کا فقرہ یہ ہے۔ خدا تجھے ترک نہیں کرے گا اور نہ چھوڑے گا جب تک کہ پاک اور پلید میں فرق نہ کرے۔ پھر اس کے اگلے الہاموں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں فرستادہ اور نذیر وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں۔ نیز ان الہامات اور کشوف کا ذکر کر کے آپ عیسائیوں پر حجت قائم کرتے ہیں کہ ایسے کلمات سے کوئی خدا نہیں ہو جاتا بلکہ وہ خدا تعالے کے تقرب اور محبت کے اظہار پر دلالت کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

"یسوع ابن مریم خدا نہیں ہے۔ یہ کلمات جو اس کے منہ سے نکلے اہل اللہ کے منہ سے نکلا کرتے ہیں۔ مگر ان سے کوئی خدا نہیں بن سکتا۔ اٹھو اور توبہ کرو کہ وقت آگیا ہے" "اس خدا کو پوجو جس پر توریت اور قرآن کا اتفاق ہے یسوع بن مریم ایک عاجز بندہ تھا۔ اس کو نبی سمجھو جس کو خدا نے بھیجا تھا۔ اگر اب بھی کوئی عیسائی نہ مانے تو یاد رکھے کہ خدا تعالے کی حجت اس پر پوری ہو چکی ہے" (کتاب البریہ صـ۸۲)

پس خدا کے اُتر آنے سے مراد قطعاً وہ نہیں ہے۔ جو مختار مدعیہ نے لی ہے۔ کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ کے برخلاف ہونے کے علاوہ سباق و سیاق کے بالکل متناقض ہے۔

اور خدا کے اُتر آنے کا محاورہ حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جس سے مراد نزول رحمت اور اللہ تعالیٰ کی توجہ لی گئی ہے۔ چنانچہ امام محمد طاہر فرماتے ہیں "ینزل کل لیلۃ الی سماء الدنیا النزول والصعود والحرکات من صفات الاجسام واللہ یتعالیٰ عن ذلک والمراد نزول الرحمۃ والالطاف الالٰھیۃ وقربھا من العباد وقت التھجد۔

کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالے ہر رات آسمان دنیا کی طرف اُترتا ہے۔ اور نزول اور صعود اور حرکات، اجسام کی صفات ہیں اور اللہ تعالے اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ان صفات سے متصف ہو اس لیے خدا تعالے کے نزول سے مراد نزول رحمت اور الطاف خداوندی اور اس کا تہجد کے وقت بندوں کے قریب ہونا ہے۔

پس جب احادیث میں خدا تعالے کے اترنے سے ظاہری طور پر اُترنا نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ ظاہری مراد قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیث کے منافی ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں خدا تعالے کے اُترنے سے ظاہر طور پر اترنا مراد لینا جو آپ کے دوسرے الہامات اور اقوال اور عقائد کے صریح خلاف ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

١

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"جب ایک انسان سچے دل سے خدا سے محبت کرتا ہے۔ اور تمام دنیا پر اس کو اختیار کر لیتا ہے۔ اور غیر اللہ کی عظمت اور وجاہت اس کے دل میں باقی نہیں رہتی بلکہ سب کو ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔ تب خدا جو اس کے دل کو دیکھتا ہے۔ ایک بھاری تجلی کے ساتھ اس پر نازل ہوتا ہے۔ اور جس طرح ایک صاف آئینہ میں جو آفتاب کے مقابل پر رکھا گیا ہے۔ آفتاب کا عکس ایسے پورے طور پر پڑتا ہے۔ کہ مجازاً و استعارہ کے رنگ میں کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہی آفتاب جو آسمان پر ہے۔ اس آئینہ میں بھی موجود ہے۔ ایسا ہی خدا ایسے دل پر اترتا ہے اور اس کے دل کو اپنا عرش بنا لیتا ہے۔ یہی وہ امر ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صـ ۶۳)

پس خدا کے اترنے سے مراد خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہے۔ اور بحکم تخلقوا باخلاق اللہ اللہ تعالیٰ کے صفات کو جذب کر کے اس کے رنگ میں رنگین ہونا ہے نہ یہ کہ حقیقۃً خدا تعالیٰ کا نزول۔ چنانچہ اس کے مطابق امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:-

"حدیث قدسی لایسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن مخصوص بقلب بندہ مومن است کہ معاملہ او از سائر ناس جدا است کہ بفنا و بقا مشرف گشتہ است و از حصول وارستہ بحضور پیوستہ است۔ آنجا اگر گنجائش است باعتبار حضور است نہ باعتبار حصول ؎

؎ در کدام آئینہ در آید او (مکتوبات احمدیہ جلد ۲ صـ ۸۵)

اسی طرح سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فتوح الغیب کے مقالہ ۲۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"لا تکشف البرقع والقناع عن وجھك حتی تخرج من الخلق۔ الی ان قال۔ لا یبقی فیك ارادۃ غیر ارادۃ ربك فتمتلی بربك فلا یکون بغیر ربك فی قلبك مکان ولا مدخل وجعلت بواب قلبك واعطیت سیف التوحید والعظمۃ والجبروت فکل من رأیتہ دنا من ساحۃ صدرك الی باب قلبك اندرت راسہ من کاھلہ"۔

یعنی اے انسان تو اپنے چہرہ پر سے برقع اور روپوش مت اٹھا یہاں تک کہ تو مخلوقات سے باہر نکل جائے یہاں تک کہ تجھ میں تیرے رب کے ارادہ کے سوا اور کوئی ارادہ نہ رہے پس تو اپنے رب سے بھر جائے گا پس تیرے رب کے سوا تیرے قلب میں اور کسی کا نہ مکان ہو گا اور نہ داخل ہونے کی جگہ اور تجھے تیرے دل کا دربان بنا یا جائے گا۔ اور تجھے توحید اور عظمت اور جبروت کی تلوار دی جائے گی۔ پس ہر وہ شخص جسے تو دیکھے گا کہ وہ تیرے سینہ کے صحن سے تیرے دل میں آنا چاہتا ہے۔ تو اس تلوار سے اس کا سر اس کے شانہ سے علیحدہ کر دے گا۔ یعنی ؎

؎ غیر حق ہر ذرہ کاں مقصود تست
تیغِ لا بر کش کہ آں معبود تست

بس یہی معنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام آدا ہن یعنی خدا نیرے اندر اُتر آیا کے ہیں۔ نہ کچھ اور۔ اور سید عبد القادر جیلانی رحؒ نے صرف خدا کے اُتر آنے پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ امتلاء کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنے بھر جانے کے ہیں۔ یعنی بندہ خدا کے ساتھ بھر جاتا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تمام کتابوں میں کسی جگہ بھی تناسخ کے مسئلہ کو صحیح نہیں قرار دیا بلکہ جابجا اس کی تردید کی ہے۔

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ تناسخ ثابت کرنے کے لیے لیکچر سیالکوٹ کا حوالہ دیا ہے کہ آپ نے اس میں اپنے آپ کو کرشن قرار دے کر تناسخ کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی کے آگے تناسخ کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ اپنے کرشن ہونے کے متعلق الہام ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

اب میں بحیثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو ان کی چند غلطیوں پر تنبیہ کرتا ہوں۔ ایک تو وہی ہے۔ جس کا ذکر میں پہلے بھی کر آیا ہوں۔ کہ یہ طریق اور یہ عقیدہ صحیح نہیں۔ کہ روحوں اور ذاتِ عالم کو جن کو پرکرتی یا پرمانو بھی کہتے ہیں۔ غیر مخلوق اور اناری سمجھا جائے۔ ۔ ۔ ۔ پھر اس غلطی نے ایک اور غلطی میں آریہ صاحبوں کو پھنسا دیا ہے۔ جس میں ان کا خود نقصان ہے۔ جیسا کہ پہلی غلطی میں پرمیشر کا نقصان ہے۔ اور وہ یہ کہ آریہ صاحبوں نے مکتی کو میعادی ٹھہرا دیا ہے۔ اور تناسخ ہمیشہ کے لیے گلے کا ہار قرار دیا گیا ہے۔ جس سے کبھی نجات نہیں یہ بخل اور تنگدلی خدا ئے رحیم و کریم کی طرف منسوب کرنا عقل سلیم تجویز نہیں کر سکتی۔ (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۴، ۳۵)

پھر اس کے بعد صفحہ ۳۶ سے لے کر صفحہ ۳۸ تک تناسخ کی تردید میں دلائل تحریر فرمائے ہیں۔

عقیدہ تناسخ کی اس قدر پُر زور تردید کے ہوتے ہوئے کیا کوئی دیانتدار شخص یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ لیکچر سیالکوٹ کا مؤلف عقیدہ تناسخ کو صحیح مانتا ہے۔ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!

پھر اس سے بھی عجب تر لطیفہ یہ ہے۔ کہ مختار مدعیہ نے تناسخ کی تعریف۔ ایک روح کا دوسرے جسم میں چلے جانا" کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر سے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں کبھی آدم ہوں، کبھی موسیٰ ہوں، کبھی یعقوب ہوں، اور نیز ابراہیم ہوں کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوا۔ کہ مرزا صاحب عقیدہ تناسخ کو صحیح مانتے تھے۔ حالانکہ وہ خود تناسخ کی یہ تعریف کرتا ہے کہ ایک روح کا دوسرے جسم میں چلے جانا۔ لیکن اگر مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا استدلال

صحیح ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں ایک روح نہیں ہوگی بلکہ کئی ارواح ہوں گی۔ اور یہ بات عقیدہ تناسخ رکھنے والوں کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ کئی ارواح ایک جسم میں داخل ہو جائیں۔ بلکہ اس شعر کا مطلب جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو بہت سے نبیوں کے نام دیئے جانے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے خود تحریر بیان فرمایا ہے۔ یہ ہے " سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جاوے۔ اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو" تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۴ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو زیر عنوان ہتک انبیاء

بحث متعلق وحی

اس موضوع پر بحث کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے۔ کہ گواہان مدعیہ نے مطلق ادعاء وحی کو بھی کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ گواہ ۳ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے۔ کہ ادعاء وحی کفر ہے۔ اگرچہ مدعی نبوت نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعویٰ کرے۔ خواہ نبوت کا مدعی نہ بھی ہو۔ تب بھی کافر ہے۔ اگر بنی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور غیروں کے لیے کشف۔ الہام یا وحی لغوی ہو سکتی ہے۔ اگر وحی کی تعریف یہ کی ہے۔ کہ فرشتہ بھیجا جائے کہ فلاں سے جا کر یہ کہہ دو۔ اور اپنی تائید میں شرح شفا کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔

لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے عدالت کو مغالطہ دینے کے لیے یہ صریح غلط بیانی کی۔ کہ گواہان مدعیہ نے صرف وحی رسالت کو بند قرار دیا ہے۔ مگر گواہ ۳ کا بیان مختار مدعیہ کے اس دعویٰ کو باطل ثابت کرتا ہے۔ نیز گواہ ۱ نے ۲۱ اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے۔ کہ آیت ما کان لبشر میں جو طرق وحی بیان کیے گئے ہیں۔ وہ امت محمدیہ پر بند ہیں۔ اور گواہ نمبر الف و ب نے مطلق وحی کے بقا سے کہہ کر انکار کیا ہے۔ کہ وحی نہیں ہو سکتی کیونکہ نبوت اور وحی لازمی چیز ہے۔ اور اگر دوسری وحی آ سکتی ہو۔ تو ممکن ہو جائے گا۔ کہ قرآن شریف کا کوئی حکم منسوخ ہو جائے۔

اس بحث میں مندرجہ ذیل امور تنقیح طلب ہیں۔

(۱) کیا وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی غیر تشریعی مسدود ہے۔

(۳)۔ کیا قرآن مجید سے بقاء وحی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔
(۴)۔ کیا احادیث سے بقاء وحی غیر تشریعی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔
(۵)۔ کیا بقائے وحی غیر تشریعی عقیدہ سلف صالح کے خلاف ہے۔
(۶)۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک ہر قسم کی وحی بند ہے۔
(۷)۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی وحی کو قرآنی وحی کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(۱)

وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں

مختار گواہان مدعیہ کا یہ دعویٰ کہ وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے باطل ہے۔

پہلی آیت:۔ ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء۔ ۴۲ : ۵۱

(شوریٰ ع۵) اس آیت میں لفظ بشر جو نبی اور غیر نبی دونوں پر یکساں اطلاق پاتا ہے۔ استعمال کر کے اللہ تعالےٰ نے بتا دیا۔ کہ نزول وحی انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ لیکن مختار مدعیہ اس آیت میں بشر سے مراد نبی لیتا ہے۔ حالانکہ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو بشر کو انبیاء کے ساتھ مخصوص کرے۔ اور فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۶ (۷۱) میں اس آیت کو ذکر کر کے یہ لکھا ہے۔ کہ ان تمام طرق سے اولیا امت کو بھی وحی ہوتی ہے۔ اور نبی اور ولی کی وحی میں فرق یہ ہے۔ کہ ولی پر شریعت والی وحی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔

پس مختار مدعیہ کا بشر سے صرف انبیاء مراد لینا قرآن مجید کے ایک لفظ کی عمومیت کو باطل ثابت کرنے کے علاوہ ان ائمہ کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ جنہوں نے اولیاء پر آیت میں مذکورہ طرق سے وحی کا ہونا تسلیم کیا ہے۔

(۲)۔ (و اوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوه الیک وجاعلوه من المرسلین (قصص ع۱)

یہ ایک یقینی اور قطعی وحی ہے۔ جو کئی عظیم الشان غیب کی خبروں پر مشتمل ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اس وحی کی عظمت ایک دوسری آیت میں یوں فرمائی ہے۔

ولقد مننا علیک مرة اخریٰ اذ اوحینا الی امک ما یوحی (طٰہٰ ع۲)

یعنی اے موسیٰ ہم نے تجھ پر ایک اور بھی احسان کیا ہے۔ جب ہم نے تیری ماں کی طرف ایک خاص شاندار وحی کی تھی۔ مختار مدعیہ نے اس آیت کے متعلق کہا ہے۔ کہ اس میں بھی وحی نبوت کا ذکر نہیں ہے۔ گویا مدعا علیہ کا مقصود اس آیت سے غیر انبیاء پر وحی کا نزول ثابت کرنا تھا۔ سو وہ مختار مدعیہ نے تسلیم کر لیا ہے۔

(۳) "واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا فاتخذت من دونھم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا۔ قالت انی اعوذ بالرحمان ان کنت تقیا۔ قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا۔ (مریم ع)

اس آیت میں صاف طور پر مذکور ہے۔ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں متمثل ہو کر حضرت مریم کے پاس آئے۔ اور ان کے سوال کرنے پر جواب دیا۔ کہ میں خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں تا تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دوں۔ جو تمہیں دیا جائے گا۔

(۴) واذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین (آل عمران ع)

اس آیت میں فرشتوں کے ذریعہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور ان کے نام و نبوت اور ان کی خوبیوں کی جو درحقیقت زبردست پیشگوئیاں تھیں۔ حضرت مریم کو بشارت دی گئی ہے۔

(۵) واذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک وطھرک واصطفاک علی العالمین یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین (آل عمران ع ۵)

اس آیت میں حضرت مریم کو کئی فرشتوں نے خدا تعالےٰ کا پیغام دیا ہے۔ اور پھر فرمانبرداری اور نماز کے لیے حکم دیا۔

(۶) وامراتہ قائمۃ فضحکت فبشرناھا باسحاق ومن وراء اسحاق یعقوب قالت یا ویلتی ءالد وانا عجوز وھذا بعلی شیخا ان ھذا لشئ عجیب قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید (ھود ع)

اس آیت سے بھی صاف طور پر عیاں ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کے ذریعہ حضرت سارہؑ سے کلام کیا۔ جس میں عظیم الشان پیشگوئی تھی۔ جو ان کی زندگی اور زندگی کے بعد سے تعلق رکھتی تھی۔

(۷) قلنا یا ذاالقرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا۔ (کہف ع)

اس آیت میں ذوالقرنین سے مکالمہ کا ذکر ہے۔ جو نبی نہ تھا۔ اور ایسی یقینی اور قطعی مکالمہ کا ذکر ہے۔ جس

میں ایک قوم کو عذاب دینے یا اس سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی کے مطابق ذوالقرنین نے اس قوم کے متعلق اعلان بھی کر دیا۔ قال اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا و اما من آمن وعمل صالحا فلہ جزاء الحسنی وسنقول لہ من امرنا یسرا (کہف ۱۱) یعنی ظالموں کو سزا دیں گے۔ اور پھر جب اللہ تعالے کے پاس جائیں گے۔ تو وہ بھی انہیں دردناک عذاب دے گا۔ لیکن نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو اچھا بدلہ ملے گا۔ مختار مدعیہ نے گیارہ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ ذوالقرنین کے متعلق دو قول ہیں۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ وہ نبی تھا۔ لیکن (صحیح) قول یہی ہے۔ کہ وہ نبی نہ تھا۔ اور اس کے لیے اس نے ابن جریر اور ابن کثیر اور تفسیر کبیر کا حوالہ دیا تھا۔ حالانکہ ابن جریر اور ابن کثیر میں ذوالقرنین کے نبی ہونے کے متعلق کوئی قول مذکور نہیں ہے۔ البتہ تفسیر کبیر میں دو قول لکھے ہیں۔ مجھے یہاں صرف اس امر کا اظہار مقصود ہے۔ کہ مختار مدعیہ مغالطہ دینے اور اپنے دعوی کی تائید میں ان تفسیروں کے نام لکھوانے سے جس میں کہ اس کے دعوی کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا ذرا نہیں جھجکتا۔

ان مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) وحی انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں۔ بلکہ غیر نبی کو بھی وحی ہوتی ہے۔

(۲) جن طرق سے اللہ تعالے انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے۔ انہیں طریقوں سے غیر انبیاء یعنی اولیاء وغیرہ کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت ۱ سے ظاہر ہے۔

(۳) فرشتوں کا نزول بھی غیر انبیاء پر ہوتا ہے۔ اور خدا تعالے اپنی بات فرشتوں کے ذریعہ سے ان کو پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ آیت ۲، ۴، ۵، ۶ سے ظاہر ہے۔

(۴) بعض اوقات غیر انبیاء پر بھی ایسی وحی ہو جاتی ہے۔ جس میں امر و نہی پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آیت ۶، ۷ سے ظاہر ہے۔

(۵) غیر انبیاء کی وحی بھی بعض وقت غیب کی خبر پر مشتمل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیت ۲، ۳، ۴ سے ظاہر ہے۔

(۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی غیر تشریعی مسدود نہیں ہے۔

گواہان و مختاران مدعیہ نے ایک آیت یا حدیث بھی ایسی پیش نہیں کی جس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی الہی کا بند

ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ ہاں ایسی آیتیں پیش کردی ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہونے کا ذکر ان کو نظر نہیں آیا۔ اور ان سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی مسدود ہے۔ حالانکہ کسی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی کا ذکر نہ ہونا اور بات ہے۔ اور باب نزول وحی کے مسدود ہونے کا ذکر اور بات۔ یہ ذکر نزول وحی نہ ہونے سے ہرگز لازم نہیں آتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب نزول وحی مسدود ہے ایسی آیتیں پیش کرنا جن میں نزول وحی کا ذکر نہیں۔ یہ یقین دلانے کی کوشش کرنا اس سے باب نزول وحی مسدود ثابت ہوتا ہے۔ صریح غلط ہے۔ چنانچہ گواہ مذکور نے آیت والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہونی ہوتی تو اس آیت شریفہ میں اس کا ذکر بھی ضرور کیا جاتا۔ لیکن چونکہ کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ آپ کے بعد کوئی وحی نازل نہیں ہوسکتی۔

(۱) اس کا پہلا جواب تو یہ ہے۔ کہ عدم ذکر عدم شئے کو مستلزم نہیں ہوتا۔ یعنی اگر اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے بعد کوئی وحی نازل ہونے والی نہیں ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اس آیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ اس وحی میں تشریعی وحی اور شریعت سابقہ میں قدرے تغیر و تبدل کرنے والی وحی بھی شامل ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین کامل ہو جانے کی وجہ سے شریعت والی وحی کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں فرمایا گیا تاکسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی شریعت والی یا شریعت سابقہ میں ترمیم کرنے والی وحی نازل ہوسکتی ہے چنانچہ اس قسم کی ایک دوسری آیت ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک الآیۃ کی تفسیر میں علماء متقدمین نے اس امر کی تشریح کی ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی بحوالہ فتوحات مکیہ اپنی کتاب الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۷ میں لکھتے ہیں

انہ لم یجی لنا خبر الٰہی ان بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی تشریع ابدا۔ انما لنا وحی الالہام قال تعالی ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک۔

یعنی ہمارے پاس کوئی خبر الٰہی نہیں آئی۔ جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی تشریعی ہوگی۔ بلکہ اب وحی الہام ہوگی۔ جیسا کہ آیت ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک سے ظاہر ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے۔ کہ تمام اکابر علمائے سلف کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ مسیح موعود پر وحی ہوگی۔ اور یہ

بات حدیث سے بھی ثابت ہے کہ مسیح موعود پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوگی۔چنانچہ علامہ ابن حجر الہیتمی سے جب پوچھا گیا۔ کہ آخری زمانہ میں جب عیسٰی علیہ السلام نازل ہوں گے۔ تو ان پر وحی ہوگی۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا۔ نعم یوحی الیہ علیہ السلام کما فی حدیث مسلم یعنی ان کی طرف وحی ہوگی جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ (روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۱۶۵)

بس اکابر علماء سلف کے عقیدے اور مسلم کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت والذین یومنون بما انزل الیک سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر تشریعی وحی کا آنا بند ہے۔

۴) چوتھا جواب یہ ہے :- کہ آیت والذین یومنون بما انزل الیک میں اگر مطلق وحی مراد لی جاتی جو تشریعی غیر تشریعی دونوں کو شامل ہے۔ تو آلاخرۃ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والی وحی جو آپ کے بعد آنے والی نبوت رسالت کو مستلزم ہے۔ مراد لینا بالکل قرین قیاس ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کی وحیوں میں فرق کرنے کے لیے اسلوب کلام کو بدل کر یعنی ما ینزل من بعدک کی جگہ بالاخرۃ فرمایا ہے۔ تا یہ امر متعین ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی وحی ایسی وحی نہیں ہے۔ جو حامل شریعت یا شریعت محمدیہ میں کچھ ترمیم کرنے والی ہو۔

اور گواہ مدعیہ نے یہ آیت پیش کی ہے۔ قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لانفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون اور اس سے بھی وہی استدلال کیا۔ جو پہلے آیت سے کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس آیت میں بھی کہیں یہ ذکر نہیں۔ کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے ماسبق و مالحق میں اہل کتاب کو ایمان کی طرف بلایا ہے۔ اور اس امر کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ جیسے ہم تمام نبیوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حق تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان سے جو کلام الہیہ ہوا۔ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اسی طرح تم بھی اس کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے۔ اور جو اس پر اترا ہے۔ تسلیم کرو۔ اس آیت سے وحی آئندہ کی نفی نکالنا اسی طرح غلط ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت سے نکالنا غلط تھا۔ اور پہلی آیت کے استدلال کے غلط ہونے کے متعلق جو جواب دیئے گئے ہیں اس آیت کے استدلال کو بھی غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں

اور اسی گواہ نے آیت الم تر الی الذین یزعمون انھم اٰمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ (رکوع ۹) سن کر کے بھی یہی استدلال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی مسدود ہے۔ حالانکہ اس میں بھی قطعاً اس بات

کا ذکر نہیں ہے۔ کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس میں ان لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ جو باوجود اس دعا کے کہ قرآن مجید اور پہلی کتب الٰہیہ پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے مطابق فیصلہ کرنے کی جگہ طاغوت یعنی کفار کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو وحی بھی قرآن مجید و احادیث کے مصدق موعود شخص پر نازل ہوگی۔ وہ اس کلام کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ مخالف نہ ہونے کی وجہ سے بما انزل الیک میں شامل سمجھی جائے گی۔ یہ بات بڑی دلچسپی سے دیکھے جانے کے لائق ہے۔ کہ مختاران مدعیہ کو حضرت مسیح موعود کی وحی کو بھی منزل من اللہ ماننے کو تیار نہیں اور ان کے خاتم المحدثین مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مجتہدین کے اجتہادات کو بھی منزل من اللہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

کتاب اللہ منزل من اللہ تعالے ہے اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی منزل من اللہ تعالے ہے۔ اور استنباط مجتہدین علیہم الرحمۃ کے بھی منزل من اللہ تعالے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اشارات و دلالات نصوص سے مستخرج ہیں۔ وہ عین حکم نص کا ہوتا ہے۔" سبیل الرشاد صـ۳۶)

دلالات اور اسی گواہ مدعیہ مـ ـب نے یہ آیت بھی پیش کی ہے۔ وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام (پارہ ۱۸ ع ۱۷) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسل بھیجے۔ وہ ضرور کھانا کھاتے تھے۔ اور اس سے بھی انقطاع نزول وحی پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس آیت سے وحی کے انقطاع کا وہم بھی نہیں گذر سکتا۔ کیونکہ کفار جو یہ اعتراض کیا کرتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول کیسے ہو سکتے ہیں۔ جب کہ وہ کھانا کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ تعالے نے اس آیت میں ان کے اعتراض کو یوں رد کیا۔ کہ دیکھو پہلے جس قدر رسول آئے وہ بھی تو کھانا کھایا کرتے تھے۔ پس ان آیات میں سے کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی بند ہے۔

(۳)

دلائل بقائے وحی غیر تشریعی از روئے قرآن شریف

گواہان مدعا علیہ نے فریق مخالف کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لیے کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی قرآن کریم سے مندرجہ ذیل آیات پیش کی ہیں:۔

پہلی آیت:۔

رفیع الدرجات ذو العرش یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق (سورہ مومن)
اس آیت میں تین باتیں نزول وحی کا موجب قرار دی گئی ہیں۔ اللہ تعالے کا رفیع الدرجات اور ذوالعرش ہونا۔
اور اس کے بندوں کا پایا جانا تیسرا ضرورت انذار۔

پس جب کہ یہ تینوں باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی موجود رہیں تو باب نزول وحی کا مسدود اور وحی کا مفقود ہونا کیا معنی۔ اور روح کے معنے خواہ جبرئیل کے لیں۔ خواہ مطابق آیت اوحینا الیک روحا من امرنا کلام الٰہی کے لیں۔ یہ مطلب دونوں صورتوں میں بالکل واضح ہے آئندہ زمانہ میں بھی کلام الٰہی کا نزول ہوگا۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں اس آیت میں الروح کے معنے وحی کے لکھے ہیں۔ اور امام فخرالدین رازی نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔ والصحیح ان المراد بالروح الوحی یعنی صحیح یہی ہے کہ مراد روح سے وحی ہے (تفسیر کبیر جلد ۷ صلا)

اور شیخ محی الدین ابن عربی اس آیت کو لکھ کر فرماتے ہیں یقال تعالیٰ یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ فجاءمن وھی نکرۃ لینذر یوم التلاق فجاء بما لیس بشرع ولا حکم بل بالانذار فقد یکون الولی بشیراً ونذیرا ولکن لا یکون مشرعاً فان الرسالۃ والنبوۃ بالتشریع قد انقطعت فلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نبی ای لا شرع ولا شریعۃ وقد علمنا ان عیسی علیہ السلام ینزل ولا بد مع کونہ رسولا ولکن لا یقول بشرع بل یحکم فینا بشرعنا۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ص۲۱۷)

ماحصل اس عبارت کا یہ ہے کہ اس آیت میں شریعت یا احکام کے نزول کا ذکر نہیں۔ بلکہ انذار کا ذکر ہے۔ اور ولی بھی کبھی بشیر و نذیر ہوتا ہے۔ لیکن شرع یعنی شارع نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسالت اور نبوت تشریعیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگئی ہے۔ اور عیسٰی علیہ السلام بھی وقت نزول باوجود رسول ہونے کے ہماری ہی شرع کے ساتھ حکم کریں گے۔

پس اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وحی منقطع نہیں ہوئی۔ بلکہ جاری ہے۔ اور اب کوئی رسول یا نبی بھی ہو۔ تو صرف تبشیر اور انذار کی وحی اس پر ہو سکتی ہے۔ شرعی وحی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ شیخ اکبر کے نزدیک مسیح علیہ السلام بھی باوجود رسول ہونے کے نئی شریعت نہیں لائیں گے۔ بلکہ شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے۔

مختار مدعیہ کہتا ہے۔ کہ اس میں صرف یہ بتایا ہے۔ کہ گزشتہ کا وحی الٰہی ہے کہ اتنا اللہ کی نظر انتخاب پر ہے۔ نہ کسی دنیوی جاہ و جلال پر۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکلتا۔ کہ نزول وحی منقطع ہے۔ کیونکہ اللہ

تعالےٰ کی یہ صفت انتخاب پہلے موجود تھی اب بھی موجود ہے ۔ جیسا کہ یلقی صیغہ مضارع سے جو استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے ۔ ظاہر ہے ۔

دوسری آیت :-

ینزل الملائکۃ بالروح علی من یشآء من عبادہٖ ان انذروا انہ لآ الٰہ الا انا فاعبدون (نحل ع)

اس آیت میں سے امر نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کلام دے کر اپنے بندوں کے پاس بھیجتا ہے ۔ اور بھیجا کرے گا ۔ پس اس آیت میں بھی اللہ تعالےٰ نے اپنی سنت مستمرہ کا ذکر فرمایا ہے ۔ جس کا انقطاع نہیں ہے ۔ کیونکہ وحی کے اور فرشتوں کے نزول کے جو بواعث آیت میں مذکور ہیں ۔ وہ آنحضرت کے بعد میں بھی پائے جاتے ہیں :

تیسری آیت :-

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (بقرہ ع۲۲)

اس آیت میں بھی خدا تعالےٰ نے خاص طور پر یہ وعدہ فرمایا ہے ۔ کہ وہ پکارنے والے کی پکار کا کیا جواب دیتا ہے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے ۔ کہ اس آیت میں اجیب کے معنے میں قبول کرتا ہوں کلام کرنے کے نہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ وہ ہر ایک سے کلام کرتا ہے ۔ لیکن اگر مختار مدعیہ کے معنوں کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ وہ ہر ایک کی دعا کو قبول کرتا ہے ۔ حالانکہ یہ امر واقعہ کے خلاف ہے بہرحال مختار مدعیہ یہ کہے گا کہ جس شخص کی دعا لائق قبول ہے ۔ اسے قبول کرتا ہے ۔ اسی طرح ہمارا یہ جواب ہے ۔ کہ جسے خدا تعالےٰ بذریعہ کلام جواب دینا چاہے اسے جواب دیتا ہے ۔ اور یہ معنی تفسیر ابن جریر میں بھی لکھے ہیں ۔

الوجہ الآخر ان یکون معناہ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان ان شئت فیکون ذٰلک (ابن جریر ج ۲ صفحہ)

یعنی ایک وجہ اس آیت کے معنی کی یہ ہے ۔ کہ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں ۔ یعنی اگر میں چاہوں تو ایسا ہوتا ہے ۔

چوتھی آیت :-

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملآئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیآء کم فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ (حٰمٓ السجدۃ ع۴)

یہ آیت بھی صاف طور پر بیان کر رہی ہے ۔ کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ کے رستے میں استقامت دکھائیں گے ان نجتہ ایمانداروں کو خدا تعالےٰ کی طرف سے فرشتے بشارتیں سنایا کریں گے چنانچہ روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۶ میں لکھا ہے

والاخبار طافحة برؤية الصحابة للملك وسماعهم كلامه وكفى دليلاً لما نحن فيه قوله سبحانه ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون الایہ قال فیھا نزول الملك على غير الانبياء فی الدنيا وتكليمه اياه۔

صحابہ کے فرشتوں کو دیکھنے اور اس کی کلام کو سننے کے متعلق کثرت سے خبریں پائی جاتی ہیں اور جس امر میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اس کے اثبات کے لیے خدا تعالےٰ کا قول ان الذین قالوا ربنا اللہ ہی کافی ہے کیونکہ اس میں اس دنیا میں غیر انبیاء پر فرشتے کا نزول اور اس سے کلام کرنے کا ثبوت موجود ہے۔

پس مختار مدعیہ کا اس آیت کے متعلق ۱۱ اکتوبر کی بحث میں یہ کہنا کہ الیہا موت کے وقت ہوتا ہے۔ قابل التفات نہیں ہے۔ اور اس آیت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے کامل راستبازوں پر خدا تعالےٰ کے فرشتے خوشخبری لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اور آپ کو خدا تعالےٰ کی حمایت و نصرت کا وعدہ یاد دلاتے ہیں۔

پانچویں آیت :-

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران)

یہ آیت پیدائش انسان کی اصل غرض اور فطرت انسانی کا اصل مقصود اللہ تعالےٰ کی محبت کو قرار دیتی ہے۔ اور انسان اور اس کے خالق میں محبت و تعشق کا رشتہ ہونا چاہیئے۔ پہلے انسان خدا کا سچا عاشق بنے اور ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر محبت دو ہی ذریعوں سے پیدا ہوتی ہے۔ دیدار سے یا گفتار سے

لیکن جب ان دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نصیب نہ ہوئی۔ دیدار تو اس لیے کہ وہ خدا تعالےٰ کے وراء الورٰی ہونے کی وجہ سے اس عالم میں نہیں ہوسکتا۔ اور گفتار اس لیے کہ اس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگیا۔ تو عاشق الٰہی بننے کے لیے کیا صورت رہے گی۔ کوئی کس طرح اللہ کا عاشق بنے گا۔ اور منازل عشق میں مصائب کے جو مہیب پہاڑ اور ہولناک دریا حائل ہیں وہ کس طرح طے ہوسکیں گے۔

مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے کہ پھر وحی نبوت صحابہ پر بھی ہونی چاہیئے۔ حالانکہ اس موقع پر بحث اس امر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی ہوسکتی ہے۔ یا نہیں۔

چھٹی آیت :-

ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون (احقاف ع)

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں سچے خدا کی یہی نشانی قرار دی ہے۔ کہ وہ بندوں کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ لیکن معبودان باطلہ میں یہ طاقت نہیں کہ وہ لوگوں کی پکار کا جواب دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ جس سے وہ وجود باری تعالےٰ کے متعلق درجہ حق الیقین تک فائز ہوں۔ یعنی انہیں اس امر کا

کہ اللہ تعالےٰ موجود ہے۔ حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

اس آیت کے متعلق مختار مدعیہ نے ۱۱ راکتوبر کی بحث میں یہ کہا ہے۔ کہ یستجیب کے معنے قبول کرنے کے ہیں جواب دینے کے کہیں نہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ یستجیب کے معنے جواب دینے کے عربی زبان میں بکثرت آتے ہیں چنانچہ کعب بن سعد الغنوی کا شعر ہے۔ ؎

وداعٍ دعا یا من یجیب الی الندی فلم یستجبه عند ذلك مجیب

(ابن جریر جلد ۲ صفحہ ۹۳)

اس شعر میں (لم یستجبه) کے معنے "اسے جواب نہ دیا" کے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اس آیت میں بھی یستجیب کے معنے جواب دینے ہی کے لیے گئے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر میں اس کی تفسیر ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

لا یستجیب له الی یوم القیٰمة یقول لا یجیب دعاءه ابدا لانها حجر وخشب او نحو ذلك۔

ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۳۔ یعنی وہ اس کی پکار کا کبھی جواب نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ پتھر ہیں یا لکڑی وغیرہ ہیں اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی اس آیت میں یستجیب کے یہی معنی لیے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

" اور کون شخص ہے بہت گمراہ اس شخص سے کہ پکارتا ہے۔ سوائے خدا کے اس شخص کو کہ نہ جواب دے اس کو دن قیامت تک"۔ کیا مختار مدعیہ کے اس قسم کے اعتراضات سے جو اس نے گواہان مدعا علیہ کے استدلالات پر کیے ہیں علم قرآن سے اس کی محرومی ظاہر نہیں ہوتی۔

ساتویں آیت :۔

الم یروا انه لا یکلمهم ولا یهدیهم سبیلا اتخذوه وکانوا ظالمین (اعراف ۱۸ ع)

اسی طرح فرمایا له دعوة الحق والذین یدعون من دونه لا یستجیبون لهم بشیٔ (رعد)

اسی طرح فرمایا ان تدعوهم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم (فاطر)

اسی طرح فرمایا وان تدعوهم الی الهدی لا یتبعوکم سواء علیکم ادعوتموهم ام انتم صامتون (اعراف)

ان تمام آیات میں خدا تعالےٰ نے معبودان باطلہ کی الوہیت کے بطلان کے اظہار کرنے کے لیے ان کے معبودان کے غیر متکلم ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور ان کے عدم تکلم کو ان کی موت اور عدم الوہیت پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اپنے متکلم ہونے کو اپنی حیات اور حقیقی الٰہ ہونے کا ثبوت گردانا ہے اور یہ دلیل قطعی ہے اس امر کی کہ اللہ تعالےٰ کی صفت تکلم ہر زمانہ میں اپنا جلوہ دکھاتی رہے گی۔

آٹھویں آیت :۔

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم۔ (فاتحہ)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے ہم کو ترغیب دلائی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ سے منعمین علیہم کے مقامات عطا کیے جانے کے لئے دعا کرتے رہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ یہ مقامات عطا کرے گا۔ اور وہ مقامات نبوت اور صدیقیت۔ اور شہادت۔ اور صالحیت کے ہیں۔ جب وہ مقامات اور مراتب امت محمدی کو ملیں گے۔ تو لازمی طور پر مکالمہ الہیہ اور وحی کے جو انعامات پہلی امتوں کے کامل افراد پر ہوئے۔ اس امت کے کامل افراد بھی اس سے متمتع ہونگے۔

نویں آیت :۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (آل عمران)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے امت محمدیہ کو خیرالامم قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا کسی کو کوئی لقب دینا بلا معنی نہیں ہو سکتا۔ کوئی عقل سلیم اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔ کہ امت محمدیہ ہو تو خیرالامم۔ لیکن وہ ان مقامات سے جو پہلی امتوں پر ہوئے۔ محروم ہو۔ افسوس کہ امت محمدیہ میں بقاء وحی کے منکرین نہیں سوچتے۔ کہ اللہ تعالےٰ قدیم سے اپنے بندوں کے ساتھ ہمکلام ہوتا آیا ہے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں عورتوں تک کو بھی مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ کی ماں اور مریم صدیقہ کو۔ تو پھر یہ امت کیسی بدقسمت اور بے نصیب ہے۔ کہ اس کے مرد بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح بھی نہیں۔ یاد رہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے صفات کبھی معطل نہیں ہوتے۔ پس جیسا کہ وہ ہمیشہ سنتا رہے گا۔ ایسا ہی وہ ہمیشہ بولتا بھی رہے گا۔ اس دلیل سے زیادہ تر صاف اور کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ خدا تعالےٰ کے سننے کی طرح بولنے کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا۔ جن سے اللہ تعالےٰ مکالمات و مخاطبات کرتا رہے گا۔ اس وقت دنیا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ وہ بشرط سچی اور کامل اتباع ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات الہیہ سے مشرف کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تو حدیث میں آیا ہے۔ کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ یعنی میری امت کے علماء ربانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ اور حدیث میں بھی علماء ربانی کو ایک طرف امتی کہا۔ اور دوسری طرف نبیوں سے مشابہت دی ہے۔ پس امت محمدیہ کا خیرالامم ہونا مستلزم ہے۔ اس بات کو کہ ہر امت کے کامل افراد وحی الٰہی کے فیض سے مستفیض ہوں۔

چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی یہ ثابت کرنے کے لیے کہ امت محمدیہ کے کاملین کو بذریعہ الہام غیب پر مطلع کیا جاتا ہے۔ اسی آیت سے دلیل پکڑی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

بعد تسلیم اس امر کے کہ خدا تعالےٰ بعض وجوہ سے اطلاع غیب غیرنبی کو بھی دیتا ہے۔ اور یہ امر پہلی امتوں میں بشہادت قرآن پایا گیا ہے۔ اس امت مرحومہ کے لیے اس شرف کے حصول پر ہمارے پاس کوئی خاص

نص قرآن یا حدیث نہ بھی ہو۔ تو ہم کو حصول اس شرط کے ثابت کرنے کے لیے ایک وہ آیت جس میں اس مرحومہ امت کو خیر امت ٹھہرایا گیا ہو۔ اور ایک وہ حدیث جو اس آیت کی تفسیر ہے۔ اور اس میں یہ تصریح ہے۔ کہ تم نے (اے امت محمدیہ) ستر امتوں کو پورا کیا ہے۔ اور تم ان سب سے اللہ کے نزدیک بہتر اور باعزت ہو کافی دلیل ہے۔ ومع ہذا بالفعل ہم ایک خاص حدیث حصول اس شرف کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ منکرین مخالفین اس حدیث کا ثبوت اس مدعا کے لیے ناکافی ہونا ثابت کریں گے" (اشاعة السنة ۔ جلد ۔ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶)

پس گیارہ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس آیت کو مسئلہ وحی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لغو و باطل ہے

مختار مدعیہ نے ۱۱ و ۱۲ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔ کہ جن آیات سے وحی یا نبوت کا اثبات کیا گیا ہے۔ ان آیات کی یہ تفسیر پہلے کسی نے نہیں کی۔ اس لیے ان سے وحی یا نبوت کے بقاء پر استدلال کرنا تفسیر بالرائے ہے۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے۔ کہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں کچھ مختار مدعیہ کے جواب میں ابھی میں نے بعض آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیروں کے حوالے نقل کیے ہیں۔ لیکن اصولاً یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ پہلی تفسیروں میں سے ان کے معنے نقل کیے جائیں۔ کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ اور اسی کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی جاتی ہے گواہان مدعا علیہ نے جو تفسیریں ان آیات کی پیش کی ہیں وہ قواعد عربیت اور قرآن وحدیث کی رو سے بالکل صحیح ہیں۔

اور مختار مدعیہ کی طرف سے ان کی کوئی تغلیط نہیں کی گئی

دوسرا جواب یہ ہے :-

کہ چونکہ قرآن مجید کے معارف اور عجائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ بعض الفاظ حدیث مرفوع مثلاً لا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرة الرد ولا تنقضی عجائبہ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے کسی آیت کی تفسیر محض اس وجہ سے تفسیر بالرائے نہیں کہلا سکتی۔ کہ وہ تفسیر گذشتہ مفسرین میں سے کسی نے نہیں کی ہے۔ گواہ مدعیہ ملا نے ۲۴ اگست کو اس حدیث کے متعلق بجواب جرح یہ کہا تھا۔ کہ اس کی سند مجہول ہے۔ اس واسطے قابل اسناد نہیں ہے۔ لیکن یہ امر اس نے محض اپنے بچاؤ کی غرض سے پیش کیا تھا۔ ورنہ وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ اس حدیث کے متعلق ذرا بھی گنجائش کلام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو اس سے بے خبری نہیں ہو سکتی۔ کہ تحذیر الناس کے صفحہ ۱۱ میں حدیث بطور دلیل پیش کی ہے جبکہ مختار مدعیہ کے اس باطل خیال کی تردید میں بھی کہ کسی امت کی ایسی تفسیر کو جو مفسرین گذشتہ میں سے کسی نے نہ کی ہو۔ تفسیر بالرای کہتے ہیں۔

مولانا محمد قاسم ہی کا ارشاد پیش کرتا ہوں۔ جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی ایسی تفسیر جو قواعد عربیہ کے مطابق ہو۔ اگرچہ پہلے کسی مفسر نے نہ کی ہو۔ تفسیر بالرائی نہیں کہلائے گی۔ چنانچہ مولوی صاحب فرماتے ہیں۔

اب یہ گذارش ہے۔ کہ ہر چند آیت اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت کی یہ تفسیر کسی اور نے نہ کی

ہو۔ تو کیا ہوا ۔ معنی مطابقی اگر اس احتمال پر منطبق نہ ہو۔ تو البتہ گنجائش تکفیر ہے۔ اور یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ موافق حدیث من فسر القرآن برأیہ فقد کفر ' سے یہ شخص کافر ہو گیا۔ پھر اس صورت میں یہ گنہگار تنہا کافر نہ بنے گا یہ تکفیر بڑے بڑوں تک پہنچے گی" (تحذیر الناس صؔ ۲)

اب مختاران مدعیہ کو سوچنا چاہیئے۔ کہ مولوی صاحب نے جب ایک آیت کی ایسی تفسیر کی جو سلف صالحین میں سے کسی نے نہیں کی تھی۔ اور لوگوں نے ان کی اس بنا پر تکفیر کی۔ اور کہا۔ کہ تمہاری یہ تفسیر ایجاد بندہ ہے۔ اور پہلے کسی نے نہیں کی ہے تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کہ ہوا کیا۔ اگر پہلے کسی نے یہ تفسیر نہیں کی۔ جب معنی مطابقی اسی احتمال پر منطبق ہیں۔ تو یہ تفسیر بالرائے کیسے ہو گئی۔ اور اگر یہی تفسیر بالرائے اور موجب کفر ہے تو پھر بڑوں بڑوں کو بھی کافر بنانا پڑے گا۔ کیونکہ وہ بھی ایسی تفسیریں کرتے رہے ہیں۔ جو ان سے پہلوں نے نہیں کی تھیں

پس اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ جو آیات گواہان مدعاعلیہ نے وحی اور نبوت کے بقاء کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ ان سے پہلے کسی نے یہ استدلال نہیں کیا۔ تو پھر بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ اور یہ اعتراض بھی کہ اگر ان آیات سے یہ استدلال صحیح ہے۔ تو پھر وحی شریعت جدیدہ و نبوت مستقلہ بھی جو بالاتفاق فریقین بند ہے۔ ما جاری ماننی پڑے گی۔ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات سے محض مکالمہ الہیہ کا وجود اور نبی کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن دوسری آیات مثل خاتم النبیین اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم اور آیت من یطع اللہ والرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئك رفیقا بتا رہی ہے۔ کہ وحی شریعت جدیدہ اور نبوت مستقلہ کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہے۔

(۳)

دلائل بقائے وحی از روئے احادیث نبویہ

مسلم کی حدیث میں آنے والے مسیح کے متعلق صاف الفاظ میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اسے وحی کرے گا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ بینما ھو کذالك اذا وحی اللہ الیٰ عیسیٰ انی قد اخرجت عباداً لی لا یدان بقتا لھم لاحد فحرز عبادی الی الطور (رواہ مسلم) (مشکوٰۃ صؔ ۴۷۴ مطبوعہ مجتبائی)

اور اس حدیث کا مفہوم حضرت مسیح موعود نے یہ بیان کیا کہ وہ اقوام یاجوج و ماجوج سے جنگ نہیں کرے گا۔ بلکہ مومنوں کو طور کی طرف جمع ہونے کا ارشاد کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ طور ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس پر تمام بندگان الٰہی کا جمع ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے اس جگہ طور سے مراد مقام تجلیات الٰہیہ ہے۔ یعنی مسیح موعود مسلمانوں کو دین کی

طرف توجہ دلانے گا وہ حقیقی مومن اور خدا تعالےٰ کے بنیے نہیں تا وہ مورد تجلیات الٰہیہ ہوں اور خداوند ان کے ساتھ ہو۔ اور ہر جگہ ان کو غلبہ عطا کرے۔ بہر حال اس حدیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود کو وحی ہوگی۔ چنانچہ اکابر علمائے سلف نے یہ بات تسلیم کی ہے۔ کہ مسیح موعود پر وحی کا نزول ہوگا۔ چنانچہ گواہ ۲ نے بھی ۲۹ اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں۔ اس کے سوا جو وحی ہے۔ وہ وحی نبوت نہیں ہے۔ لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا۔ اور مختار مدعیہ کا اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نواس بن سمعان کی اس حدیث کو مجروح قرار دیا ہے۔ کہ اگر یہ حدیث تسلیم بھی کر لی جائے تو اس میں وحی کا لفظ معنی الہام ہے۔ قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔

"یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا۔ کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے کہ انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا۔ تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث کو نہایت قطعی اور یقینی اور صاف اور صریح سمجھتے تھے۔ اور نواس بن سمعان کی حدیث کو از قبیل استعارات و کنایات خیال کرتے تھے۔ اور اس کی حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے تھے۔" (ازالہ اوہام صلا بار پنجم)

اور خصوصاً اس کے فقرہ متنازعہ فیہ کو اپنی کتب میں صحیح سمجھ کر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں "ایسا ہی ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ جو مسیح موعود کے بارے میں ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعود جنگ نہیں کرے گا اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ اخرجت عبادًا لی لا یدان بقتالهم لاحد فاحرز عبادی الی الطور یعنی اے آخری مسیح میں نے اپنے بندے ایسی طاقتور زمین پر ظاہر کئے ہیں۔ (یعنی یورپ کی قومیں) کہ کسی کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ پس تو ان سے جنگ نہ کر۔ بلکہ میرے بندوں کو طور کی پناہ میں لے آ۔ یعنی تجلیات آسمانی اور روحانی نشانوں کے ذریعہ سے ان بندوں کو ہدایت دے۔ سو میں دیکھتا ہوں۔ کہ یہی حکم مجھے ہوا ہے۔" (مضمون چشمہ معرفت صنلا)

اور اگر یہ نہ بھی ہوتا۔ تو بھی چونکہ فریق مدعیہ کو اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں ہے۔ اس لیے گواہان مدعا علیہ اس کو بطور حجت ملتزمہ فریق مدعیہ کے مقابلہ میں عقلاً و قانوناً و شرعاً پیش کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ بر تقدیر تسلیم وحی کے معنے الہام کے ہیں۔ علماء سلف صالحین کے معنے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۶۵ کے حوالہ سے گواہان مدعا علیہ اپنے بیانوں میں بتا چکے ہیں۔ کہ یہ وحی جبرئیل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی۔ کیونکہ وحی اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان پیغمبر ہے۔ اور حدیث لا وحی بعدی باطل ہے۔ اور یہ جو مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جبرئیل زمین پر نازل نہیں ہوتے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور غالباً اس شخص کی مراد بھی جس نے مسیح علیہ السلام پر آپ کے نزول کے بعد وحی کی نفی کی ہے۔ وحی تشریع سے ہے۔ اور جس وحی کا یہاں ذکر ہے۔ اس میں تشریع نہیں ہے۔ اور روح المعانی مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے

مسلمات سے ہے۔ اور یہی بات حجج الکرامہ میں لکھی ہے۔

دوسری حدیث :-

ابن ابی الدنیا نے کتاب الذکر میں حضرت انس سے یہ روایت ذکر کی ہے۔ کہ ابی ابن کعبؓ نے کہا کہ میں مسجد میں داخل ہونگا اور نماز پڑھوں گا۔ اور خدا تعالے کی ایسی حمد کروں گا۔ جو کسی نے نہ کی ہو۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے اگر میری امت میں کوئی محدث ہو۔ تو وہ عمر ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ کو ان کے محدث اور متکلم ہونے میں کوئی تردد تھا۔ کیونکہ آپ کی امت افضل الامم ہے اور جب دوسری امتوں میں ایسے لوگ پائے گئے تو امت محمدیہ میں ایسے لوگوں کا تعداد میں زیادہ رتبہ میں بلند پایا جانا زیادہ مناسب اور ضروری ہے بلکہ یہ جملہ تاکید اور یقین کے پیرایہ میں بیان ہوا ہے۔ اور اس جملہ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے۔ وہ ذی فہم انسان پر مخفی نہیں اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی کہے۔ کہ اگر کوئی میرا دوست ہے۔ تو وہ فلاں ہے۔ تو ایسے جملہ سے قائل کا منشا یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ فلاں شخص میرا پکا دوست ہے۔

ان تینوں حدیثوں سے صاف طور پر ثابت ہے۔ کہ آنے والے مسیح پر وحی نازل ہوگی۔ اور ان کے علاوہ بھی کاملین افراد محمدیہ پہلی امتوں کے کامل افراد کی طرح مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہونگے۔

گواہان مدعیہ نے اپنے بیانوں میں انقطاع وحی کے متعلق ایک حدیث بھی پیش نہیں کی ہے۔ لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کو عدالت میں بحث کرتے ہوئے علانیہ یہ غلط بیانی کی کہ گواہان مدعیہ نے انقطاع وحی کے متعلق پچیس حدیثیں پیش کی ہیں۔ اور مختار مدعیہ نے جو دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ ایک رزین کی مشکواۃ صـ۵۴۸ سے اور دوسری بخاری جلد ا صـ۳۶ سے تو ان دونوں حدیثوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر شرعی منقطع ہے۔

مشکواۃ کی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب نے زکواۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ تو حضرت عمر نے ان لوگوں سے نرمی کا سلوک کرنے کی درخواست کی۔ حضرت ابو بکر نے اس کا یہ جواب دیا۔ کہ اجبار فی الجاهلية وخوار فی الاسلام انه قد انقطع الوحی وتم الدين اينقص وانا حی یعنی کیا جاہلیت میں تو جبار تھے۔ اور اب اسلام میں اگر بزدل اور ضعیف بنتے ہو۔ یاد رکھو وحی منقطع ہوگئی۔ کہ دین پورا ہو گیا۔ کیا دین میں کمی بیشی کی جائے گی اور میں زندہ ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وحی سے مراد شرعی وحی ہے۔ جو پہلے دین کو یا اس کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والی ہے۔ پس جب وہ نماز پڑھ کر اللہ تعالے کی حمد وثنا کرنے کے لیے بیٹھے۔

اذا هو بصوت عال من خلف اللهم لك الحمد كله و بيدك الخير كله و اليك يرجع الامر كله ..... فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقص علیہ فقال ذلك جبرئیل علیہ السلام" (روح المعانی جلد، صـ۶۴)

یعنی اس نے پیچھے سے ایک بلند آواز سنی جس کے یہ الفاظ تھے۔ اللهم لك الحمد الی آخرہ پھر ابی ابن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے اس سے معلوم ہوا۔ کہ صحابہ پر بھی جبرئیل کا نزول ہوتا تھا۔

تیسری حدیث :۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد كان فی قبلكم من الامم محدثون فان يك فی امتی احد فانه عمر (متفق علیہ)

(مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبائی صـ۵۵۵)

اسی طرح فرمایا۔ لقد كان فيمن قبلكم من بنی اسرائیل رجال يكلمون من غير ان يكونوا انبياء فان يك فی امتی منهم احد فعمر۔ (بخاری کتاب الفضائل فضائل عمر)

کہ پہلی امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں۔ اور بنی اسرائیل میں ایسے اشخاص بھی ہوئے جن سے خدا تعالےٰ ہمکلام ہوا۔ لیکن وہ نبی نہ تھے۔ ایسے اشخاص میری امت میں سے بھی ہوں گے جن میں سے ایک عمر ہے اور محدث کی تشریح آنحضرت صلعم نے یہ کی ہے۔ قال يتكلم الملائكة علی لسانه (طبرانی اسناده حسن۔

(تاریخ الخلفا مطبوعہ مصر صـ۱۱۸)

یعنی فرشتے اس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں امام ملا علی قاری یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ محدث سے کیا مراد ہے لکھتے ہیں۔

الملهم المبالغ فيه الذی انتهی الی درجة الانبياء فی الالهام" یعنی محدث سے ایسا ملہم مراد ہے۔ جو الہام میں انبیاء کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو۔ اور فرماتے ہیں۔

فان يك فی امتی احد فهو عمر لم يرد هذا القول مورد التردد فان امته افضل الامم واذا كانوا موجودين من غيرهم من الامم فبالحری ان يكونوا فی هذه الامة اكثر عددا واعلی رتبة وانما ورد مورد التاكيد والقطع ، ولا يخفی علی ذی الفهم محله من المبالغة كما يقول الرجل ان يكن لی صديق فانه فلان يريد بذلك اختصاصه بالكمال فی صداقته - مرقاة جلد ۵ صـ۵۳۱۔

رہی بخاری کی حدیث تو اس میں بھی وحی کے انقطاع سے مراد قرآن مجید کی وحی کا انقطاع ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی ۔جس میں احکام اور منافقوں کے نفاق اور مومنوں کے ایمان کی حالت کا اظہار ہوتا تھا ۔چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ۔

" ان اناسا کانوا یوخذون بالوحی فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الان بما ظھر لنا من اعمالکم ۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ۔اب تو ہم تمہارے اعمال کی بنا پر ہی مواخذہ کریں گے ۔اور جو کسی کے دل یا نفس میں ہوگا ۔اس کے مطابق محاسبہ نہیں کریں گے اس کا محاسب اللہ تعالے ہوگا پس اس حدیث میں بھی خاص وحی کے انقطاع کی طرف اشارہ ہے ۔جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی ۔

(۵)

عقیدہ سلف صالحین بقائے وحی غیر تشریعی کے خلاف نہیں

گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں قرآن وحدیث سے امت محمدیہ میں وحی الٰہی کے بقاء کا ثبوت پیش کرنے کے بعد سلف صالحین کے وہ اقوال پیش کیے ہیں ۔جن میں انسان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی کا دروازہ کاملین امت محمدیہ کے لیے کھلا ہونا تسلیم کیا ہے ۔اور نزول وحی تشریعی کو ممنوع قرار دیا ہے ۔اس کے لیے ملاحظہ ہو ۔گواہ مدعاعلیہ ۱ کا بیان مطبوعہ ص ۲۵ تا ۲۷

اب میں مختار مدعیہ کے ان اعتراضوں پر نظر کرتا ہوں ۔جو اس نے سلف صالحین کے ایسے اقوال پر کیے ہیں جن سے امت محمدیہ کے لیے وحی غیر تشریعی کا باقی ہونا ثابت ہوتا ہے ۔

حوالہ فتوحات مکیہ

گواہان مدعاعلیہ نے امت محمدیہ میں بقائے وحی غیر تشریعی کے متعلق فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۲۱۶، ۲۱۷ کا جو حوالہ پیش کیا تھا ۔اور جس کا ترجمہ گواہ مدعیہ ۱ نے ۱۲ اگست کی بجواب جرح یہ کیا ہے ۔

جو وحی رسول اللہ پر نازل ہوئی تھی ۔یعنی آپ کے قلب پر تو آپ پر ایک حرارت سی ہو جاتی تھی جس کو حال سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔اس لیے یہ سخت ہوتی تھی ۔اور اس کی وجہ سے مزاج متغیر ہو جاتا تھا ۔یہاں تک کہ وہ حالت آپ سے جاتی رہتی اور آپ خبر دیتے ۔اس چیز کی جو آپ کو دکھائی اور یہ تمام اقسام وحی موجود ہیں اب بھی اللہ تعالے کے بندوں میں اور وہ وحی جس کے ساتھ نبی مختص ہے ۔وہ تشریعی وحی ہے کہ حلال کرے اور

اور حرام کرے "۔

حوالہ مذکورہ کے اس ترجمہ سے جو گواہ مدعیہ ملا کا کیا ہوا ہے۔ بڑی صفائی سے ظاہر ہے کہ آیت

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورآء حجاب او یرسل رسولا ۔

میں جو اقسام وحی بیان کئے گئے ہیں۔ اور جن طرق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوتی تھی۔ وہ تمام اقسام وحی اب بھی اولیاء اللہ میں مانے جاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ ولی کو وحی تشریعی جس میں تحلیل و تحریم ہو نہیں ہوتی۔ کیونکہ تحلیل و تحریم نبوت کے ساتھ مختص ہے۔ یہ بیان اپنے مطلب کے اظہار میں کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے۔ اور اس میں نہایت صراحت سے وحی تشریعی کے سوا تمام اقسام وحی کا اولیائے امت محمدیہ میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن کیسی عجیب جسارت ہے۔ کہ مختار مدعیہ نے اس بیان کو بھی اپنے مفید مدعا ظاہر کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ اور ۱۱ ر اکتوبر کی بحث میں کہا۔ کہ حضرت شیخ اکبر نے وحی تشریعی کو انبیاء کے ساتھ مختص کیا ہے جو ہمارے مدعا کے موید ہے۔ حالانکہ مختار مدعیہ کا حضرت شیخ کے اس بیان کو اپنے مدعا کے موید کہنا ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی قائل الوہیت وابنیت مسیح کا سورۃ اخلاص کے ترجمہ کو اپنے مفید مطلب کہنا۔ کیونکہ علاوہ انتہائی صفائی و صراحت کے جو حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیان میں اختیار کی ہے۔ لفظ تشریعی کی تشریح بھی ساتھ ہی کردی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

فلا یشرع الا نبی ولا یشرع الا رسول خاصۃ فیحلل ویحرم ویبیح "

یعنی نبی اور رسول کی تشریع سے مراد کسی چیز کو حلال اور کسی کو مباح وغیرہ قرار دینا ہے بس ایسی وحی کے بقا کے تو ہم بھی قائل نہیں ۔ جس میں نئے احکام تحلیل و تحریم کے پائے جاتے ہوں۔ اور نہ ہم ایسی نبوت ہی کے قائل ہیں۔ اور اسی قسم کی وحی کے انقطاع کے متعلق الکبریت الاحمر میں عبارت ہے ورنہ دوسری قسم کی وحی جس میں نئے اوامر تحلیل و تحریم کے نہ ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر ہوئی۔ فتوحات مکیہ اور الکبریت الاحمر کی عبارت سے ظاہر ہے۔

اور گواہ مدعیہ ملا بھی ۲۹ر اگست کو بجواب جرح تسلیم کرچکا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں ان کی وحی تو وحی نبوت ہوگی۔ اس کے سوا جو وحی ہے۔ وہ وحی نبوت نہیں ہے۔ گو لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا یا اسی قسم کے اور امور کی نسبت سے کیسا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ لیکن نفس مکالمہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں آتا یعنی جو کلام کسی نبی پر نازل ہو۔ وہ بھی خدا کا کلام ہوتا ہے۔ اور جو کلام کسی نبی کے کامل متبع پر نازل ہوتا ہے۔ وہ بھی خدا ہی کا کلام ہے اور یہ مختار مدعیہ کے فریق مقابل یعنی احمدیوں کے عقائد سے بالکل ہی مطابق ہے ہاں مختار مدعیہ کی اس توجیہ نے گواہان مدعیہ کے بیانات کا ضرور قلع قمع کردیا ہے۔ کیونکہ مختار مدعیہ نے

تو حضرت مجددؒ الف ثانی کے اس حوالہ کو اپنے مدعا کا مثبت قرار دیا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ مٹ۳-۲۹ ر اگست کو بجواب جرح کہہ چکا ہے۔ کہ مکتوبات امام ربانی جلد ثانی ۹۹ مکتوب صا۵ میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ کشفی یا الہامی ہے۔ جو حجت نہیں ہے اور ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ کہ مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ دونوں کے لیے یہ کہنے کا موقع ہے۔ ؎

زخمی کرے مجھی کو میری آہ دل خراش

میرا ہی تیر میرے کلیجے کے پار ہو

گواہ مدعیہ نے تو مکتوبات کے مذکورہ حوالہ کو یہ کہہ کر کہ کشفی یا الہامی ہے جو حجت قطعی نہیں اور مختار مدعیہ نے یہ کہنے کے بعد بھی کہ ہمارے لیے یہ مثبت مدعا ہے۔ غلط توجیہ کر کے ٹال دینا چاہا ہے۔ مگر ان دونوں کے مسلم مقتدا و پیشوا جناب مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کا جو حوالہ گواہان مدعا علیہ نے پیش کیا ہے وہ ان دونوں کے خلاف احمدیوں کی تائید اور حوالہ مکتوب امام ربانی کی تصدیق کر رہا ہے۔ اور جس کو دیکھنے کے بعد ایک منصف مزاج انسان کو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ جن طرق سے انبیاء کو وحی اور الہام اور مکالمہ الٰہیہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ بعینہ انہی سے اولیاء اللہ کو ہونا بھی ثابت ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق کیا گیا ہے۔ اور یہ علماء کی اپنی خود ساختہ اصطلاح ہے۔ و لکل ان یصطلح

(۴) اور تفسیر روح المعانی جلد ۷ سے ۶۵ صفحہ سے بھی صاف منقول ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام پر نزول کے وقت بذریعہ جبرئیل وحی ہوگی اور وہ وحی باوجود ان کے نبی اور رسول ہونے کے غیر تشریعی ہوگی پس اس سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی پر غیر تشریعی وحی ہونی ثابت ہے۔

اور اسی طرح گواہ مٹ نے ۲۱ ر اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ حدیث میں جو وحی کا ذکر آیا ہے۔ وہ مسلم ہے۔ مگر اس سے تبلیغی وحی مراد نہیں ہے۔ اور اس نے حدیث مسلم جس میں وحی کا ذکر ہے کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اور بجواب جرح یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام جب نازل ہوں گے۔ تو وہ رسول ہوں گے۔ ہر رسول پر غیر تبلیغی وحی کے نزول کو انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ یہ سمجھ نہیں آیا کہ غیر تبلیغی سے گواہ کی کیا مراد ہے۔ کیونکہ حدیث میں جس وحی کا ذکر ہے۔ کہ میرے بندوں کو طور کی طرف جمع کرو۔ اب اگر مسیح موعود یہ وحی لوگوں کو پہنچائے گا نہیں۔ تو انہیں جمع کیسے کرے گا۔ بہرحال یہ وحی تبلیغی تو ہوگی۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں گواہ کی مراد تبلیغی وحی سے یہ ہے کہ تشریعی نہ ہوگی۔ جس میں نئے احکام اور نواہی ہوں۔

فتوحات مکیہ جلد ۲ صا۹۹ کے حوالہ کے متعلق بھی جس میں کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے صریح طور پر ظاہر کیا ہے۔ کہ جو مکالمہ الٰہیہ انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہی ان کے بعض کامل متبعین کے لیے بھی بطور اتباع اور وراثت کے

ہو جاتا ہے۔ مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ کہ یہ حوالہ بھی ہمارے مثبت مدعا ہے۔ کیونکہ مجدد صاحب نے جس کلام الٰہی کا ذکر کیا ہے، وہ وحی ہے جو محدثین پر ہوتی ہے۔ اور وہ وحی الہام ہے۔ وحی نبوت نہیں۔

مختار مدعیہ نے حضرت مجدد الف ثانی کے بیان کی جو یہ نئی توجیہ کی ہے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی نے جس کلام الٰہی کا ذکر کیا ہے، وہ کلام ہے تو وحی الٰہی ہی جو محدثین پر نازل ہوتی ہے۔ اور جو وحی محدثین پر نازل ہوتی ہے وہ وحی الہام ہوتی ہے، وحی نبوت نہیں ہوتی اس عجیب و غریب توجیہ سے فریق مقابل کا تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ جس کلام الٰہی کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا ہے۔ مختار مدعیہ خواہ اس کلام کا نام محدثین پر نازل ہونے والی وحی رکھے خواہ اس کی وحی الہام کے موجب تفریع نام سے نامزد کرے۔ خواہ اور کچھ کہے بہرحال حضرت مجدد صاحب کے مضمون مکتوب مندرجہ بالا سے روز روشن کی طرح سے یہ ظاہر ہے کہ جس کلام کا آپ نے اس موقع پہ ذکر فرمایا ہے۔ انبیاء پر بھی وہی نازل ہوتا ہے، اور جو مکالمہ و مخاطبہ انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح کا اس کے کامل متبعین کو بھی ہوتا ہے۔

(۵) اور مختار مدعیہ نے حجج الکرامہ کے اس حوالہ "بر ظاہر است کہ آمدہ وحی بسوئے او جبرئیل علیہ السلام باشد بلکہ یہ ہمیں یقین داریم و در آن تردد نمی کنیم" ۱۱ راکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔ کہ یہ حوالہ غیر مسلم ہے۔ کیونکہ نواب صدیق حسن خاں صاحب متشدد غیر مقلدین سے نہیں، اور حنفیوں کو وہ مشرک سمجھتے ہیں۔ مختار مدعیہ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پہلے حوالے کے متعلق باوجود گواہ کے یہ کہہ دینے کے کہ مکتوب کا حوالہ ہمارے لیے حجت نہیں۔ مختار مدعیہ کے اس حوالہ کی بابت یہ کہنا کہ ہمارے مدعا کو ثابت کرنے والا ہے۔ نادانستگی سے نہیں۔ بلکہ دیدہ دانستہ تھا۔ اور وہ گواہان مدعیہ کی شہادت کو غلط اور انہیں کم علم اور اپنے آپ کو ذی علم ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۱ راگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کو میں مسلمان سمجھتا ہوں، اور ان کی کتاب حجج الکرامہ میں ظاہر است سے عبارت ہے۔ پس گواہ مدعیہ تو انہیں مسلمان تسلیم کر کے یہ نہیں کہتا۔ کہ ان کا قول ہمیں مسلم نہیں ہے، لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے، کہ چونکہ وہ حنفیوں کو مشرک سمجھتے ہیں اس لیے ان کا قول غیر مسلم ہے۔ اور مختار مدعیہ یہ کہہ کر صرف گواہ مدعیہ ۱ کی شہادت ہی کو بے وقعت نہیں بنا رہا ہے، بلکہ اپنے سب سے بڑے پیشوا و مقتدا اور اپنے خاتم المحدثین مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پر بھی اپنی فوقیت جتلا رہا ہے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب نواب صدیق حسن خاں صاحب کو مرحوم اور رئیس عاملین بالحدیث قرار دیتے ہیں، اور دیگر مفسرین عظام کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے قول سے سند پکڑتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں

"اور مولوی صدیق حسن خاں مرحوم رئیس عاملین بالحدیث اپنی تفسیر میں اور قاضی شوکانی اور ابن کثیر اور بیضاوی اور مدارک وغیرہا تفاسیر میں یہ معنے اولی الامر کے قبول کرتے ہیں۔ (سبیل الرشاد ص۳۶)

اور فتاوی رشیدیہ حصہ اول حاشیہ صـــ۱۰۳ میں لکھا ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب رئیس بھوپال اپنے رسالہ تعلیم الصلوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں خطبہ منجملہ شعائر دین کے ہے۔ یہ خطبہ عربی زبان میں ہونہ عجمی۔ اور نثر ہو نہ نظم۔ سلف سے یہی طریق چلا آیا ہے۔ اور فتاوی رشیدیہ حصہ دوم صـــ۱۰۵ میں ہے مولانا نواب سید صدیق حسن صاحب قنوجی رحمۃ اللہ علیہ روضۃ الندیہ شرح درالبہیہ میں فرماتے ہیں اور فتاوی حصہ سوم صـــ۵۵ میں ہے۔ چنانچہ مولانا سید صدیق حسن خان صاحب نے تکریم المومنین میں لکھا ہے۔ کہ اس حدیث کی صحت میں تکلم ہے۔ لیکن معنی اس کے صحیح ہیں۔

مختار مدعیہ نے گواہان مدعیہ کی شہادت کو قابل استناد بناتے کے رد کرنے کے قابل بنا دیا ہے کیونکہ دریار معلی نے اپنے فیصلہ میں یہ تحریر کیا ہے۔ کہ علمائے اسلام کی رائے حاصل کرلی چاہیئے۔ لیکن عاملین بالحدیث جو لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے۔ ان کے رئیس نے گواہان مدعیہ کو جو حنفی مذہب ہوئے کے مدعی ہیں، مشرک قرار دیا ہے۔ پس جو لوگ مشرک ہوں۔ وہ علمائے اسلام کیونکر ہو سکتے ہیں، علمائے اسلام سے وہی علماء مراد لیے جا سکتے ہیں جن کو تمام مسلمانوں کے فرقے عالم اسلام سمجھتے ہوں، مگر جو مدعیہ کی طرف سے گواہ پیش کیے گئے ہیں۔ ان سب کی بابت رئیس عاملین بالحدیث کا یہ فتوی ہے۔ کہ وہ مشرک ہیں۔ لہذا ان کی شہادت رد کردینے کے لائق ہے۔ مختار مدعیہ نے نواب صدیق حسن خان صاحب کے اس قول "کہ مسیح موعود پر وحی لانے والا یقیناً جبرئیل ہے۔ انہیں غیر مقلد بتا کر ٹال دینا چاہا تھا لیکن ہم نے دکھا دیا ہے۔ کہ وہ پہلے غیر مقلد ہیں۔ جن کے اقوال مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوے میں بھی بطور سند پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن اسی پر بس نہ کریں ہم حضرت امام ملا علی قاری مسلم حنفی عالم کا قول بھی پیش کیے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"ثم الظاهر ان الجائی الیه بالوحی هو جبرئیل بل هو الذی نقطع به ولا نتردد فیه لان ذلك وظیفته وهو السفیر بین الله و بین انبیائه و اما ما اشتهر علی السنة العامة ان جبرئیل لاینزل الی الارض بعد موت النبی صلی الله علیه وسلم فلا اصل له"

(کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ علامہ السید الشریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ثم المدنی صـــ۲۲۷)

یعنی ظاہر یہی ہے۔ کہ مسیح کے نزول کے بعد ان کی طرف وحی لانے والا جبرئیل ہے۔ بلکہ اس پر ہم یقین رکھتے ہیں اور ہم اس میں کسی قسم کا تردد نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ اس کا وظیفہ ہے۔ اور وہ اللہ اور انبیاء کے درمیان سفیر ہے اور عامۃ الناس کی زبان پر جو یہ مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جبرئیل زمین پر نازل نہیں ہوتے تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ملا علی قاری کے بتائے ہوئے انہیں عوام میں سے مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ ۴ بھی ہے۔ جس نے ۳۱ اگست کو بجواب جرح کہا۔ "جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر رسول اللہ کے بعد کسی شخص پر نازل

نہیں ہوسکتا۔حضرت عیسےٰؑ کے نزول کے وقت بھی ان پر جبرئیل نہیں آئیں گے ''۔

امام ملا علی قاری نے بعینہ وہی الفاظ کہے ہیں۔ جو مولف نجم الکرامہ نے کہے ہیں۔ صرف زبان کا فرق ہے۔ وہ عربی میں ہیں اور یہ فارسی میں۔

لیکن ہمیں کامل یقین ہے۔ کہ اب مختار مدعیہ اپنی تقلید کا یوں ثبوت دے گا۔ کہ وہی بات جو ایک غیر مقلد کی طرف سے ہونے کی وجہ سے غیر مسلم تھی۔ اب ایک مسلم حنفی امام کے کہنے کی وجہ سے قابل تسلیم ہو جائے گی۔ ورنہ اُس عقیدہ کی وجہ سے ان سب کو کافر ماننا پڑے گا۔

پس سلف صالحین کے اقوال سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی جاری ہے۔ اور صرف وحی تشریعی بند ہوئی ہے۔

(۶)

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے نزدیک صرف تشریعی وحی بند ہے

گواہان مدعیہ نے اپنے بیان میں ازالہ اوہام اور حمامۃ البشریٰ کے بعض حوالجات پیش کیے ہیں۔ جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہے لیکن ہر ایک شخص جو ان تحریروں کا غور سے مطالعہ کرے گا وہ جان لے گا۔ کہ اس وحی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مراد شریعت والی وحی یا نبی مستقل کی وحی ہے، جو بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ہو۔ چنانچہ آپ ازالہ اوہام ہی میں فرماتے ہیں۔

''اے غافلو اس امت مرحومہ میں وحی کی نالیاں قیامت تک جاری ہیں۔ مگر حسب مراتب ''۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۲)

اور اس سے بھی پہلی کتاب توضیح مرام صفحہ ۱۸ اور ۱۹ پر فرماتے ہیں۔

'' اور اگر یہ عذر پیش ہو۔ کہ باب نبوت مسدود ہے۔ اور وحی جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔ اس پر مہر لگ چکی ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے، اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی گئی ہے۔ بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس امت مرحومہ کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے ''۔

اور اسی صفحہ پر آپ فرماتے ہیں۔

'' میں محدث ہوں۔ اور خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے ''۔

اور محدث کی وحی کے متعلق فرماتے ہیں۔

"رسول اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطانی سے منزہ کیا جاتا ہے"۔

اسی طرح کشتی نوح صـ۲۲ کے حاشیہ پر فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے۔ جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں۔ وہ دین مردہ ہے۔ اور خدا اس کے ساتھ نہیں"۔

اسی طرح اسی صفحہ میں فرماتے ہیں۔

"یہ خیال مت کرو۔ کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور روح القدس اب اتر نہیں سکتا، بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اتر چکا۔ اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں، کہ ہر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ مگر روح القدس کے اترنے کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو۔ تا وہ ان میں داخل ہو۔ تم اس آفتاب سے خود اپنے تئیں دور ڈالتے ہو، جب کہ اس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان اٹھ اور اس کھڑکی کو کھول دے۔ تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائے گا"

اسی طرح استفتاء میں فرمایا ہے کہ۔ " ان اللہ سمانی نبیًا بوحیہ" کہ اللہ تعالےٰ نے میرا نام اپنی وحی میں نبی رکھا ہے اور اس نام رکھنے کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے میری طرف کثرت سے وحی کی اور کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار کیا۔ اور اسی طرح حمامۃ البشریٰ میں بھی اپنی وحی کو پیش کیا ہے۔ اور آپ نے الہام کا لفظ حسب اصطلاح متقدمین بمعنے وحی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ الہام کی تعریف بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔ الہام ایک القائے غیبی ہے۔ جس کو نفث فی الروع اور وحی بھی کہتے ہیں" (براتی تحریریں صـ۱۵)

اسی طرح براہین احمدیہ صفـ۲ حاشیہ صـ۲۲۰ میں لکھتے ہیں" لفظ الہام جو اکثر جگہ عام طور پر وحی کے معنوں پر اطلاق پایا ہے۔ وہ باعتبار لغوی معنوں کے اطلاق نہیں پاتا۔ بلکہ اطلاق اس کا باعتبار عرف علماء کرام ہے۔ کیونکہ قدیم سے علماء کی ایسی ہی عادت جاری ہو گئی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ وحی کو خواہ وحی رسالت ہو۔ یا کسی دوسرے پر وحی اعلام ہو نازل ہو۔ الہام سے تعبیر کرتے ہیں"۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام صرف شریعت جدیدہ والی وحی کا انقطاع مانتے ہیں۔ یا اس وحی کا جو کسی مستقل نبی کی طرف ہو، جس کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نتیجہ نہ ہو۔ چاہے وہ ایک دو فقرے ہی کیوں نہ ہو اس وجہ سے جہاں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کے انقطاع کا ذکر کیا ہے۔ وہاں حضرت عیسیٰ کے دوبارہ نزول ماننے والوں کا رد کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسےٰؑ مستقل نبی تھے۔ ان کی نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں نہیں تھی۔ ورنہ مطلق وحی کے بقاء کا دعوےٰ اور یہ کہ آپ کو وحی ہوتی ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تقریباً اپنی ہر کتاب میں لکھا ہے۔

(۷)

کیا حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک آپکی وحی قرآنی وحی کے برابر ہے۔

عجیب بات ہے کہ فریق مخالف ایک طرف تو حضرت مسیح موعود کی عبارتوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے۔ اور دوسری طرف آپ کی کتب سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، کہ نعوذ باللہ آپ نے اپنی وحی کو قرآن مجید کے بالمقابل اور اس کے ہم مرتبہ بنایا ہے۔

اس نے اپنے دعویٰ کی تائید میں مندرجہ ذیل حوالے پیش کیے ہیں:

(۱) "میں خدا تعالیٰ کی تیئس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکیں۔" (حقیقۃ الوحی صد ۱۵۰)

(۲) "میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں۔ کہ میں ان الہامات پر اس طرح ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں، اس طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔" (حقیقۃ الوحی صد ۲۱۱)

(۳) "میں جیسا کہ قرآن مجید کی آیات پر یقین رکھتا ہوں۔ ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھے ہوئی۔ اور جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے۔ اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر قسم کھا سکتا ہوں۔ کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اس خدا کا کلام ہے۔ جس نے حضرت موسیٰ حضرت عیسےٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم پر اپنا کلام نازل کیا ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

اب ان تینوں حوالوں کی عبارتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان عبارتوں میں آپ نے اپنی وحی پر ایمان لانے کا اظہار کیا ہے۔ جس طرح وحی قرآن اور دوسری وحیوں پر۔

پس ان عبارتوں سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی وحی کے منجانب اللہ اور اس کے دخل شیطان سے پاک و منزہ ہونے پر یقین کامل ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

؎ وحی دلگیرش کہ منظر گاہ اوست
چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست (مثنوی دفتر ۴ صد ۱۵)

اور فریق مخالف کا یہ کہنا کہ آپ نے اپنی وحی کو قرآن مجید کے مقابل پر پیش کیا ہے، اور اس کو قرآن شریف کی مثل قرار دے کر اپنے آپ کو صاحب شریعت ہونے کا دعویدار بنایا ہے۔ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ آپ نے کہیں نہیں لکھا۔ کہ میری وحی شرعی اور قرآن کے مثل اور اس کے ہم مرتبہ ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"خدا تعالے کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ قرآن کی مثل لا سکتے ہیں، قرآن کریم سراپا معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا۔ اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ایسی پاک وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد اور بھی کوئی وحی ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم النبیین پر ہوئی۔ ایسی نہ کسی پر پہلے ہوئی اور نہ کبھی آئندہ ہوگی اور جو شان قرآن مجید کی وحی کی ہے۔ وہ اولیاء کی وحی کی شان نہیں۔ اگرچہ قرآن کی مانند کوئی کلمہ انہیں وحی کیا جائے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے معارف و حقائق کا دائرہ سب دائروں سے بڑا ہے۔" (الہدیٰ ص۳۲۱)

اور اسی طرح آپ وحیوں کے فرق مراتب کا ذکر کرتے ہوئے نزول مسیح ص۱۱۴ میں فرماتے ہیں۔

کلام الٰہی سے مراد وہی کلام الٰہی ہے۔ جو زمانے کے لیے تازہ طور پر اترتا ہے۔ اور اپنی خاصیت سے ملہم اور اس کے ہم نشینوں پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ میں یقینی طور پر خدا کا کلام ہوں۔ اور ایسا ملہم طبعاً اس میں اور خدا کے دوسرے کلمات میں جو پہلے نبیوں پر نازل ہوئے من حیث الوحی کچھ فرق نہیں سمجھتا۔ گو دوسرے وجوہ سے کچھ فرق ہو۔" اس سے بھی بڑھ کر آپ نے اپنی وحی کو قرآنی وحی کے تابع و خادم قرار دیا ہے۔ اور قرآن کریم کو متبوع الخدام اور آپ کی وحی میں جا بجا قرآنی وحی کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جیسے کہ

(الخیر کلہ فی القرآن (حقیقۃ الوحی ص۲۲) الرحمان علم القرآن ص۷)

اور کل برکۃ من محمد صلعم فتبارک من علم و من تعلم)۔ یعنی تمام برکات روحانیہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص۷)

اور توضیح مرام ص۲۵ میں فرماتے ہیں۔

"تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے" جس کو روح امین کے نام سے بولتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر ایک تاریکی سے امن بخشتی ہے۔ اور ہر ایک غبار سے خالی ہے۔ اور اس کا نام شدید القویٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقت وحی ہے۔ جس سے قوی تر وحی متصور نہیں اور اس کا نام ذو الافق الاعلیٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلی ہے۔ اور اس کو رأی ما رأی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور وہم و گمان سے باہر ہے اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسان کامل ہے۔ جس پر تمام سلسلہ انسانیہ کا ختم ہو گیا ہے۔ اور دائرہ استعدادات بشریہ کا کمال کو پہنچتا ہے۔ اور وہ درحقیقت پیدائش الٰہی کے خط ممتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے۔ جو ارتفاع کے تمام مراتب کا انتہا ہے۔

جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ نہایت تعریف کیا گیا ہے۔

یعنی کمالات تامہ کا مظہر ہو جیسا کہ فطرت کی رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا۔ ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ وارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطا ہوا۔ اور اعلیٰ وارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے۔ کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکے۔ اس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت تامہ ہے۔ (صفحہ ۲۵-۲۷)

(۱) اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کھول کر بتا دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا مرتبہ نہایت ہی اعلیٰ وارفع مرتبہ ہے۔ جو کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔

(۲) اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس امر کی تصریح کی ہے۔ کہ آپ کی وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

اور محض محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے وہ اعلیٰ مرتبہ مکالمہ الٰہیہ کا اور اجابت دعاؤں کا مجھے حاصل ہوا ہے۔ کہ بجز سچے نبی کے پیرو کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکے گا۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۷۶)

اور فرماتے ہیں :-

دنیا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے کہ وہ بشرطیکہ سچی اور کامل اتباع کے ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات الہیہ سے مشرف کرتا ہے۔ (ضمیمہ براہین حصہ پنجم صفحہ ۱۸۴)

اور فرماتے ہیں۔

"میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ (حقیقۃ النبوۃ بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۲۶۲)

اور فرماتے ہیں :-

میں خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں۔ کہ یہ تمام فیوض بلاواسطہ میرے پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے۔ جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(حقیقۃ النبوۃ بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۲۶۵)

اور فرماتے ہیں۔

قرآن شریف کا یہ وعدہ ہے۔ کہ لہم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا اور یہ وعدہ ہے کہ ایدہم بروح منہ اور یہ وعدہ ہے۔ ویجعل لکم فرقانا اس وعدہ کے مطابق خدا نے یہ سب مجھے عنایت کیا ہے۔ اور ترجمہ ان آیات کا یہ ہے۔ کہ جو لوگ قرآن شریف پر ایمان لائیں گے۔ ان کو مبشر خوابیں اور الہام دیئے جائیں گے یعنی بکثرت دیئے جائیں گے۔ ... اور یہ فرمایا کہ کامل پیروی کرنے والے کی روح القدس سے تائید کی جائے گی۔

(ضمیمہ چشمہ معرفت صہ ۱۴)

اور فرماتے ہیں ۔

"ہماری طرف سے دعویٰ ہے ۔ جس کو ہم بمقابل ہر فریق کے ثابت کرنے کو تیار ہیں، اور وحی قرآنی اپنی تعلیم اور اپنے معارف و برکات اور علوم میں ہر ایک وحی سے افزوں و اعلیٰ ہے ۔" سرمہ چشم آریہ حاشیہ صہ ۱۴۸)

اور فرماتے ہیں ۔

ہاں اپنی ختم رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لیے یہ چاہا ۔ کہ فیض وحی آپ کی پیروی کے وسیلہ سے ملے ۔ اور جو شخص امتی نہ ہو ۔ اس پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہو ۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا ۔ لہٰذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی ۔ کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا امتی ہونا ثابت نہ کرے ۔ اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے ۔ ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پا سکتا ہے ۔ اور نہ کامل ملہم ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ۔ مگر ظلی نبوت جس کے معنے ہیں ۔ کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی ۔ انسان کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو ۔ اور تا یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت نے قیامت تک یہی چاہا ہے ۔ کہ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کے دروازے کھلے ہیں ۔ اور معرفت الٰہیہ جو مدار نجات ہے ۔ مفقود نہ ہو جائے ۔"

(حقیقۃ الوحی صہ ۲۸)

اور فرماتے ہیں ۔

اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں، اس بے شک نبی کے ذریعہ ہمیں میسر آیا ہے ۔ کہ آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے ۔ اور اسی وقت تک ہم سنوار سکتے ہیں ۔ جب تک ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں ۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۱۱۶)

اور فرماتے ہیں ۔

خدا تعالیٰ نے ھدیً للمتقین میں یہ وعدہ فرمایا ہے ۔ کہ اگر اس کی کتاب اور رسول پر کوئی ایمان لائے گا ۔ تو وہ مزید ہدایت کا مستحق ہو گا ۔ اور خدا اس کی آنکھ ہو جائے گا اور اپنے مکالمات و مخاطبات سے مشرف کرے گا ۔ اور بڑے بڑے نشان اس کو دکھائے گا ۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۱۳۸)

اور فرماتے ہیں ۔

" وہ رسول محمد عربی جس کو گالیاں دی گئیں ۔ وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے، اس کے قبول پر حد سے زیادہ انکار کیا گیا ۔ مگر آخر اسی رسول کو تاج عزت پہنایا گیا ۔ اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک

بں ہوں جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔ اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔
(حقیقۃ الوحی ص ۲۷)

اور فرماتے ہیں :۔

اے نادان تو میری مراد نبوت۔ سے یہ نہیں۔ کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں، یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمات ومخاطبات الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

ان تمام حوالوں سے جن میں سے اکثر انہی کتابوں سے ہیں جن کی عبارتوں پر اعتراض کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی وحی کو سب سے افضل و برتر اور اپنی وحی کو قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور کامل متابعت اور پیروی کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں :۔

علاوہ ازیں آپ قرآن مجید پر عمل کرنے کی جماعت کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" جو لوگ قرآن شریف کو عزت دیں گے۔ وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جاوے گا۔ نوع انسان کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول شفیع نہیں۔ مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نجات یافتہ کون ہے! وہ جو یقین رکھتا ہے۔ جو خدا سچ ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے"۔ (کشتی نوح ص ۱۳ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

اور فرماتے ہیں :۔

تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں۔ جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے"۔ (کشتی نوح ص ۲۴)

اور فرماتے ہیں :۔

" قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں۔ جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے۔ بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے"۔ (الوصیت حاشیہ ص ۱۲ مطبوعہ ۱۹۰۵ء)

اور فرماتے ہیں :۔

" اور ہم لوگ جو قرآن مجید کے پیرو ہیں۔ اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ سے قرآن شریف ہے۔ اس لیے

ہم خدا تعالےٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں نہ وہ اس بات کا نشان ہو۔ کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ اور ہم ہر ایک امر میں اسی ذریعہ سے فیضیاب ہیں" چشمہ معرفت صـ۲۱۰ مطبوعہ ۱۹۰۸ء میں ملاحظہ ہو صـ۴۰ - ۴۱ اور تجلیات الٰہیہ صـ۲۵ اور مواہب الرحمان صـ۶۹ وغیرہ۔

جس برگزیدہ خدا کے یہ ارشادات ہوں کیا اس کے متعلق یہ شبہ کیے جانے کی گنجائش ہے۔ کہ وہ اپنی وحی کو قرآنی وحی کے برابر قرار دیتا ہے۔ اس کا فیصلہ عموماً ہر منصف مزاج اور خصوصاً عدالت کے انصاف پر چھوڑ کر کہتا ہوں۔ کہ ان ارشادات پر ہی بس نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت اقدس مسیح موعود نے اپنی وحی کی صداقت معلوم کرنے کے لیے قرآن کریم کو محک و معیار قرار دیا ہے۔ چنانچہ آئینہ کمالات اسلام کے صـ۲۱ میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

قرآن شریف آنحضرت صلعم کے بعد قیامت تک تحریف و تبدیل اور کسی خطا کار کی غلطی پیدا کر دینے سے محفوظ ہے۔ نہ وہ منسوخ ہوگا۔ اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوگی۔ اور نہ کسی ملہم صادق کا کوئی الہام اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ اور جو کچھ مجھے خدا تعالےٰ کی طرف تفہیم ہوئی ہے۔ یا الہامات نازل ہوئے ہیں۔ ان سب کو میں نے اسی شرط سے قبول کیا ہے۔ کہ وہ سب صحیح اور درست ہیں۔ اور نشانات صداقت بھی ساتھ رکھتے ہیں۔ اور مجھ پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ وہ تمام الہامات صحیح اور خالص اور قرآن کریم کے مطابق ہیں۔ ان میں کوئی شک و شبہ نہیں اور بفرض محال اگر کوئی الہام خلاف قرآن ہوتا۔ تو ہم اسے ردی نشان کی طرح پھینک دیتے۔"

اور فرماتے ہیں:-

وان القران مقدم علی کل شیء و وحی الحکم مقدم علی احادیث ظنیۃ بشرط ان تطابق القران وحیہ مطابقۃ تامہ وبشرط ان تکون الاحادیث غیر مطابقۃ القرآن (مواہب الرحمان صـ۶۹)

یعنی قرآن ہر شی پر مقدم ہے۔ اور حکم کی وحی ظنی احادیث پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ اس کی وحی قرآن سے مطابقت تامہ رکھتی ہو۔ اور احادیث قرآن کے مطابق نہ ہوں

اور فرماتے ہیں:-

اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا۔ تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا۔ کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔" (حقیقۃ الوحی صـ۱۴۹)

غرض سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں صدہا جگہ اس امر کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ میری وحی قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ ہے۔ اور قرآن مجید کی وحی سب وحیوں سے مرتبہ میں اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور وہ میری وحی کے لیے محک اور معیار اور کسوٹی کے طور پر ہے۔ بایں ہمہ کثرت... ارشادات

ونفر بحیات مختاران مدعیہ اور گواہان مدعیہ کا ان سب کے خلاف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا کہ آپ نے اپنی وحی کو درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے قرآنی وحی کے برابر ٹھہرایا ہے۔ کہنے والوں کو جس مقام پر کھڑا کرتا ہے دیکھنے والے خود دیکھ سکتے ہیں ۔

دوسری وجہ تکفیر کا رد

(۱)

جماعت احمدیہ آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین یقین کرتی ہے۔

دوسری وجہ تکفیر فریق مخالف نے یہ بیان کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کے معتقدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں اور آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین یقین کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔ اور جو ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کردے وہ کافر ہے لہذا حضرت مرزا صاحب اور آپ کے تمام معتقدین کافر ہوئے

اما الجواب :-

یہ امر کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کے متبعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں صریح بہتان ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے کا بڑی کثرت سے اقرار موجود ہے۔

(۱) چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ انجام آتھم صـ۲۷ میں

" اور اصل حقیقت جس کی میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں۔ یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں "

(۲) اور فرماتے ہیں۔ الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۵ء میں

" اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے یہ ہم پر افتراء عظیم ہے۔ ہم جس وقت یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں۔ اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے "

ان کے علاوہ ازالہ اوہام صـ۱۳۷ و آئینہ کمالات اسلام صـ۳۸۷ ایام الصلح صـ۸۶ کرامات الصادقین صـ۲۵ و ایک غلطی

کا ازالہ اور مواہب الرحمان صہ ۶۶ اور حقیقۃ الوحی صہ ۲۷ و استفتاء صہ ۶۴ سے نہایت صفائی کے ساتھ حضرت اقدس کا آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین ماننا ظاہر ہے۔ اور ان حوالوں کی عبارات دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ ما (موسومہ بہ مقدمہ بہاولپور صہ ۳۰ تا ۳۲)

نیز واضح رہے کہ کوئی شخص جماعت احمدیہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ بیعت کے وقت وہ آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے کا صدق دل سے اقرار نہ کرے۔ جیسا کہ بیعت فارم کے فقرہ آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین یقین کروں گا سے ثابت ہے پس یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتی۔ قطعاً لغو و باطل ہے۔

بحث خاتم النبیین

(۲)

جمیع مسلمان آنحضرت صلعم کے بعد ایک نبی کا آنا مانتے ہیں۔

مختار مدعیہ اور گواہان نے آنحضرت صلعم کے بعد باب نبوت کو مسدود ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیت خاتم النبیین پیش کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ لفظ خاتم ہمیشہ عربی زبان میں صرف آخر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور گواہ مدعیہ ما نے ۲۰ اگست کو بجواب جرح اسبات کی تصریح کی ہے کہ جو شخص ختم کے معنی آخر کے سوا کچھ اور کرتا ہے۔ وہ کافر ہے مگر دوران جرح میں ہی جب ان سے دریافت کیا گیا کہ زبان عرب کے کوئی محاورہ پیش کرو جس میں خاتم کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہو اور پھر اس کے معنی آخری فرد کے لئے گئے ہوں تو وہ کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکے ہاں انہوں نے صرف ایک حوالہ منتہی الارب اور لسان العرب کا پیش کیا ہے جس میں لکھا ہے۔ خاتم القوم آخرہم۔ سو اس کا مفصل جواب میں آگے چل کر لفظ آخر کی بحث میں دوں گا فی الحال یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر خاتم النبیین کے معنی یہی ہیں جیسا کہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے کیے ہیں کہ آپ کے بعد کسی قسم کا بھی نبی نہیں ہو سکتا تو یہ معنی تمام مسلمانوں کے عقیدہ کے خلاف ہیں کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ کا آنا بحیثیت نبی کے مانتے ہیں، جیسا کہ گواہ مدعیہ ما نے ۱۳ اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے "کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے۔ اور تقریباً جمیع قائلین نزول مسیح علیہ السلام کا یہی اعتقاد ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ نبی ہوں گے۔ چنانچہ بیان گواہ مدعا علیہ ما حجج الکرامہ سے اس کے متعلق ائمہ کے اقوال نقل کرائے گئے ہیں اب میں امام ملا علی قاری کا قول جو حنفی علماء میں ایک نہایت ہی جلیل القدر عالم ہیں پیش کرتا ہوں۔

فمن قال بسلب نبوته کفر حقا کما صرح به الامام السیوطی فان النبی لا یذھب عنہ وصف النبوة ولا بعد موتہ واما حدیث لا وحی بعدی باطل لا اصل لہ نعم ورد لا نبی بعدی ومعناہ عند العلماء انہ لا یتحدث بعدہ نبی بشرع ینسخ شرعہ۔

(کتاب الاشاعة لاشراط الساعة صہ ۲۲۶)

یعنی جس شخص نے کہا کہ مسیح علیہ السلام مسلوب النبوة ہو کر آئیں گے تو وہ یقینا کافر ہو گیا جیسا کہ امام سیوطی نے اس امر کی تصریح کی ہے کیونکہ نبی سے اس کی موت کے بعد بھی وصف نبوت زائل نہیں ہو جاتا اور یہ حدیث کہ میرے بعد وحی نہیں ہے باطل اور بے اصل ہے ہاں لا نبی بعدی آیا ہے۔ اور اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ نہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا جو ایسی شریعت لائے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت منسوخ ہو جائے اور صہ ۲۲۷ میں مسیح پر بعد نزول وحی بذریعہ جبرئیل مان کر یہ امر واضح کر دیا ہے کہ وہ نبی ہوں گے پس اگر خاتم النبیین میں نبیین سے مراد ہر قسم کے نبی ہیں تو حضرت عیسیٰ بھی دوبارہ نہیں آسکتے اگر کہو کہ نئے نبی کا آنا منع ہے پرانے کا نہیں تو ہم بڑے ادب سے عرض کریں گے کہ اگر النبیین سے پرانے نبیوں کا استثنا ہو سکتا ہے تو اس طرح ایک امتی غیر تشریعی نبی کا استثنا بھی ہو سکتا ہے۔

خاتم النبیین سے کیا مراد ہے۔

(۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لفظ خاتم سے کیا سمجھے

گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں حدیث لوعاش ابراہیم لکان صدیقا نبیا کی بناء پر یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیت خاتم النبیین سے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ نہیں سمجھے ورنہ آپ آیت خاتم النبیین کے نزول پر پانچ سال گزر جانے کے بعد اپنے صاحبزادے ابراہیم کے حق میں قطعا یہ نہ فرماتے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ مختار مدعیہ نے اس حدیث پر دو قسم کی جرح کی ہے۔

(۱) لو جس چیز پر داخل ہوتا ہے اس کا وقوع میں آنا محال ہوتا ہے۔ جیسے آیت لو کان فیھما الھة الا اللہ میں کہ متعدد خداؤں کا ہونا محال ہے اور گواہ مدعا علیہ نے ۸ مارچ کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ لو جس جگہ داخل ہوتا ہے وقوع نہیں ہوتا۔

(۲) اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان بن شیبہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور ثقہ نہیں ہے اور متروک الحدیث ہے۔

(۳) یہ حدیث باعتبار معنی مثبت مدعا نہیں کیونکہ بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۹۱۴ میں ابن ابی اوفی سے نقل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ حضور کے بعد نبی نہیں ہوسکتا فلذالک مات پس اس لیے مرگیا پہلے شبہ کا جواب یہ ہے۔ کہ اول تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ ایک وقت میں شرط لو کا وقوع بوجہ گذشتہ زمانہ میں وقوع نہ ہونے کے محال ہوتا ہے لیکن آئندہ زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے شرط اور جزا دونوں کا وقوع جائز و ممکن ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم (سورہ حجرات ع) کہ اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو خود ان کے پاس باہر آتا تو یہ ان کے لیے مناسب اور بہتر اور باعث خیر و برکت تھا۔

اسی طرح اس حدیث میں یہ مذکور ہے۔ لو عاش لا عتقت اخواله من القبط کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کے قبطی ماموں آزاد کیے جاتے اور دوسری حدیث میں ہے۔ لو عاش ابراھیم ما رق له خال (ابن ماجہ) اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کا کوئی ماموں غلام نہ ہوتا تو اب ظاہر ہے کہ بوجود شرط جواب الشرط کا وجود بالکل جائز اور ممکن تھا ورنہ اس فقرے کے کوئی معنی نہیں تھے۔ پھر جب کسی شخص کی مدح کرنی مراد ہو اور اس کی فضیلت کا اظہار مقصود ہو تو محال اور ناممکن الوقوع امر سے فضیلت کا اظہار کرنا بالکل عبث اور بے معنی ہے اور کسی کی فضیلت تبھی ظاہر ہوسکتی ہے جب کہ جواب الشرط ممکن الوقوع ہو مثلاً جب ہم یہ کہیں کہ لو عاش زید لکان نابغة کہ اگر زید زندہ رہتا تو بہت بڑا عالم ہوتا یہ قول زید کے لیے اس وقت تعریفی بن سکتا ہے جب کہ پہلے تو ابلغ (یعنی اعلیٰ درجہ کے علماء) کا وقوع ممکن تسلیم کیا جائے ورنہ یہ قول باطل اور بے معنی ہوگا اس طرح آنحضرت صلعم کا فرمانا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا اسی حالت میں درست ہوسکتا ہے کہ آپ کے بعد نبوت کے وقوع کا امکان تسلیم کیا جائے ورنہ اس قول کے کچھ معنی نہیں ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے کہ حضور کی طرف ایسے قول کی نسبت دی جائے جو بالکل بے معنی ہو اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ نے ۸ مارچ کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے۔ کہ لو جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا یہ ایک صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ کے الفاظ یہ ہیں: "جس چیز پر لو داخل ہوتا ہے۔ اس میں اکثر وقوع نہیں ہوتا نہ یہ کہ کسی جگہ میں وقوع ممکن نہیں ہوتا۔

دوسرے شبہ کا جواب:۔

مختار مدعیہ نے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے اس کے ایک راوی ابراہیم بن عثمان کو ضعیف

قرار دیا ہے اور بحوالہ ازالہ اوہام ص۲۲۱ کہا ہے کہ مجروح حدیث لائق قبول نہیں ہوتی حالانکہ ابراہیم بن عثمان پر یہ حکم لگانا کہ اس کی تمام احادیث ضعیف ہیں اور قابل اعتماد نہیں ہیں صحیح نہیں ہے کیونکہ جو حوالہ مختار مدعیہ نے اسے ضعیف ثابت کرنے کے لیے میزان الاعتدال سے پیش کیا ہے کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ وہ شہر واسط کے قاضی تھے اور شعبہ نے اسے اس روایت کی وجہ سے جھوٹا قرار دیا ہے کہ اس نے حکم سے بروایت ابن ابی لیلی یہ بیان کیا کہ صفین میں ۷۰ صحابی جو جنگ بدر میں شامل ہوئے تھے۔ شریک ہوئے۔

مصنف کہتا ہے کہ میں نے (تعجب سے) سبحان اللہ کہا۔ کیا حضرت علی اور حضرت عمار صفین میں شامل نہیں ہوئے اور وہ جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ پس شعبہ نے جس وجہ سے ابراہیم کی تکذیب کی تھی مصنف نے خود اس کا رد کر دیا پھر لکھا ہے کہ عثمان الدارمی نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ وہ ثقہ نہیں اور اس کے ثقہ نہ ہونے کی وجہ کوئی بیان نہیں کی اور احمد نے اسے ضعیف کہا ہے امام بخاری نے کہا ہے "سکتوا عنہ" کہ محدثین اس کے بارے میں خاموش ہیں اور امام مسلم نے متروک الحدیث کہا ہے۔ یہ اختلاف صاف بتا رہا ہے کہ یقینی طور پر اس کے کاذب یا ضعیف ہونے کی کسی کے پاس دلیل نہیں ہے اور تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر العسقلانی اس کے متعلق فرماتے ہیں:-

وقال عباس الدوری عن یحیی ابن معین قال قال یزید بن ہارون ما قضی علی الناس رجل اعدل فی قضاء منہ وقال ابن عدی لہ احادیث صالحۃ وھو خیر من ابی حیۃ۔

(تہذیب التہذیب جلد۱ ص۱۴۵)

یعنی عباس الدوری نے یحیی بن معین سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ یزید بن ہارون نے کہا کہ اس کے زمانہ میں اس سے زیادہ عدل اور انصاف کے ساتھ کسی نے فیصلے نہیں کیے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی نہایت اچھی حدیثیں بھی ہیں اور وہ ابو حیۃ سے بہتر ہے۔

مختار مدعیہ نے کہا تھا کہ ابن معین چونکہ اس فن کے ماہر ہیں اور عثمان دوری نے ان سے اس راوی کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے اس لیے یہ حدیث قابل اعتبار نہیں مگر ابن معین نے ہی اس کے قضاء میں عادل ہونے کے متعلق یزید ابن ہارون سے نقل کیا ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ اپنے زمانہ میں نہایت منصف قاضی تھے تو وہ شخص جو (نعوذ باللہ) جھوٹ حدیثیں بنا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منسوب کرے وہ اعدل قاضی کیسے ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاضی تھے اور فیصلہ کرتے وقت کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے اس لیے ان کے مخالفوں نے ان کو بدنام کرنے کے واسطے وضعی حدیثیں ان کی طرف منسوب کر دی ہوں تو کوئی

بعید امر نہیں ہے پھر ابن عدی جو فن جرح اور تعدیل کے ماہرین سے ہیں اور انہوں نے اس فن میں ایک نہایت عمدہ کتاب بھی لکھی ہے جس کے متعلق علامہ ذہبی کہ یہ رائے ہے۔ ولابن احمد بن عدی کتاب الکامل هو اکمل الکتب و اجلها فی ذالک۔ (میزان الاعتدال جلد ا صـ۳)

کہ ابن عدی کی ایک کتاب کامل ہے جو اس فن جرح و تعدیل میں سب کتابوں سے اکمل اور اجل ہے۔ ان کی اس راوی کے متعلق یہ رائے ہے کہ ان سے نہایت معتبر اور اچھی حدیثیں بھی مروی ہیں تو اب کسی کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک خاص حدیث کو صرف اس وجہ سے غیر معتبر یا ضعیف قرار دے کہ اس کا راوی ابراہیم ہے جب تک کہ دوسرے قرائن سے اس حدیث کا وضعی اور ضعیف ہونا ثابت نہ کرے۔

یہ حدیث صحیح ہے ؛۔

اس حدیث کی صحت بڑے بڑے علماء نے تسلیم کی ہے۔ چنانچہ شہاب علی البیضاوی کی جلد ۷ صـ۱۵۷ میں اس حدیث کے متعلق صاف طور پر لکھا ہے۔

"اقول اما صحتہ الحدیث فلا شبهة فیها لانه رواه ابن ماجة وغیره کما ذکره ابن حجر"

یعنی اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔ کیونکہ ابن ماجہ اور اس کے سوا دوسروں نے بھی یہ روایت کی ہے جیسا کہ ابن حجر نے اس امر کا ذکر کیا ہے :

مختار مدعیہ کہتا ہے کہ شہاب ہمیں مسلم نہیں لیکن مسلم نہ ہونے کی وجہ کوئی بیان نہیں کی دراصل بات یہ ہے کہ مختار اصل میں شہاب سے ناواقف ہے۔ کہ وہ کون ہیں اگر وہ واقف ہوتا تو غیر مسلم ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھاتا کیونکہ ان کی کتاب شرح الشفاء للخفاجی کے حوالے خود گواہان مدعیہ نے پیش کیے ہیں اور عنایۃ القاضی جس کا یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ انہی کی تصنیف ہے اور ان کا نام احمد بن محمد ہے مصر کے باشندے اور حنفی المذہب تھے اور قاضی القضاۃ تھے اور شہاب الدین الخفاجی کے لقب سے ملقب تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے جو بات کہی ہے وہ بالکل صحیح ہے اور ابن حجر عسقلانی نے جو حافظ حدیث ہیں ان کے قول سے سند پکڑتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لیے مختار مدعیہ کا قول کہ شہاب کا حوالہ غیر مسلم ہے بالکل قابل التفات نہیں ہے۔

(۲) پھر ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں اس حدیث کے موضوع ٹھہرانے والوں کو جواب دے کر لکھا ہے له طرق ثلاث یقوی بعضها ببعض (موضوعات کبیر صـ۵۹) کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ صحیح ہے اور یہ تین طریق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں اور پھر اس حدیث کی صحت پر

کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہوجاتے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہونے جیسے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام ہیں (کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کے بعد امتی ہو کر نبی ہوں گے۔) پھر اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے کہ ابراہیم کا نبی ہوجانا یا حضرت عمرؓ کا نبی ہوجانا آپ کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف نہ ہوتا لکھتے ہیں۔ کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں۔ انہ لا یاتی نبی بعدہ ینسخ ملتہ ولم یکن من امتہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا جو آپ کی ملّت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو

پھر ایک دوسری حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں :۔

ولا یخفی انہ لا یستلزم من کون احد الرواۃ متروکا کون الحدیث موضوعا لا سیما اذا جاء الحدیث من طریق آخر بل وتعدد طرقہ" (مرقاۃ صفحہ ۵۰۴)

اور یہ امر مخفی نہیں کہ ایک راوی کا متروک الحدیث ہونا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ حدیث بھی موضوع ہو خصوصًا اس حالت میں جب کہ وہ حدیث دوسرے طریق سے مروی ہو بلکہ متعدد طرق سے روایت کی گئی ہو جیسے کہ حدیث متنازعہ فیہ متعدد طرق سے روایت ہوئی ہے۔

(۳) امام ملا قاریؒ نے اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں مفصل بحث کی ہے۔ اور لکھا ہے۔

قال النووی فی تھذیبہ واما ما روی عن بعض المتقدمین حدیث لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا - فباطل وجسارۃ علی الکلام بالمغیبات ومجازفۃ وھجوم علی عظیم۔

کہ علامہ نووی نے اپنی کتاب "تہذیب" میں کہا ہے کہ یہ حدیث جو بعض متقدمین سے مروی ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو وہ نبی ہوتے باطل ہے اور امور غیبیہ کے اظہار پر جسارت اور اٹکل پچو بات کہنا ہے اور ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔"

ابن عبد البر کا قول ہے۔ لکھا ہے۔

ولا ادری ما ھذا فقد ولد نوح غیر نبی ولو لم یلد الا نبیا لکان کل احد نبیا لانہ من ولد نوح انتھی۔

میں نہیں سمجھتا کہ یہ حدیث کیسی ہے کیونکہ نوح علیہ السّلام کے بیٹے ایسے بھی تھے جو غیر نبی تھے اور اگر اس کا ہر ایک بیٹا نبی ہوتا تو ہر ایک شخص نبی ہوتا کیونکہ وہ نوح کی اولاد کے ہیں۔"

ان دونوں اعتراضوں کے رد میں لکھا ہے۔

قال شیخ مشایخنا العلامة الربانی الحافظ ابن حجر العسقلانی فی الاصابة وھذا عجیب من النووی مع ورودہ عن ثلاثة من الصحابة ولا یظن بالصحابی ان یھجم علی مثل ھذا بظنه قلت مع انھم لم یقولوہ موقوفا بل اسندوہ مرفوعا کما بیّنه خاتمة الحفاظ السیوطی باسانیدہ فی رسالة علیحدة مع ان من القواعد المقررة فی الاصول ان موقوف الصحابی اذا لم یتصور ان یکون من رای فھو فی حکم المرفوع فانکار النووی کابن عبد البر لذالك اما لعدم اطلاعھما او لعدم ظھور التاویل عندھما واللہ اعلم۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۵ صـ ۳۹۵)

کہ ہمارے مشائخ کے شیخ علامہ ربانی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں لکھا ہے کہ نووی علامہ سے اس قسم کی بات کا صدور عجیب بات ہے کیونکہ یہ حدیث تین صحابیوں سے مروی ہے اور صحابی پر یہ ظن نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے گمان سے ایسے امر کا ارتکاب کرنے پر جرأت کرے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو بیان کرنے والوں نے موقوف نہیں بیان کیا بلکہ اس کو سند کے ساتھ مرفوع بیان کیا ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے ایک مستقل رسالہ میں اس کی تمام سندیں ذکر کی ہیں۔"

اصول حدیث میں ثابت شدہ قواعد سے یہ بات بھی ہے کہ صحابی کی موقوف حدیث جب کہ اس کا رائے سے ہونا غیر متصور ہو تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوگی۔ پس نووی کا ابن عبد البر کی طرح اس حدیث کی صحت سے انکار کرنا یا تو ان دونوں کے عدم اطلاع کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ ان پر اس حدیث کی تاویل ظاہر نہیں ہوئی پس اس حوالہ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ صحیح ہے اور مرفوع متصل ہے تا مختار مدعبہ یہ نہ کہہ سکے کہ حدیث مرفوع متصل کے خلاف کوئی حدیث قبول نہیں اور اس حوالہ سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی جو فن حدیث کے ماہرین سے ہیں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں پس یہ حدیث فی نفسہ مجروح نہ رہی

(۴) فریق مخالف نے جو قول اپنی تائید میں ابن ابی اوفی صحابی کا پیش کیا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے لیکن وہ باقی نہیں رہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تھا۔ یہ قول دلیل ہے۔

اسبات کی کہ حدیث لو عاش ابراہیم لکان صدیقا نبیا صحیح ہے ۔ ورنہ یہ خیال کیسے پیدا ہو سکتا تھا کہ ابراہیم اگر زندہ رہتے تو نبی بنتے کیونکہ نبی کی اولاد سے ہونا نبی ہونے کو مستلزم نہیں ہے پس صحابی کو ان کی نبوت کا خیال بھی ہو سکتا ہے جب کہ ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہوتی کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے پس عبد اللہ ابن اوفیٰؓ کا قول خود اس حدیث کی صحت ثابت کر رہا ہے ۔ چنانچہ ابن عاصم نے ابن ابی اوفی سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے ۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ صـ۱۱۸

تیسرے شبہ کا جواب :-

علم حدیث سے واقف شخص پر مخفی نہیں ہے کہ فہم صحابی حجت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا قول حجت ہو سکتا ہے جب کہ اس کے مخالف دوسرے صحابی کا قول بھی موجود ہو کیونکہ صحابی فہم قرآن و حدیث میں غلطی کر سکتا ہے ۔ مثلاً نافع سے روایت ہے کہ اس نے کہا ۔ (کان ابن عمر یقول واللہ ما اشك ان المسیح الدجال ابن صیاد) ۔ (ابوداؤد جلد ۲ صـ۲۴۷)

کہ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ بخدا مجھے اس میں ذرہ شک نہیں کہ ابن صیاد ہی المسیح الدجال ہے ۔ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا درست نہ تھا اس طرح انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب آیت یا یھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ۔ اتری تو ثابت بن قیس اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ گئے اور کہنے لگے کہ میں تو دوزخی ہوں آنحضرت نے سعد بن معاذ سے ان کے متعلق دریافت کیا کہ ثابت کو کیا ہوا کیا وہ بیمار ہو گئے ہیں تو سعد نے جواب دیا کہ وہ تو میرے ہمسایہ ہیں مجھے تو ان کی بیماری وغیرہ کا کوئی علم نہیں پھر سعد نے آ کر ان سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے کہا ۔ انزلت ھذہ الایة و لقد علمتم انی ان ارفعکم صوتا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانا من اھل النار ۔ (مسلم جلد ۱ صـ۷۵ مطبوعہ مجتبائی)

یعنی یہ آیت اتاری گئی جس میں یہ حکم ہے کہ تم اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کیا کرو ورنہ اعمال کے حبط ہو جانے کا خطرہ ہے اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے بلند آواز ہوں تو یقیناً میں اہل نار سے ہوں سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ حال عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو اہل جنت سے ہے ۔ پس ثابت نے جو آیت کا مفہوم سمجھا وہ صحیح نہیں تھا ۔

اسی طرح اور بہت سی ایسی مثالیں احادیث میں پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ صحابہ سے آیات و احادیث کا اصل مفہوم سمجھنے میں غلطی ہو جاتی تھی پس ابن ابی اوفی کا یہ فہم کہ ابراہیم اس لیے زندہ نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قوم کا کوئی نبی کبھی نہیں ہو سکتا تھا ..... جبکہ ان کے اس مفہوم کے خلاف حضرت عائشہؓ کا قول بھی موجود ہے

اور اگر یہ وجہ کہ وہ اسی لیے وفات پا گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تھا صحیح تسلیم کی جائے تو پھر اس سے یہ مراد لینا زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ کے بعد نبی نہ ہونے سے مراد آپ کی وفات کے بعد متصل نبی ہونا ہے۔ اور اس طرح اس قول اور حضرت عائشہ رض کے قول میں مطابقت بھی ہو جائے گی اور نیز بخاری کی حدیث کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء اذا ھلک نبی خلفہ نبی کے خلاف بھی نہ ہوگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد متصل کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ خلافت موعودہ کا سلسلہ جس کی مدت ایک دوسری حدیث میں آپ نے تیس سال بیان فرمائی ہے شروع ہوگا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہرگز یہ منشاء ظاہر نہیں ہوتا جو ابن ابی اوفیٰ رض نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لو عاش ابراہیم لکان صدیقا نبیا ابراہیم کی وفات کے بعد فرمایا۔ تا ظاہر ہو کہ ابراہیم میں کمالات نبوت حاصل کرنے کی استعداد موجود تھی اور اگر زندہ رہتے تو صدیق نبی بن جاتے۔ لیکن اب موت اس مقام کو حاصل کرنے میں روک ہو گئی ہے اور اگر اس قول سے آنحضرت صلعم کا منشاء مبارک اس امر کا اثبات ہوتا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تو آپ اس طرح فرماتے لو عاش ابراھیم لما کان نبیا کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ بھی رہتا تو باوجود استعداد حصول کمالات نبوت رکھنے کے وہ ہرگز نبی نہ ہوتا۔ پس یہ کلمات اس وقت کلمات مدحیہ ہو سکتے ہیں جب کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی غلامی اور آپ کی اتباع میں مقام نبوت مل سکتا ہے۔"

صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم خاتم النبییّن سے کیا سمجھے

اس کے متعلق ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ملا

مختار مدعیہ نے گیارہ اکتوبر کی بحث میں صریح غلط بیانی کی ہے کہ گواہان مدعیہ نے خاتم النبیین کی تفسیر میں ۶۲ صحابہ سے زائد کے آثار ابن جریر کی تفسیر میں سے پیش کیے ہیں۔ حالانکہ ان آثار کا نہ تو ذکر ابن جریر میں خاتم النبیین کی تفسیر میں ہے اور نہ گواہان مدعیہ نے پیش ہی کیے ہیں اور نہ تمام صحابہ کا اس پر کہ آپ کے بعد کوئی امتی نبی نہ آئے گا اجماع ہی ہوا ہے جیسا کہ بحث اجماع میں بیان کیا جائے گا اور گواہان مدعا علیہ کی طرف سے جو حضرت عائشہ رض اور حضرت علی رض کا قول پیش کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق مختار مدعیہ نے گیارہ اکتوبر کی بحث میں یہ جرح کی۔

(۱) گواہان مدعا علیہ نے ۸ مارچ کو یہ تسلیم کیا کہ صحابہ تفسیر میں غلطی کرتے تھے اس لیے حضرت عائشہ رض نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی لیکن گواہان مدعا علیہ کے مسلمات کی بنا پر یہ جواب ہے۔

جواب :-

مختار مدعیہ کے نزدیک صحابہ غلطی نہیں کرتے تھے اور گواہان مدعا علیہ کے نزدیک حضرت عائشہ رضؓ نے یہ تفسیر صحیح کی ہے اس لیے فریقین کو اس تفسیر کی صحت میں شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

(۲) حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے اقوال درِ منثور سے نقل کئے گئے ہیں اور گواہ مدعا علیہ مانے درِ منثور کے متعلق بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ اس کے نزدیک اس میں رطب و یابس ہے۔ اس لیے یہ دونوں قول غیر مسلم ہونے چاہئیں۔

جواب :-

چونکہ یہ دونوں قول گواہان مدعا علیہ کے نزدیک بوجہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے موافق ہونے کے صحیح ہیں اور مختار مدعیہ کے نزدیک درِ منثور میں یابس کوئی چیز نہیں سب رطب ہی ہے اس لیے فریقین کے نزدیک یہ دونوں قول صحیح ہیں۔

(۳) سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں نہ کسی معتبر حدیث کی کتاب سے نقل کی ہے اور اس کا تعارض آنحضرت صلعم کے قول لانبی بعدی سے ہے۔

جواب :-

مختار مدعیہ کا یہ قول کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اور اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے جن کی سند بھی ہے نکالا ہے اور تکملہ مجمع البحار میں بھی (جس کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نے عجالہ نافعہ صہ۹ میں لکھا ہے کہ مشکل احادیث کی شرح اور توجیہات بیان کرنے کے لحاظ سے مجمع البحار دوسری کتابوں سے مستغنی کر دینے والی کتاب ہے) حضرت عائشہ رضؓ کا مذکورہ بالا قول صحیح سمجھ کر درج کیا گیا ہے اور پھر اس کی حدیث لانبی بعدی سے مطابقت کر کے دکھلائی گئی ہے۔ اور اگر یہ قول جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے بسند صحیح ثابت نہ ہو تو اس صورت میں اول تو اس کو درج کرنے کی ضرورت نہ تھی دوسرے اگر درج کیا تھا تو ضعیف اور موضوع کہہ کر رد کر دیا جاتا مگر رد نہیں کیا گیا بلکہ مولف مجمع البحار نے اسے صحیح سمجھ کر حدیث "لانبی بعدی" سے اس کی تطبیق کی اور بتایا کہ اس قول اور حدیث لانبی بعدی میں جیسا کہ مختار مدعیہ نے بھی کہا ہے کوئی تعارض نہیں کیونکہ لانبی بعدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی مطلب لیا ہے کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں ہے جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے

(۴) حضرت علی رضؓ کے اس قول کی تائید کہ خاتم زبر سے پڑھاؤ نہ زیر و زبر سے معنی میں کوئی فرق نہیں آتا گواہان مدعا علیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ غلط عقیدہ پیدا نہ ہو لیکن باوجود اس کے حضرت علی رضؓ اور ان کے صاحبزادے کا ایک قول بھی ایسا نہیں جو احمدی حضرات کی تائید کرتا ہو

جواب :۔
لفظ خاتم کے معنوں کی تحقیق اور خاتم کے بکسر التاء اور بفتح التاء میں جو معنوی لحاظ سے فرق ہے وہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ما اور حضرت علیؓ عنہ کا یہ قول جو کو مخاطب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الا انہ لا نبی بعدی فرمایا تھا۔ احمدیوں کی تائید کرتا ہے اس کے بعد حضرت علیؓ یا آپ کے صاحبزادے کے اس قول کے مخالفت کوئی قول نہیں کرتا تو مختار مدعیہ یا گواہان مدعیہ کا فرض تھا نہ گواہان مدعا علیہ کا کیونکہ گواہان مدعا علیہ کے لیے تو اس روایت کا ذکر کر دینا کافی تھا جس سے کہ حضرت علیؓ اور آپ کے صاحبزادوں کا مذہب خاتم کے معنوں کے بارہ میں ظاہر ہے۔

سلف صالحین خاتم سے کیا معنی سمجھے!

اس عنوان کے ماتحت گواہان مدعا علیہ نے پندرہ حوالے پیش کیے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد کوئی صاحب شرع جدید نبی نہیں آسکتا اور ایسے نبی کا آنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور آپ کی شریعت کا جوا اپنی گردن پر رکھنے والا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین کے منافی نہیں ہے۔ مختار مدعیہ نے ان اقوال پر جو جرح ۹ر ۱۱ راکتوبر کو کی ہے وہ مع جواب ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) گواہ مدعا علیہ ما نے یہ تسلیم کیا ہے کہ صحیح احادیث تک ظنی ہوتی ہیں اور کہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے اور یہاں بھی عقائد کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے اس میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر ان کا جواب نہ بھی دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

جواب :۔
مختار مدعیہ نے اپنے اس قول سے اس اصل کو تسلیم کر لیا ہے کہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے اور علماء اور ائمہ کے اقوال قطعیات میں سے نہیں ہیں اس لیے ان کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کی جا سکتی یا ان کی تفہیم کو بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا اس لیے جو حوالجات مفسرین اور دیگر بزرگوں کے گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں پیش کیے ہیں اور ان کی بنا پر مدعا علیہ کی تکفیر کی ہے وہ قابل التفات نہیں ہیں۔ اس لیے کسی آیت کی تفسیر میں اختلاف کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا گواہان مدعا علیہ نے سلف صالحین کے اقوال کو اپنی تائید میں اس لیے پیش کیے ہیں کہ گواہان مدعیہ نے جو معنی خاتم النبیین کے کیے ہیں وہ سلف

صالحین کے معنی کے خلاف ہیں اور اگر گواہان مدعیہ کے معنی سے اختلاف کرنے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہوجاتا ہے تو یہ تمام علماء وائمہ بھی کافر قرار پائیں گے اور صحیح احادیث بھی ظنی ہوتی ہیں۔ اور عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے یہ میں ہی نہیں کہتا بلکہ آپ کے مسلم بزرگ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی بھی لکھتے ہیں "مولف خود مقر ہے کہ اعتقادیات میں روایات ضعاف معتبر نہیں بندہ کہتا ہے۔ کہ احاد صحاح بھی معتبر نہیں چنانچہ فن اصول میں مبرہن ہے پس یہ روایات ہرگز معتبر نہیں" براہین قاطعہ ص ۹۶)

موضوعات کبیر کا حوالہ !

امام ملا علی قاری نے جو حنفی فرقہ کے بہت بڑے امام ہیں اپنی کتاب موضوعات کبیر ص ۶۹ میں خاتم النبیین کے معنوں کی بابت یہ لکھا ہے۔ اذا المعنی انه لا یاتی بعده نبی ینسخ ملته ولم یکن من امته اور اس کے معنی گواہ مدعیہ نے ۲۵ اگست کو بجواب جرح یہ لکھوائے ہیں "یہ قول کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہو جاتے تو پھر بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہوتے اور آپ کی اتباع میں نبی بنتے جیسے عیسیٰ وخضر والیاس علیہم السلام اور یہ بات قول خاتم النبیین سے کے خلاف نہیں کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہ ہوگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو اور اسی گواہ نے انہیں باوجود خاتم النبیین کے یہ معنی کرنے کے مسلمان تسلیم کیا ہے۔

مختار مدعیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کسی کا مسلم ہونا اور چیز ہے اور اس کی کتب کا مسلم ہونا اور چیز یعنی ملا علی قاری کا مسلمان ہونا اور امام ہونا تو مسلم ہے لیکن ان کی کتب کا مسلم ہونا مسلم نہیں مختار مدعیہ نے حضرت ملا علی قاری کی کتب کو جو غیر مسلم کہا ہے تو اس کے یہ معنی نہ سمجھ لیے جائیں کہ وہ من کل الوجوہ غیر مسلم ہیں۔ یہ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسی وقت غیر مسلم ہیں جب کہ ان کا کوئی قول مختاران مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے خلاف ہو لیکن اگر کوئی قول ایسا مل جائے جو ان حضرات کے خیال میں ان کی تائید کرتا ہو تو پھر ملا علی قاری کی کتب بڑے دھڑلے سے مسلم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ گواہان مدعیہ نے جب شرح فقہ اکبر اور شرح شفا کے حوالے پیش کیے ہیں تو وہ مسلم تھیں کہ وہ حوالے اپنے موافق معلوم ہوتے تھے لیکن جب انہیں کی کتب سے ایسے حوالے پیش کیے گئے جو مختار مدعیہ کو اپنے خلاف نظر آئے تو موصوف کی کتب غیر مسلم ہو گئیں چلو اگر تمہارے نزدیک ان کا یہ قول غیر مسلم ہے۔

اور جیسا کہ گواہ مدعیہ علا نے ۲۰ اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں۔ نبوت کو بند کرنے والا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی

قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا اگر کوئی شخص ان معنوں کے سوا ختم نبوت کے کوئی اور معنی کرے تو وہ یقیناً کافر ہوگا"۔
ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگائیں اور پھر انہیں مسلمان بلکہ امام سمجھنے والے تمام حنفیوں کو کافر و مرتد سمجھیں اور ان کے نکاحوں پر فسخ ہونے کا فتویٰ لگائیں مختار مدعیہ
نے اس حوالہ کے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ موضوعات کبیر کوئی عقائد کی کتاب نہیں دوسری کتابوں شفا اور شرح
فقہ اکبر وغیرہ میں انہوں نے مسلمانوں کا سا عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ یعنی چونکہ موضوعات عقائد کی کتاب نہیں اس لیے انہوں
نے یہاں کفریہ عقیدہ لکھدیا (معاذ اللہ) ہیہات! انہوں نے جو شفا اور شرح فقہ اکبر میں جو لکھا ہے۔ وہ اس کے
مخالف نہیں کیونکہ انہوں نے لانبی بعدی کے معنی یہی کئے ہیں کہ آپ کے بعد ایسا نبی جو آپ کی شریعت کا ناسخ ہو
نہیں آسکتا۔ اور صرف یہی نہیں کہ انہوں نے اپنی طرف ان معنوں کی نسبت دی ہے بلکہ فرماتے ہیں۔

"واما حدیث لا وحی بعدی باطل لا اصل لہ۔ نعم ورد لا نبی بعدی
ومعناہ عند العلماء انہ لا یحدث بعدہ نبی بشرع ینسخ شرعہ"
(کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ صفحہ ۲۲۶)

یعنی حدیث لا وحی بعدی باطل اور بے اصل ہے۔ ہاں لانبی بعدی آیا ہے اور اس کے معنی علماء کے نزدیک
(جہلاء کے نزدیک نہیں) یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا جو نئی شریعت لائے اور آپ کی شریعت
منسوخ کرے اس لیے جہاں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہ ہوگا تو اس سے
مراد ایسا ہی نبی ہے۔ جو ناسخ شریعت محمدیہ ہو۔ جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں قولوں سے ظاہر ہے۔

(۳) مختار مدعیہ نے اس کے متعلق یہ کہا ہے۔ جب مرزا صاحب کے اپنے اقرار سے اور قرآن کریم سے ثابت ہے
کہ نبی امتی نہیں ہوسکتا اور عقل کے بھی خلاف ہے تو ملا علی قاری کے حوالہ کے یہ معنی کیسے لیے جا سکتے ہیں
ملا علی قاری کے نزدیک امتی سے مراد محض حضرت عیسیٰ ہے۔ مفہوم کلی ادا کر کے اس سے مراد جزئی ہے۔
جیسا کہ حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۲۳۹ میں بعض افراد سے جو مفہوم کلی مگر مراد جزئی صرف مسیح موعود لی گئی ہے۔

جواب:۔
مختار مدعیہ ملے کا ایک صریح مغالطہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی نبی امتی نہیں ہو
سکتا یعنی جس شخص کو خدا تعالیٰ نے نبوت عطا فرما دی ہو تو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ شخص کسی دوسرے نبی کا امتی ہو
سکے اور آپ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ کوئی امتی شخص نبی نہیں ہوسکتا بلکہ برخلاف اس کے آپ نے اپنی کتاب
میں جا بجا اس کی تصریح فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے آپ کے امتیوں کو عند ال
الضرورت مقام نبوت بطور الہام مل سکتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔
کسی حدیث صحیح سے اس بات کا پتہ نہیں ملے گا کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے جو امتی نہیں

یعنی آپ کی پیروی سے فیضیاب نہیں اور اس جگہ سے ان لوگوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو خواہ نخواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں لاتے ہیں اور وہ حقیقت جو الیاس نبی کی دوبارہ آنے کی تھی جو خود حضرت عیسیٰ کے بیان سے کھل گئی اس سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے بلکہ جس آنے والے مسیح موعود کا حدیثوں سے پتہ لگتا ہے اس کا انہی حدیثوں میں یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی بھی ہوگا اور امتی بھی مگر کیا مریم کا بیٹا امتی ہو سکتا ہے؟ کون ثابت کرے گا اس نے براہ راست نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کی پیروی سے درجہ نبوت پایا تھا۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸، ۲۹ اور فرماتے ہیں:۔

اور مجھے خدا تعالےٰ نے میری وحی میں بار بار امتی کرکے بھی پکارا ہے اور نبی کرکے بھی پکارا ہے۔ اور ان دونوں ناموں کے سننے سے میرے دل میں نہایت لذت پیدا ہوتی ہے اور میں شکر کرتا ہوں کہ اس مرکب نام سے مجھے عزت دی گئی اور اس مرکب نام کے رکھنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا عیسائیوں پر ایک سرزنش کا تازیانہ لگے کہ تم عیسیٰ بن مریم کو خدا بناتے ہو مگر ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ کا نبی ہے کہ اس کی امت کا ایک مرد نبی ہو سکتا ہے۔ اور عیسیٰ کہلا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ امتی ہے (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۴)

اور فرماتے ہیں:۔

"پس میں اپنے مخالفوں کو یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہرگز نہیں ہیں۔ گو وہ بلکہ تمام انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے مگر وہ ان ہدایتوں کے پیرو تھے جو ان پر نازل ہوئی تھیں اور براہ راست خدا نے ان پر تجلی فرمائی تھی۔ یہ ہرگز نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آنحضرت صلعم کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے تا وہ امتی کہلاتے ان کو خدا تعالےٰ نے الگ کتابیں دی تھیں اور ان کو ہدایت تھی کہ وہ ان کتابوں پر عمل کریں اور کراویں جیسا کہ قرآن شریف اس پر گواہ ہے پس اس بدیہی شہادت کی رو سے حضرت عیسیٰ مسیح موعود کیوں کر ٹھہر سکتے ہیں۔ پس چونکہ وہ امتی نہیں اس لیے وہ اس قسم کے نبی بھی نہیں ہو سکتے جس کا امتی ہونا ضروری ہو۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳)

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قول سے کہ نبی امتی نہیں ہو سکتا یہ مراد ہے کہ جس نے نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل نہ کی ہو۔ وہ نبی امتی نہیں ہو سکتا ہاں ایک امتی شخص جس نے نبوت کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل کیا ہو وہ امتی نبی ہو سکتا ہے۔

اور الفاظ امام ملا علی قاری کے اس ترجمہ سے جو بزبان گواہ مدعیہ لکھا جا چکا ہے ظاہر ہے کہ وہ اس موقعہ پر امتی سے جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے محض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مراد نہیں لیتے بلکہ ابراہیم کو بشرط زندگی نبوت ملنے کے ذکر کے ساتھ ہی حضرت عمر کا بھی ذکر کرکے ظاہر فرما دیتے ہیں کہ ان کی مراد عمومیت کے ساتھ خاتم النبیین کے معنی بیان کرنا ہے نہ کہ امتی کے لفظ سے موقعہ مذکورہ پر حضرت عیسیٰ کی تخصیص و تعیین۔

مختار مدعیہ نے اپنے غلط مفہوم کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حقیقۃ النبوہ صفحہ ۲۳۹ کا جو حوالہ پیش کیا ہے وہ قطعاً یہاں منطبق نہیں ہوتا کیونکہ بعض افراد کا لفظ بول کر ایک شخص مراد لیا جایا کرتا ہے اور جس جملہ میں بعض کا لفظ آئے تو وہ قضیہ جزئیہ ہوتا ہے۔ قضیہ کلیہ نہیں ہوتا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے واضح ہے کہ بعض افراد سے حضور نے اپنی ذات مراد لی ہے۔ اور یہ امر بوضوح تام حقیقۃ النبوۃ میں موجود ہے۔ لیکن کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ امام ملا علی قاری کے اس قول سے کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں۔ کہ آپ کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں آسکتا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔ حضرت عیسیٰ مراد ہیں سوال تو یہاں خاتم النبیین کے معنوں کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے جو معنی خاتم النبیین کے کئے ہیں وہ گواہان مدعیہ کے معنوں کے خلاف اور گواہان مدعا علیہ کے معنوں کے مطابق ہیں :-

مکتوبات کا حوالہ

مختار مدعیہ نے امام ربانی مجدد الف ثانی کے قول کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس میں تو صرف کمالات نبوت کے حصول کا ذکر ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس میں کمالات نبوت پائے جائیں وہ نبی بھی ہو جاتے۔ لیکن ہمارا استدلال اس قول سے صرف اتنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور آپ کا وارث بن کر کمالات نبوت کا حصول جب ختم نبوت کے منافی نہیں تو اسی طرح کسی امتی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت سے وراثت کے طور پر اسم نبی کا پا لینا بھی خاتمیت کے منافی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کسی قسم کی نبوت اور کمالات نبوت کا پایا جانا محال ہے تو ان سے صرف ایسی نبوت اور ایسے کمالات نبوت مراد ہیں جو بغیر طریق وراثت اور متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں :-

صوفیاء کے حوالے

مختار مدعیہ نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ عبد الوہاب شعرانی اور سید عبد الکریم جیلی وغیرہ صوفیاء کرام کے حوالوں کے متعلق ۹ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ صوفیاء کرام اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے ایمان والے ہیں۔ مگر محبت کا رنگ اور ہے۔ صوفیاء پر محبت کی وجہ سے سکر کا رنگ آتا ہے تو اس میں وہ بہت کچھ کہہ دیتے ہیں گو وہ کہنے تو ٹھیک ہیں مگر شریعت کے خلاف ہوتا ہے۔ ظاہر میں خلاف شریعت ہو تو تاویل ورنہ توقف ہوگا"۔ یہ ہے گواہان مدعا علیہ کے پیش کئے ہوئے ان حوالہ جات صوفیاء کرام کے متعلق مختار مدعیہ کا جواب جو گواہان مدعا علیہ نے خاتم النبیین اور حدیث لانبی بعدی کی تفسیر میں پیش کئے ہیں یہ جواب جس رنگ کا ہے اس میں حضرات صوفیائے

کرام کے اقوال سے تعلق عقیدت رکھنے والوں کی خاص توجہ کے لائق ہے۔ صوفیائے کرام باوجودیکہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے صاحب ایمان ہوتے ہیں۔ مگر محبت کا معاملہ چونکہ اور ہی ہے اس لیئے جب محبت کا جوش بڑھتا ہے اور اپنے محبوب و مطلوب ازلی کی بنائی ہوئی شریعت کے خلاف جو منہ میں آئے کہنا شروع کرتے ہیں اور اس کی محبت و عشق کی عمیق در عمیق راہوں میں ایسے بڑھتے چلے جاتے اور ایسے طالب رضا و فنا شدہ بن جاتے ہیں کہ اس کی مرضی اور اس کی خوشنودی کی بھی کچھ پروا باقی نہیں رہتی۔ اس نے تو کچھ فرمایا ہے۔ اور یہ بندگان خاص کچھ اور ہی ہانک لگاتے ہیں تو استغفراللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ یعنی اے نبی کریم آپ میرے بندوں سے فرما دیں کہ اگر تم خدا تعالےٰ کے عاشق صادق بننا چاہتے ہو تو میرے پیچھے ہو لو خدا تعالےٰ تمہیں میری پیروی کی برکت سے اپنا محبوب بنائے گا مگر یا وجود سن لینے اور باوجود یہ معلوم ہونے کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلاف شریعت کچھ نہ فرماتے تھے یہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے صاحب ایمان یعنی صوفیائے کرام جو چاہتے ہیں وہ خلاف شریعت کہتے چلے جاتے ہیں۔ معاذاللہ من ذالک

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ خدا کی محبت میں چور ہونے کی وجہ سے وہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور صاحبان ایمان ایسا کرتے ہیں۔ لیکن اگر نعوذ باللہ یہ صحیح ہو تو پھر خدا کی محبت کی زیادتی تو نہایت ہی خطرناک اور پناہ مانگنے کے قابل چیز بن جائے گی اور اسی سے مختار مدعیہ کے قول کی لغویت ظاہر ہے۔ بات دراصل کچھ اور ہے مفصل کی تو نہ اس موقعہ پر ضرورت نہ اس کے لیے وقت ہے مختصر یہ کہ یا تو صوفیاء کی طرف ایسے اقوال منسوب کر دیئے جاتے ہیں جو درحقیقت ان کے اقوال نہیں ہوتے یا ان کے مطالب عالیہ تک علمائے ظواہر کی نظر رسائی نہیں رکھتی۔

مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ صوفیاء کے اقوال تصوف میں تو معتبر ہیں مگر عقائد میں نہیں اس کا جواب یہ ہے کیا صوفیاء کو آپ مسلمان نہیں سمجھتے عقائد کی کتب کون سی منزل من اللہ ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔ وہ بھی امت محمدیہ کے بعض افراد کی تصنیف شدہ ہیں اور صوفیاء بھی امت محمدیہ کے افراد ہیں عقائد کی کتب میں تو زیادہ تر عقلی طور پر بحث کی گئی ہے۔ لیکن صوفیاء کو اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ ہے کہ وہ کشف کے ذریعہ بھی بعض باتوں کی صحت یا عدم صحت معلوم کر لیتے ہیں اسی لیے ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے علماء کے متعلق جو ان کی باتوں پر معترض تھے فرمایا ہے۔ اخذ تم علمکم میتاً عن میت واخذ نا علمنا عن الحی الذی لا یموت"

(الیواقیت جلد ۲ صفحہ ۱۰۲)

یعنی تم نے مردوں سے علم حاصل کیا ہے اور ہم نے اس زندہ خدا سے علم حاصل کیا جو ہمیشہ زندہ ہے اور مرتا نہیں پس اس لحاظ سے کہ ان میں مقربان بارگاہ الٰہی تھے۔ ان کی باتوں کو بھی تائیدی طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ صوفیائے کرام میں جو بزرگ علم ظاہری میں بھی کمال رکھتے ہوں اور علم باطنی میں بھی ان کے اقوال تائیدی طور پر نہ

پیش کیے جائیں

(۳) مختار مدعیہ نے بحوالہ شامی جلد ۲ صد ۲۹۴ ایک حوالہ پیش کیا ہے جس میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف سے یہ قول پیش کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ ہماری کتابیں دیکھنا حرام ہے اس لیے جب تک ان کا کوئی محرم راز نہ ہو تب تک اُسے ان کی کتاب دیکھنا نہیں چاہیئے۔

جواب:۔

مختار مدعیہ کے اس قول کا کہ جب تک کہ ان کا کوئی محرم راز نہ ہو ان کی کتابیں نہ دیکھنے سے یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ صوفیاء ہی ان کی کتابوں کو پڑھیں علماء ظواہر جو ان کے طریق سے ناواقف ہیں ان کے لیے بقول ابن عربی ان کی کتابیں دیکھنا حرام ہے۔ اور اگر یہ بات جو مختار مدعیہ سمجھا ہے اور اس نے پیش کی ہے۔ صحیح ہوتی تو انہیں کتابیں لکھنے اور شائع کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر یہ قول شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف غلط طور پر منسوب نہیں کیا گیا تو اس کا وہ مفہوم جو مختار مدعیہ سمجھا ہے۔ قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ شیخ محی الدین ابن عربی نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی کتب کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب القاموس نے کہا ہے۔

" واما قول بعض المنکرین ان کتب الشیخ لا تحل قراتها فکفر "

یعنی بعض منکروں کا یہ کہنا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں کا پڑھنا حلال نہیں ہے یہ کفر ہے پھر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ منکروں نے میرے پاس یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ تو ان کتابوں کے بارے میں جو شیخ محی الدین ابن العربی کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے فصوص اور فتوحات۔ کیا کہتا ہے۔ کیا ان کا پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے اور کیا وہ ان کتب سے ہیں جو پڑھی اور سنائی جاتی ہیں "

" فاجبت نعم هی من الکتب المسموعة المقروءة وقد قراها علیه الحافظ البرزلی وغیره "

یعنی میں نے جواب دیا کہ ہاں یہ ان کتب میں سے ہیں جو سنی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں اور حافظ برزلی وغیرہ نے اُسے سنا کر پڑھی ہیں پھر کہتے ہیں۔ کہ میں نے قونیہ شہر میں فتوحات۔ کے پڑھنے پڑھانے کا اجازت نامہ خود شیخ محی الدین ابن عربی کے قلم کا لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اور بہت سے علماء اور محدثین کے بار کتابۃً" جازت دیکھی۔

نمطالعة کتب الشیخ قربة الی الله تعالی ومن قال غیر ذلك فهو جاهل زائغ عن طریق الحق "

پس شیخ کی کتب کا مطالعہ باعث قرب الٰہی ہے۔ اور جو اس کے سوا کہے تو وہ جاہل ہے اور طریق حق سے ایک طرف ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ کہ خدا کی قسم وہ اپنے زمانہ میں صاحب ولایت عظمٰی اور صدیقیت کبریٰ کے مقام پر تھے

اور شیخ صلاح الدین الصفدی نے تاریخ علماء مصر میں یہ لکھا ہے۔ "من اراد ان ینظر الی کلام اهل العلوم المدنیه فلینظر فی کتب الشیخ محی الدین ابن العربی رحمه الله"
یعنی جو شخص علوم لدنیہ والوں کے کلام کو دیکھنا چاہے تو اسے شیخ محی الدین ابن العربی کی کتب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔
(الیواقیت والجواہر جلد ا صنا)

اور امام ابن اسعد الیافعی بھی شیخ محی الدین ابن العربی کی کتب کی روایت کو جائز کرتے تھے اور کہتے تھے ان جاہلوں کے اہل طریق کا انکار کرنے کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کہ کوئی سوئی سے پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہلا کر دوسری جگہ کر دینا چاہے۔ (الیواقیت جلد ا صنا)
اسی طرح ان کی کتب کے مطالعہ کرنے کی نسبت الیواقیت والجواہر جلد ا صنا ر ۱۱ ر ۱۲ ر ۱۳ میں مختلف علماء کبار کے اقوال درج ہیں پس ان اقوال کے مقامہ میں جن میں ان کی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اس قول کی کیا حقیقت ہے جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور مختار مدعیہ نے جس کا ایک رکیک مفہوم لے کر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گویا حضرت محی الدین ابن عربی کی کتب کا مطالعہ کرنا حرام ہے۔
(۴) نبوت تشریعی سے شریعت لانے والی نبوت مراد نہیں ہے بلکہ ایسی نبوت مراد ہے جس کو شریعت میں نبوت کہا جاتا ہے اور مرزا صاحب نے جو تشریعی کے معنی صاحب شریعت ہونا اور کتاب مستقل اور احکام نئے ہونا یا بعض پہلے احکام کا نسخ ہونا لئے ہیں۔ یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔

جواب:-
مختار مدعیہ کا تشریعی نبی کے متعلق یہ کہنا کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ نئی شریعت لانے والا ہو بلکہ جسے شریعت میں نبی کہا جاتا ہے۔ وہ مراد ہے صریح مغالطہ ہے کیونکہ جب ہم فتوحات مکیہ فصوص الحکم وغیرہ کو پڑھتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ تشریعی نبوت سے مراد شریعت والی نبوت ہے۔
تشریع کے معنی (۱) شاہ ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ -
تشریع عبارت ازاں است کہ انسان چوں مرکب است از دو قوت ملکیہ و بہیمیہ اعتدال نوعی او تقاضا مے کند آں حرکات را کہ بسبب آں ہر دو قوت بجائے خود بماند در معاد سعادت نصیب او شود در ارتفاقات ضروریہ از آداب معیشت و نکاح و ابتغائے معیشت و سیاست مدن از جادۂ نوعیہ بیروں نرود و ایں ہمہ احوال و افعال را برائے نوع انسان معین کردن تشریع است (رسالہ سطعات مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب ص۹)
(۲) شیخ محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ تعالے فرماتے ہیں:-
"فانه تعالی اعطی خلفاءه من الانبیاء التشریع واعطی هذه الامة الاجتهاد فی نصب الاحکام وامرهم ان یحکموا بما ادی الیه

اجتہادھم وذالک تشریع فلحقوا المقامات الانبیاء علیہم السلام فی ذالک۔
(الکبریت الاحمر بر حاشیہ الیواقیت جلد ۱ صفحہ ۱۴۲)

اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالے نے انبیاء کو جو تشریع دی تو اس امت کو احکام قائم کرنے میں اجتہاد دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے اجتہاد سے جو سمجھیں اس کے مطابق حکم کریں اور یہ بھی تشریع ہے۔ پس اس امر میں وہ انبیاء علیہم السلام کے مقام سے مل گئے۔

(۳) اور فصوص الحکم میں لکھا ہے۔

وان کان خاتم الاولیاء تابع فی الحکم لما جاء بہ خاتم الرسل من التشریع فلذالک لا یقدح فی مقامہ
(فصوص الحکم صفحہ ۲۸ مطبوعہ کانپور)

اور اس کا ترجمہ جو اسی کتاب میں سے ہے یہ ہے۔ اگرچہ ہے خاتم الاولیاء پیرو بیچ حکم شریعت کے اس چیز کا کہ لائے اس کو خاتم الرسل احکام ظاہر شریعت سے پس یہ پیروی نہیں ضرر کرتی ہے۔ بیچ مرتبہ خاتم الاولیاء کے مختار مدعیہ نے فصوص الحکم کا ایک یہ حوالہ پیش کیا ہے۔ کہ " واما نبوۃ التشریع والرسالۃ منقطعہ وفی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقد انقطعت فلا نبی بعدہ یعنی مشرعا او مشرعا لہ ولا رسول وھو المشرع۔ اس میں لفظ مشرع اور لفظ مشرع لہ سے اس نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر قسم کی نبوت منقطع ہے۔ اب نہ کوئی نبی شریعت جدیدہ لے کر آسکتا ہے اور نہ جس کے لیے کوئی شریعت بنائی گئی ہو۔ حالانکہ یہاں بھی تشریع سے مراد شریعت بنانا ہی ہے۔ اور مشرع کے معنی ہیں نئی شریعت لانے والا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب توراۃ اور مشرع لہ کے معنی ہیں۔ جن پر کوئی جدید کتاب نازل نہ ہوئی ہو جیسے وہ انبیاء بنی اسرائیل جو احکام توریت کے تابع تھے لیکن اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں وہی نبی مراد ہیں جو مستقل ہیں ورنہ وہ نبوت جو اتباع سے حاصل ہو جس کا نام وہ نبوت عامہ رکھتے ہیں۔ وہ منقطع نہیں ہوئی چنانچہ اس عبارت کے متصل ہی چھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

" فابقی لھم النبوۃ العامۃ التی لا تشریع فیھا وابقی لھم التشریع فی الاجتہاد فی ثبوت الاحکام وابقی لھم الوراثۃ فی التشریع۔

یعنی پس باقی رکھا اللہ تعالے نے واسطے ان کے نبوت عام کو کہ نہیں ہے تبلیغ احکام ناموس (شرعی) کی بیچ اس کے اور باقی رکھی اللہ تعالیٰ نے واسطے بندوں کے تشریع، یعنی تخریج احکام شرعیہ کی بیچ اجتہاد بیچ ثبوت احکام شرعیہ کے۔ مترجم شاہ محمد مبارک علی صاحب نبوت عامہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" یعنی نبوت دو قسم پر ہے۔ ایک نبوت تشریعی ہے۔ اور وہ عبارت ہے اوامر و نواہی وغیرہ احکام ظاہر شریعت سے حق تعالے کی جانب سے خلق کی طرف بذریعہ انبیاء اور رسولوں کے۔ دوسری قسم نبوت عامہ ہے

اور وہ عبارت ہے عرفان اور اسرار غیب اور خبر دینے سے اور ظاہر کرنے سے اسرار ملک اور ملکوت اور ربوبیت
(فصوص الحکم مترجم مطبوعہ کانپور حاشیہ ص۱۴)

اس حوالہ سے نبی تشریعی کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ کہ نبوت تشریعی انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی طرف سے اوامر ونواہی وغیرہ احکام ظاہر شریعت کے مخلوق کے لیے دیئے جانے کو کہتے ہیں اس کے بعد میں فتوحات مکیہ سے بھی ایک حوالہ پیش کرتا ہوں۔ تا تشریعی کے معنی بیان کرنے میں مختار مدعیہ نے جو مغالطہ دینا چاہا ہے وہ دور ہو جائے۔

چنانچہ شیخ محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں:۔

"فان النبوۃ التی انقطعت بوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ھی نبوۃ التشریع لا مقامھا فلا شرع یکون ناسخاً لشرعہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یزید فی شرعہ حکما آخر وھذا المعنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔ ای لا نبی بعدی یکون علی شرع یخالف شرعی بل اذا کان یکون تحت حکم شریعتی ولا رسول بعدی الی احد من خلق اللہ بشرع یدعوھم الیہ فھذا ھو الذی انقطع وسد بابہ لا مقام النبوۃ۔

یعنی جو نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے منقطع ہوئی ہے وہ نبوت تشریعی ہے نہ کہ مقام نبوت پس کوئی شریعت ایسی نہیں ہو سکتی جو آنحضرت صلعم کی شریعت کو منسوخ کرنے والی ہو اور آپ کی شریعت میں کوئی حکم زائد کرنے والی ہو اور یہی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ہیں کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی ہے پس نہ میرے بعد کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا جو ایسی شریعت پر ہو جو میری شریعت کے مخالف ہے بلکہ جب کبھی ہوگا تو وہ میری شریعت کے حکم کے تحت ہوگا اور میرے بعد خلق اللہ میں سے کوئی رسول نہیں جو شریعت لائے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے پس اس قسم کی نبوت منقطع ہوئی ہے۔ اور اس کا دروازہ بند کیا گیا ہے نہ کہ مقام نبوت۔ اس کے آگے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے میں جو نبی اور رسول ہیں کوئی اختلاف نہیں اور اس میں بھی کہ وہ نئی شریعت نہیں لائیں گے بلکہ شریعت محمدیہ کے ہی تابع ہوں گے پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت اور متحقق ہے اور وہ نبی اور رسول ہیں جو آنحضرت صلعم کے بعد ظاہر ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس قول میں بھی صادق ہیں کہ میرے بعد نبی نہیں۔ پس ہم سمجھ لیتے کہ آپ کی مراد خاص نبوت تشریعی سے ہے جس کو اہل نظر اختصاص سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔

"فالنبوۃ مقام عند اللہ ینالہ البشر وھو مختص بالاکابر من البشر یعطی للنبی

الشرع و يعطي للتابع لهذا النبي المشرع الجاري علی قال اللہ تعالیٰ فی القرآن ووهبنا له من رحمتنا اخاه هارون نبيا فاذا نظر الی هذا المقام بالنسبة الی التابع وانه باتباعه حصل له هذا المقام سمی مكتسبا بهذا الاتباع اكتسابا ولم یاته شرع من ربه يختص به ولا شرع يوصله الی غيره وكذالك كان هارون عليه السلام فسددنا باب اطلاق لفظة النبوة علی هذا المقام مع تحقيقه لئلا يتخيل متخيل ان المطلق لهذا اللفظ يريد نبوة التشريع فيغلط كما اعتقده بعض الناس فی الامام ابی حامد الغزالی ‘‘

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صہ ۳ ر۴)

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ نبوت خدا تعالےٰ کے نزدیک ایک مقام ہے جس کو انسان حاصل کرتا ہے اور یہ مقام اکابر لوگوں کے ساتھ مختص ہے جو نبی مشرع کو بھی ملتا ہے اور اس مشرع نبی کے تابع کو بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کو اس کے لیے نبی بنایا ہے۔ پس جب وہ اس مقام کی نسبت کو تابع اور اس کی اتباع کے لحاظ سے دیکھتا ہے تو اس مقام کا نام مکتسب اور اس اتباع کے تعبیل کا نام اکتساب رکھتا ہے اور نہ تو خدا کی طرف سے اس کے لیے کوئی خاص شریعت آتی ہے۔ اور نہ دوسروں کو پہنچانے کے لیے اور ہارون علیہ السلام بھی ایسے ہی نبی تھے اس وجہ سے ہم نے اس مقام پر باوجود اس کے متحقق ہونے کے لفظ نبوت کا اطلاق کرنا بند کر دیا۔ تا کوئی خیال کرنے والا غلط طور پر یہ خیال نہ کرلے کہ اس لفظ کے بولنے والے کی مراد نبوت تشریع ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے امام غزالی کے متعلق کہہ دیا ہے کہ وہ اکتساب نبوت کے قائل ہیں‘‘

اس حوالہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کی دو قسمیں ہیں ایک تشریعی دوسری غیر تشریعی نبوت اُسے کہتے ہیں کہ جو مستقل ہو اور وہ کسی نبی کی اتباع کے نتیجہ میں نہ ہو اور اسے کوئی شریعت دی جائے چاہے وہ اس کے لیے خاص ہو اور دوسروں کے لیے اُسے پہلی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہو اور دوسری قسم کی نبوت غیر تشریعی ہے جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک ایک مقام روحانی ہے جو کسی انسان کو کسی نبی کی اتباع کے نتیجہ میں ملتا ہے اور ہارون علیہ السلام صاحب فتوحات کے نزدیک نبی غیر تشریعی تھے اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول کے وقت غیر تشریعی نبی ہوں گے۔ مذکورہ بالا تمام حوالجات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں آسکتا جو نئی شریعت لائے اور آپ کی شریعت میں کمی وبیشی کرنے والا ہو لیکن مطلق نبی کا آنا ممتنع نہیں ہے۔

اب زیادہ سے زیادہ یہی اعتراض ہو سکتا ہے کہ انہوں نے تو ایسے شخص پر جو مقام نبوت کو بھی حاصل کرے نبی کا اطلاق جائز نہیں قرار دیا تا کوئی اس سے نبوت تشریعی نہ خیال کر لے میں اسے تسلیم کرتا ہوں مگر ان کا یہ قول عموم کے لحاظ سے ہے ورنہ مسیح موعودؑ کو تو خود نبی غیر مشرع مانتے ہیں اور ہارون علیہ السلام کو بھی انہوں نے تابع نبی اور غیر مشرع نبی قرار دیا ہے لیکن باوجود اس کے خدا تعالیٰ نے انہیں نبی کا نام دیا ہے جیسا کہ ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا سے ظاہر ہے پس ان کے مذہب کی رو سے بھی جس تابع نبی کو خدا تعالیٰ نبی قرار دے دے تو اس پر نبی کا اطلاق ہو سکتا ہے اور ایسے نبی کا آنا حدیث لا نبی بعدی اور آیت خاتم النبیین کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے صرف ایسے نبی کا نہ آنا مراد ہے جو ناسخ شریعت محمدیہ ہے۔ لاغیر۔ اصل بات یہ ہے کہ صوفیاء نے جو یہ کہا ہے کہ ان کا نام نبی نہیں رکھا جائے گا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام نہیں دیا گیا تھا اس لیے انہوں نے مسیح موعود کو جن کے متعلق احادیث میں نبی کا لفظ آیا تھا نبی کا نام دیا اور دوسروں کے متعلق ایسا نہ کہا۔ لیکن چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام دیا گیا تھا اس لیے آپ نے اسی حقیقت کو علی رؤس الاشہاد ظاہر فرمایا کہ جس شخص کو آنحضرت صلعم کی اتباع میں اور آپ میں فنا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام عطا ہو وہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے اور شیخ محی الدین ابن العربی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اہل اللہ کے بھی مختلف درجات اور مراتب ہیں اور اگر بڑا مرتبہ رکھنے والا ایک بات کہے تو اس کی بات بہ نسبت دوسروں کے قابل قبول ہے چنانچہ فرماتے ہیں وسبب غلط الغزالی وغیرہ

فی منع تنزل الملك علی الولی عدم الذوق وظنهم انهم قد عملوا بسلوکهم جمیع المقامات فلما ظنوا ذلك بانفسهم ولم یروا ملك الالهام نزل علیهم انکروه وقالوا ذلك خاصٌّ بالانبیاء فذوقهم صحیح وحکمهم باطل مع ان هؤلاء الذین منعوا قائلون بان زیادة الثقة مقبولة واهل الله کلهم ثقات قال ولو ان ابا حامد امام الغزالی وغیره اجتمعوا فی زمانهم بکامل من اهل الله واخبرهم بتنزل الملك علی الولی یقبلو ذالك۔ (الیواقیت جلد ۲ صفحہ ۹۵)

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ غزالی وغیرہ نے جو یہ کہا ہے کہ ولی پر فرشتہ نازل نہیں ہوتا تو اس غلطی کی وجہ عدم ذوق اور ان کا یہ خیال کر لینا ہے کہ گویا انہوں نے سلوک کے تمام مقامات طے کر لیے جب انہوں نے اپنے متعلق یہ خیال کر لیا اور فرشتہ الہام کو اپنے اوپر نازل ہوتے نہ دیکھا تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ فرشتہ کا نزول انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ پس ان کا ذوق تو صحیح ہے لیکن حکم باطل ہے اور پھر یہ لوگ جنہوں نے

کہا کہ ولی پر فرشتہ نازل نہیں ہوتا اس امر کے قائل ہیں کہ تفقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور تمام اہل اللہ تفقہ ہیں اگر امام غزالی وغیرہ اپنے زمانہ میں کسی کامل اہل اللہ سے ملتے اور وہ انہیں ولی پر فرشتہ کے نزول کی خبر دیتا تو وہ اُسے ضرور قبول کر لیتے پس اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ صوفیاء نے غیر تشریعی نبی کے متعلق یہ کہا ہے کہ اُسے نبی کا نام نہیں دیا جاتا تو بھی کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک تفقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور جب ان میں سے کسی کو خدا تعالےٰ نے نبی کا نام نہ دیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ نبی کا نام کسی کو نہیں دیا جاتا تا شریعت والی نبوت نہ سمجھ لی جائے پس ان کا ذوق توضیح ہے۔ لیکن ان کا حکم باطل ہے کیونکہ مہدی موعود و مسیح موعود کو جو بالاتفاق سب اہل اللہ سے افضل اور تفقہ ہیں خدا تعالےٰ نے نبی کا نام دیا اور آپ نے یہ بانگ دہل فرمایا۔

"میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعوےٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں و لکل ان یصطلح "
(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸)

اور اصطلاح کے متعلق مولوی محمد قاسم صاحب بھی لکھتے ہیں "اصل مطلب میں تو شریک ہی نکلے لفظوں اور اصطلاح کا ہی فرق رہا سو یہ کیا بڑی بات ہے مصرع ہر یکے کے را اصطلاح دادہ ایم (ہدیۃ الشیعہ ص۳۳)

(۵) مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ (احمدی) وہ حوالے پیش کرتے ہیں جو ان کے مطلب کے ہیں لیکن جو باقی عبارات ان میں ہیں وہ نہیں پیش کرتے۔ فتوحات میں بھرا پڑا ہے۔ کہ مسیح زندہ ہیں اور ان کا نزول ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ بھی تو ان کتابوں سے وہی حوالے پیش کرتے ہیں جو آپ کے مطلب کے ہیں۔ دوسرے نہیں پیش کرتے۔ ہم تو ان بزرگوں کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ نزول مسیح کی پیشگوئی چونکہ مستقبل سے تعلق رکھتی ہے اور علم غیب میں اجتہاد کو دخل نہیں ہے اس کی کیفیت وقوع کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اور ان سے یہ غلطی ہوئی لیکن اس وجہ سے ہم ان کی تکفیر تو نہیں کرتے برخلاف اس کے آپ نے تو یہ کہا ہے۔ کہ لانبی بعدی اور خاتم النبیین کے معنی صرف یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا اور اگر اس آیت و حدیث کے اس کے سوا کوئی اور معنی کرے تو وہ کافر ہے اس لیے ہمیں ضرورت پیش آئی کہ آپ لوگوں پر اتمام حجت کرنے کے لیے ان بزرگوں کے اقوال پیش کریں جن کو آپ مسلم بزرگ سمجھتے ہیں۔ اور وہ خاتم النبیین اور لانبی بعدی کے وہی معنی کرتے ہیں۔ جو جماعت احمدیہ کرتی ہے۔

مختار مدعیہ تو ہمارے طریق پر تعجب کا اظہار کرتا ہے اور قابل تعجب خود اس کا طریق ہے یہاں تک

کہ اس کے مسلم مقتدا مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی و مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بھی اس کے طریق کو قابل تعجب بتانے اور ادنیٰ طالب علموں کے تعجب کرنے کے لائق ٹھہراتے ہیں چنانچہ البراہین القاطعہ جو دونوں صاحبوں کی طرف منسوب ہے صـ۸۵ پر فرماتے ہیں۔

"مولف نے یہ قاعدہ نیا ایجاد کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کتاب سے کوئی روایت نقل کی تو وہ تمام کتاب ناقل کے نزدیک معتبر ہو جاوے یہ آج تک کسی نے نہیں لکھا۔ مثلاً ہدایہ شرح وقایہ وغیرہ کتب سے استدلال لاتے ہیں۔ مع ہذا اس کی ضعیف روایت پر جرح کر کے ترک کر دیتے ہیں۔ ترمذی ابوداؤد وغیرہما کتب سے سند لاتے ہیں۔ مع ہذا۔ جس روایت میں اس کے ضعف ہے اس کو ترک کرتے ہیں اس کو ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے مگر مولف کہتا ہے کہ مولوی محمد اسحاق صاحب نے شیخ عبد الحق اور خزانہ اور دستور الفضات سے روایات نقل کی ہیں۔ تو بس سب مرویات منقولات ان کے نزدیک معتبر واجب القبول ہو گئی یہ عجب العجاب استدلال ہے۔

حوالہ تحذیر الناس

پھر مختار مدعیہ نے مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کے قول کے متعلق یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ گویا ان کے قول مندرجہ تحذیر الناس صـ۲۸ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ہونا آپ کی ختم نبوت کے منافی نہیں ہے سو اس کے جواب میں میں ان کا وہی قول پیش کر دینا چاہتا ہوں اور اس امر کا فیصلہ کہ آیا گواہان مدعا علیہ اس سے جو کچھ سمجھتے ہیں صحیح ہے یا نہیں عدالت کے انصاف پر چھوڑتا ہوں اور وہ قول یہ ہے۔

"بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ (تحذیر الناس صـ۲۸)

اس عبارت کے الفاظ صاف سلیس سادہ آسان اور بالکل ہی عام فہم اردو زبان میں ہیں اور ان میں برائے نام بھی ابہام نہیں ہے۔ اور بوجہ اپنی انتہائی وضاحت کے ناظرین کو پکار پکار کر بتا رہے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا حضور کی خاتمیت میں کوئی خلل ڈالنے والا نہیں ہے۔ اور علمائے عصر نے بھی اس عبارت کے یہی معنے سمجھے ہیں چنانچہ ہندوستان کے شہرہ آفاق عالم مولوی احمد حسن صاحب کانپوری اپنی کتاب افادات الاحمدیہ میں مقدمہ مقلد وغیر مقلد کے متعلق ہند کمیشن کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

البتہ پیغمبری ختم ہو گئی اور یہ لفظ خاتم النبیین قرآن شریف میں موجود ہے۔ مگر بعض علماء نے اس کے معنے

یہ بیان کیئے ہیں۔ کہ اگر حضرت کے بعد یا حضرت کے زمانہ میں کوئی پیغمبر پیدا ہو تو اس آیت کے منافی نہیں اور اس مسئلہ کی ایجاد سے ان پر اور بہت سے علماء نے اعتراضات کیئے ہیں۔ واللہ علم بالصواب "

(افادات الاحمدیہ صفحہ ۴۵)

مولوی احمد حسن صاحب کے اس جواب سے ظاہر ہے۔ کہ مولوی محمد قاسم صاحب کی عبارت کے جو کچھ معنے وہ سمجھتے ہیں۔ وہ اکیلے نہیں ہیں۔ بلکہ اور بہت سے علماء بھی ان کے ساتھ شریک ہیں یعنی وہ بھی یہی سمجھے ہیں کہ مولانا محمد قاسم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا ہو۔ تو بھی خاتمیت محمدیہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اور ان علماء پر کیا موقوف ہے۔ ہر عالم و غیر عالم جو خواہ مخواہ حق پوشی و ناحق کوشی سے کام لینا نہ چاہے۔ عبارت منقولہ بالا کے وہی معنے سمجھے گا۔ جو مولوی احمد حسن صاحب سمجھے ہیں۔

اگرچہ عبارت اپنے معنی کے اظہار میں کسی تشریح و تفصیل کی ہرگز محتاج نہیں تاہم میں یہ بھی دکھا دینا چاہتا ہوں۔ کہ خود مولانا محمد قاسم ہی کے قول سے اس کی کیا تشریح و تفصیل ثابت ہوتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:۔

اول معنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کرنے چاہئیں۔ تاہم فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے۔ کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا۔ کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہیئے اور اس مقام کو مقام مدح نہ قرار دیجیئے۔ تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں۔ کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارہ نہ ہوگی۔ کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں۔ کیا فرق ہے۔ جو اس کو ذکر کیا اور ان کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نقصان قدر کا احتمال۔ کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجیئے۔ باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لیئے سدباب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے۔ جو کل جھوٹے دعوی کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔ پھر جملہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم اور جملہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں کیا تناسب تھا۔ جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا۔ اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا اور ظاہر ہے۔ کہ اس

قسم کی بے ربطی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لیے اور بیسیوں مواقع تھے۔" (تحذیر الناس صـ۳)

اس تحریر سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) کہ خاتم النبیین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ کو سب میں آخری نبی سمجھنا عوام کا خیال ہے۔

(۲) لیکن رسول اللہ و خاتم النبیین مقام مدح میں فرمایا گیا ہے۔

(۳) تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں جب کہ اہل علم پر یہ بات روشن ہے۔

(۴) باعتبار تاخر زمانی کے خاتم النبیین کو لانا اس وقت درست ہو سکتا ہے۔ اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ قرار دیا جائے۔

(۵) اور اوصاف مدح میں سے نہ لینے کی صورت میں ایک تو خدا تعالے پہ زیادہ گوئی کا الزام آتا ہے۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کم ہوتی ہے۔

(۶) اگر آخری دین ہونے کے لحاظ سے سد باب اتباع مدعیان نبوت کہو۔ تو فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے لیکن اس کے لیے یہ موقع نہیں۔ بلکہ بیسیوں اور مواقع اس کے بیان کرنے کے ہو سکتے تھے۔

اس کے بعد وہ اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں۔

" بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے۔ جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آتا ہے۔ اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے" صـ۳

یعنی خاتم النبیین کے وہ ایسے معنے کریں گے کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی دوبالا ہو جائے اور تاخر زمانی بھی پایا جائے۔ یعنی آخری دین ہونے کی وجہ سے جو سد باب اتباع مدعیان نبوت ضروری تھا۔ وہ بھی پورا ہو جائے کہ آپ کے بعد اور کوئی نبی ایسا نہیں ہو گا۔ جو نیا دین لائے۔ کیونکہ آپ کا دین آخری دین ہے۔

اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے۔ کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔ مثال درکار ہے تو لیجئے زمین و کہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہو۔ تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں۔ اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے

سے آتی ہی تھی۔ باایں ہمہ اگر یہ وصف آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا تم کہو۔ وہی موصوف بالذات ہوگا۔ اور اس کا نور ذاتی ہوگا اور کسی اور سے مکتسب اور کسی اور کا فیض نہ ہوگا۔ الغرض یہ بات بدیہی ہے۔ کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے ،، ص۴

موصوف بالذات اور موصوف بالعرض میں یہ فرق ہوا کرتا ہے۔ کہ موصوف بالذات کو جو چیز حاصل ہوتی ہے۔ وہ بلاواسطہ اور ذاتی ہوتی ہے۔ اور موصوف بالعرض کا وصف بالواسطہ مکتسب ہوتا ہے۔ اور کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے۔ اور جس کا وصف بالذات ہوتا ہے۔ وہ سلسلہ اس پر ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آفتاب پر اگر اس کا نور ذاتی ہے تو ہم کہیں گے کہ اس پر نور کا سلسلہ ختم ہے۔ لیکن اس سے یہ مراد قطعاً نہیں ہوگی کہ اس کے واسطہ سے بھی نور حاصل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ آپ اس تقریر کا نتیجہ یہ تحریر فرماتے ہیں۔

،، سو اسی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمایئے۔ یعنی آپ موصوف بوصف نبوت خاص ہیں۔ اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے۔ پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔ غرض آپ جیسے نبی الامۃ ہیں۔ ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں۔ اور یہی وجہ ہوئی۔ کہ بشہادت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الخ اور انبیاء کرام علیہ علیہم السلام سے آپ پر ایمان لانے ہیں اور کے اتباع اور اقتداء کا عہد لیا گیا ادھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے علاوہ بریں بعد نزول حضرت عیسیٰ کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے اور رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد کہ علمت علم الاولین والآخرین بشرط فہم اسی جانب مشیر ہے۔ شرح اس حمہ کی یہ ہے۔ کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اولین مثلاً ادیان اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلعم میں مجتمع ہیں۔ عالم حقیقی رسول اللہ صلعم ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء اور علماء گذشتہ و مستقبل اگر عالم ہیں تو بالعرض ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی اہل فہم جانتے ہیں۔ کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے

(صفحہ ۴)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور آپ کی نبوت کسی کا فیض نہیں ہے۔ دوسروں کی نبوت بالعرض اور آپ کا فیض ہے۔

(۲) اس کمال کی وجہ سے نبوت آپ پر ختم ہے۔ کہ آپ کی طرح نبوت سے موصوف بالذات کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو بھی ہوگا بالعرض ہوگا گذشتہ زمانہ میں ہوا ہو یا آئندہ زمانہ میں ہو۔

(۳) اس وجہ سے بھی آپ خاتم النبیین ہیں۔ کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے۔ اگر آپ میں تمام کمالات علمیہ جمع ہیں۔

(۴) جیسے آپ نبی الامت ہیں۔ ویسے ہی آپ نبی الانبیاء بھی ہیں۔ یعنی آپ جیسے اپنی امت کے روحانی معنوی باپ ہیں۔ اسی طرح آپ انبیاء کے بھی روحانی باپ ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"نیز اس صورت میں جیسے قرأت خاتم بکسر التاء چسپاں ہیں۔ ایسے ہی قرأت خاتم بفتح التاء بھی نہایت درجہ کو بے تکلف موزوں ہوجاتی ہے۔ کیونکہ جیسے قرأت خاتم بفتح التاء کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے۔ حاصل مطلب آیت کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوت معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں۔ پر ابوۃ معنوی امتیوں کو بھی حاصل ہے انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النبیین شاہد ہے۔ سو جب ذات بابرکات محمدی صلعم موصوف بالذات بالنبوۃ ہوئی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض۔ تو یہ بات اب ثابت ہوگئی۔ کہ آپ والد معنوی ہیں اور باقی انبیاء آپ کے حق میں بمنزلہ اولاد معنوی اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجیے۔ صنا ۔ ۱۱

پھر لکھتے ہیں۔

" اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ آپ پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا اس میں انبیاء گذشتہ ہوں یا کوئی اور۔ اس طرح اگر فرض کیجیے، آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو۔ تو بہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا۔ اور اس کا سلسلہ نبوت بہر طور پر آپ پر مختتم ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے۔ جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہوگیا۔ تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا۔ تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو۔ جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"

صـ ۱۴)

اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے یہ معنے ہیں کہ نبوت جو کمالات علم میں سے ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتم و اکمل طور پر موجود ہے۔ اور اس سے زیادہ علم کا حصول بشر کے لیے ممکن نہیں۔ کہ اس وجہ سے جو بھی نبی ہو (یا فرض کیجیے آئندہ ہو۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ اس کی نبوت اور کمالات علمیہ بھی آنحضرت صلعم پر ختم ہیں۔ کیونکہ آپ مستجمع جمیع کمالات انبیاء ہیں اور آپ نبوت سے موصوف بالذات ہیں۔ اور کسی کے محتاج نہیں۔ لیکن باقی نبی موصوف بالعرض ہونے کی وجہ سے وصف نبوت میں آپ کے محتاج

ہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اس میں ایک لطیف نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیاء سے آخر میں آنے اور انہیں ختم کر دینے کے تو کوئی معنے ہی نہیں بنتے۔ کیونکہ اگر کہو۔ پہلے انبیاء کو ختم کر دیا۔ تو وہ تو پہلے ہی ختم ہو چکے تھے ان کا ختم کرنا کیا۔ اور آئندہ کوئی آنا نہیں تھا۔ جو اسے ختم کرتے لیکن بلحاظ مراتب کے خاتمیت لینا نہایت موزوں ہے۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہوگی۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے۔ اور انہیں کچھ کمالات حاصل تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کمالات کو حاصل کر کے آگے بڑھ گئے۔ اس لیئے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو آپ نے ختم کر دیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم حضرت نوح علیہم السلام وغیرہ کی نبوت چند کمالات کی جامع تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کر کے ان سے بھی آگے نکل گئے۔ اسی طرح ان کی نبوتیں بھی آپ نے ختم کر دیں۔ اور معراج میں یہی بات۔ آپ کو دکھائی گئی۔ کہ آپ تمام نبیوں کو چھوڑ کر ان سے آگے نکل گئے۔ اس وجہ سے آپ تمام انبیاء کے خاتم ٹھہرے۔ کہ ان تمام کے کمالات آپ پر ختم ہو گئے۔ اور آپ سب کے جامع ہوئے اس لحاظ سے مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو انبیاء پہلے گذر چکے ہیں۔ ان کے لحاظ سے تو آپ کی خاتمیت زمانی سے انکار نہ ہو سکے گا۔

" ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیئے۔ جیسا کہ اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے۔ تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور کو زمین میں یا فرض کیجئے۔ اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔" صـ۲۸

اس تمام تقریر کا خلاصہ یہی ہے۔ کہ مولوی محمد قاسم صاحب خاتم النبیین کے معنے ایسے بیتے ہیں جن کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کے بعد بھی کوئی نبی آئے۔ جو آپ کی نبوت کا محتاج ہو۔ اور اس کی نبوت وصف بالعرض ہو۔ نہ بالذات۔ تو وہ بھی آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ اور خاتمیت کے معنے یہ ہیں۔ کہ آپ پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ اور آپ ہی ہر زمین اور ہر زمانے کے بادشاہ ہیں۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

تمت علیہ صفات کل مزیۃ
ختمت بہ نعماء کل زمان

کہ آپ پر تمام اعلےٰ صفات پوری ہو گئیں۔ اور آپ پر ہر زمانہ کی نعمتیں ختم ہو گئیں۔

پھر مولانا فرماتے ہیں:۔

"وہ نبی جو صفت العلم سے مستفید ہو۔ اور بارگاہ علمی تک باریاب ہو۔ تمام انبیاء سے مراتب میں زیادہ اور رتبہ میں اعلیٰ اور سب کا سردار اور سب کا مخدوم و مکرم ہوگا۔ اور سب اس کے تابع و محتاج ہونگے۔ اس پر مراتب کمالات ختم ہوجاتیں گے۔ اس لیے وہ نبی خاتم الانبیاء بھی ضروری ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ انبیاء بوجہ احکام رسالت مثل گورنر وغیرہ نواب خداوندی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا حاکم ہونا ضروری ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ اس لیے جیسے عہدہ ہائے ماتحت میں سب میں اوپر عہدہ گورنری یا وزارت ہے۔ اور سوا اس کے اور سب عہدے ماتحت ہوتے ہیں اور ان کے احکام کو وہ توڑ سکتا ہے۔ اس کے احکام کو کوئی اور نہیں توڑ سکتا۔ اور وجہ اس کی یہی ہوتی ہے۔ کہ اس پر مراتب عہدہ جات ختم ہوجاتے ہیں۔ ایسے ہی خاتم مراتب نبوت کے اوپر اور کوئی عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں جو ہوتا ہے اس کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے احکام اوروں کے احکام کے ناسخ ہوں گے اور وں کے احکام اس کے احکام کے ناسخ نہ ہوں گے اور اس لیے یہ ضرور ہے کہ وہ خاتم زمانی بھی ہو۔ کیونکہ اوپر کے حاکم تک نوبت سب حکام ماتحت کے بعد میں آتی ہے۔ اور اس لئے اس کا حکم اخیر حکم ہوتا ہے۔"

(مباحثہ شاہ جہانپور ص ۲۴ ر ۲۵)

پھر جیسے گورنر خاتم الحکام کے ماتحت ہو کر کسی حاکم کا آنا اس کی خاتمیت کے خلاف نہیں ہے اسی طرح خاتم النبیین کے ماتحت ہو کر اور آپ کے احکام کے نفاذ کے لیے کسی نبی کا آنا آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے اگر کسی نبی کا آنا آپ کی خاتمیت کے خلاف ہو۔ تو وہ ایسا نبی ہے۔ جو آپ کے احکام کو آخری احکام نہ سمجھے۔ اور ان کو منسوخ کرے ورنہ ایسا نبی جو آپ کی شریعت کا متبع ہو۔ اور آپ کی غلامی کا دعویٰ کرے۔ وہ آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں کیونکہ اس کی نبوت آپ کی نبوت سے علیحدہ نہیں۔ بلکہ اسی سے مستفیض ہے۔

چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں۔

"جیسے اس وقت اگر گورنر سابق بھی موجود ہو۔ تو لارڈ لٹن ہی کا اتباع کرے۔ جو گورنر زمانہ حال ہے۔ ایسے ہی اس زمانے میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسےٰ بھی موجود ہوتے۔ تو ان کو چار ناچار رسول عربی صلعم ہی کا اتباع کرنا پڑتا۔"

پس آنحضرت کا متبع ہو کر کسی نبی کا آنا منافی خاتمیت نہیں۔ اس امر کی تائید میں ایک اور حوالہ پیش کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تحذیر الناس میں جس حدیث پر بحث ہے۔ اسی حدیث پر کتاب نصر المومنین میں بھی بحث کی گئی ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کو علماء نے ارتداد اور کفر صریح کی طرف نسبت دے کر اس کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کے پاس بیٹھنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ دیکھو نصر المومنین ص ۲ ر ۳ ر ۴ ر ۶

اور اس فتویٰ پر چودہ علماء کی مواہیر ہیں۔

پھر اس کتاب کے صفحہ میں اس حدیث کو ضعیف اور موضوع قرار دینے والوں کے اس سوال کا کہ النبیین میں الف لام استغراق کا ہے۔ اس لیے آپ تمام قسم کے انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ جواب دیا ہے۔

"ہم نہیں تسلیم کرتے۔ کہ الف لام النبیین میں استغراق کا ہے۔ بلکہ عہد کے لیے ہے۔ اور مراد النبیین سے وہ ہیں کہ جو حضرت آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوئے اسی طبقہ علیا میں تھے اور یہ اگرچہ ایک احتمال ہے لیکن باعتبار اصول کے یہ بات بہت قوی ہے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

"اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں اور بعض قائل ختم نبوت تشریعی کے ہیں نہ مطلق نبوت کے۔"

(النصر المومنین مطبوعہ نور کانپور ۱۲۹۱ھ ہے)

آخری جملہ میں تو بعض ایسے فرقوں کا ذکر کر کے جو تشریعی نبوت کے ختم ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں۔ ان کو بھی مسلمان ہی قرار دیا ہے۔ اور مختار ان مدعیہ صرف ختم نبوت غیر تشریعی نہ ماننے والوں کو بھی کافر کہنے سے نہیں رکتے۔ اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے مناظرہ عجیبہ میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کا احتمال نہیں۔ تو اس سے مراد وہی لی جائے گی۔ جو ان تصریحات کے خلاف نہ ہو اور ان کو ملحوظ رکھ کر ایسا ہی نبی ہو سکتا ہے جو نیا دین لائے۔ جیسا کہ تحذیر الناس صفحہ ۳ میں مولوی محمد قاسم صاحب نے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔ کہ یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لیے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل جھوٹے دعویٰ کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے۔ البتہ قابل لحاظ ہے پھر آپ کے اس قول سے کہ آئندہ نبی کے آنے کا احتمال نہیں۔ ایسا ہی نبی مراد لیا جا سکتا ہے۔ جس کے آنے سے آنحضرت صلعم کا دین آخری دین نہ رہے۔ اور اسی طرح تحذیر الناس صفحہ ۱ کی عبارت میں بھی اس قسم کے نبیوں کے لحاظ سے انہوں نے آنحضرت صلعم کو خاتم زمانی مانا ہے۔ ورنہ وہ بغیر دین جدید و شریعت جدیدہ کے حضرت عیسیٰؑ کا آنحضرت صلعم کے بعد نبی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر ان کے معنوں میں اور دیگر علماء کے معنوں میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ اور وہ دیگر علماء کی طرح آنحضرت صلعم کو خاتم زمانی تسلیم کرتے۔ تو انہیں ان کی تکفیر کی کیا ضرورت تھی۔ اور جیسا کہ نصر المومنین کے حوالے سے اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں۔ اور بعض قائل ختم نبوت تشریعی کے ہیں۔ ایسا ہی فقہا نے بھی لکھا ہے کہ یکفر بقولہ لا اعلم ان آدم علیہ السلام نبی اولا ولو قال أمنت بجمع الانبیاء علیہم السلام و بعدم معرفۃ ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء عند البعض"

(البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۳۰)

یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ مجھے معلوم نہیں۔ کہ آدم علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں۔ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ میں تمام انبیاء پر ایمان لایا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کی عدم شناخت پر تو بعض کے نزدیک کافر ہوگا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان معنوں میں آخری نبی ماننا جس کا مختار اور گواہان مدعیہ دعویدار ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک ضروریات دین سے نہیں ہے اور نہ ہی موجب کفر ہے۔

باقی حوالے جن میں لانبی بعدی اور خاتم النبیین کے یہ معنے کئے گئے ہیں۔ کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو ناسخ شریعت محمدیہ ہو۔ یا جیسا کہ مولانا جلال الدین رومی نے مثنوی دفتر ششم میں لکھا ہے۔ کہ خاتم النبیین کے یہ معنے ہیں۔ کہ آپ پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ ان سب پر مختار مدعیہ نے کوئی جرح نہیں کی۔ البتہ اقتراب الساعۃ کے حوالہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ نواب صدیق حسن خان کی تالیف ہے۔ اس لیے غیر مسلم ہے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب کی شخصیت کے متعلق زیر عنوان۔

سلف صالحین کا عقیدہ درباره وحی:۔

ذکر کر چکا ہوں۔ اور یہاں اتنا اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اقتراب الساعۃ سے جو یہ حوالہ بحث کیا گیا ہے۔ کہ لانبی بعدی کے معنے علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی ناسخ شریعت محمدیہ نہیں آئے گا۔ درحقیقت اس کے قائل امام ملا علی قاری ہیں جیسا کہ پہلے حوالہ کتاب الاشاعۃ۔ لاشراط الساعۃ۔ گذر چکا ہے۔

پس ائمہ سلف کے اقوال سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے اور آپ کے قول لانبی بعدی سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد مستقل صاحب شرع جدید کوئی نبی نہیں آسکتا۔ جو آپ کی شریعت کے احکام کو منسوخ کرے۔

(۶)

سیاق وسباق کے لحاظ سے آیت کے معنے

اس آیت کی تفسیر کے لیے ملاحظہ ہو بیان گواہان مدعا علیہ

(۷)

خاتم النبیین کے صحیح معنی

خاتم بفتح التاء کے اصل معنے عربی زبان میں انگوٹھی یا مہر کے ہیں۔ اور گواہ مدعا علیہ والے نے ان معنی کے اثبات کے لیے حدیث اور تفسیر اور لغت کو پیش کیا تھا۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱ لیکن مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح

کی ہے۔کہ منجد سے جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ وہ مفرد ہے۔ اور کتاب اللہ میں مضاف ہو کر استعمال ہوا ہے۔ یہاں بحث مضاف کے اندر ہے۔ لہٰذا غیر متعلق ہے میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ مختار مدعیہ کا یہ قول کس حد تک قابل التفات ہے کیونکہ تھوڑی سی عقل رکھنے والا شخص بھی جان سکتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے معنے کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونو کے علیحدہ علیحدہ معنے معلوم ہوں۔ ورنہ اس کے معنے کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ پس خاتم کے حقیقی معنے معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ دیکھا جائے۔ کہ وہ مفرد ہوتے کی صورت میں کس معنی میں استعمال ہوتا ہے اور خاتم کا لفظ مہر۔ اور انگوٹھی کے معنے میں احادیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اور گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۹ر اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ لغت والوں نے تسریح کی ہے۔ کہ خاتم بفتح التاء مہر کے معنوں میں بھی ہے۔

اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی الحقیقت مہر یا انگوٹھی نہیں۔ پھر جو آپ کو نبیوں کا خاتم کہا گیا۔ تو وہ اس لیے کہ آپ کے خاتم النبیین ہونے اور حقیقی مہر یا انگوٹھی میں مندرجہ ذیل وجہ شبہ ہو سکتی ہے۔

(۱) زینت جیسا کہ فتح البیان کے حوالہ سے ظاہر ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۲۸۶ مطبوعہ مصر ۲۲)

(۲) احاطہ جیسے انگوٹھی انگلی کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ ایسے آپ بھی تمام نبیوں کے محیط ہیں۔ یعنی ان کے تمام کمالات کے جامع ہیں۔ جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں۔

"اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے۔ کہ علوم اولین مثلاً ادیان اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں" (تحذیر الناس صفحہ ۴)

اور کمال کے اظہار کے لیے لغت عرب اور دوسری زبانوں میں بکثرت خاتم اور ختم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور اس معنی کی تائید میں گواہان مدعا علیہ نے منجملہ اور بہت سے حوالجات کے ایک حوالہ فتوح الغیب کا۔ بک تختم الولایۃ اور ایک وفیات الاعیان سے مجمع القریض بخاتم الشعراء شعر نہیں کہا تھا۔ گر مختار مدعیہ نے فتوح الغیب کے حوالہ کے متعلق یہ کہا ہے۔ کہ اس میں تو خاتم الولایۃ کا ذکر ہے۔ نبوت کا تو ذکر ہی نہیں۔ اس لیے یہ غیر متعلق ہے۔ گویا کہ مختار مدعیہ کے نزدیک جب خاتم کا لفظ ولایت کی طرف منسوب ہو۔ تو پھر آخر کے معنے نہیں ہوتے۔ لیکن جب نبوت کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنے آخر کے ہوتے ہیں۔ لیکن کیا مختار مدعیہ کے نزدیک اس تفریق معنی کی دلیل سوائے تعصب کے اور بھی کوئی ہے: ہرگز نہیں

اور اس شعر کے متعلق مختار مدعیہ نے تین باتیں کہی ہیں۔

اول:- اشعار سے قرآن مجید کو حل کرنا تنقیص کلام الٰہی ہے۔

جواب ۔ ۱

معلوم ہوتا ہے۔ مختار مدعیہ کو بالکل قرآن مجید کی تفاسیر دیکھنے کا موقعہ بھی نہیں ملا کیونکہ تفسیروں میں قرآن مجید کے مشکل الفاظ کو حل کرنے کے لیے جا بجا شعروں کو پیش کیا گیا ہے۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے اتقان میں لکھا ہے

قال ابو بکر بن الانباری قد جاء عن الصحابۃ والتابعین کثیر الاحتجاج علی غریب القرآن ومشکلہ بالشعر وانکر جماعۃ (علم لہم علی النحویین ذلک) (اتقان جلد ۱ ص ۱۴۹)

یعنی ابو بکر بن الانباری نے کہا ہے۔ کہ قرآن مجید کے مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنے میں صحابہ اور تابعین سے بکثرت شعر سے حجت پکڑنا ثابت ہے۔ اور بعض بے علم لوگوں نے نحویوں پر اس امر کو برا منایا ہے کہ انہوں نے شعر دلائل کیوں پیش کیا۔

اور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں :۔

قال ابن عباس الشعر دیوان العرب فاذا خفی علینا الحرف من القرآن الذی انزلہ اللہ بلغۃ العرب رجعنا الی دیوانہا فالتمسنا معرفۃ ذلک منہ ‘‘

یعنی ابن عباس نے فرمایا۔ کہ شعر عرب کا دیوان ہے۔ جب قرآن کا جسے خدا تعالے نے عربی زبان میں اتارا ہے کوئی حرف ہم پر مخفی ہو جائے۔ یعنی اس کے معنے سمجھنا مشکل ہو جائیں۔ تو ہم عرب کے دیوانوں کی طرف رجوع کر کے اس کے اصل معنے جان لیں گے۔

پس یہ کہنا کہ اشعار کو قرآن مجید سے حاصل کرنا تنقیص کلام الہی ہے۔ اپنے آپ کو بے علم لوگوں کی صف میں داخل کرنا ہے ‘‘

دوم :۔

قرآن مجید میں جمع مذکر سالم کی طرف مضاف ہے۔ اور یہاں جمع تکسیر کی طرف لہذا یہ شعر مابہ النزاع بحث سے خارج ہے

جواب :۔

منجد کے حوالے کے مقابلہ میں تو انہوں نے صرف یہ عذر کیا ہے۔ کہ یہ مفرد ہے اور کتاب اللہ میں مضاف ہو کر استعمال ہوا ہے۔ اور اس طرح گواہ مدعیہ ۲ نے ۳۱ اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے کہ

(۱) خاتم کا لفظ جب جمع کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنے آخر کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب خاتم الشعراء کی مثال پیش کی گئی۔ کہ اس میں تو خاتم کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہے اور اس کے معنے آخر کے نہیں۔ تو مختار مدعیہ نے یہ عذر پیش کر دیا۔ کہ شعراء تو جمع تکسیر ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں النبیین جمع مذکر سالم ہے۔ لہذا یہ شعر مابہ النزاع بحث سے خارج ہے یعنی مختار مدعیہ کے نزدیک اگر خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل کہا جاتا۔ تو پھر اس کے معنے آخر کے نہیں۔ کیونکہ الانبیاء اور الرسل جمع تکسیر ہیں۔ جمع مذکر سالم نہیں۔ اور اگر النبیین جمع مذکر سالم کہا جائے تو پھر آخر کے معنے ہوتے ہیں۔

پس خاتم کے لفظ کے جمع مذکر سالم یا جمع تکسیر کی طرف مضاف ہونے سے معنوں میں کوئی فرق نہیں آتا خاتم النبیین کہنا یا خاتم الانبیاء کہنا یا خاتم المرسلین یا خاتم الرسل کہنا معنوی لحاظ سے ایک ہی ہے۔

سوم :-
شعرا جاہلی و اسلامی کے اقوال کو بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔ نہ کہ بعد کے شاعروں کے اقوال کو۔

جواب :
یہ مختار مدعیہ کا اپنا وضع کردہ اصول ہے۔ عربی زبان ایک زندہ زبان ہے۔ اس کے جو ادیب شعراء گذرے ہیں۔ جب تک ان کے قول کے خلاف شعراء جاہلی میں سے کوئی قول پیش نہ کیا جائے۔ ان کا قول بھی ایک مختلف فیہ لفظ کے معنے بیان کرتے وقت بطور سند کے پیش ہو سکتا ہے۔ اور مابہ النزاع بحث میں تو قرآن مجید کے زمانہ کے بعد کے شاعروں کا قول بدرجہ اولی پیش کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ اگر قرآن مجید میں خاتم النبیین میں لفظ خاتم کے معنے عربی زبان کی رو سے محض آخری کے ہوتے۔ تو پھر اس کے بعد کوئی اسلامی شاعر خاتم کے لفظ کو دوسرے معنی میں استعمال نہیں کر سکتا تھا۔
اور ختم کا لفظ اردو زبان میں بھی کمال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب کے متعلق مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی اپنی کتاب "حالات جناب طبیب مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم" مطبوعہ صادق الانوار بہاولپور میں لکھتے ہیں۔
"مہمان نوازی مولوی صاحب پر ختم ہے"۔
اس فقرہ سے قطعاً یہ منشا نہیں ہے۔ کہ آپ کے سوا کوئی اور مہمان نواز تھا یا نہیں ہے۔

تیسری وجہ شبہ یہ ہے :-
کہ مہر تصدیق کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کی تصدیق ہوئے۔ دو معنوں کے لحاظ سے ایک تو اس لحاظ سے کہ تمام انبیاء نے آپ کے آنے کی بشارت دی۔ اور تصدیق کی۔ دوسرے اس لحاظ سے کہ آپ مصدق النبیین ہوئے۔ کیونکہ کسی نبی کی نبوت بدوں آپ کی مہر تصدیق ثبت ہونے کے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس کی تفصیل دیکھو مع اشلہ بیان گواہ مدعا علیہ ۲۔
اس کے علاوہ عربی زبان کی رو سے خاتم کے معنے علامت کے بھی ہیں۔ چنانچہ مجمع البحار میں زیر لفظ ختم لکھا ہے
"فی اعناقهم الخواتم ارادبھی اشیاء من ذھب وغیرہ معلق فی اعناقهم یعرفون بها"
آنحضرت صلعم کے قول کہ ان کے گلوں میں خواتم ہوں گی" سے یہ مراد ہے۔ کہ ان کے گلے میں سونے وغیرہ کی چیزیں ڈالی جائیں گی۔ جن سے ان کی شناخت ہوگی۔
پھر حدیث آمین خاتم رب العالمین کے معنے لکھے ہیں۔

"ای العلامة التی تدفع عنهم الاعراض والعاهات" کہ خاتم سے مراد یہ ہے۔ کہ یہ ایک نشانی ہوگی۔ جو ان سے بیماریاں اور آفات دور کرے گی۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ خاتم کے معنی علامت کے بھی ہیں۔ اور اس کی تصدیق شعراء عرب کے کلام سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ابان بن عبدہ شاعر حماسی کہتا ہے۔

ببیض خفاف مرهفات قواطع　　لداؤد فیها اثره دخواتمه

اس کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے یہ کیا ہے۔ الخواتم۔ الاعلام ہم ان سے لڑیں ساختہ صیقلدار سبک تیز برندہ تلوار سے جن میں حضرت داؤد کی نشانیاں اور پتے ہیں۔ یعنی بہت پرانے ہیں۔

(حماسہ مجتبائی ص ۱۸۲)

اس لحاظ سے خاتم النبیین کے معنے علامة النبیین کے ہوئے۔ کہ آپ کے ذریعہ انبیاء شناخت کیے جاتے ہیں۔ اور آپ کی ذات معیار نبوت ہے۔ جو آپ کے اسوہ حسنہ پر ہوگا وہ نبی ہے۔ پس آپ انبیاء کے صدق و کذب جانچنے کے لیے بطور معیار کے ہیں۔ جن معیاروں کی رو سے آپ کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر وہ معیار کسی نبی میں پائے جائیں۔ تو وہ بھی صادق ہوگا۔

زبان عرب میں خاتم بفتح التاء کا لفظ کبھی اخیر کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ آخر کے معنوں میں جب بھی استعمال ہوا ہے۔ تو وہ لازم معنی لے کر نہ کہ اصل معنی کی رو سے۔

خاتم کے معنی آخر!

مختار مدعیہ نے صرف ایک حوالہ لسان العرب او منتہی الارب سے پیش کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ خاتم القوم آخرھم لیکن جب کہ ہم نے محاورات عرب سے معین اقوال اور استعمالات پیش کیے ہیں۔ یہ ویسے نہیں ہے۔ کیونکہ مصنف نے یہ قول کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ کہ کس شاعر نے یا کس ادیب نے خاتم القوم کو آخرھم کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لیکن بر تقدیر صحت میں کہتا ہوں۔ کہ یہ حوالہ بھی فریق مخالف کو مفید نہیں ہے۔ کیونکہ محاورات عرب میں ایسے مقام پر آخر کے معنے آخری فرد کے نہیں ہوتے۔ بلکہ اشرف اور افضل کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ قیس حماسی شاعر کہتا ہے۔

ثری ودی دشکری من بعید　　لاخر غالب ابداً ربیع!!

اس کی شرح میں لکھا ہے۔

وابداً الاخر وارادبہ نفس ربیع بقول شری ودی دشکری ربیع من مکان بعید لرحل

هو آخر بني غالب ابداً حيث لا يكون مثله فيهم يعني شرى لنفسه (حماسہ مصری ص ۱۳۱)

اور اس کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے یہی کیا ہے۔

ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور رشکر دور بیٹھے ایسے شخص کے لیے جو بنی غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کے لیے عدیم المثل ہے خرید لیا ہے " (حماسہ مجتبائی باب الحماسہ ص ۱۳۶)

اور اس قصیدہ کے شروع میں بطور دیباچہ لکھا ہے۔

"قال قيس يمدح بني زياد العبسيين وكانوا سبعة وكان ربيع ابن زياد افضلهم"

کہ قیس نے عبسی بنی زیاد کی مدح میں یہ شعر لکھے ہیں۔ اور وہ سات تھے اور ربیع بن زیاد ان سب سے افضل تھا۔ پس آخر بنی غالب اپنے ہوئے۔ کہ جو قوم میں اشرف اور افضل اور عدیم المثال فرد ہے۔ کیونکہ ایسے تمام پر قوم کا آخری فرد مراد لینا عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور وہ متصور ہو نہیں سکتا۔ جب تک کہ یہ تسلیم نہ کیا جائے۔ کہ وہ قوم بالکل تباہ اور برباد ہو چکی ہے۔ اور اس کے آگے ان کا کوئی فرد نہیں ہوگا۔ پس خاتم القوم آخرہم کے معنے بھی محاورات عرب کی رو سے اشرف اور افضل اور عدیم المثال کے ہی ثابت ہوتے ہیں پس یہی ایک مثال تھی جو وہ کتب لغت سے پیش کر سکے ہیں۔ اور یہ بھی ان کے معانی کے خلاف ہے۔ موافق نہیں۔ باقی برمعنے خاتم کے گواہان مدعا علیہ نے بیان کیے ہیں۔ ان کی تائید میں انہوں نے زبان عرب کے محاورات اور استعمالات پیش کیے ہیں۔ ہاں کیا مختار مدعیہ یہاں بھی کہے گا کہ خاتم القوم میں تو القوم جمع مذکر سالم نہیں ہے۔ اور یہ مثال ما بہ النزاع بحث سے خارج ہے دیدہ باید

(۸)

خاتم النبیین کے معنوں کا ضروریات دین سے ہونا

مختار مدعیہ نے گواہوں کی طرح اسبات پر زور دیا ہے۔ کہ خاتم النبیین کے معنے آخری نبی کے ہیں۔ جس کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور جو بات ضروریات دین سے متواتر ثابت ہو اس کی تاویل کرنا کفر وارتداد ہے۔ جاننا چاہیئے کہ کسی شخص کے کہنے سے کہ فلاں بات ضروریات دین سے ہے وہ بات ضروریات دین سے نہیں ہو جاتی۔ بلکہ کسی چیز کو ضروریات دین سے ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ امر قرآن مجید و احادیث متواترہ یا مشہورہ سے بدرجہ غایت صحت پہنچ چکا ہو۔ اور وہ اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہو۔

ضروریات دین کے متعلق مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" ضروریات دین وہ امور ہیں۔ جو قرآن مجید اور حدیث مشہورہ اور اجماع متواتر سے ثابت ہوں "

(شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل مطبوعہ نظامی کانپور)

اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ جیسے حشر و نشر اور جنت و دوزخ اور وزن اعمال اور گذرنا پل صراط پر وغیرہ ذلک۔

لیکن خاتم النبیین کے جو معنے فریق مخالف نے کیئے ہیں۔ نہ تو ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ نہ حدیث مشہور میں اور نہ اجماع متواتر سے یہ ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے صحابہ اور ائمہ سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہو چکا ہے۔ صحابہ کا تو ان معنوں پر جیسا کہ اجماع کی بحث میں آئے گا۔ کبھی اجماع نہیں ہوا۔ اور مسلمانوں کے بعض فرقے اہلحدیث وغیرہ اس اجماع کو جو فقہ والوں نے پیش کیا ہے۔ حجت شرعی ہی نہیں سمجھتے۔ اور امام مالک کے قول سے بھی یہی مستفاد ہے۔ کہ جو صحابہ کے بعد اجماع کا مدعی ہے۔ وہ کاذب ہے۔ (مسلم الثبوت جلد ۲)

اور مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔

ایک جماعت کا اتفاق اجماع نہیں کہلاتا۔ بلکہ اجماع اتفاق کل کا نام ہے۔ اور کل میں سے ایک شخص کا خلاف بھی مانع انعقاد اجماع ہے۔ اس کا ثبوت بھی تحریر مذکور میں ہے۔

(اشاعۃ السنۃ نمبر ہشتم لغایت دہم جلد ۱۴ ۱۸۹۰ء)

گواہان مدعیہ و مختار مدعیہ کے معنوں کے خلاف ایک نہیں بلکہ کئی ائمہ و علماء سلف کی شہادتیں پیش کر چکے ہیں پس یہ معنے قطعاً ضروریات دین سے نہیں ہو سکتے۔ لہذا مختار مدعیہ کا یہ قول کہ امت کا ان معنوں پر اجماع ہو چکا ہے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

(۹)

کیا تاویل کی وجہ سے کوئی کافر ہو سکتا ہے

گواہان مدعیہ اور مختاران مدعیہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں۔ لیکن خاتم النبیین کی تاویل کرنے کی وجہ سے کافر ہیں۔ اور مختار مدعیہ نے بھی دس اکتوبر کی بحث میں یہ کہا ہے۔ کہ گواہان مدعا علیہ نے کوئی مثال پیش نہیں کی۔ کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو کافر نہ کہا گیا ہو یعنی مختاران مدعیہ کے نزدیک بھی احمدیوں کے کفر کی وجہ خاتم النبیین کی تاویل کرنا ہے اور اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہو سکتا۔ تو گواہان مدعیہ کا احمدیوں کو کافر قرار دینا بھی غلط ثابت ہو جائے گا۔

سوال دونو امور کے متعلق گواہ مدعا علیہ ملا نے اپنے بیان میں تفصیل سے ذکر کیا تھا۔ اور بتایا تھا۔ کہ بڑے بڑے ائمہ نے ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیا۔ جب کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان

سمجھتے ہوں۔ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان کا کلمہ ہو۔ ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ ۲ جس میں ثابت کیا تھا کہ احمدیہ جماعت خاتم النبیین کے معنے کی تاویل نہیں کرتی بلکہ لغت کی رو سے جو اس کے معنی بن سکتے ہیں۔ وہ لیتی ہے۔ اور اس کے برعکس گواہان مدعیہ نے جو معنے خاتم النبیین کے لیے ہیں۔ وہ تاویل اور تلازم معنے ہیں۔ اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر کے اوائل ایام خلافت میں جن عربوں نے تاویلاً زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا تھا۔ انہیں حضرت ابوبکرؓ نے مرتد قرار دیا۔ بالکل غلط ہے۔ بعض لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی کے منکر ہو گئے تھے۔ اور اکثر نے اسلام کو چھوڑ دیا تھا۔ اور بعض جگہ متنبی بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ اور بعض نے اپنے ارتداد کی یہ وجہ قرار دی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر نبی ہوتے۔ تو نہ مرتے۔ پس حضور صلعم کے وفات پانے کو ارتداد کا سبب بنا لیا تھا۔ کسی حدیث میں ان کے ارتداد کی وجہ تاویلاً زکوٰۃ کی ادائیگی ذکر نہیں۔ مختار مدعیہ کا محض مغالطہ ہے۔

تاویل کرنے والوں کو کافر نہ کہنے کے متعلق ایک حوالہ گواہ مدعا علیہ ۲ نے منہاج السنۃ کا پیش کیا تھا۔ کہ گواہ ۲ کے بیان کے مطابق خوارج نے ضروریات دین کا انکار کیا تھا۔ لیکن باوجود اس کے حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ نے خوارج کو مسلمان ہی سمجھا۔ اور البحر الرائق میں ان کی عدم تکفیر کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خونوں اور جانوں کو حلال سمجھنے میں تاویل سے کام لیتے تھے۔ اگرچہ وہ تاویل باطل تھی۔ اور اگر کوئی بغیر تاویل کے جائز سمجھے تو وہ کافر ہے۔

پھر منہاج السنہ میں ہی لکھا ہے۔

الثانی ان المتأول الذی قصده متابعة الرسول لا یکفر ولا یفسق اذا اجتهد فاخطأ وهذا مشهور عند الناس فی المسائل العملیة واما مسائل العقائد فکثیر من الناس کفره المخطئین فیها وهذا القول لا یعرف عن احد من الصحابة والتابعین لهم باحسان ولا یعرف عن احد ائمة المسلمین وانما هو فی الاصل من اقوال البدع الذین یبتدعون بدعة ویکفرون من خالفهم فالخوارج والمعتزلة والجهمیة"
(منہاج السنہ جلد ۳ صفحہ ۶۰)

یعنی وہ تاویل کرنے والا جس کا ارادہ تاویل سے متابعت رسول ہو۔ اس کو کافر یا فاسق نہیں کہا جائے گا جب کہ وہ اجتہاد کرے اور غلطی کی جائے۔ مسائل عملیہ کے متعلق تو یہ بات عام لوگوں میں مشہور ہے۔ لیکن عقائد کے مسائل میں بہت سے لوگوں نے مخطیون کو کافر کہا ہے۔ لیکن یہ نہ تو کسی صحابی کا قول ہے اور نہ تابعین میں سے کسی کا۔ اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی امام کا یہ درحقیقت ان بدعتیوں کا قول ہے۔ جو ایک بدعت نکالتے ہیں

پھر جو ان کی مخالفت کرے۔ اسے کافر کہدیتے ہیں۔ جیسے کہ خوارج اور معتزلہ اور جہمیہ اور اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ عقائد ہمیشہ ضروریات دین سے ہوتے ہیں۔ پس ان میں بھی اگر کوئی تاویل کرے۔ اور غلطی کھائے تو پھر بھی ان کی تکفیر کرنا سوائے بدعتیوں کے صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے جائز نہیں سمجھا۔

گواہان مدعیہ تو احمدیوں کی اس وجہ سے تکفیر کرتے ہیں۔ کہ احمدی خاتم النبیین کے معنے یہ نہیں کرتے کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ حالانکہ یہ معنے نہ تو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ نہ کسی صحیح مشہور حدیث میں۔ اور کسی حدیث میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے۔ تو وہ بھی ادنیٰ درجہ کی حدیثوں میں سے آیا ہے۔ اور عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔

لیکن پھر بھی گواہان مدعیہ بڑے شوق سے ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف ہم صحابہ کو دیکھتے ہیں۔ کہ تقدیر کا مسئلہ جو اعتقادات اور ایمانیات میں سے ہے اس کا بعض لوگوں نے جب انکار کیا۔ تو اکثر صحابہ نے پھر بھی ان کو کافر نہ کہا۔

چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں۔

"وقد حدث انکار القدر فی ایامھم فما کفرھم اکثر الصحابۃ رضی اللہ عنھم"

(کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۳ صـ ۲۵۷)

یعنی ان کے زمانہ میں تقدیر کا انکار ہوا۔ لیکن اکثر صحابہ نے منکرین تقدیر کو کافر نہ کہا اور گواہ مدعاعلیہ نے جو حوالہ الیواقیت والجواہر جلد ۲ صـ۱۴۲ سے پیش کیا تھا۔ اسے اب تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

امام عبدالوہاب الشعرانی ان غلط تاویل کرنے والوں کے متعلق جو اہل قبلہ ہیں۔ جیسے معتزلہ اور نجاریہ اور روافض اور خوارج اور مشبہ لکھتے ہیں۔ کہ

جمہور علماء اور خلفاء نے مؤولین کو کافر نہیں کہا۔ بلکہ انہیں مسلمان سمجھا اور مسلمانوں جیسا ان سے معاملہ کیا۔ اور جس نے انہیں کافر کہا۔ اس نے ظلم کیا۔ اور حد سے بڑھ گیا۔ یہ اختلاف بیان کر کے مؤولین کو کافر نہ کہنے والے اماموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

" کہ ائمہ کے دوسرے گروہ نے مؤولین کی تکفیر نہیں کی۔ اور نہ ان میں سے کسی کو کافر اور نہ رسولوں کا مکذب قرار دیا۔ اور انہوں نے یہ دلیل دی ہے۔ کہ اگر تاویل کرنے والے کافروں کی طرح رسولوں کے مکذب ہوتے۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تاویل کے پیچھے نہ پڑتے بلکہ۔ اس کلام کو ہی پرے پھینکتے اور اس سے اعراض کر لیتے۔ پس ان کا اس کی تاویل کی طرف مائل ہونا بتاتا ہے۔ کہ انہوں نے اس کلام کو قبول کیا۔ اور اس کی تصدیق کی۔ مگر اتنی بات ہے کہ وہ درست تاویل نہ کر سکے۔ اور اس میں غلطی کھا گئے۔ تو ان کا حکم اس شخص کا سا ہے۔ جو کفر سے بھاگا۔ اور اپنی غلطی سے بدعت میں مبتلا ہو گیا۔"

اور ابو سلیمان الخطابیؒ فرماتے ہیں۔

کہ پہلی مفارقت اہل سنت سے حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہوئی۔ اور مخالفت کرنے والے وہ لوگ تھے جن کے بارہ میں رسول اللہ صلعم نے بایں الفاظ خبر دی تھی۔ کہ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کہ تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے اور حضرت علیؓ سے ان کے متعلق سوال کیا گیا۔ کہ کیا وہ کافر ہیں تو آپ نے فرمایا۔ وہ کفر سے تو بھاگ گئے (لیکن گواہ مدعیہ نے اپنے بیان میں لکھوایا تھا۔ کہ جب خوارج سے بعض ضروریات دین کا انکار ہوا۔ تو نماز و روزہ ان کو حکم کفر سے بچا نہ سکا) تو کہا گیا اچھا وہ منافق ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ کیونکہ منافقین تو خدا تعالیٰ کا قلیل ذکر کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ تو خدا تعالیٰ کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ تو دریافت کیا گیا کہ اچھا وہ ہیں کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ وہ وہ لوگ ہیں۔ کہ جنہیں فتنہ پہنچا۔ تو ان میں اندھے اور بہرے ہو گئے۔

"قال الخطابی و انما لم یجعلهم کفارا لانهم تعلقوا بضرب من التاویل"

اور خطابی نے کہا۔ کہ حضرت علی نے انہیں کافر قرار نہیں دیا۔ کیونکہ وہ ایک قسم کی تاویل کرتے تھے اور آنحضرت صلعم کے قول خبر قول من الدین سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ اطاعت سے نکل جائیں گے جیسا کہ قرآن شریف کی آیت وما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک میں دین سے مراد اطاعت ہے۔ اور اس نے کہا کہ جو علماء تاویل کرنے والے کو کافر نہیں کہتے۔ ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ تاویل کرنے والے کے خون اور اموال کی حفاظت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کی وجہ سے ایک ثابت شدہ امر ہے۔

"ولم یثبت لنا ان الخطأ فی التاویل کفر۔"

اور یہ بات کہ تاویل کرنا کفر ہے۔ یہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوئی کیونکہ اس کے لیے بھی نص یا اجماع کی دلیل کا ہونا ضروری یا اجماع کی اصل صحیح پر کوئی قیاس صحیح ہو۔ لیکن ہم نے ان میں سے کوئی بات نہیں پائی۔ پس تاویل کرتے والے لوگ مسلمان ہی ہوں گے۔ ہاں اگر کسی زمانہ میں کسی ایسے مجتہد کا وجود پایا جائے۔ جس میں ائمہ اربعہ کی طرح شروط اجتہاد کامل طور پر پائے جائیں۔ اور وہ کہے۔ کہ اس کے پاس یقینی دلیل ہے۔ اور تاویل میں غلطی کرنا موجب کفر ہے۔ تو ہم انہیں کا ذکر کریں گے۔ لیکن ایسے شخص کا پایا جانا بہت ہی بعید ہے۔

اور لکھتے ہیں۔

کہ ہمارے شیخ امام الدین مصری امام جامع الغمری نے بیان کیا کہ ایک شخص نے توحید کے بارے میں کچھ ایسی کلام کی جو بظاہر شریعت کے مخالف تھی۔ تو شاہ مصر کی حضوری میں علماء کی مجلس منعقد ہوئی اور انہوں نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا۔ اور شیخ جلال الدین المحلی اس وقت غیر حاضر تھے۔ جب حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ کس نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ تو شیخ الاسلام صالح البلقینی اور ایک جماعت نے کہا۔ کہ ہم نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ تو اس نے کہا کس دلیل سے۔ تو شیخ صالح نے جواب دیا۔ کہ میرے والد شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی نے ایسے ہی واقعہ میں کفر کا فتویٰ دیا

تھا۔ تو شیخ جلال الدین نے کہا۔ تم اپنے باپ کے فتوی کی وجہ سے ایک موحد مسلمان شخص کو قتل کرتے ہو۔ جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور محمد ہمارا نبی اللہ کا رسول ہے۔ پھر اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے قلعہ سے نیچے لے آئے اور کسی کو ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اور لکھتے ہیں۔

کہ مخزومی نے کہا۔ کہ شیخ الاسلام شہاب الدین زہریؒ نے ایک شخص کے قتل کا فتوی دیا۔ جس نے باوجود منع کرنے کے حضرت عائشہؓ ام المومنین کو گالیاں دی تھیں۔ پس جب وہ اس شخص کو قتل کرنے کے لیے کھینچ کر لے چلے تو اس نے بلند آواز سے کہا۔ کہ اے زہری بتا تیری حجت اللہ تعالے کے پاس کیا ہوگی۔ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے۔ کہ میرا رب اللہ ہے۔ اور محمد میرا نبی خدا کا رسول ہے۔ تو زہری اس کے بعد ہمیشہ اس کے قول کو یاد کر کے زار زار رویا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ میں اس آدمی کے قتل سے خائف ہوں۔ کہ کہیں قیامت کے روز مجھ سے اللہ تعالے اس کا مواخذہ نہ کرے۔

دیکھو یہ خوف اس شخص کے متعلق ہے۔ جس نے کہ اس کو گالیاں دیں۔ اور برا بھلا کہا تھا۔ جس کی برأت قرآن میں مصرح ہے۔

اور لکھا ہے۔

کہ امام شافعیؒ سے منقول ہے۔ کہ میں جو ظاہر کے مخالف تاویل کرنے والے ہیں۔ ان کو کسی ذنب کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتا۔

مخزومی کہتے ہیں۔ کہ امام شافعی کی مراد اہل اہوائے سے محتمل تاویل کرنے والے ہیں۔ جیسے معتزلہ اور مرجیہ اور اہل قبلہ سے اہل توحید مراد ہیں۔ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۳)

اس حوالہ سے ظاہر ہے۔ کہ کسی آیت کی تاویل یا کسی عقیدہ کی تاویل میں غلطی کرنے سے کوئی انسان کافر نہیں ہو جاتا۔ اور اسی طرح ابن حزم نے ایک گروہ کا ان لوگوں کے متعلق جو ان سے اعتقادی مسائل میں اختلاف کریں۔ یہ مذہب نقل کیا ہے۔

"ان کان الخلاف فی صفات اللہ عز وجل فھو کافر وان کان فیما دون ذلک فھو فاسق وذھبت طائفة الی انه لا یکفر ولا یفسق مسلمٌ یقول قاله فی اعتقاد او فتیا وان کل من اجتھد فی شیئ من ذلک فان بما رای انه الحق فانه ماجور علی کل حال ان اصاب الحق فاجران وان اخطأ فاجرٌ واحد وھذا قول ابن ابی لیلی وابی حنیفه والشافعی وسفیان الثوری وداؤد بن علی رضی اللہ عنه

من جمیعهم و هو کل من عرفنا لـه قولا فی هذه المسئلة من الصحابة رضی الله عنهم لا نعلم منهم فی ذلك خلافا اصلا"

(کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۳ صفحہ ۲۴۹)

لیکن اگر مخالفت اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر اس کے سوا دوسرے معتقدات میں اختلاف ہے۔ تو وہ فاسق ہے۔ اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ کسی مسلم کی تکفیر اور تفسیق اس کے کسی قول کی وجہ سے جو اس نے اعتقاد کے بارہ میں یا فتویٰ میں کہا ہو۔ نہیں ہوگی۔ اور ہر وہ شخص جو کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے۔ اور جو اسے حق معلوم ہو اسے اختیار کرے تو وہ بہرحال ماجور ہے اگر اس نے حق کو پا لیا تو اسے دو اجر ملیں گے۔ اور اگر غلطی کی تو ایک اجر اور یہ قول ابن ابی لیلیٰ اور ابو حنیفہ اور شافعی اور سفیان ثوری اور داؤد بن علی اور تمام صحابہ کا ہے۔ جو ہم جان سکے ہیں۔ اور اس کے خلاف کوئی قول نہیں ملا۔

اور جو اختلاف خاتم النبیین کے معنوں میں فریق مدعیہ اور فریق مدعا علیہ کے مابین ہے ان حوالوں کی روشنی میں کون انسان ہے۔ جو یہ کہے کہ اس کی وجہ سے گواہان مدعیہ کو فریق مدعا علیہ کی تکفیر کا حق حاصل ہے۔ اور مختار مدعیہ کا یہ قول کہ اہل اہواء وہ ہیں۔ جو اہل سنت و جماعت کے خلاف ہیں۔ یہاں بھی ضروریات دین میں سے کوئی چیز نہیں۔ حالانکہ معتزلہ اور مشبہہ اور جہمیہ وغیرہ نے جو اللہ تعالیٰ کی صفات وغیرہ اور قرآن مجید کے متعلق آپس میں اختلاف کیا ہے۔ کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا۔ کہ اگر خاتم کے معنی آخری معنی جس کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہ آوے۔ ضروریات دین میں سے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفات کی تاویل یا عدم تاویل کرنا کیوں ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔

اور علاوہ ازیں جیسا کہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں۔ کہ احمدی جماعت خاتم النبیین کے معنے کرنے میں تاویل نہیں کرتی بلکہ اس کے صحیح معنی لیتی ہے۔ جو عربی زبان اور محاورات کی رو سے بالکل درست ہے لیکن فریق مخالف ہے جو اس کے تاویلی معنی کرتا ہے کیونکہ زبان عرب اور محاورات عرب کے لحاظ سے خاتم کے معنے آخر کے حقیقی معنے نہیں بلکہ لازم معنے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک خاتم النبیین کے معنے

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی خاتم النبیین کے یہی معنی کئے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اور اس کے لیے ایام الصلح صفحہ ۷۴، ۷۵ اور صفحہ ۱۴۶ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۸۷ اور راز حقیقت صفحہ ۱۶ اور ازالہ اوہام صفحہ ۲۳۵ اور صفحہ ۱۷۶ اور صفحہ ۲۴۲ وغیرہ کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ جن میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے آنے سے انکار کیا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو جہاں جہاں حضرت اقدس نے آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے سے یہ مراد لی ہے کہ آپ کے بعد

کوئی نبی نہیں آسکتا۔ تو وہاں سے وہ نبی مراد ہے۔ جو مستقل ہو یا صاحب شریعت ہو۔ اور اس کی نبوت آنحضرت صلعم کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ نہ ہو۔ چنانچہ۔

ایام الصلح ص۱۴۷ میں یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ

اسلام میں اس نبوت کا دروازہ تو بند ہے۔ جو اپنا سکہ جمانی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور حدیث میں ہے لا نبی بعدی اور لیکن باوجود حضرت مسیح کی وفات نصوص قطعیہ سے ثابت ہو چکی ہے لہٰذا دنیا میں ان کے دوبارہ آنے کی طمع خام اور اگر کوئی اور نبی نیا یا پرانا آوے۔ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خاتم الانبیاء ہیں۔ ہاں وحی ولایت اور کمالات الٰہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔ ماسوا اس کے حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ کہ محدث بھی نبیوں اور رسولوں کی طرح خدا کے مرسلوں میں داخل ہے۔ بخاری میں وما ارسلنا من رسول ولا نبی ولا محدث کی قرأت غور سے پڑھو۔ دوسری حدیث میں ہے۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

یہ بھی یاد رہے۔ کہ مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آتا ہے۔ یعنی بطور مجاز اور استعارہ کے اس وجہ سے براہین احمدیہ میں بھی ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے حق میں ہیں۔ دیکھو ص۴۹۸ ہو الذی ارسل رسولہ بالہدی اس جگہ رسول سے مراد یہ عاجز ہے۔ اور پھر دیکھو ص۵۰۴ براہین میں یہ الہام ہے۔ جری اللہ فی حلل الانبیاء جس کا ترجمہ ہے خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں۔ اس الہام میں میرا نام رسول بھی رکھا گیا۔ اور نبی بھی جس شخص کے خود خدا نے یہ نام رکھے ہوں۔ اس کو عوام میں سے سمجھنا کمال درجہ کی شوخی ہے۔ ص۷۴ تا ۷۵

اور ایام الصلح ص۱۴۶ میں یہ کہا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا بھی حضرت عیسیٰ کی موت کو ہی چاہتا ہے۔ کیونکہ اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آجائے۔ تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے۔ اور نہ وحی نبوت کا سلسلہ منقطع متصور ہو سکتا ہے اور نئے پرانے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔ نہ حدیث میں نہ قرآن میں تفریق موجود ہے۔ اور حدیث لا نبی بعدی میں بھی نفی عام ہے۔

اب یہ عبارات صاف بتلا رہی ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد آپ جس قسم کے نبی کی آمد کو وہ پرانا ہو یا نیا بند تجویز فرماتے ہیں۔ وہ مستقل نبی ہے۔ جس نے براہ راست نبوت کو پایا ہے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ کی مثال سے ظاہر ہے۔ ورنہ آپ ساتھ ہی صاف طور پر یہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ میرا نام خدا نے رسول اور نبی رکھا ہے۔

اور ازالہ اوہام ص۲۳۸ میں لکھا ہے۔

"نیز خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے ہاں ایسا نبی جو مشکوٰۃ نبوت محمدی سے نور حاصل کرتا ہے۔ اور نبوت تامہ نہیں رکھتا۔ جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں۔

وہ اس تحدید سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ بباعث اتباع اور فنا فی الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے۔ جیسے جز کل میں داخل ہوتی ہے۔ لیکن مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی جس پر جبرئیل کا نازل ہونا بھی ایک لازمی امر کا سمجھا گیا ہے۔ کسی طرح امتی نہیں بن سکتا۔

پھر صـ۲۴۲ میں لکھا ہے

محدث من وجہ نبی ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسا نبی ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی طرف سے براہ راست نہیں بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے"

غرضیکہ جس جس جگہ آپ نے خاتم النبیین اور لا نبی بعدی سے یہ مراد لیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نیا یا پرانا نہیں آسکتا۔ تو اس سے مراد وہی نبوت ہے۔ جو مستقل نبوت ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ کی تھی۔ نہ کہ دوسری نبوت جو آنحضرت صلعم کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ جو کثرت مکالمات و مخاطبات اور امور غیبیہ پر کثرت سے اطلاع پانے کا نام ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطور قاعدہ کلیہ کے فرماتے ہیں۔

جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں۔ اور نہ ہی مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لیے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کرکے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا

(ایک غلطی کا ازالہ صـ۴)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ قول فیصلہ کن ہے۔ کہ آپ نے جہاں کہیں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ یا یہ کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بالکل مسدود ہے اس کے صرف یہ معنے ہیں۔ کہ آنحضرت کے بعد کوئی ایسا نبی نیا ہو یا پرانا نہیں آسکتا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ یا آپ کے واسطہ کے بغیر نبوت حاصل کرے

لیکن اس امر کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے آپ اپنے لیے باوجودیکہ آپ کو الہامات میں آپ کا نام نبی اور رسول رکھا گیا تھا۔ لیکن آپ اپنے متعلق محدث کا لفظ استعمال فرماتے رہے۔ ان معنے سے کہ آپ نے یہ مقام آنحضرت صلعم کی اتباع سے حاصل کیا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ ابتداء آپ نبی کی یہ تعریف خیال فرماتے تھے۔ کہ نبی وہ ہے۔ جو شریعت لائے یا شریعت سابقہ کے بعض احکام منسوخ کرے۔ یا بلا واسطہ نبی ہو۔

چنانچہ حقیقۃ النبوۃ صـ۱۲۵ میں بحوالہ الحکم جلد ۳ ء ۲۹ ۱۸۹۹ء لکھا ہے

مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسولوں کے یہ معنے ہوتے ہیں۔ کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں۔ یا بعض

احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں۔ یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے۔ اور براہ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خدا تعالے سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ کہ اس جگہ بھی یہی معنے نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کے نہیں ہے۔ اور ہمارا کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اسبات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔

لیکن چونکہ بعثت میں جو شرائط نبوت پائی جاتی تھیں۔ وہ اپنے اندر موجود پاتے تھے۔ یعنی (۱) کثرت سے مکالمہ ومخاطبہ (۲) انذار و تبشیر سے امور غیبیہ پر اظہار (۳) خدا تعالے کا نبی نام رکھنا اس لیے آپ اپنے آپ کو لغوی نبی کہتے تھے۔ اور عام مسلمانوں کی مذکورہ بالا تعریف کے خلاف سمجھ کر (کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا ہی عقیدہ تھا اور انبیاء انکشاف تام تک عام عقیدہ پر قائم رہتے ہیں) آپ باوجود سب شرائط نبوت کے پائے جانے کا اقرار کرنے کے بے نبی کی بجائے محدث کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔ لیکن بار بار کے الہامات نے آخر آپ کی توجہ کو نبی کے حقیقی مفہوم کی طرف پھیرا اور آپ کے دل پر پورے طور پر امر واقع کا انکشاف ہوا۔ اور قرآن کریم کو بھی آپ نے عام لوگوں کے عقیدہ کے خلاف پایا۔ تو آپ نے اس پہلے عقیدہ کو ترک کر دیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت وہ تحریرات ہیں۔ جو آپ نے نبی کی تعریف میں ۱۹۰۱ء کے بعد لکھی ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

(۱) خدا کی یہ اصطلاح ہے۔ جو کثرت مکالمات ومخاطبات کا نام اس نے نبوت رکھا ہے۔ یعنی ایسے مکالمات جن میں اکثر غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔" (چشمہ معرفت ص۳۲۵، ۱۹۰۸ء)

(۲) جب کہ وہ مکالمہ ومخاطبہ اپنی کمیت وکیفیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو۔ اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو۔ تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ جس پر عام نبیوں کا اتفاق ہے۔ (الوصیت صفحہ ۱۴، ۱۹۰۵ء)

(۳) ایسے شخص میں ایک طرف تو خدا تعالیٰ کی ذاتی محبت ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف بنی نوع انسان کی ہمدردی اور اصلاح کا بھی ایک عشق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اصطلاح اسلام میں نبی اور رسول اور محدث کہتے ہیں۔ اور وہ خدا کے پاک مکالمات ومخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں اور خوارق ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اکثر دعائیں ان کی قبول ہوتی ہیں۔ (لیکچر سیالکوٹ ص۱۷-۱۸، ۱۹۰۴ء طبع دوم)

(۴) جس کے ہاتھ پر اخبار غیبیہ منجانب اللہ ظاہر ہوں گے۔ بالضرورۃ اس پر مطابق آیت فلا یظہر علی غیبہ کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا۔" (ایک غلطی کا ازالہ ۱۹۰۱ء)

(۵) عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں۔ کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیشگوئی کرنے والا اور بغیر کثرت کے یہ معنے متحقق نہیں ہو سکتے۔" (مکتوب مندرجہ اخبار عام ۱۹۰۸ء)

پس پہلی تعریف کے مطابق تو آپ اپنے نبی ہوتے اور آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نیا ہے۔ یا پرانا انکار کرتے رہے اور دوسری تعریف کے ماتحت اپنے آپ کو نبی لکھتے رہے۔ اور اس مفہوم نبوت کا اپنے میں متحقق ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اور اس قسم کی نبوت جو آنحضرت صلعم کی اتباع اور آپ میں فنا ہو کر حاصل ہو۔ کبھی ختم نبوت اور لانبی بعدی کے مخالف نہیں قرار دیا۔ چنانچہ اب میں آپ کی دوسری تحریریں پیش کرتا ہوں جس سے خاتم النبیین اور لانبی بعدی کے معنے آپ نے کئے ہیں۔

(۱) ایک طرف تو آپ حسب آیت ماکان محمد ابا احد من رجالکم اولاد نرینہ سے جو ایک جسمانی یادگار تھی محروم رہے۔ اور دوسری طرف روحانی اولاد بھی آپ کو نصیب نہ ہوئی۔ جو آپ کے روحانی کمالات کی وارث ہوتی ہے اور خدا تعالے کا یہ قول ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین بے معنی الخ ظاہر ہے۔ کہ زبان عرب میں لکن کا لفظ استدراک کے لیے آتا ہے۔ یعنی جو امر حاصل نہیں ہو سکا اس کے حصول کی دوسرے پیرایہ میں خبر دیتا ہے۔ جس کی رو سے اس آیت کے یہ معنے ہیں۔ کہ آنحضرت کی جسمانی نرینہ اولاد کوئی نہیں تھی۔ مگر روحانی طور پر آپ کی اولاد بہت ہوگی اور آپ نبیوں کے لیے مہر ٹھہرائے گئے ہیں۔ یعنی آئندہ کوئی نبوت کا کمال بجز آپ کی پیروی کی اتباع کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔ غرض اس آیت کے یہ معنے تھے۔ جن کو الٹا کر نبوت کے آئندہ فیض سے انکار کر دیا گیا۔ حالانکہ اس انکار میں آنحضرت صلعم کی سراسر مذمت اور منقصت ہے۔ کیونکہ نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کو ظلی طور پر نبوت کے کمالات سے متمتع کر دے اور روحانی امور میں اس کی پوری پرورش کر دکھلادے۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۴۵-۴۶)

(۲) پھر فرماتے ہیں ونعنی بختم النبوة ختم کمالاتها علی نبینا الذی هو افضل رسل الله والانبیاء ونعتقد بانه لا نبی بعده الا الذی هو من امته ومن اکمل اتباعه الذی وجد الفیض کله من روحانیته واضاء بضیاءه فهناك لا غیر ولا مقام الغیرة ولیست نبوة اخری ولا محل للغیرة

(مواہب الرحمان صفحہ ۶۷)

(۳) اور ختم نبوت سے ہماری مراد یہ ہے۔ کہ تمام کمالات نبوت ہمارے نبی پر جو خدا کے انبیاء اور تمام رسولوں سے افضل ہیں۔ ختم ہو گئے ہیں۔ اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر وہ جو آپ کی امت سے ہو اور آپ کے کامل متبعین سے ہو۔ اور تمام فیض آپ کی روحانیت سے پایا ہو۔ اور آپ کے نور سے منور ہوا ہو۔ پس وہاں غیریت نہیں ہے۔ اور نہ ہی جائے غیرت۔ اور کوئی دوسری نبوت نہیں ہے۔ اس لیے ایسی نبوت محل حیرانگی نہیں۔

(۳) پھر فرماتے ہیں :-

وانی علی مقام الختم من الولایۃ کما کان سیدی المصطفی علی مقام الختم من النبوۃ ولا خاتم الانبیاء ولا خاتم الاولیاء لاجل بعدی الا الذی ھو منی وعلی عھدی۔ (خطبہ الہامیہ صہ ۳۵)

کہ جیسے میرے سردار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم نبوت کے مقام پر تھے۔ میں ختم ولایت کے مقام پر ہوں آپ خاتم الانبیاء تھے۔ اور میں خاتم الاولیاء ہوں۔ ان معنوں میں کہ میرے بعد کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی جو مجھ سے ہو۔ اور میرے طریقہ پر ہو۔ اس لحاظ سے خاتم النبیین کے یہ معنی ہوئے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر جو آپ میں سے ہو اور آپ کی شریعت کا متبع ہو۔

(۴) عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔ کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔ پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے۔ وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہیں۔ (کشتی نوح صہ ۱۵)

(۵) پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ کہ اپنے آپ کو خاتم الاولاد لکھا ہے۔ باوجودیکہ یہ اردو زبان میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ آیا یہ خاتم بفتح تاء ہے یا بکسر تا ہے تاہم اس کی تشریح بیان گواہ مدعاعلیہ میں کی جا چکی ہے۔ آپ نے اپنے لیے خاتم المصلحین بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(اربعین ۲ صہ ۸ ایڈیشن دوم)

غرض آنے والے مصلح کے لیے جو خاتم المصلحین ہے " دو مہر عطا کیے گئے ہیں " اب اس سے آپ کا یہ قطعاً منشا نہیں ہے کہ آپ کے بعد کوئی مصلح نہیں آئے گا۔ بلکہ آپ نے آئندہ مصلح موعود کے آنے کی پیشگوئی کی ہوئی ہے۔

پھر اس طرح آپ فرماتے ہیں :-

" اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام خاتم المخلوقات ہیں " (تحفہ گولڑویہ صہ ۱۶۰ ایڈیشن دوم)

کیا آدم علیہ السلام کے خاتم المخلوقات ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی مخلوق نہیں اور سلسلہ خلق بند ہو گیا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد یہی ہے۔ کہ آدم علیہ السلام اکمل اور اشرف المخلوقات

ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلعم اکمل اور اشرف المخلوقات ہیں جیسے آدم کے بعد کوئی پیدا نہیں ہو سکتا۔ مگر جو اس کی نسل سے ہو۔ اسی طرح آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی جو آپ کی روحانی اولاد سے ہو۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لیے مہر دی۔ جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ سے روحانی نبی تراش ہے۔ اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی تھی۔

(حقیقۃ الوحی حاشیہ صـ۹۷)

(۷) و ان قال قائل کیف یکون نبی من ھذہ الامۃ وقد ختم اللہ علی النبوۃ فالجواب انہ عزوجل ما سما ھذا الرجل نبیا الا لاثبات کمال نبوۃ سیدنا خیر البریۃ فان ثبوت کمال النبی لا یتحقق الا بثبوت کمال الامۃ ومن دون ذلک ادعاء محض لا دلیل علیہ عند اھل الفطنۃ ولا معنی لختم النبوۃ علی فرد من غیر ان تختتم کمالات النبوۃ علی ذالک الفرد ومن کمالات العظمیٰ کمال النبی فی الافاضۃ وھو لا یثبت من غیر نموذج یوجد فی الامۃ

(استفتا صـ۱۶ حاشیہ)

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے۔ کہ اس امت سے نبی کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالےٰ نے نبوت پر مہر کر دی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے میرا نام نبی آنحضرت صلعم کے کمال کے اثبات کے لیے رکھا ہے کیونکہ نبی کا کمال اس کی امت کے کمال کے ثبوت سے متحقق ہوتا ہے۔ اور اس کے بغیر تو کمال کا دعوےٰ کرنا اہل دانش کے نزدیک دعوےٰ بلا دلیل ہے۔ اور کسی فرد پر نبوت کے ختم ہونے سے سوائے اس کے اور کیا مراد ہو سکتی ہے۔ کہ اس فرد پر کمالات نبوت ختم ہو گئے اور سب سے بڑا کمال نبی کا یہ ہے۔ کہ وہ دوسروں کو فیضان پہنچانے میں کامل ہے۔ اور اس کا ثبوت جب تک کہ امت میں کوئی نمونہ موجود نہ ہو ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۸) آنچہ ناآشنایان حقیقت بہ مغز سخن نارسیدہ بہ لفظ رسول و رسالت و نبی و نبوت اعتراض میکنند۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء است و مضمون حدیث لانبی بعدی بعد از ان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی نخواهند بود ایشان معنی ختم نبوت اصلاً نفہمیدہ اند چہ بر وجود ذی جود سرور عالم صلعم کمال درجہ نبوت ختم شدہ است نہ نبوت آرے تا درجہ بر وجود ذی جود سرور عالم صلعم کمال درجہ نبوت ختم شدہ است نہ نبوت آرے رد زیادت غیر از امت و امت بودن آنحضرت نبی صاحب شریعت جدیدہ نخواہد رسید چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہمیں اعتقاد است کما نقلہ محمد طاہر فی تکملۃ مجمع بحار الانوار عن عائشۃ قولوا خاتم الانبیاء ولا تقولوا لانبی بعدہ الغرض عقیدہ ما اینست کہ سلسلہ نبوت ختم نشدہ است

الکمالات نبوۃ بر ذات سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ختم گشت است ہیچ اسرائیل نبی دریں امت نخواہد رسید آنکہ مبعوث شد تی بود مبعوث گردند۔

(تذکرۃ الشہادتین فارسی حاشیہ ص۶۔ جولائی ۱۹۰۳ء)

ان حوالجات سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک خاتم النبیین اور لانبی بعدی کے معنے یہ ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی مستقل یا صاحب شریعت جدیدہ پرانا ہو یا نیا اس امت میں نہیں آسکتا۔ ہاں ایسا نبی جو فنا الرسول ہو کر نبوت کے مقام کو حاصل کرے۔ تو ایسی نبوت ختم نبوت اور حدیث لانبی بعدی کے مخالف نہیں ہے۔ پس مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود کی تحریرات کو اپنی تائید میں پیش کرنا بے سود ہے اگر اس بارہ میں زیادہ تحقیق درکار ہو تو ملاحظہ ہو۔ (حقیقۃ النبوۃ ص۸۲ تا ۱۳۴)

(۱۰)

انقطاع نبوۃ پر دوسری پیش کردہ آیات کا صحیح مطلب

دوسری آیت جو گواہان مدعیہ نے اپنے زعم میں انقطاع نبوت پر پیش کی ہے۔ وہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کہ جب دین کامل ہو چکا۔ اور نعمت پوری ہو چکی۔ تو اب کسی نبی کی کیا ضرورت

جواب نمبر ۱

اس آیت میں انقطاع نبوت کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اکمال دین اور اتمام نعمت کا ذکر ہے۔

(۲) اکمال دین اور انقطاع نبوت آپس میں لازم نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کے لیے نیا دین لانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ پہلے دین کی اشاعت اور ترویج کے لیے بھی نبی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آیت انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی ونور یحکم بہا النبیون (مائدہ) سے ظاہر ہے۔

(۳) پس اس آیت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے۔ تو صرف اتنا کہ ایسا نبی کوئی نہیں آسکتا جو شریعت جدیدہ لائے یا شریعت اسلامیہ کے احکام میں تغیر و تبدل کرے۔

(۴) گواہان اور مختار مدعیہ خود حضرت عیسیٰ کے نبی ہونے کی حیثیت میں نزول کے قائل ہیں۔ تو کیا وہ سمجھتے ہیں کہ دین میں کوئی نقص ہے۔ پس جس غرض کے لیے وہ حضرت عیسیٰ کا انتظار کر رہے ہیں اسی غرض کے لیے ہم حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کو مانتے ہیں۔

(۵) اگر دین کا مکمل ہونا کسی نبی کے وجود کا مانع ہے۔ تو پھر یہی دین اپنی ترویج اشاعت کے لیے کیوں ایک اسرائیلی نبی کا محتاج ہے۔

(۶) اصل بات یہ ہے۔ کہ اکمال دین اور اتمام نعمت ہی اس امر کی مقتضی ہے۔ کہ اسی دین کی پیروی سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات روحانیہ کو حاصل کرے۔ اور روحانیت کا اعلیٰ درجہ کا ارتقائی مقام جو نبوت کے نام سے موسوم ہے۔ وہ اس مقام پر اس مکمل دین کی متابعت اور کامل نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے فائز ہو۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ ۱۲

چنانچہ سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلی اپنی کتاب الانسان الکامل جلد ا صفحہ ۷۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الی نا نقطع نبوۃ التشریع بعدہ و کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین لانہ جاء بالکمال ولم یجئ بعد بذلک

اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکمال دین کی وجہ سے خاتم النبیین ہوئے ہیں۔ اور اگر یہی آیت الیوم اکملت (الخ) کسی اور نبی پر نازل ہوتی۔ تو وہی خاتم النبیین ہوتا۔

(۲) لیکن یہ آیت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ تو آپ خاتم النبیین ہوئے کیونکہ آپ نے کوئی حکمت اور کوئی ہدایت اور کوئی علم اور کوئی سر ایسا نہیں چھوڑا جس کی ضرورت ہو۔ اور آپ نے وہ نہ بتایا ہو۔

(۳) آئندہ جو کاملین آئیں گے وہ آپ ہی کا اتباع کریں گے۔ اور شریعت کو وہ کامل ہی پائیں گے۔

(۴) چونکہ دین کا آپ پر کامل ہونا آپ کے خاتم النبیین ہونے کو مستلزم ہے۔ اس لیے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ختم نبوت کا تعلق دین اور شریعت سے ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی شریعت نہیں آئے گی

(۵) آخر میں لکھتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ آنحضرت صلعم نے سب امور جن کی دین میں احتیاج ضروری تھی۔ بیان کر دی ہے۔ اس لیے آپ کے بعد تشریعی نبوت کا حکم منقطع ہو گیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ کیونکہ آپ ہی کامل دین لے کر آئے اور کوئی نہیں لایا۔

پس اس آیت سے بھی آئندہ باب نبوت کا مسدود ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ دین کا کامل ہونا چاہتا ہے۔ کہ اب مقام نبوت جو خدا تعالےٰ کی نعمت ہے۔ اس سے اس دین کے متبعین محروم نہ ہوں۔ بلکہ عند الضرورت اللہ تعالےٰ انہیں اس نعمت سے متمتع فرما دے۔

بقیہ آیات:-

اسی طرح آیت وما ارسلناک الا کافۃ للناس اور آیت قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا اور لکل قوم ھاد پیش کر کے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ چونکہ آپ کی رسالت و بعثت تمام لوگوں کے لیے ہے اس لیے آپ

کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

سوال کا جواب یہ ہے :۔

(۱) ان آیات میں آئندہ نبی آنے یا نہ آنے کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔ کہ مجھے دوسرے انبیاء پر ایک یہ بھی فضیلت ہے کہ وہ ایک قوم کے لیے آئے تھے۔ اور میں تمام دنیا کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ پس اس میں دعوت کی عمومیت کا ذکر ہے۔

(۳) حضرت موسےٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے۔ لیکن آپ کے دین کی ترویج کے لیے ان کے بعد بہت سے نبی آئے۔ اور وہ حضرت موسیٰ کے دین پر لوگوں کو عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے رہے اس طرح اگر آنحضرت صلعم کے بعد بھی کوئی نبی جو آپ کا متبع اور آپ کی شریعت کو فروغ دینے کے لیے آئے تو اس میں آپ کی دعوت کی عمومیت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ اور چونکہ وہ آپ کا شاگرد ہوگا۔ اور اس نے تمام فیوض آپ کی متابعت کی برکت سے پائے ہوں گے اس لیے اس سے بھی آپ کی دیگر انبیاء پر فضیلت ثابت ہوگی۔ اور آیت

انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا۔

کی رو سے آنحضرت صلعم جب مثیل موسیٰ ہوئے۔ تو ضروری ہوا کہ جیسے سلسلہ موسویہ میں شریعت موسویہ کی ترویج و اشاعت کے لیے نبی آئے یہاں بھی کم از کم مشابہت کو پورا کرنے کے لیے ایک نبی آئے۔ لیکن چونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اس لیے وہ نبی آپ کی کمال متابعت کر کے ہی ہو سکتا ہے۔ تا یہ بھی ظاہر ہو کہ آپ حضرت موسیٰ سے بہت بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ اور آپ کی شاگردی اور اتباع سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج و مشابہت کو حاصل کر سکتا ہے۔

اور گواہ مدعیہ مدالف نے جو آیت سراجا منیرا پیش کی ہے۔ کہ جیسے سورج پر روشنی ختم ہے۔ ایسے ہی آنحضرت صلعم پر نبوت ختم ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جیسے سورج پر روشنی ختم ہونے کے یہ معنے نہیں۔ کہ اس سے روشنی حاصل کر کے کوئی روشن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح خاتم النبیین کے یہ معنے نہیں۔ کہ آپ کے فیض سے بھی کوئی نبوت کو نہیں پا سکتا۔ اور اس وجہ سے آپ کو صرف سورج ہی نہیں۔ بلکہ منیر سورج قرار دیا گیا ہے۔ یعنی دوسروں کو بھی وہ روشن کرنے والا ہے پس جیسے چاند سورج سے روشنی حاصل کر کے منور ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو نور پہنچاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کے بعد وہی شخص منور اور دوسروں کو روشن کر سکتا ہے۔ جس کا نور نبوت آنحضرت صلعم کی نبوت سے مستفاد ہو۔

اس طرح گواہ مدعیہ مدالف نے جو آیت قل لئن اجتمعت الانس والجن اور آیت و بالحق انزلناہ اور آیت اطیعوا اللہ والرسول وغیرہ کسی آیت سے بھی ایسی نبوت کا جس کے ہم قائل ہیں۔ انقطاع ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان میں تو نبوت کے بقاء یا انقطاع کا ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔

اور آیت میثاق النبیین سے تو نبوت کا بقاء ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسے دیگر انبیاء سے میثاق لیا گیا ویسے

ہی آنحضرت صلعم سے بھی لیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ حجر کی آیت سے ظاہر ہے۔ اور آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون سے بھی یہی نکلتا ہے۔ کہ ایسے وقت میں جب کہ علم قرآن دنیا سے اٹھ جائے گا تو اس کی حفاظت معنوی کے لیے ایسے نبی کا آنا جو آنحضرت صلعم کی اولاد روحانی سے ہو۔ اور قرآن مجید کی پیروی کی برکت سے اس نے مقام نبوت حاصل کیا ہو۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے جب کہ آنے والا نبی کوئی نیا حکم نہیں لائے گا تو اس کا آنا سوائے تخریب امت ہونے کے اور کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ یہ جواب ہے۔ کہ نبوت فی نفسہ کوئی عذاب نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ کا ایک انعام ہے۔ پس ایسا نبی جو آنحضرت صلعم کا پیرو اور آپ کی شریعت کی ترویج و اشاعت کے لیے آئے اس کا آنا یقیناً باعث تخریب امت نہیں۔ بلکہ اصلاح امت ہوگا۔

اور مختاران اور گواہان مدعیہ کا اپنا یہ عقیدہ ہے۔ کہ حضرت عیسٰی جو اللہ تعالےٰ کے ایک نبی ہیں وہ آئیں گے۔ اور آنحضرت صلعم کے دین کی اشاعت کریں گے۔ پس اگر ایک مستقل نبی کے آنے سے آنحضرت صلعم کی رسالت اور دعوت کے عام اور تمام لوگوں کے لیے ہونے میں کوئی رخنہ واقع نہیں ہوتا۔ تو آنحضرت صلعم کی اولاد روحانی میں سے ایک فرد کو حضور کی پیروی کی برکت سے اگر مقام نبوت حاصل ہو جائے۔ تو اس میں کون سا گناہ لازم آجاتا ہے۔

بہرحال گواہان مدعیہ نے جو آیات اپنے مدعا کے اثبات میں پیش کی تھیں۔ ان سے قطعاً ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

(۱۱)

پیش کردہ احادیث کا صحیح مطلب

مختار مدعیہ اور گواہان نے جو احادیث انقطاع نبوت کے ثبوت میں پیش کی تھیں۔ ان کے جو جوابات گواہان مدعا علیہ نے دیئے تھے۔ مختاران مدعیہ نے اپنے سکوت سے ان کو صحیح تسلیم کر لیا۔ اور ان کے رد میں کوئی بات پیش نہیں کی اس لیے میں مختصراً ان جوابات کو دہرا دیتا ہوں۔ اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعیہ نے دو سو احادیث پیش کیں جن میں سے سترہ حدیثیں صحیح پیش کی گئیں محض مغالطہ ہے۔ کسی کے فضول دعویٰ سے کہ اتنی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ دعویٰ ثابت نہیں ہو جاتا۔ اور جو حدیثیں انہوں نے پیش کی تھیں۔ وہ ان کے مفید مطلب نہیں ہیں۔ اور قطعاً ان سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ اور کل حدیثیں انہوں سے تیرہ ۱۳ پیش کی ہیں۔ اور یہی ان کے نزدیک سب سے قوی تھیں۔ لیکن ان سے بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اور پھر ان تیرہ میں سے بھی بعض احادیث بالکل ضعیف ہیں۔

پہلی حدیث :۔
کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی"
کہ اے علی کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہوتا۔ کہ تو مجھے ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ موسیٰ کو ہارون تھے۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اب اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ سیاق حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ یہاں اصل میں وجہ شبہ حضرت علی اور حضرت ہارونؑ میں وہ خلافت کا عرصہ اسارا مانہ ہے جو دو نوں کو پیش آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے۔ تو ہارون کو خلیفہ بنا گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

وقال موسیٰ لاخیہ یاھارون اخلفنی فی قومی (اعراف)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی سے کہا۔ کہ اے ہارون میری قوم میں تو میرا جانشین رہ۔ اسی طرح آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا لیکن جب حضرت علی کو حضرت ہارون سے تشبیہ دی گئی۔ تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا۔ کہ حضرت ہارونؑ تو نبی تھے۔ شاید یہ بھی نبی ہوں۔ تو آپ نے اس کا ازالہ کر دیا۔ کہ میرے بعد نبی نہیں۔ چنانچہ بحار الانوار کی ایک حدیث میں یہ آیا ہے۔ کہ

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا النبوۃ - (بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۷)

کہ تو مجھے ہارون کی طرح ہے موسیٰؑ کے مقابلہ میں مگر نبوت میں نہیں۔ یعنی تو نبی نہیں ہے۔ اور صفحہ ۲ میں الا انہ لیس معی نبی کے الفاظ ہیں۔ کہ مگر میرے ساتھ کوئی نبی نہیں ہے اور ایک حدیث میں تو صاف لکھا ہے۔

اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انک لیس بنبی انہ لا ینبغی لی ان اذھب الا و انت خلیفتی - (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۳)

کہ تو مجھے ہارون کے بمنزلہ ہے۔ مگر یہ کہ تو نبی نہیں ہے۔ اور میرے لیے مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور آپ کو اپنا جانشین مقرر کر کے نہ جاؤں۔

اور بعد کے معنے غیر حاضری کے بکثرت قرآن و حدیث میں استعمال ہوئے ہیں۔

(۱) فانا قد فتنا قومک من بعدک یاموسیٰ (طٰہٰ) اے موسیٰ ہم نے تیری قوم کو تیرے بعد یعنی تیری غیر حاضری میں فتنے میں ڈال دیا ہے۔

(۲) ولما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی۔ (اعراف ع ۱۸)
جب حضرت موسیٰؑ ناراضگی سے افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئے۔ تو فرمایا۔ تم نے میری غیر موجودگی میں میری جانشینی کی ہے۔

(۳) اسی طرح فرمایا۔ واذ وٰعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ ثم اتخذتم العجل من بعدہ۔ (بقرہ ع ۶)

تو یہاں بھی بعدہ کے معنے بعد ذھابہ الی الطور ہیں۔ یعنی طور پر جانے کے بعد یعنی ان کی غیر حاضری میں تم نے بچھڑے کو معبود بنایا۔

پس بعد کے معنے غیر حاضری کے کثرت سے زبان عرب میں پائے جاتے ہیں۔ باقی اس امر کی تائید میں حوالجات اور مطلب کے لیے ملاحظہ ہوں۔ بیان (مطبوعہ صــ) گواہ مدعا علیہ

او المراد انہ لم یبعث بعد عیسی نبی بلا شرعۃ مستقلۃ وانما مستقلہ فانبعث بعدہ من بعث بتقریر شریعۃ عیسیٰ رفعہ خالد بن سنان اخرجھا الحاکم من المستدرک من حدیث ابن عباس دلھا طرق۔ (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۴)

(۱۴)

علماء نے لا نبی بعدی کے کیا معنی کئے

نواب صدیق حسن خان صاحب اقتراب الساعۃ مطبوعہ آگرہ صفحہ ۱۶۲ میں لکھتے ہیں

۱۔ حدیث لا وحی بعد موتی بے اصل ہے۔ ہاں لا نبی بعدی آیا ہے۔ مگر اس کے معنے بھی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں۔ کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لائے گا۔

(۲) اسی طرح ملا علی قاری بھی فرماتے ہیں۔

اما حدیث لا وحی بعدی باطل لا اصل لہ نعم ورد لا نبی بعدی ومعناہ عند العلماء انہ لا یحدث بعدہ نبی بشرع ینسخ شرعہ (کتاب الاشاعۃ لاشتراط الساعۃ السید شریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی صفحہ ۲۲۶)

اس کا ترجمہ وہی ہے جو اوپر ۱ میں ذکر ہے۔ کہ حدیث "میری نبوت کے بعد وحی نہیں" باطل ہے اور بے اصل محض ہے۔ ہاں لا نبی بعدی آیا ہے اور اس کے معنے علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا جو نئی شریعت لائے اور آپ کی شریعت کو منسوخ کر دے۔ بقیہ ملاحظہ ہوں بیان گواہ مدعا علیہ

دوسری حدیث :۔

جو گواہان مدعیہ نے پیش کی تھی۔ وکانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کی ہے۔ سوال کا جواب ملاحظہ ہو بیان مطبوعہ مدعا علیہ اور میز اس حدیث میں یہ ظاہر کر دیا گیا ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں دو قسم کے نبی ہوتے تھے۔ ایک وہ جو سیاسی تھے جیسے یوشع۔ سلیمان۔ داود علیہم السلام وغیرہ اور دوسرے غیر سیاسی یعنی جنہوں نے زہد اور تصوف میں اپنی زندگی گذار دی۔ وہ بادشاہ نہ تھے۔ جیسے حضرت زکریا۔ یحیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ

اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے جس سیاست کو شروع کیا تھا۔ اسے ناقص چھوڑ کر وفات پا گئے۔ اور اپنے اتباع کے لیے سیاسی تزلزلات کے دروازے کھول گئے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد سیاست کے لیے کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خلفاء ہوں گے جو اس کام کو سرانجام دیں گے۔ اور وہ ایک دو نہیں بلکہ کثرت سے ہوں گے۔ تو اس حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ کسی قسم کا نبی امت محمدیہ کے لیے جب کہ وہ حسب پیشگوئی آنحضرت صلعم یہود کے قدم بقدم چلیں۔ کوئی مسیحی نقش امتی نبی نہیں آئے گا۔

تیسری حدیث :۔

ختم بی النبوۃ پیش کی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ پر بھی اگر غور کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ یہاں آنحضرت صلعم نے اپنا مقابلہ پہلے انبیاء سے کیا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کی روایتوں میں لفظ من قبلی سے ظاہر ہے۔ کہ ان انبیاء پر جو مجھ سے پہلے تھے۔ چھ باتوں پر فضیلت دے گئی۔ جن میں ایک یہ ہے۔ کہ میں خاتم النبیین ہوں۔

ختم بی النبیون میں اگر ختم کے معنے بھی لیے جائیں۔ تو النبیون میں الف لام تخصیص یا عہد کے لیے ہوگا۔ یعنی وہ نبی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جو بالاستقلال نبی تھے۔ پھر بھی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوگا۔ کہ آپ کے بعد حضور کے فیضان اور حضور کی پیروی کی برکت اور قوت قدسیہ اور افاضہ روحانیہ کے طفیل آپ کی شریعت کی اشاعت کے لیے کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے معنے تفہیمات الٰہیہ میں یہی کئے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسا کوئی نبی نہ ہوگا۔ جس کو اللہ تعالےٰ لوگوں کے لیے شارع بنائے۔

چوتھی حدیث :۔ العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی۔

العاقب کی تفسیر سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس کا مفصل جواب دیکھو بیان گواہ مدعاعلیہ مختار مدعیہ نے جو حوالہ حاشیہ بخاری سے پیش کیا ہے۔ کہ فتح الباری میں یہ لکھا ہے۔ کہ ترمذی میں بعدی نبی کے الفاظ آئے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اسی عبارت میں یہ لکھا ہے فظاہر الادراج کہ یہ لفظ بعد کے داخل شدہ ہیں۔

پس شارح لیس بعدہ نبی کے الفاظ کو دیگر بزرگوں کی طرح کسی کی طرف سے داخل شدہ قرار دیتا ہے۔ اور العاقب کے معنے بخاری جلد ۲ طبع مہدی ص ۵۰۳ حاشیہ ۷ میں یہ لکھا ہے الذی یخلف فی الخیر من کان قبلہ کہ جو نیکی میں اپنے سے پہلے کا جانشین ہو۔

پانچویں حدیث :۔ ۱

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات سے مختار مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت منقطع ہے۔ اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعاعلیہ۔

پس مبشرات بھی نبوۃ کی ایک قسم ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ نبوت میں سے صرف مبشرات، کی نوع باقی رہ گئی ہے۔ چنانچہ حکیم محمد حسین صاحب رئیس امروہہ اپنی کتاب کواکب دریہ میں لکھتے ہیں۔

"نبوت لغت میں بمعنی خبر دینے کے ہے۔ امور آئندہ اور اس کے اقسام میں سے بخصوصیت الٰہیہ جس میں کسب کو دخل نہ ہو۔ اور جو بخصوصیت الٰہیہ ہے۔ اس کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ ایک خواب میں روح رب اعظم خود ارشاد کرے۔ دوسری مشاہدہ میں روح اعظم کے ارشاد ہے۔ تیسرے ملک خواب میں کہے۔ جو مشاہدہ میں آجاوے پانچویں کوئی نبی خواب میں فرمادے۔ چھٹے۔ کوئی نبی مشاہدہ میں فرمادے۔ ساتویں۔ صلصلۃ الجرس خواب میں دریافت ہو۔ آٹھویں مشاہدہ میں بطور سلسلۃ الجرس دریافت ہو۔ یہ سخت ترین اقسام وحی سے ہے۔ اور اس میں سے کبھی شیطان بھی چرا لیتا ہے۔ نویں۔ روح القدس یعنی اسم رحمان ہے۔ کہ مقام فنا یا بقا میں دریافت ہو۔ الغرض اصطلاح میں نبوت بخصوصیت الٰہیہ خبر دینے سے عبارت ہے۔ وہ دو قسم کی ہے۔ ایک نبوت تشریعی جو ختم ہو گئی۔ دوسری نبوت بمعنی خبر دادن ہے۔ اس کو مبشرات کہتے ہیں۔ اپنے اقسام کے ساتھ اس میں سے رویا بھی ہے۔ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸

(کواکب دریہ)

پس اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے مبشرات کی جو ادنیٰ قسم تھی۔ رویا بیان کی ہے۔ ورنہ ان تمام بزرگان دین اور ائمہ اسلام کو جنہوں نے رویا کے اوپر کشوف اور وحی الٰہی اور مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کے دروازہ کو آنحضرت صلعم کے بعد مفتوح مانا ہے۔ جھوٹا ماننا پڑے گا۔

چھٹی حدیث :۔

انا آخر الانبیا و انتم آخر الامم اور ان مسجدی آخر المساجد سے مختار مدعیہ اور گواہان نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ یہ حدیث ابن ماجہ سے روایت کی ہے۔ اور اس کے راویوں میں سے ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے۔ جن کے متعلق میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۹۰ میں لکھا ہے۔ ضعفہ احمد ویحیی وجماعۃ وقال الدارقطنی وغیرہ متروک الحدیث وقال ابن عدی احادیثہ کلھا مما فیہ نظر"

کہ امام احمد اور امام یحییٰ (ابن معین) اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہے اور امام دارقطنی اور دوسرے ائمہ نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے۔ کہ اس کی تمام احادیث کو قبول کرتے میں توقف ہے حضرت امام بخاری نے اسے مقارب الحدیث یعنی درمیانہ قرار دیا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اگر اس کی حدیث لے لی جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن باقی ائمہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اور اسے متروک الحدیث مانتے ہیں۔

اور اس کے دوسرے راوی عبد الرحمان بن محمد محاربی کے متعلق میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ میں لکھا ہے۔

قال ابن معین یروی المنکر عن المجهولین ۔ قال ابو حاتم صدوق یروی عن المجهولین ۔ احادیث منکرۃ نیفسد حدیثہ بذلک وقال ابن معین ایضاً ثقۃ وقال وکیع ما کان احفظہ للطوال وقال عبد اللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ ان المحاربی کان یدلس ولا نعلمہ سمع من معمر ۔

ابن معین نے کہا ہے ۔ کہ وہ منکر حدیثیں غیر معروف اور مجہول لوگوں سے روایت کرتا ہے ابو حاتم نے کہا سچا تو ہے لیکن مجہول شخصوں سے روایت کرتا ہے ۔ جس سے اس کی تمام حدیث خراب ہو جاتی ہے ۔ اور وکیع نے کہا ہے ۔ کہ وہ لمبی حدیثیں یاد نہیں رکھ سکتا ۔ اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے ۔ کہ وہ مدلس ہے ۔ اور ہم نہیں جانتے کہ اس نے معمر سے سنا ہو ۔

باوجودیکہ اس کے راوی لائق ثقہ نہیں کہ اس کی حدیث کو یقینی طور پر صحیح مان لیا جائے ۔ مگر تاہم اس حدیث کے معنے بالکل واضح ہیں ۔ آنحضرت صلعم نے اس دجال کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلام کا دشمن اور اسلام کی تخریب میں مساعی ہوگا ۔ اس کے بالمقابل آپ نے اپنی نسبت آخر الانبیاء فرمایا ہے ۔ اور ساتھ ہی آخر الامم ذکر فرما کر واضح کر دیا ۔ کہ آپ ایسے آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی مستقل امت بنانے والا نبی نہیں آ سکتا ۔

اور گواہ مدعیہ نے جو حدیث اول النبیین فی الخلق کنز العمال سے پیش کی ہے ۔ تو وہ بھی ابن ہلال سے مروی ہے جو کہ مسلم کتب صحاح میں سے نہیں ہے ۔ دوسرے اس میں النبیین سے مراد بھی آپ سے پہلے کے انبیاء ہیں ۔ اور آپ ان کی نسبت سے یقیناً آخری نبی ہیں ۔ اور آپ کے بعد ویسا کوئی نہیں آ سکتا ۔

اور گواہ مدعا علیہ مالف نے دو حدیثیں کنز العمال سے ایسی پیش کی ہیں ۔ جن میں صرف آپ کا خاتم النبیین ہونا مذکور ہے ۔ اور آپ کے خاتم النبیین ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے ۔ اور ہم بصدق دل یقین رکھتے ہیں ۔ کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں ۔ یاد رہے ۔ کہ گواہ ۲ کے عنوان کے ماتحت چار حدیثوں کا ذکر آگیا ہے ۔

ساتویں حدیث :-

مثلی ومثل الانبیاء من قبلی ۔

اس حدیث سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے ۔ تو صرف دو امر ثابت ہوتے ہیں ۔

(۱) جس قسم کے پہلے نبی آیا کرتے تھے صاحب شریعت یا مستقل یعنی براہ راست نبوت حاصل کرنے والے اس قسم کا اب کوئی نبی نہیں آئے گا ۔ اور درحقیقت یہاں پہلے نبیوں کی نسبت سے جو آپ نے تشبیہ دی ہے ۔ تو وہ شریعت کے لحاظ سے ہے ۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں ۔

فکانہ شبہ الانبیاء وما بعثوا بہ من ارشاد الناس ببیت اسست قواعدہ و رفع بنیانہ وبقی منہ موضع بہ یتم اصلاح ذلک البیت ۔۔۔۔ فان شریعۃ کل نبی بالنسبۃ الیہ کاملۃ بل فالمراد ھنا النظر الی الاکمل بالنسبۃ الی شریعۃ المحمدیۃ مع ما مضی من الشرائع الکاملۃ ۔

(فتح الباری جلد ۶ صد ۴۰۷)

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے۔ کہ اس حدیث سے جو تشبیہ بیان ہوئی ہے۔ تو وہ شریعت محمدیہ کے بہ نسبت پہلی شرع کاملہ کے اکمل ہونے کے اظہار کے لیے ہے۔

(۲) دوسرا امر اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ پہلے نبیوں میں سے اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔

آٹھویں حدیث :۔

لو کان بعدی نبی لکان عمر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے بند ہونے پر استدلال کیا ہے۔ تو اس سے مراد وہی نبوت ہے۔ جو مستقل اور براہ راست اور بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہو۔ باقی اس حدیث پر معنی اور تفصیل ملاحظہ ہو۔ (بیان گواہ مدعا علیہ ملا)

نویں حدیث :۔

سیکون فی امتی ثلثون کذابون ۔

کہ میری امت میں تیس دجال ہوں گے۔ اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ ملا صد ۵۹ تا ۶۰

اس میں ایک بات اور قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیس کا عدد معین فرمانا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ کوئی سچا بھی آئے گا۔ اور یہ تیس مدعیان نبوت کا ذبہ تو مدت ہوگئی پہلے ہو چکے۔ جیساکہ اکمال کے حوالہ سے ثابت ہے۔

ہاں ایک حدیث کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ جو طبری نے تہذیب الآثار میں ذکر کی ہے۔ اور وہ یہ ہے

سیکون بعدی ثلاثون کلھم یدعی انہ نبی ولا نبی بعدی الا من شاء اللہ (اکمال الاکمال جلد ۱ صد ۲۶۵)

کہ میرے بعد تیس دجال ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر جسے خدا تعالےٰ نبی بنانا چاہے گا وہ نبی ہوگا۔ پس اس روایت میں یہ استثناء اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی سچا نبی بھی آنا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اس حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں :۔

بار بار یہ کہتے ہیں کہ ہم تم کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ ہماری حدیثوں میں لکھا ہے کہ تیس ۳۰ دجال آئیں گے اے بدقسمت قوم۔ کیا تمہارے حصہ میں دجال ہی رہ گئے۔ تم ہر ایک طرف سے اس طرح تباہ کئے گئے جس طرح ایک کھیتی کو رات کے وقت کسی اجنبی کے مویشی تباہ کر دیتے ہیں۔ تمہاری اندرونی حالتیں بھی بہت خراب ہو گئیں اور بیرونی حصے بھی انتہا کو پہنچ گئے۔ صدی کے سر پر جو مجدد آیا کرتے تھے۔ وہ بات شاید نعوذ باللہ خدا کو بھول گئی۔ کہ آپ کی دفعہ اگر صدی کے سر پر بھی آیا تو بقول تمہارے ایک دجال آیا۔ تم خاک میں مل گئے۔ مگر خدا نے تمہاری خبر نہ لی۔ تم بدعات میں ڈوب گئے

مگر خدا نے تمہاری دستگیری نہ کی۔ تم میں سے روحانیت جاتی رہی۔ صدق و صفا کی بو نہ رہی۔ سچ کہو اب تم میں روحانیت کہاں ہے۔ خدا کے تعلقات کے نشان کہاں۔ دین تمہارے نزدیک کیا ہے۔ صرف زبان کی چالاکی اور شرارت آمیز جھگڑے اور تعصب کے جوش اور اندھوں کی طرح حملے خدا کی طرف سے ایک ستارہ نکلا مگر تم نے اس کو شناخت نہ کیا۔ اور تم نے تاریکی کو اختیار کیا۔ اس لیے خدا نے تمہیں تاریکی میں ہی چھوڑ دیا۔ اب اس صورت میں تم اور غیر قوموں میں کیا فرق ہے۔ کیا ایک اندھا اندھوں میں بیٹھ کر کہہ سکتا ہے۔ کہ تمہاری حالت سے میری حالت بہتر ہے۔ ہائے۔ افسوس ان نادانوں پر جنہوں نے مجھے شناخت نہیں کیا۔ وہ کیسی تیرہ و تاریک آنکھیں تھیں جو سچائی کے نور کو دیکھ نہ سکیں۔ ہیں ان کو نظر نہیں آ سکتا کیونکہ تعصب نے ان کی آنکھوں کو تاریک کر دیا۔ دلوں پر زنگ ہے۔ اور آنکھوں پر پردے۔ اگر وہ سچی تلاش میں لگ جائیں اور اپنے دلوں کو گند سے پاک کر دیں۔ دن کو روزے رکھیں اور راتوں کو اٹھ کر نمازیں دعائیں کریں۔ اور روئیں۔ اور نعرے ماریں تو امید ہے۔ خدا ئے کریم ان پر ظاہر کر دے کہ میں کون ہوں۔ چاہیئے کہ خدا کے استغناء ذاتی سے ڈریں

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۴۶ - ۱۴۲)

(۱۳)

اجماع کی بحث

مختار مدعیہ دگواہان نے اس امر پر زور دیا ہے کہ خاتم النبیین کے معنوں پر کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ شرعی۔ نہ غیر شرعی۔ تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ حالانکہ یہ گذشتہ بحث سے بالکل واضح ہے کہ ان معنوں پر نہ صحابہ کا اجماع ہوا۔ نہ ان کے بعد کسی اور عصر میں اجماع ثابت ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ہم نے ائمہ اور علماء کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔ باقی ایسے مسائل جو اجتہاد یا فہم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ کسی چیز پر تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور اگر تسلیم بھی کیا جائے تو پھر صحابہ کے اجماع کے ایک قسم کے سوا باقی اجماعوں کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ چنانچہ ارشاد الفحول ص ۷۷ مطبوعہ مصری میں لکھا ہے :۔

"اجماع صحابہ کا بلا خلاف حجت ہے اور قاضی عبد الوہاب سے منقول ہے کہ بعض مبتدع لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کا اجماع بھی حجت نہیں۔ اور صرف صحابہ کے اجماع کے حجت ہونے کی خصوصیت کی طرف داؤد ظاہری گئے ہیں۔ ابن حبان کی کلام سے بھی جو انہوں نے اپنی صحیح میں لکھا ہے۔ یہی ظاہر ہے اور یہی بات امام احمد بن حنبل سے مشہور ہے کیونکہ ابو داؤد نے جو ان سے روایت کی ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ اجماع

یہ ہے کہ جو آنحضرت یا آپ کے صحابہ سے ثابت ہے۔ اس کی اتباع کی جائے۔ اور وہ تابعین سے جو ثابت ہوگا اس کے بارے میں مجبور ہیں چاہے قبول کرے یا نہ۔ اور امام ابو حنیفہ نے کہا ہے۔ کہ جب صحابہ کسی بات پر اجماع کریں تو ہم اسے تسلیم کریں گے۔ اور اگر تابعین اجماع کریں۔ تو ہم ان کی مزاحمت کریں گے۔

اور ابن وھب نے کہا ہے۔ داؤد اور اس کے اصحاب کا مذہب یہی ہے کہ اجماع صرف صحابہ کا ہی اجماع ہے اور اس قول کے خلاف کوئی قول موجود نہیں ہے۔ اور اگر یہ سوال ہو کہ صحابہ کے بعد کے اجماع کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ وہ اجماع دو وجہ سے جائز نہیں ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ آنحضرت نے خبر دی ہے۔ کہ ایک گروہ میری امت سے ایسا ہوگا۔ جو حق پر رہے گا۔ اور دوسری یہ کہ ملکوں کی وسعت اور کثرت امت کی وجہ سے ان کے تمام اقوال کا ضبط کرنا ناممکن ہے۔ اور جو شخص اس اجماع کا دعویٰ کرے ایسے شخص کا کذب ظاہر ہے۔

پس جب کہ صحابہ کے بعد اجماع کا وجود ہی ناممکن ہوا۔ تو یہ کہنا کہ خاتم النبیین کے معنے آخری نبی ہونے پر امت کا اجماع ہے بالکل کذب اور بہتان ہے۔ اور باقی رہا صحابہ کا اجماع تو اس کے متعلق ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ کبھی اور کسی وقت خاتم النبیین کے معنے پر نہیں ہوا۔ باقی ملاحظہ ہو۔ (بیان مطبوعہ ص۶۰ تا ۶۲)

اور بعض اقوال جن میں یہ لکھا ہے۔ لا یختلف فیہ اثنان۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اس میں دو شخص بھی اختلاف نہیں کرتے تو صرف کسی عالم کے ہی یہ کہنے سے اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔ جیسے کہ ارشاد الفحول کے حوالہ سے ظاہر ہے ثابت ہے۔ جس میں امام مالک نے ایک مسئلہ کے متعلق کہا۔ کہ اس میں کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ حالانکہ اس میں اختلاف موجود تھا۔ اس طرح امام شافعی نے کہا کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ حالانکہ اس میں خلاف مشہور ہے۔ پس کسی کے ایسا کہنے سے اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔

گو اہان مدعا علیہ نے جو حوالہ اجماع کے متعلق اپنی تائید میں نور الانوار سے پیش کیا تھا۔ اس کے متعلق مختار مدعیہ نے اس اکتوبر کی بحث میں یہ لکھا ہے کہ اجماع الصحابۃ نصاً کا جو مفہوم لیا گیا ہے۔ کہ ہر ایک تصریح کرے یہ صحیح نہیں بلکہ یہ اجماع سکوتی ہی کے مقابل میں ہے۔ مختار مدعیہ کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ نہ تو اس نے نور الانوار کی عبارت کو غور سے دیکھا۔ اور نہ اس کے سمجھنے کی کوشش کی نور الانوار کی عبارت یہ ہے۔

"فالاقوی اجماع الصحابۃ نصا مثل ان یقولوا جمیعا اجمعنا علی کذا فانہ مثل الایۃ والخبر المتواتر حتی یکفر جاحدہ ومنہ الاجماع علی خلافۃ ابی بکر رض ثم الذی نص البعض وسکت الباقون من الصحابۃ وھو المسمی بالاجماع السکوتی ولا یکفر جاحدہ" (نور الانوار ص۱۸۹)

کہ سب سے اقویٰ اجماع صحابہ کا ہے۔ جو نصاً ہو۔ یعنی سب کے سب بالاتفاق یہ کہیں کہ ہم نے اس پر اجماع

کیا ہے۔ تو وہ روایت اور خبر متواتر کی طرح ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا منکر کافر ہوگا۔ اور حضرت ابوبکر کی خلافت پر جو اجماع واقع ہوا اس قسم کا تھا۔ اور اس کے بعد وہ اجماع ہے۔ کہ جس میں بعض صحابہ نے تو اظہار رائے کیا۔ اور باقی صحابہ خاموش رہے۔ اور ان کی مخالفت نہ کی۔ تو یہ اجماع سکوتی کہلائیں گے۔ اور اس کا منکر کافر نہیں ہوگا۔

اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ نصاً سے مراد وہی ہے۔ جو گواہان مدعیہ کی ہے۔ کہ وہ اپنی زبان سے کہیں کہ ہم اس پر اجماع کرتے ہیں۔ پھر مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اجماع سے مراد امت کا اجماع ہے۔ یہ نہیں کہ صحابہ یا اہلبیت کا اجماع ہو۔ سو اس کے متعلق اوپر کافی ذکر کیا جا چکا ہے۔ لیکن یہاں پر یہ کہہ دینا نامناسب نہیں ہے۔ کہ یہاں ما بہ النزاع وہ اجماع ہے۔ جس کے انکار سے کفر لازم آوے۔ اور وہ جیسا کہ نور الانوار کی عبارت سے ظاہر ہے۔ وہی اجماع ہے جو صحابہ کا اجماع ہے۔ جو صحابہ کا اجماع نصاً ہو یعنی سب کہیں کہ ہم اس پر اجماع کرتے ہیں۔ اور اگر ان سے سکوتی اجماع ثابت ہو۔ تو اس کا منکر بھی کافر نہیں ہوگا۔ چہ جائیکہ صحابہ کے بعد کے اجماع کے منکر کو کافر کہا جائے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ م۳ نے بھی ۲۸ اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے۔ کہ حنفیہ کا اصول ہے کہ اجماع صحابہ کا قطعی ہے۔ اور منکر اس کا کافر ہے۔ اور مابعد کے اجماع کا منکر مبتدع اور فاسق ہے۔

لیکن نہ گواہان مدعیہ اور نہ مختاران مدعیہ اس امر کا ثبوت دے سکے ہیں۔ کہ خاتم النبیین کے ان معنوں پر جو گواہان مدعیہ نے پیش کیے ہیں۔ صحابہ نے نصاً اجماع کیا تھا۔ پس جب صحابہ کا ان معنے پر ایسا اجماع ثابت نہیں۔ تو اس کے سوا دوسرے معنے کرنے والے کو کافر قرار دینا مذہب حنفیہ کی رو سے بھی جائز نہیں ہے۔ مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا کہ گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں اجمعت الامۃ کے الفاظ دکھائے ہیں۔ کہ ان کے پیش کردہ معنے پر امت نے اجماع کیا ہے اگرچہ اس کا جواب بھی اوپر گذر چکا ہے۔ مگر پھر بھی میں یہاں ایک مثال سے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ کسی شخص کا اجمعت الامۃ کہہ دینا بھی ثابت نہیں کرتا۔ کہ واقعی طور پر امت کا اس پر اجماع بھی ہو۔ چنانچہ کتاب الابانہ میں لکھا ہے۔

اجمعت الامۃ علی ان اللہ عزوجل رفع عیسیٰ الی السماء۔

(کتاب الابانہ مطبوعہ حیدرآباد ص ۴۱)

کہ امت نے اس پر اجماع کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا۔ حالانکہ امام مالک نے ان کی وفات کے متعلق تصریح کی ہے۔ اور ۹ اگست کو بوقت جرح عدالت کے روبرو جب ان کے قول کو پیش کیا گیا تو گواہ مدعیہ م۳ اس کے خلاف ان کا کوئی قول نہ پیش کر سکا اور اس طرح اور بھی اکابر نے مسیح کی وفات کو تسلیم کیا ہے۔ پس کسی شخص کے یہ کہہ دینے سے کہ امت نے اس پر اجماع کیا ہے۔ اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔ خصوصاً جب کہ اس کے خلاف ائمہ کے اقوال بھی موجود ہوں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام امت کا اگر اجماع قرار دیا جا سکتا ہے۔ تو صرف اسی بات پر کہ آنحضرت صلعم کے بعد نئی شریعت لانے والا نبی کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور گواہان مدعا علیہ نے مسلم الثبوت

جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ سے امام رازی کا یہ مذہب پیش کیا تھا۔ کہ وہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کو مستبعد خیال کرتے ہیں۔ مختار مدعیہ یہ کہتا ہے۔ کہ اس کے نیچے فواتح الرحموت میں اس کی تردید موجود ہے۔ حالانکہ جس کتاب سے گواہان مدعیہ نے حوالہ پیش کیا ہے۔ اس کے حاشیہ میں رازی کی تائید کی گئی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شہادت القرآن میں تواتر معنوی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرمایا ہے۔ کہ مسیح موعود کے آنے کے متعلق اس قدر روایات آئی ہیں کہ جن سے قدر مشترک کو کہ مسیح آئے گا منواتر ماننا پڑتا ہے۔ تواتر معنوی تو اس کا یہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ حضرت علیؑ ہی آئیں گے اس کو آپ نے رد فرمایا ہے۔ اس لیے کہ پیشگوئی کی کیفیت وقوع کے سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ اور اس طرح مجتہد بھی سمجھنے میں خطا کر سکتا ہے۔

(۱۴)

مسیلمہ کذاب وغیرہ سے قتال کی وجہ

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ع۱

(۱۵)

اسلامی بادشاہوں کے فیصلے

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ع۱

(۱۶)

مسیلمہ کذاب نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا!

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ع۱

اور گواہ مدعیہ ع۳ نے ۲۹ راگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت کے بعد مسیلمہ نے احکام میں تغیر و تبدل کیا اور حجج الکرامہ میں جو واقعات مذکور ہیں۔ وہ صحیح ہیں۔

(۱۷)

علمائے نے کس قسم کی نبوت کو بند سمجھا ہے۔

گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے خاتم النبیین کے معنے آخری نبی جس کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا۔

ثابت کرنے کے لیے مفسرین کے اقوال پیش کیے ہیں۔ لیکن قبل اس کے جو میں ان کے اقوال کا صحیح مفہوم بیان کروں اصولی طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ مفسرین نے جو کسی آیت سے کچھ سمجھا ہو۔ وہ دوسرے پر حجت ملزمہ نہیں ہو سکتی مفسرین تو کجا رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فہم بھی حجت قطعیہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان سے بھی سمجھنے میں غلطیاں ہوتی رہی ہیں، جیسا کہ میں پہلے مثالوں سے واضح کر چکا ہوں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۳۹ تا ۴۱ میں لکھتے ہیں۔

پس ابن حزم کا قول یہ ہے۔ جو کہتا ہے کہ تقلید حرام ہے۔ اور کسی کو حلال نہیں کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے قول کو بلا دلیل اخذ کرے۔ بدلیل اس آیت کے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم۔ کہ تم اسی کے پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اور اس کے سوا اور رفیقوں یا اولیاء کی پیروی مت کرو۔ اور بدلیل آیت و اذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ ...... الخ کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم پیروی کرو اس کی جو خدا نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو پیروی کریں گے اس چیز کی جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس کی مدح میں فرمایا ہے جو تقلید نہ کرے۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول کہ تو بشارت دے میرے ان بندوں کو کہ جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں۔ اور پھر اسی میں سے اس بات کو اختیار کر لیتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی ہے۔ اور وہی عقل والے ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ سو اللہ تعالےٰ نے تنازع کے وقت حادثے کا لوٹانا بجز قرآن کریم اور حدیث کے کسی طرف مباح نہیں کیا۔ اور اس سے تنازع کے وقت کسی قائل کے قول کی طرف رد کرنا حرام ہو گیا کیونکہ وہ قرآن اور سنت کے سوا ہے۔ اور تمام صحابہ کا اجماع اول سے آخر تک۔ اور تابعین کا اجماع اول سے آخر تک اور تبع تابعین کا اجماع اول سے آخر تک اس تقلید سے باز رہنے اور منع کرنے پر ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اپنے میں سے کسی انسان کے قول کی طرف یا اپنے سے پہلے کے قول کی طرف قصد کرے۔ پھر وہ تمام اقوال کو اخذ کر لے پس جس شخص نے امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال یا امام شافعی کے تمام اقوال یا امام احمد کے تمام اقوال اخذ کیے۔ اور ان میں سے یا ان کے علاوہ اپنے متبوع کا قول چھوڑ کر غیر کا قول نہیں لیا۔ اور جو قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ جب تک کہ اس کو کسی انسان معین کے قول سے مطابق کر لے۔ تو وہ خوب سمجھ لے کہ اس نے تمام امت اول سے آخر تک کے یقیناً خلاف کیا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور وہ اپنے واسطے سارے تینوں تعریف کیے ہوئے زمانوں میں نہ سلف پاتا ہے۔ اور نہ امام۔ تو اس نے بے شک مومنین سے الگ راہ اختیار کی اس وجہ سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں الخ

اور اسی طرح ائمہ اربعہ کے اقوال جن میں انہوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہماری کوئی اندھی تقلید نہ کرے۔ بلکہ اگر کوئی قول ہمارے اقوال سے اچھا دیکھے تو اس کو اختیار کرے۔

(دیکھو بیان گواہ مدعا علیہ ص۱)

اور اگر مفسرین کی تفسیروں کا نمونہ دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص۱

باوجودیکہ مفسرین کے اقوال کسی پر حجت نہیں ہیں۔ تاہم مختار مدعیہ کے پیش کردہ حوالہ جات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ان سے بھی صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی جس نبوت کو بند قرار دیا ہے۔ وہ ایسی نبوت ہے۔ کہ جس سے شریعت اسلامیہ کو منسوخ ماننا پڑے۔ جیسا کہ ان کی مثالوں سے واضح ہے۔

چنانچہ پہلا حوالہ جو زیادہ تر گواہوں نے پیش کیا ہے۔ وہ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۱، ۹۲ کا ہے۔ جو فمن رحمت اللہ تعالے سے شروع ہوتا ہے۔ اور افاک اثیم تک ختم ہوتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اللہ تعالے کی بندوں پر ایک رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنا۔ پھر آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین کے لقب اور دین حنیف کے کامل کر دینے سے مشرف فرمانا ہے۔ اللہ تعالے نے اپنی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت متواترہ میں اس بات کی خبر دی ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ تاکہ جان لیں خدا کے بندے کہ ہر وہ شخص کہ جو آنحضرت صلعم کے بعد اس مقام کا دعوئی کرے تو وہ کذاب۔ افاک۔ دجال گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہوگا۔ خواہ وہ کتنے ہی شعبدہ بازی جادوگری کے اقسام اور طلسمات اور نیرنگیاں دکھا دے۔ کیونکہ نبی صادق سے یہ سب باتیں عقلمندوں کے نزدیک محال ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالے نے اسود عنسی سے یمن میں اور مسیلمہ کذاب سے یمامہ میں برے حالات اور بے ہودہ باتوں سے ظاہر کیا۔ جن سے ہر ذی عقل و فہم جان گیا کہ یہ دونوں کاذب ہیں۔ گمراہ ہیں۔ اور اسی طرح ہر ایک اس مقام کا مدعی قیامت کے روز تک ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ مسیح دجال پر ختم ہو جائیں گے جس کے ساتھ اللہ تعالے ایسے امور کو پیدا کرے گا کہ ان کے کرنے والے کے جھوٹ پر علماء اور مومنین گواہی دیں گے۔ اور یہ خداوند تعالے کی اپنی مخلوق پر بہت بڑی مہربانی ہے۔ کہ وہ فی الواقعہ نہ کسی نیکی کا حکم کرتے ہیں۔ اور نہ برائی سے منع کرتے ہیں۔ مگر اتفاقی طور پر یا جس میں ان کا کوئی خاص مقصد ہو اور وہ اپنے اقوال و افعال میں نہایت درجہ کے جھوٹے اور فاجر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا هل أنبئكم على من تنزل الشيطين تنزل على كل افاك اثيم "

اس حوالہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک ایسے انبیاء کی آمد ممتنع ہے جو مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی طرح ہوں۔ اور جو نہ امر بالمعروف اور نہ نہی عن المنکر کریں بلکہ اول درجہ کے فاسق اور فاجر اور لوگوں کو فسق و فجور کی طرف بلانے والے ہوں۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے حالات زندگی کے مطالعہ سے

ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ایسے نبی کا آنا جو متبع شریعت محمدیہ ہو۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو اس کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ اور حضرت مسیح کا تو یہ چیلنج ہے۔

"تم کوئی عیب۔ افترا۔ یا جھوٹ۔ یا دغا کا الزام میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔ تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افترا کا عادی ہے۔ یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے ابتداء سے مجھے تقوٰی پر قائم رکھا۔ اور سوچنے والوں کے لیے یہ ایک دلیل ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صـــ۶۲)

اور مولوی محمد حسین بٹالوی نے براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۹ صـــ۲۸۴ میں آیت ہل أنبئکم علی من تنزل الشیاطین جسے حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے پیش کر کے حضرت مرزا صاحب کے مخالفین کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رُو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم اور پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔"

اور یہ مولوی محمد حسین بٹالوی وہی ہیں جن کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے سبیل الرشاد میں رئیس قوم غیر مقلدین لکھا ہے۔ اور ان کے قول کو بطور حجت کے پیش کیا ہے۔ (سبیل الرشاد صـــ۱۶)

دوسرا حوالہ :-

روح المعانی جلد ۷ صـــ۶۵ کا پیش کیا ہے۔

"وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطقت بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان یصر۔"

یعنی حضور کا خاتم النبیین ہونا اُن باتوں میں سے ہے جن کو قرآن پاک نے بیان کیا۔ اور سنت نے اُسے کھول دیا۔ اور امت نے اس پر اجماع کیا۔ پس وہ شخص کافر ہوگا جو اس کے خلاف دعوی کرے اور قتل کیا جائے گا۔ اگر وہ جس نے اصرار کیا۔ جو شخص اس کے برخلاف کرے اس میں ضمیر کا مرجع یا تو خاتم النبیین ہو سکتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص ایسی نبوت کا دعویٰ کرے کہ جس کی وجہ سے وہ کہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دعوی نبوت کرے تو وہ کافر ہوگا۔ پس اس حوالہ سے بھی اس نبوت کا امتناع ثابت نہیں ہو سکتا جس کے ہم اور دیگر علماء و اولیاء اور مجددین امت قائل ہیں۔

تیسرا حوالہ

شفا قاضی عیاض کی شرح مولفہ ملا علی قاری جلد ۲ صفحہ ۵۱۸ و صفحہ ۵۱۹ کا ہے۔

(وکذالک من ادّعی النبوۃ احد مع نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام)

کاصحاب مسیلمۃ واسود العنسی او بعدہٗ کالعیسویۃ من الیہود القائلین بتخصیص رسالتہ الی العرب خاصۃ وکالکرامیہ لانہم اباحوا المحرمات القائلین بتواتر الرسل وکاکثر الرفضۃ القائلین بمشارکۃ علی مع الرسالۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای حال وجودہ وبعدہٗ وکذالک کل امام عند ھولاء یقوم مقامہ فی النبوۃ والحجۃ یعنی ان ارادوا بہا الحقیقۃ۔ والا فی المنزلۃ المجازی لا توجب الکفر والبدعۃ۔"

یعنی کافر ہے وہ شخص جو آنحضرت کے ساتھ کسی کو نبی قرار دے۔ جیسے اسود عنسی اور مسیلمہ کے پیرو یا آپ کے بعد یہود کا عیسوی فرقہ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت کی رسالت صرف عرب کے لیے مخصوص ہے۔ اور کرامیہ کی طرح جو تواتر رسل کے قائل ہیں۔ جنہوں نے محرمات کو بھی جائز قرار دے دیا تھا۔ اور اکثر رافضیوں کی طرح جو حضرت علی کے رسالت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں مشارکت کے معتقد ہیں۔ آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی اور اسی طرح ان کے نزدیک ان کا ہر امام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے۔ نبوت اور حجت ہونے میں۔ یعنی اگر وہ اس سے حقیقی نبوت مراد لیں ورنہ مجازی نبوت کفر اور بدعت کا موجب نہیں ہے"

اس میں بھی اسود عنسی۔ مسیلمہ کذاب اور یہود کے قبائل کی مثال دیکر جن کے متعلق یہ ثابت شدہ امر ہے کہ انہوں نے اسلامی شریعت کے احکام کو منسوخ کیا۔ اور اسلامی محرمات کو حلال قرار دیا۔ یہ بتاتا ہے کہ جو نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہے۔ وہ وہی مستقل اور حقیقی نبوت ہے جس میں اسلامی شریعت کو منسوخ ماننا پڑے چنانچہ اخیر میں بھی اس کو کھول دیا گیا ہے۔ کہ مجازی نبوت کفر کو واجب نہیں کرتی۔

اس عبارت سے ثابت ہے کہ اگر علی وجہ المجاز کسی کو نبی مانیں تو اس سے کفر لازم نہیں آتا چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں۔

"سمیت نبیاً من اللہ تعالیٰ علی طریق المجاز لا علیٰ وجہ الحقیقۃ"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۵)

اسی طرح انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۷-۲۸ میں فرماتے ہیں

"ومن قال بعد رسولنا وسیدنا انی نبی و رسول علی وجہ الحقیقۃ"

والا فتراء وترك القرآن واحکام الشریعۃ الغرّاء فھو کافر کذاب۔

ترجمہ :۔اور جو شخص ہمارے رسول اور سردار کے بعد یہ کہے کہ میں علی وجہ الحقیقہ نبی اور رسول ہوں۔ اور افترا کے طور پر کہے اور قرآن مجید اور شریعت غرّا کے احکام کو چھوڑے تو کافر اور کذاب ہے۔

اور سراج منیر صفحہ ۲-۳ میں فرماتے ہیں۔

مگر یاد رکھو کہ خدا کے کلام میں اس جگہ حقیقی معنی مراد ہیں۔ جو صاحب شریعت سے تعلق رکھتے ہیں۔"

بقیہ حوالوں کا جواب دیکھو بیان گواہ مدعا علیہ ملا

(۱۸)

علماء کے نزدیک رسول اور نبی کی تعریف

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ملا اصل بات یہ ہے کہ پہلے علماء نے جو نبوت کا انکار کیا ہے۔ یہ تو اس تعریف کے مطابق کیا ہے۔ جو ان کے نزدیک تھی کہ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحب کتاب ہو یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔ اور نبی کے لیے بھی پہلے رسول کی اتباع لازم نہ تھی۔ بلکہ روح الامین خود ان کے پاس شریعت وغیرہ لاتا تھا۔ جس کے مطابق وہ عبادت وغیرہ کرتے تھے جیسا کہ الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۵ سے ظاہر ہے۔ اور اسی تعریف کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اُسے کہتے ہیں۔ جس نے عقائد اور احکام دین بذریعہ جبرئیل حاصل کیے ہوں۔ اور قرآن مجید کی آیت "انا اوحینا الیك کما اوحینا الی نوح والنبیین سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم دینیہ بذریعہ جبرئیل سیکھے۔ تو لازماً ماننا پڑا کہ پہلوں کو بھی اس طرح علوم دینیہ حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک عالم کا قول صراحتہً ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے اور وہ امام ملا علی قاری ہیں۔ کیونکہ وہ شرح فقہ اکبر میں یہ لکھتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلعم کے بعد دعویٰ نبوۃ کرے وہ بالاجماع کافر ہے۔ اور موضوعات کبیر میں وہ خاتم النبیین کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی اُمت میں سے نہ ہو۔ اور اسی طرح اشاعۃ الاشراط الساعۃ میں ان کا یہ قول درج ہے۔ کہ "لا نبی بعدی" کے معنی "لا نبی ینسخ شرعہ" کے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ پس ان دونوں قولوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں علماء سابقین نے آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے وہ وہی نبوت ہے جو نئی شریعت والی ہو اور اسلامی احکام کو منسوخ قرار دے۔ لیکن ایسی نبوت جس کے ہم مدعی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع

ہیں بطور انعام کے ملتی ہے اور کوئی نئی شریعت اس کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ اس کا حامل قرآن پاک کا پیرو اور سنت رسول کا خادم ہوتا ہے تو ایسی نبوت کو یا تو علماء نے جائز قرار دیا ہے۔ یا ایسی نبوت کے متعلق انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ گواہان اور مختار مدعیہ کا علماء سابقین کے اقوال کو ہمارے خلاف پیش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے جو نبی اور رسول کی تعریف کی ہے۔ اس کی رو سے ہم بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

(۱۹)

ظلّی :———— بروزی

ظلی اور بروزی کے لیے ملاحظہ ہو بیان مطلوبہ گواہ مدعا علیہ ۱۔ نیز بروز کا ذکر خواجہ غلام فرید صاحب نے اشارات فریدی میں بھی لکھا ہے۔

" والبروز ان یفیض روح من ارواح الکمل علی کامل کما یفیض علیہ التجلیات وھو یصیر مظھرہ و یقول انا ھو۔"

(اشارات فریدی حصہ ۲ صفحہ ۱۱۰)

پھر فرماتے ہیں :۔

" کہ از حضرت آدم صفی اللہ تا خاتم الولایت امام مہدی حضور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارز اند پس اوّل بار آدم علیہ السلام بروز کردہ اند۔ اول قطب حضرت آدم علیہ السلام شدہ است۔ الی ان قال تا آنکہ امام مہدی علیہ السلام بروز خواہند فرمود۔ پس حضرت آدم تا مہدی ہمہ انبیاء و کمل اولیاء کہ قطب مدار شدہ اند۔ ہم مظاہر روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہستند در روح مراد شان بروز و ظہور فرمودہ است۔

(اشارات فریدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۱ ـ ۱۱۲)

(۲۰)

کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تناسخ کے قائل تھے :

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱

چونکہ مختار مدعیہ نے بحث میں یہ کہا ہے کہ گواہان مدعیہ میں سے کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تناسخ کا الزام نہیں لگایا۔ اس لیے جب وہ گواہ ۲ کے قول کو جو انہوں نے تریاق القلوب کے

حوالہ کے بارہ میں کہا تھا۔ رد کرتے ہیں تو پھر مجھے بھی اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

(۲۱)

کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا ہے

گواہان و مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک یہ الزام قائم کیا ہے کہ آپ نے صاحب شریعت جدیدہ نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ جو باتفاق فریقین کفر ہے۔ سوان حوالوں کے جوابات لکھنے سے پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض عبارات پیش کرتا ہوں۔ جن سے صاف طور پر ثابت ہے۔ کہ آپ قرآن شریف کے بعد کسی اور شریعت کا نزول جائز قرار نہیں دیتے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱) "بل الحديث يدل على النبوة التامة الحاملة لوحي شريعة قد انقطعت"
بلکہ حدیث اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ نبوت تامہ جو وحی شریعت کی حامل ہو وہ منقطع ہو چکی ہے۔

(توضیح مرام صـ۱۹)

(۲) اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی اور ایک شوشہ یا نقطہ اس کی شرائع یا حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے۔ اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا۔ جو احکام فرقانی کے ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کو تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔

(ازالہ اوہام صـ۵۸، ۵۹ م)

(۳) قرآن مجید کا ایک شوشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا:۔

(نشان آسمانی صـ۳ طبع دوم)

(۴) جو شخص قرآن مجید اور شریعت غرا کے احکام کو ترک کر کے نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کافر اور کذاب ہے۔

(انجام آتھم حاشیہ صـ۱)

(۵) قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی۔ مگر وحی ختم نہیں ہوئی۔

(کشتی نوح حاشیہ صـ۲۲)

(۶) یاد رہے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے۔ اور بعد اس کے قیامت

تک ان معنوں سے کوئی نبی نہیں ہے۔ جو صاحب شریعت ہو یا بلاواسطہ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی پا سکتا ہو بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے۔

(ریویو بر مباحثہ چکڑالوی و بٹالوی صے ۶)

(۷) یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھادے۔ یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے۔ یا اس کی پیروی معطل کرے۔ بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔ (الوصیت صے ۱۲ حاشیہ)

(۸) خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے۔ اور محمدی شریعت کے خلاف چلتا ہے۔ اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔

(چشمہ معرفت صے ۳۲۴ تا ۳۲۵)

(۹) اور کسی کو مجال نہیں کہ وہ ایک نقطہ یا ایک شوشہ قرآن کریم کا منسوخ کر سکے۔

(اخبار عام ۶ رمئی ۱۹۰۸ء بحوالہ حقیقت النبوۃ صے ۲۷۱)

(۱۰) نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لیے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرے۔ اور تجدید دین کے لیے مامور ہو۔ یہ نہیں کہ وہ کوئی دوسری شریعت لاوے۔ کیونکہ شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔

(تجلیات الٰہیہ صے ۹ حاشیہ)

(۱۱) میری مراد نبی سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صے ۶۸)

(۱۲) ہم نبی ہیں۔ ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں۔ جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے۔ اور نئی کتاب لائے۔ ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔ (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء بحوالہ حقیقۃ النبوۃ صے ۲۷۲)

(۱۳) یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء اور متابعت سے باہر ہوں۔ یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ

میں لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔

[اس حوالہ میں ہر ایک کتاب کا لفظ قابل غور ہے۔] (اخبار عام ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء بحوالہ حقیقۃ النبوت صـ ۲۷۰)

(۱۴) میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں ہوں اور نہ ہی میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول و مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لیے اس کا نام پاکر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔

(ایک غلطی کا ازالہ بحوالہ حقیقۃ النبوت صـ ۲۶۴)

اب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے مذکورہ بالا اقوال سے جو ابتداء دعویٰ سے آخر تک کے ہیں چنانچہ اخبار عام کا حوالہ تو آپ کی وفات سے تین دن پہلے کا ہے۔ ان سب سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ آپ صاحب شریعت جدیدہ نبی ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو غیر شرعی نبی تحریر فرماتے رہے ہیں۔ اب جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان توضیحات کے بعد آپ کی کسی عبارت سے صاحب شریعت جدیدہ ہونے کا دعوےٰ آپ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ تو وہ غلطی ہے۔ اور مولّف کے خود انہی توضیحات کے مخالف مفہوم نکالنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اور گواہ مدعیہ ۲ جرح کے جواب میں اس بات کو تسلیم کر چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنی کسی خاص کتاب کو شریعت قرار نہیں دیا ہے۔

اور نہ ہی مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں یہ کہا ہے کہ میری وحی وحی شریعت ہے لیکن اربعین کی عبارت سے ایسا ثابت ہوتا ہے۔"

لیکن مذکورہ بالا تمام تصریحات ایسی ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے اربعین یا آپ کی کسی عبارت سے ان عبارتوں کے خلاف مفہوم لینا عقل و انصاف کے خلاف نہیں بلکہ خود مدعیہ کے گواہان کی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ ۲ نے ۱۴ راگست کو مکرر بیان میں کہا ہے کہ "اگر مصنف کے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال مذکور ہوں اور ان میں ایک قول مبہم ہے۔ تو اس مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔ اور ۱۴ راگست کو گواہ ۲ نے بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ متکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرح کلام پر حمل کیا جائے گا۔"

پس گواہوں کے اقرار کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود کے جن اقوال سے گواہوں نے آپ کے صاحب شریعت جدیدہ ہونے کا دعویٰ ثابت کرنا چاہا ہے۔ ان اقوال کی وہ تشریح کی جانی چاہیئے جو حضرت مسیح موعود کے مفصل اور واضح اقوال کے مطابق ہے اور وہ اقوال کہ جن میں سے کچھ اوپر درج کیے جا چکے ہیں۔ اس امر کو بالصراحت ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو صاحب شریعت جدیدہ اور مستقل نبی ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔

جن اقوال سے گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ صاحب شریعت ہونے کا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا جواب ملاحظہ ہو بیان (مطبوعہ صـ۸۸ تا ۹۰) گواہ مدعا علیہ نمبر ۱

اور چوتھے حوالہ کے جواب میں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام وقت کی اطاعت اور اس کی تعلیم پر چلنا اس وقت کے لوگوں کے لیے نجات کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید جنہیں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے حجج الکرامہ صـ۱۴۷ میں مجدد صدی سیزدہم قرار دیا ہے۔ اور گواہان کے نزدیک بھی وہ ایک بہت بڑے پایہ کے عالم گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب منصب امامت میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ امام وقت کی اطاعت کیے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حدیث ،۔ " من لم یعرف امام زمنہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ" پیش کی ہے۔ یعنی جس نے اپنے زمانہ کے امام کی شناخت نہیں کیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

" از انجملہ توقف نجات اخروی بست بطاعت او یعنی چنانکہ اگر کسے با ہزار وجہ در معرفت الٰہیہ و تہذیب نفس جدوجہد تمام و سعی مالا کلام بجا آورد۔ اما وقتیکہ ایمان بالرسل ندارد ہرگز اخروی بدست نخواہد آورد و خلاص از غضب جبار و درکات نار نخواہد یافت ہم چنیں ہر چند عبادات شرعیہ و طاعت دینیہ بجا آورد و جدوجہد تمام در امتثال احکام اسلام بروے کار آرد۔ اما وقتیکہ در اطاعت امام وقت گردن او نتہد و اقرار بامامت او نکند ہرگز عبادات مذکور در آخرت کار آمدن نیست و از دار دگیر رب قدیر خلاص یافتنی نہ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ" وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ"

(منصب امامت صـ۶۳ ر ۶۴)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ میری اطاعت اور میری تعلیم کو ماننا جو عین قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ اور اس کو مدار نجات قرار دینا آپ کو صاحب شریعت جدیدہ نبی نہیں بناتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

اور لعنت ہے اس شخص پر جو آنحضرت کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے۔ مگر یہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے۔ نہ کوئی نئی نبوت اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے" (چشمہ معرفت صـ۳۲۵)

اور ازالہ اوہام جلد ۲ صـ۲۴۲ پر فرماتے ہیں:۔

" ہر ایک برکت جو اس عاجز پر بہ پیرایہ الہام وکشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اور ان کے توسط سے ہے۔

پس اس قسم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ قرآن مجید سکھایا ہے اور آپ کی وحی قرآن مجید کے موافق و مطابق اور شریعت اسلامیہ کی خادم ہے۔ پس آپ کا آپ کی وحی اور تعلیم اور بیعت کو مدار نجات قرار دینا اس لیے نہیں ہے کہ آپ کوئی نئی شریعت لائے ہیں۔ بلکہ قرآن شریف کی صحیح تعلیم کو پیش کر کے منوانا مراد ہے۔

آٹھواں حوالہ :-

ہمیں ان فتووں کو بھی مدنظر رکھا جانا چاہیئے۔ جو خود فرقہ مختلفہ کے علماء نے ایک دوسرے کے پیچھے نماز ناجائز قرار دینے کے لیے دیئے ہیں۔

چنانچہ دیوبندیوں کے واجب التعظیم بزرگ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اس سوال پر "کہ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں باوجودیکہ امام بدعقیدہ ہو پڑھے یا دوسری جگہ پڑھے" یہ جواب دیا۔ "کہ جس کے عقیدے درست ہوں اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیئے" (فتاوی رشیدیہ ص ۱۵۷)

اور اسی طرح الفتح المبین میں مولوی نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تمام معتقدین کے پیچھے نماز پڑھنے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے "کہ مذہب غیر مقلدین اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ تو اہل سنت کے نماز لامذہبوں کے پیچھے نہیں ہوتی اور بالکل غیر جائز اور نادرست ہے" ص ۵۸ ؎

اور لکھا ہے "اس فرقہ لا مذہب کو اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھنا اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور سبب فتنہ و فساد کے ان کو مساجد میں آنے نہ دینا بجا اور درست ہے۔ ص ۵۹ ؎

اس فتویٰ پر دو سو علماء کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔ جن میں مولوی رشید احمد گنگوہی بھی شامل ہے۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۵ ؎ پر ہے "کہ جب کہ شافعی المذہب متعصب کے پیچھے اقتداء جائز نہ ہوئی جیسا کہ فتویٰ عالمگیری و جامع الرموز میں مرقوم ہے۔" اما الاقتداء بشافعی فلا بأس بہ اذا لم یتعصب لم یبغض للحنفی"

"پس ان غیر مقلدین لا مذہب کے پیچھے بطریق اولیٰ جائز نہ ہوئی"

پس اگر ان لوگوں کے فتویٰ سے کہ خلاف فرقہ کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی حرام ہے۔ اور ان کی امامت میں اقتداء کرنا جائز نہیں۔ اس سے وہ صاحب شریعت نبی نہیں ہو جاتے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر حکم دینے پر آپ کا مدعی نبوت تشریعی کا نتیجہ نکالنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

بیانوں کے علاوہ مختار مدعیہ نے جرح میں آپ کو مدعی نبوت تشریعیہ ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود کی کتب سے چند حوالے پیش کئے ہیں :-

پہلا حوالہ :-

"گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" کا پیش کیا ہے۔ جو یہ ہے "دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا

ہوں وہ یہ ہے۔ کہ آپ سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔ مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔" انتی
عبارت مختار مدعیہ نے کوٹ کی ہے۔ جس سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ آپ نے شریعت اسلامیہ کے حکم کو
منسوخ کر دیا۔ حالانکہ اگر مختار مدعیہ اس کے ساتھ کی عبارت جو ان الفاظ کے آگے تھی مطالعہ کرتا تو بخوبی سمجھ
سکتا تھا۔ کہ یہ حکم آپ نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے حق میں یہ فرمایا
تھا۔ کہ مسیح جب آئے گا تو وہ دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔
اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا کا یہی ارادہ ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کو سوچو
جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ یضع الحرب یعنی مسیح جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔
پھر اس کتاب میں آپ نے اسلامی جہاد کی حقیقت بیان کی ہے۔ کہ اسلام میں جہاد یعنی تلوار سے دین
کی حمایت کے لیے لڑنا اسلام میں کن حالات میں جائز قرار دیا گیا تھا۔ پھر لکھا ہے۔ اس لیے اب مذہبی طور پر
تلوار اٹھانے والوں کا خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر نہیں۔ جو شخص آنکھیں رکھتا ہے۔ اور حدیثوں کو پڑھتا
اور قرآن کو دیکھتا ہے۔ وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریق جہاد جس پر اس زمانہ کے اکثر لوگ وحشی کاربند ہو رہے ہیں
یہ اسلامی جہاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ نفس امارہ کے جوشوں سے یا بہشت کی طمع خام سے ناجائز حرکات ہیں جو
مسلمانوں میں پھیل گئی ہیں۔" صـ۸

پس ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت مذہب کے لیے تلوار نہ اٹھانے کا حکم حضرت مسیح موعود
علیہ السلام نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ مسیح موعود
کا زمانہ ایسا ہو گا۔ کہ اس وقت شریعت اسلامیہ کی رو سے دین کے لیے تلوار سے جہاد کرنا ناجائز ہو گا۔
مولویوں کا بخاری کی حدیث کے مطابق عقیدہ ہے کہ جب مسیح آئے گا تو وہ قرآن مجید کے صریح حکم "حتی
یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون" کہ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کو لے کر ان سے جنگ کو ترک کیا جائے
کے خلاف جزیہ نہیں قبول کرے گا۔ اور جو مسلمان نہیں ہو گا۔ اس کو تلوار کے گھاٹ اتارے گا۔
اور اربعین ۴ صفحہ ۱۳ کے حاشیہ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی اسبات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔
کہ مسیح موعود کا زمانہ ایسا ہو گا کہ اس وقت موجبات جہاد مفقود ہوں گے۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے "کہ مسیح موعود
کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔
اور اعجاز احمدی صـ۲۳ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔
اور لکھا ہے "کہ گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی جائے اور جہاد کے خراب مسئلہ کے خیالوں کو دلوں سے مٹایا جائے
اور ایسے خونریز مہدی اور خونریز مسیح سے انکار کیا جائے۔"

یہ اس لیے لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے گورنمنٹ پر ایک میموریل کے ذریعہ یہ ظاہر کرنا چاہا کہ مسلمان ایسے مہدی اور ایسے عیسٰی کے منتظر نہیں ہیں جو عیسائیوں کے ساتھ لڑے گا اور یہ یقین دلانا چاہا کہ میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ کوئی ایسا مہدی نہیں آئے گا۔ جو خون ریزی سے قیامت برپا کر دے گا۔ اور نہ کوئی ایسا مسیح آئے گا جو آسمان سے اتر کر اس کا ہاتھ بٹائے گا۔ اور اس قسم کی یہ سب باتیں بے اصل ہیں۔

پس چونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ کے وقت جہاد کے متعلق وہی عقیدہ ظاہر کیا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ کہ اس لیے آپ نے اسے مخاطب کر کے لکھا ہے۔ کہ اگر واقعی تمہارا یہی عقیدہ ہے کہ تم نے میموریل کے ذریعہ ظاہر کیا ہے تو ان لوگوں کے دلوں سے جہاد کے مسئلہ کے خیال کو دور کیا جائے۔ اور اس طرح سے مولوی محمد حسین بٹالوی کا لوگوں پر اتفاق ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ لوگوں سے وہ یہ کہتا تھا کہ ایسے مہدی سے انکار کرنا کفر ہے۔ اور گورنمنٹ کو لکھا کہ ایسا کوئی مہدی نہیں آئے گا۔

اور اسی طرح حقیقۃ المہدی صـ۲۲ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ جہاد سیفی کا وقت گذر چکا ہے۔ اور اس وقت قلمی اور روحانی جہاد کی ضرورت ہے۔ اور اس طرح تحفہ گولڑویہ صـ۷۹ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے۔

"کہ اسی وقت تک جہاد تھا کہ جب اسلام پر مذہب کے لیے تلوار اٹھائی جاتی ہے۔ اب خود بخود ایسی ہوا چلی ہے جو ہر ایک فریق اس کارروائی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جو مذہب کے لیے خون کیا جائے"

اب جب کہ دیگر مذاہب کی طرف سے اسلام پر مذہب کے لیے تلوار نہیں اٹھائی جاتی۔ اس لیے شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ جائز نہیں ہے کہ دیگر مذاہب پر تلوار اٹھائی جائے اس لیے جہاد سیفی کا وقت نہیں ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب اقتراب الساعۃ مطبوعہ بنارس کے صفحہ ۔ میں فرماتے ہیں۔

جو لوگ اس علم سے ناواقف ہیں وہی فتاوی جہاد کا حق میں ہر فتنہ کے دیتے ہیں۔ ورنہ دنیا میں مدت سے صورت جہاد کی پائی نہیں جاتی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حکم جہاد کا اسلام میں نہیں ہے۔ یا تھا مگر اب منسوخ ہو گیا ہے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ کی لڑائی بھڑائی خواہ مسلمان و کافر میں ہو یا باہم مسلمانوں کے مشکل ہے کہ جہاد شرعی ٹھہر سکے۔ خلق کا یہ حال ہے۔ کہ جو لوگ اچھے کام رات دن کرتے ہیں جیسے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکواۃ۔ یا جو مال اپنے اوپر یا اپنے گھر پر صرف کر کے اٹھاتے ہیں۔ اس میں بھی تو ان کی نیت مطابق شرع کے نہیں ہوتی ہے۔ یا تو دکھانا۔ سنانا ناموری حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یا اسراف و تبذیر میں گرفتار ہوتے ہیں۔ پھر بھلا خدا کی راہ میں جان دینے کو بے مطلب دنیا کے آج کل کون نکل سکتا ہے۔ وہ دن گئے کہ لوگ دین کے پیچھے دنیا پر لات مارتے تھے۔ اب تو جو کام دین کے پردہ میں بھی ہوتا ہے۔ وہ بھی غالباً دنیا طلبی کے لیے ہی ہوتا ہے۔ پھر اس جدال و قتال کو کس طرح جہاد دین سمجھا جائے۔

اس کے بعد یہ بتانے کے لیے کہ شریعت اسلامیہ میں جہاد سیفی کب واجب ہوتا ہے۔ اور اس کی غرض کیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث اور اولیاء امت کے اقوال سے ثابت کرتا ہوں۔ قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاد تین اقسام پر مشتمل ہے۔ جہاد اکبر۔ جہاد کبیر۔ جہاد اصغر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلمۃ حق عند سلطان جائر الجہاد الاکبر (مشکوٰۃ) کہ ظالم اور جابر حاکم کے سامنے سچی بات کہنا جہاد اکبر ہے اور تفسیر روح البیان جلد ا صفحہ ۱۹۰ میں لکھا ہے۔ " قال علیہ السلام ان افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر وانما کانت افضل لان الجہاد بالحجۃ والبرھان جہاد اکبر بخلاف الجہاد بالسیف والسنان فانہ جہاد اصغر" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہادوں میں سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے اور یہ اس لیے افضل ہے کہ حجت اور برہان کا جہاد جہاد اکبر ہے۔ اور سیف و سنان کا جہاد جہاد اصغر ہے "

اور جب حضور غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو فرمایا " رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر" کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف واپس آئے اسی طرح ایک مرتبہ حضور کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میں اللہ کے راستہ میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں فرمایا کیا تیرے والدین ہیں۔ اس نے کہا، ہاں، قال فیھما فجاھد" یعنی آپ نے فرمایا کہ ان کے معاملہ میں جہاد کر تو آپ نے والدین کی خدمت کو بھی جہاد قرار دیا۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ولو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیرا" فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جہادا کبیرا " اس آیت میں جو مکی ہے۔ کافروں سے قرآن مجید کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس جہاد سے مراد وعظ و نصیحت ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی نے تصریح کی ہے "

پس قرآن مجید و احادیث رسول کریم نے لسانی، مالی جہاد اور اہواء نفسانیہ کی اماتت۔ اور اپنی تمام حرکات و سکنات کو شریعت کے مطابق کرنے کو جہاد کبیر اور جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ اور جہاد بالسیف کو جہاد اصغر کہا ہے جہاد کبیر اور جہاد اکبر ہر وقت اور ہر زمانہ میں جاری ہیں۔ لیکن جہاد اصغر کے لیے چند شرائط ہیں۔ جب وہ پائے جائیں۔ تو مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

جہاد بالسیف کب واجب ہوتا ہے!

جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت مہد پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور نے اور حضور کے جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت تک تلوار نہیں اٹھائی۔ جب تک کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کو اور

آپ کے جانباز صحابہ کو انواع واقسام کی ایذائیں پہنچا کر جنگ کے لیے مجبور کر دیا۔ اور جب تنگ آمد بجنگ آمد والی حالت پیدا ہوگئی تو آپ نے تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا۔ کیونکہ دشمن بعض صحابہ کو گرم پتھروں پر لٹاتے اور وہ سخت گرمی کی حالت میں شدت پیاس سے باہر زبان نکالتے اور نہایت عجز اور آہ وزاری سے پانی طلب کرتے مگر انہیں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا اور بعض کو نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا جاتا عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی۔ مسلمانوں کا باہر نکلنا دشوار ہوگیا۔ اور زمین ان پر تنگ کر دی گئی۔ تو اللہ تعالے نے جنگ کا حکم دیا۔ چنانچہ سب سے پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی یہ ہے "ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا ان اللہ لا یحب کل خوان کفور اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ" (الحج)

اس آیت کریمہ سے اِذن قتال کی مندرجہ ذیل وجوہات معلوم ہوتی ہیں:۔

(۱) جس جنگ کی صحابہ کو اجازت دی گئی تھی وہ دفاعی تھی۔

(۲) جن کو اجازت دی گئی وہ مظلوم تھے۔

(۳) انہیں مظلومی کی حالت میں ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا۔

اور ان پر یہ ظلم وستم صرف اس کہنے کی وجہ سے روا رکھا گیا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے یعنی محض اختلاف عقائد اور دین کی بناء پر انہیں قتل کیا گیا اور گھروں سے نکالا گیا ایک دوسری آیت وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ میں قتال کی غرض بیان کی گئی ہے۔ جو بخاری میں مذکور ہے۔ کہ ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا۔ اور کہا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ ایک سال تو حج کرتے ہیں۔ اور دوسرے سال عمرہ۔ اور جہاد فی سبیل اللہ تو آپ ترک کر کے بیٹھے ہیں حالانکہ اللہ تعالے نے جہاد کے لیے بار بار ترغیب دی ہے۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اے میرے بھائی کے بیٹے اسلام کی بناء پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اول اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ دوسرے پانچ نمازیں پڑھنا۔ تیسرے روزے رمضان شریف کے رکھنے۔ چوتھے زکوٰۃ دینا اور پانچویں بشرط استطاعت بیت اللہ کا حج کرنا (یعنی اس میں جہاد کا ذکر نہیں) تو اس شخص نے کہا کیا آپ آیت وان طائفتان من المومنین اقتتلوا۔ اور آیت وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ الخ نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا ہم اس غرض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پورا کر چکے ہیں۔ وکان الاسلام قلیلا فکان الرجل یفتن فی دینہ اما قتلوہ واما یعذبوہ حتی کثر الاسلام فلم تکن فتنۃ (بخاری) یعنی اس وقت مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے اور کفار۔ اسلام قبول کرنے والے ہر شخص کو فتنہ وفساد اور مصائب میں مبتلا کرتے تھے۔ یا تو اسے قتل کر دیتے۔ یا ہمیشہ تکلیف میں رکھتے یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور فتنہ باقی نہ رہا۔

پس آیت اور حضرت ابن عمر کے اس قول سے ظاہر ہے کہ جہاد بالسیف اس وقت واجب ہوتا ہے۔ جب دین

کے معاملہ میں جبر و اکراہ سے کام لیا جائے۔ اور جب کوئی مسلمان ہونا چاہے تو اُسے تلوار کے زور سے روکیں۔ اور اگر مسلمان ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے یا اُسے ہمیشہ عذاب اور تکلیف دیتے رہیں۔ اور ایک مقتدا تابعی حضرت عطاء ابن ابی رباح کا جو اپنے زمانہ میں مکہ شریف کے مفتی تھے۔ یہی فتویٰ ہے۔ یہ علم حدیث اور فقہ میں جابر بن عبداللہ انصاری اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر جیسے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے شاگرد رشید تھے۔

(۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا مذہب جہاد بالسیف کے بارہ میں

جہاد بالسیف کے فرض و واجب ہونے میں جو مذہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا تھا۔ وہی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا ہے چنانچہ آپ ایک پادری کے جواب میں فرماتے ہیں :-

اور اس نکتہ چین نے جو جہاد اسلام کا ذکر کیا ہے۔ اور گمان کرتا ہے۔ کہ قرآن بغیر لحاظ کسی شرط کے جہاد پر برانگیختہ کرتا ہے۔ سو اس سے بڑھ کر اور کوئی جھوٹ اور افتراء نہیں۔ اگر کوئی سوچنے والا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف یوں ہی لڑائی کے لیے حکم نہیں فرماتا۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ اور اس بات سے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں۔ اور اس کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں سے لڑنے کیلیے حکم فرماتا ہے۔ جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں سے اور وطنوں سے نکالتے ہیں۔ اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔ اولئك الذین غضب اللہ علیہم و وجب علی المومنین ان یحاربوھم ان لم ینتھوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں (نور الحق حصہ اول صـ۴۵)

موجودہ حالات میں واقعات بالا اور شرائط مذکورہ جہاد بالسیف کی نہیں پائی جاتیں لہٰذا حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن مجید کے عین منشا کے مطابق یہ فتویٰ دیا کہ اب دینی جنگ حرام ہے۔ آپ نے یہ فتویٰ حکم جہاد کی تنسیخ کے لیے نہیں دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ افتراء کیا جاتا ہے چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔

بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے۔ کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے اس لیے جہاد کی ممانعت کرتا ہے۔ یہ نادان نہیں جانتے۔ کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا۔ تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسیٰ بن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی طبعی موت سے بمقام سرینگر کشمیر مر گیا۔ اور نہ وہ خدا تھا۔ نہ خدا کا بیٹا کیا انگریز مذہبی جوش والے میرے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہوں گے۔ پس تو! اے نادانو!! میں اس گورنمنٹ کی

کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لیے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔" (کشتی نوح صـ ۶۸)

انبیاء و اقدسین کا طرز عمل

صحابہ رضی اللہ عنہم جب کفار مکہ سے بے پناہ شدائد سے تنگ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت بادشاہ حبشہ کے ملک میں چلے گئے جو ایک عیسائی بادشاہ تھا تو مہاجرین صحابہ اس حکومت اور بادشاہ کے قوانین کی پوری پوری اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے۔ کبھی سرکشی اور سول نافرمانی نہیں کی۔ بلکہ ان صحابہ کے قائد حضرت جعفر ابن ابیطالب نے برسر دربار بادشاہ کی تعریف کی کہ۔ ان قومنا بغوا علینا دارادوافتننا عن دیننا فخرجنا الی دیارك واخترناك علی من سواك ورغبنا فی جوارك ورجونا ان لا نظلم عندك ایھا الملك۔

(تاریخ الامم الاسلامیہ للخفری صـ ۱۰۸)

کہ ہم پر ہماری قوم نے چڑھائی کی اور ہمیں ہمارے دین سے پھسلا کر فتنہ میں ڈالنا چاہا تو ہم تیرے ملک میں چلے آئے۔ اور ہم نے دوسروں پر تجھے ترجیح دی اور تیرے قرب کو ہم نے پسند کیا اور اے بادشاہ ہمیں امید ہے کہ تیرے ہاں ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ غرضیکہ ہمارے مخالف صحابہ کے طرز عمل سے یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ انہوں کسی مذہبی آزادی دینے والی حکومت سے جنگ کی ہے۔

حضرت سید احمد صاحب رحؒ بریلوی اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کا مذہب

تیرھویں صدی کے مجدد سید احمدؒ بریلوی اور ان کے جان باز جاں نثار حواری مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید جنہوں نے اپنے زمانہ کے ظالم سکھوں سے مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ دینے پر جہاد کیا۔ اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے ان کا مذہب وہی ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا ہے۔ یہ دونوں بزرگ ہستیاں ہندوستان پنجاب میں نہایت عظمت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ سید اسمٰعیل شہیدؒ کو اخبار اہلحدیث میں خاتم الشہداء لکھا ہے۔ (اہلحدیث ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء) اور سید صاحب بریلوی کو نواب صدیق حسن خان صاحب نے حجج الکرامہ میں مجددین میں شمار کیا ہے۔ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری مولف سوانح احمدی صـ ۵۷ میں لکھتے ہیں۔

(۱) یہ سب صحیح روایت ہے کہ اثناء قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا۔ کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے۔ یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔ اس وقت

پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے۔

(۲) "صاحب مخزن لکھتا ہے کہ (سید صاحب) ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتال کا ارادہ کرتے رہتے تھے اور سرکار انگریزی کو کافر تھی۔ مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی کی بے رُو رعایائی اور بوجہ موجودگی ان حالات کے ہماری شریعت کے شرائط سرکار انگریزی کے جہاد کرنے کو مانع تھیں اس واسطے آپ کو منظور ہوا۔ کہ اقوام سکھ پنجاب پر جو نہایت ظالم اور احکامات شریعت کی حارج اور مانع تھے۔ جہاد کیا جائے۔

(سوانح احمدی صـ۴۵)

(۳) یہ بھی ایک صحیح روایت ہے کہ جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا۔ کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جاوے گا۔ کیونکہ سینکڑوں کوس سفر کر کے سکھوں کے ملک سے پار ہو کر افغانستان جانا اور وہاں برسوں رہ کر سکھوں سے لڑنا یہ ایک ایسا امر محال ہے۔ جس کو ہم لوگ نہیں کر سکتے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ بلکہ سکھوں سے بالکل جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادران اسلام پر ظلم کرتے ہیں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یہاں ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آجائیں گے۔ تو ہم کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے۔ مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت اسلامی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے اُس کو سزا دینے کو تیار رہیں ۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الہٰی اور احیاء سنن سید المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب۔ طرفین کا خون بلا سبب گرادیں۔ یہ جواب باصواب سنکر سائل خاموش ہوگیا۔ اور اصل غرض جہاد کی سمجھ لی"

(۴) اسی کتاب سوانح احمدی کے صـ۱۱۵ پر سید صاحب کا ایک خط درج کیا ہے جس میں مذکور ہے نہ باکسے از امراء مسلمین منازعت داریم نہ کسے از روساء مومنین مخالفت باکفار شام مقابلہ داریم نہ با مدعیان اسلام۔ صرف با دراز موئیاں (لمبے بال والے یعنی سکھ) بو یان مقابل ایم۔ نہ باکلمہ گویان و نہ اسلام جویان و نہ با سرکار انگریزی کہ او مسلمان رعایائے خود را برائے ادائے فرائض مذہبی شان آزادی بخشیدہ است"

(۵) اسی کتاب کے صـ۱۲۹ پر لکھا ہے۔

اس سوانح اور نیز مکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزادِ عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔

اب ایک طرف قرآن مجید و حدیث اور صلحائے امت اور مجددین ملت ہیں جو حضرت سید نامسیح موعود علیہ السلام کی مسئلہ جہاد میں تائید کرتے ہیں اور دوسری طرف گواہان اور مختاران مدعیہ ہیں جو علوم شرعیہ سے محض ناواقفیت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر تنسیخ جہاد کا الزام لگاتے ہیں۔ اس سے عدالت بخوبی معلوم کرسکتی ہے کہ کون سا فریق حق پر ہے۔

قرآن مجید سے امکان نبوت پر دلائل :۔

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔ مذکورہ دلائل میں سے دلیل ملا کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ آیت۔ "یا بنی آدم اما یاتینکم رسل" میں خطاب ان بنی آدم سے ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں تھے۔ اور اس کے لیے انہوں نے ابن جریر کے ایک روایت پیش کی ہے۔ اور ابن جریر کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود لکھا ہے کہ وہ رئیس المفسرین ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر آیت کا مفہوم اس کے سیاق و سباق سے خود بخود واضح ہو تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہ روایت کے پیچھے پڑیں۔ اور اگر کوئی روایت اس صریح مفہوم کے جو کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے۔ مخالف معنوم بیان کرتی ہو تو وہ روایت۔ بوجہ قرآن مجید کے صریح مفہوم کے مخالف ہونے کے ساقط عن الاعتبار ہوگی۔

چنانچہ آیت متنازعہ فیہ کے سیاق و سباق سے وہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کیونکہ اسی آیت سے پہلے بھی بنی آدم کے ساتھ خطاب موجود ہے۔ جو یہ ہے۔ "یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لایحب المسرفین" اس آیت میں یا بنی آدم کے ساتھ جو خطاب کیا گیا ہے تو وہ انہیں لوگوں کے لیے ہے۔ جو نزول قرآن مجید کے وقت موجود تھے۔ یا بعد میں آئیں گے۔ اور اس آیت کی تفسیر میں صحیح مسلم میں بھی آیا ہے۔ کہ مشرک مرد اور عورتیں بیت اللہ کا ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ اور اُسے موجب ثواب سمجھتے تھے۔ تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاردی۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد ..... الخ یعنی ننگے طواف نہیں کرنا چاہیے اور اس آیت کے شان نزول میں جو بھی روایات آئی ہیں۔ انہیں معنوں کی مؤید ہیں۔ اور اس سے بھی پہلی آیت یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطٰن کما اخرج ابویکم من الجنۃ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ موجودہ زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے اور سورت کا ابتدا تو بھی انہیں معنوں کی تائید کرتا ہے۔ اور حضرت آدم کا واقعہ بھی ضمنی طور پر درمیان میں آیا ہے۔ اور آیت متنازعہ فیہا کے بعد جو آیات ہیں۔ وہ بھی ہمارے معنوں کی تائید کرتی ہیں کیونکہ اس ضمن میں اللہ تعالےٰ نے رسولوں کے منکرین

مکذبین کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ قال ادخلوا فی امم۔ قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار۔
کہ مکذبین کو ان کی وفات کے بعد کہا جائے گا۔ کہ تم بھی آگ میں ان امتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ جو تم میں سے قبل جن اور انس سے گزر چکی ہیں۔

بس یہ آیت بھی بتا رہی ہے کہ آیت متنازعہ فیہا میں انہیں لوگوں سے خطاب ہے۔ جن سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں۔ اور وہ وہی لوگ ہیں۔ جو قرآن کریم کے نزول کے وقت موجود تھے یا ان کے بعد آنے والے تھے۔ اور یہی بات گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں بحوالہ اتقان امام جلال الدین سیوطی کی کتاب سے نقل کی تھی۔ جس کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ نے صریح غلط بیانی کی کہ گواہان مدعا علیہ نے اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی اور جو روایت مختار مدعیہ نے پیش کی ہے۔ وہ کوئی مرفوع متصل نہیں ہے اور اس کا نفس مضمون اس کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم اور اس کی ذریت کو اپنی ہتھیلی میں رکھا اور پھر ان کو اے بنی آدم سے خطاب کیا۔ اول تو اس میں آدم اور اس کی اولاد کا ہتھیلی میں رکھنے کا ذکر ہے۔ اور خطاب میں آدم کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ دوسرے قرآن مجید میں مطلقاً اسباب کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ کہ یہ قول جس کا حکایتاً عن الماضی ہے۔ ثالثاً اس روایت کے راوی بھی کوئی زیادہ ثقہ نہیں۔

چنانچہ عبدالرحمٰن بن زیاد کے متعلق ابن قطان نے کہا ہے۔ کہ بعض اس کو ثقہ کہتے ہیں۔ ولکن الحق فیہ انہ ضعیف یعنی اس کے متعلق سچی بات یہی ہے۔ کہ وہ ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال)

اور ایک راوی ہیاج ہے۔ جس کے متعلق یحییٰ بن معین نے کہا ہے۔ کہ وہ ضعیف ہے۔ اور مرہ نے کہا ہے کہ وہ کچھ چیز نہیں۔ اور پھر یہ روایت بھی صحابی سے نہیں بلکہ تابعی سے ہے۔ اور تابعین کے متعلق لکھا ہے۔

قال شعبۃ بن الحجاج وغیرہ اقوال التابعین فی الفروع لیست حجۃ فکیف تکون حجۃ فی التفسیر۔
کہ شعبہ وغیرہ نے کہا ہے کہ تابعین کے اقوال تو ضروریات دین میں بھی حجت نہیں تو وہ تفسیر میں کیسے حجت ہو سکتے ہیں۔
(ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۱ ص۵)

اور علاوہ ازیں تفسیروں میں جو روایات آئی ہیں ان کے متعلق بزرگان سلف نے کوئی اچھی رائے ظاہر نہیں کی چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

ھذہ التفاسیر التی اسندوھا الی ابن عباس غیر مرضیۃ۔ ورواتھا مجاھیل۔
(اتقان جلد ۲ ص۲۲۴ مصری)

یعنی یہ لمبی لمبی تفسیریں جن کو ابن عباس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ سب ناپسندیدہ ہیں۔ اور ان کے راوی مجہول ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں وقد جمع المتقدمون فی ذلک واوعوا الا ان کتبھم ومنقولاتھم تشتمل علی الغث والسمین والمقبول والمردود۔ (مقدمہ ابن خلدون ص۲۶۰ مصری)

یعنی متقدمین نے تفسیری باتیں جمع کی ہیں۔ اور ایک حد تک خوب احاطہ کیا۔ مگر ان کی کتب میں اور ان کی درج شدہ باتوں میں اعلیٰ اور ناقص مقبول و مردود سب قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ پھر صفحہ ۲۶۱ میں لکھا ہے: وقد امتلأت التفاسیر من المنقولات عندهم الی مثل ذالك یعنی متقدمین کی تفاسیر محض منقول باتوں سے بھر گئیں جو ان تک یہودیوں اور عیسائیوں سے پہنچی ہیں۔ اور وہ سب ایسی ہی خبریں ہیں۔ جو یہود و نصاریٰ کی روایات پر مشتمل ہیں اور وہ تفاسیر ایسی نہیں ہیں جو احکام سے متعلق ہوں کہ ان اقوال کی صحت کی جائے تا ان پر عمل واجب ہو اور ایسی صحت تلاش کرنے کے بارہ میں مفسرین نے بہت تساہل استعمال کیا ہے۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابن جریر کو رئیس المفسرین لکھنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو کچھ اس نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ بلکہ آپ نے اسے رئیس المفسرین علماء متقدمین کے قول کے مطابق لکھا ہے۔ چنانچہ فتح البیان جلد اول صفحہ ۱۲ میں بحوالہ اتقان مصنفہ امام جلال الدین سیوطی لکھا ہے کتابه اجل التفاسیر واعظمها یتعرض لتوجیه الاقوال وترجیح بعضها علی بعض والاعراب والاستنباط فهو یفوق بذالك علی تفاسیر المتقدمین۔ (فتح البیان جلد اول صفحہ ۱)

کہ ابن جریر کی کتاب تفسیر باقی تفسیروں کی نسبت جلیل اور عظیم الشان ہے کیونکہ وہ اقوال کی توجیہہ کرتا۔ اور بعض قولوں کو بعض پر ترجیح دیتا ہے۔ اور خود استنباط کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تفسیر متقدمین کی تفسیروں پر فوقیت رکھتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابن جریر کی جو روایات آئینہ کمالات اسلام میں لکھی ہیں وہ بطور استدلال نہیں لکھیں بلکہ پہلے قرآن مجید کی آیت سے ایک مضمون بیان کیا ہے اور تائیدی طور پر ان روایات کو فریق مخالف پر اپنا مدعا منوانے کے لیے ذکر کی ہیں۔ اور ایسا کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابن جریر نے اپنی تفسیروں میں جو روایات درج کی ہوں ان کو صحیح تسلیم کیا جائے مختار مدعیہ نے اس امر کے یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو یا بنی آدم کی بجائے یاایها الناس سے قرآن مجید میں خطاب کیا جاتا تھا اور یا بنی آدم سے جو یہاں خطاب کیا گیا ہے۔ تو اس کا امت محمدیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ آدم سے لے کر بعد کے تمام لوگوں کو خطاب ہے۔ اور اس آیت میں ذات آدم کو جو خطاب تھا اس کا حکم خاتم النبیین سے ختم ہو چکا تھا۔

سو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے۔ اور اتقان میں بھی امام جلال الدین سیوطی نے یہی لکھا ہے۔ لیکن مختار مدعیہ پر اس کو واضح کرنے کے لیے نامناسب نہ ہوگا۔ کہ اس کے مسلم مقتداء بانئ مدرسہ دیوبند کا قول بھی ذکر کر دیا جاوے۔ کہ یا بنی آدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

علی ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے آدمیوں کو خداوند کریم اس آیت میں یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان اور نیز اور آیت میں بنی آدم فرماتا ہے۔ حالانکہ حضرت کا ان میں سے کوئی بھی بیٹا نہ تھا

اگر تھے بھی تو کہیں اٹر سٹ کے پٹرنگ جاکر اولاد کی اولاد ہوتی ہے۔

(الدینۃ النفیسہ ص ۲۹۰)

جب یہ ثابت ہوگیا کہ آیت کے ماالحق و ماسبق کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے۔ تو مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس کا حکم آیت خاتم النبیین سے ختم ہو چکا غلط ہوگیا۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلعم کے بعد کسی قسم کے رسول کا آنا ممتنع اور محال تھا تو اس آیت کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ نیز نسخ احکام میں ہوا کرتا ہے نہ کہ اخبار میں۔ اور یہ بات کہ آئندہ رسول آئیں گے از قبیل اخبار ہے۔ نہ از قبیل احکام۔

اور امایا تینکم میں فرضی صورت دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے بلکہ امر واقع کا بیان ہے۔ ورنہ منکرین نبوت جمیع انبیاء تو یہ بھی کہدیں گے کہ امایا تینکم من ھدی بھی فرضی صورت پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ اس سے یہ نہیں نکلتا۔ کہ واقع میں بھی آئیں گے۔ جب خدا تعالٰے انسانوں کو مخاطب کرکے ایک خبر دیتا ہے۔ تو اس سے مراد فرضی صورت نہیں ہوا کرتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعیہ کو یہ وہم صرف اما سے پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ عربی زبان میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ مضارع مؤکد بنون تاکید پر لام کی بجائے اما بھی آجاتا ہے۔ اور وہ فرض کے لیے نہیں جیسے کہ خدا تعالٰے نے حضرت مریم کو فرمایا۔ فاما ترین من البشر احداً فقولی انی نذرت للرحمٰن صوما فلن اکلم الیوم انسیا اب ظاہر ہے کہ حضرت مریم سے خدا تعالٰی نے اما ترین کلام کی نفی تو اس کی مراد یہی تھی کہ تو انسان کو دیکھے تو ان سے کلام نہ کرنا۔ چنانچہ انہوں نے موقعہ پر انہیں جواب دینے کی بجائے اپنے بچے کی طرف اشارہ کردیا۔ تو اس نے ان سے کلام کی بس اسی طرح اس آیت میں بھی فرضی صورت میں کلام نہیں کیا گیا۔

دوسری آیت :- قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین۔

اس آیت سے گواہ مدعاعلیہ ۲ نے یہ استدلال کیا تھا کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم ؑ کی ذریت سے نبی بنانے کا اللہ تعالٰی نے وعدہ کیا ہے۔ اور امتناع نبوت کی وجہ ان کا ظالم ہونا بتائی ہے۔ کہ یہ وعدہ اس وقت تک پورا ہوتا رہے گا جب تک کہ وہ ظالم نہ ہوں۔

پس دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو یہ تسلیم کیا جاوے کہ تمام آل ابراہیم ؑ ظالم ہوگئی ہے۔ اور یا یہ مانا جائے کہ ان میں نبوت کا پایا جانا ممکن ہے۔

اس پر مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اول ذریت کا لفظ جسمانی نسل پر بولا جاتا ہے۔ روحانی پر نہیں دوم جسمانی طور پر مرزا صاحب ذریت ابراہیم سے نہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ذریت کا لفظ عربی زبان میں روحانی نسل پر بولا جاتا ہے۔ مختار مدعیہ پر حجت قائم

کرنے کے لیے میں یہاں پر لغت عرب کے حوالے چھوڑتا ہوا صرف اس کے مقتدا و مسلمہ عالم بانئ مدرسہ دیوبند کے قول پیش کردینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

ہو سکے ہے کہ ذریت سے مراد مرید اور متبع ہی مراد ہو چنانچہ عربیت کے محاورات میں اپنے زمرہ کے لوگوں کو آل اور ذریت کہہ دیا کرتے ہیں۔ (ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۳۰۴)

اس سے اعتراض کی پہلی جزء جس میں مختار مدعیہ کی تحدی پائی جاتی تھی کہ ذریت کا لفظ صرف جسمانی اولاد پر بولا جاتا ہے۔ غلط ثابت ہوئی۔ اور دوسری جزء تو بدیہی طور پر باطل ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں " واللہ جمع فیھم نسل اسحاق و اسماعیل من کمال الحکمۃ والمصلحۃ" استفتاء صفحہ کہ میرے باپ دادوں میں کمال حکمت اور مصلحت کی بنا پر اسحاق اور اسماعیل کی نسل جمع ہو گئی۔ پس آپ بلا ریب ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ کو بنی فارس مانا جائے تو بھی آپ حضرت اسحاق کی اولاد ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔ اور اگر مغل یعنی ترکی شہزاد سمجھا جائے تو بھی۔ کیونکہ ترک ابراہیمؑ کی لونڈی (بیوی) قطورہ کی اولاد سے ہیں۔ جیسے عرب حضرت ہاجرہ کی اولاد سے اور ترکوں کا قطورہ کی اولاد سے ہونے کا ذکر ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ (صفحہ ۵۶)

تیسری آیت :۔ اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا و من الناس ۔

کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل کے لیے یکساں طور پر استعمال نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ حقیقی طور پر دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے۔ تو وہ لفظ مشترک ہوا۔ اگر مشترک میں دونوں معنی مراد نہیں ہو سکتے۔ اس کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ مضارع کا حال اور استقبال دونوں کے لیے یکساں طور پر ہوتا جب تک کہ کوئی قرینہ کسی ایک میں سے اس کو مختص نہ کرے۔ ہر ایک شخص جو عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہے جانتا ہے۔

چنانچہ منجد میں لکھا ہے۔ المضارع صیغۃ الفعل التی تدل علی الحال او الاستقبال۔ کہ مضارع فعل کا ایک صیغہ ہے۔ جو حال یا استقبال پر دلالت کرتا ہے۔ اور خود گواہان مدعیہ میں سے گواہ ۱ نے جرح کے جواب میں تسلیم کیا ہے۔
" کہ مضارع کا صیغہ حال اور استقبال دونوں کے لیے آتا ہے "

اور کسی لفظ کا دونوں معنوں میں مشترک ہونا اس امر کو مستلزم نہیں ہے۔ کہ اگر کسی جگہ اس کے دونوں معنے لگ سکتے ہوں۔ تو صرف اشتراک کی وجہ سے نہ لیے جائیں۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ رایت عینہ اور اس سے مراد آنکھ اور چشمہ دونوں ہو سکتے ہوں تو دونوں مراد لیے جا سکتے ہیں جب تک کہ اسے کوئی خاص قرینہ ایک معنی میں معین نہ کر دے اور آیت میں یہ صیغہ خدا کے لیے استعمال ہوا۔ اس لیے بیان استمرار کے معنے ہی موزون ہو سکتے ہیں۔

چوتھی آیت :-

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔

کے متعلق مختار مدعیہ نے جرح میں ایام الصلح صفحہ ۱۶۳ کا حوالہ دیا تھا۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے اس آیت کے وہ معنی نہیں کئے جو گواہان مدعا علیہ نے کئے ہیں۔ ایام الصلح میں آپ آیت لکھ کر فرماتے ہیں۔

"اس جگہ مفسر قائل ہیں کہ صراط الذین انعمت علیھم کی ہدایت سے غرض تشبیہ بالانبیاء ہے جو اصل حقیقت کا اتباع ہے۔"

اس عبارت سے آپ نے ان لوگوں کو جواب دے دیا ہے۔ جو ایک مستقل نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے قائل تھے۔ اور مخالفین کے اس قول کا کہ مثیل نبی نبی ہوتا ہے جواب دیا ہے۔ اور مفسرین کے قول سے یہ ثابت کیا ہے کہ کسی کو نبیوں کے ساتھ تشبیہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نبی ہے۔ اور یہ معنی ان معانی سے جو گواہان مدعا علیہ نے کئے ہیں متضاد نہیں ہیں۔ کیونکہ ایام الصلح میں جس قسم کی نبوت کا انکار کیا گیا ہے۔ اس قسم کی نبوت گواہان مدعا علیہ اس آیت سے ثابت نہیں کرتے اور اس قسم کی نبوت اس آیت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود ثابت کی ہے۔ جیسا کہ کشتی نوح صفحہ ۴۷ میں فرماتے ہیں: کیا ضروری نہیں کہ اس امت میں بھی کوئی نبیوں اور رسولوں کے رنگ میں نظر آئے۔ جو بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کا وارث اور ان کا ظل ہو۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس امت میں اس زمانہ میں ہزار ہا یہودی صفت لوگ پیدا کرے اور ہزار ہا عیسائی مذہب میں داخل کرے مگر ایک شخص بھی ایسا نہ ظاہر کرے کہ جو انبیاء گذشتہ کا وارث اور ان کی نعمت پانے والا ہوتا۔ پیشگوئی جو آیت اھدنا الصراط المستقیم سے مستنبط ہوتی ہے۔ وہ ایسی ہی پوری ہو جائے جیسا کہ یہودی اور عیسائی ہو جانے کی پیشگوئی پوری ہو گئی۔"

مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر تیرا انعام ہوا یہ غلط ہے۔ حالانکہ اس پر آیت میں جو دعا ہے اس کا یہی مفہوم ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ ایک مومن یہ دعا نہیں کرتا کہ وہ انکار رسنہ ہی دیکھنے پر خوش ہو جائے اور اسے منعم علیہ گروہ میں داخل نہ کیا جائے۔ اگر وہ منعم علیہ گروہ میں داخل نہیں ہوگا تو یقیناً مغضوب علیھم یا ضالین میں سے ہوگا اور آیت من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین۔

پر مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ اس آیت میں معیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ نبی ہو جائیں گے بلکہ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ وہ ان کے ساتھ ہوں گے اور اپنی تائید میں ایک تو بخاری سے حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہ آیت مع الذین انعم اللہ علیھم پڑھی اور دوسری حدیث التاجر الصدوق الامین مع النبیین تاجر صدوق امین نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

ان دونوں روایتوں سے مختار مدعید نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اس آیت سے جو مفہوم گواہان مدعا علیہ نے نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں روایتیں اس مفہوم کے مخالف نہیں ہیں جو گواہان مدعا علیہ نے پیش کیا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت وفات کے وقت پڑھی تو اس پڑھنے سے کس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ کی مراد اس آیت سے یہ ہے کہ آپ نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوں ۔ اور نبیوں میں شامل نہ ہوں ۔ حالانکہ آنحضرت تو نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین تھے ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بے شک نبیوں ہی کے زمرہ میں ہوں گے کیونکہ آپ نبی تھے اور تاجر صدوق بھی ضرور انہیں لوگوں میں سے ہو گا ۔ جن پر خدا کا انعام ہوا ۔ تو وہ بھی اپنے مقام کے لحاظ سے ضرور ان چاروں گروہوں میں شامل ہو گا ۔

اس کے قطعاً یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر وہ نبی نہیں تو نبیوں کے ساتھ ہو گا ۔ اور اگر صدیق نہیں تو صدیقوں کے ساتھ ہو گا اور اگر یہ مراتب آخرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں تو پھر بھی کوئی عقلمند اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا ۔ کہ چاروں گروہ جنت میں ایک ہی مقام پر ہوں گے بلکہ ان کے مقامات اور مراتب کا مختلف ہونا ایک بدیہی امر ہے ۔ پس تاجر صدوق ان چاروں مراتب میں سے جس مرتبہ میں ہو گا وہ اس مرتبہ والوں میں شامل ہو گا ۔ اور اگر مع الذین انعم اللہ علیھم کے معنی بقول مختار مدعیہ یہ لئے جائیں کہ وہ ان کے ساتھ ہوں گے نہ یہ کہ ان میں سے ہوں گے تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جو خدا اور رسولوں کی اطاعت کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے انعام کیا لیکن وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے ۔ جن پر خدا کا انعام ہوا یعنی امت محمدیہ منعم علیہ گروہ کے ساتھ تو ہو گی لیکن منعم علیہ نہیں ہو گی ۔ نبیوں کے ساتھ ہوں گے لیکن نبی نہ ہوں گے ۔ شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے لیکن شہید اور صالح نہ ہوں گے ۔

اور اس مفہوم کو کوئی عقلمند انسان ماننے کے لیے تیار نہیں رہی یہ بات کہ صرف مع کے معنی ایسی معیت کے ہوتے ہیں کہ جن کے ساتھ کسی کو معیت حاصل ہے ۔ ویسا ہی ہو جائے اور اس کا بھی وہ مقام ہو جو دوسرے کا مقام ہے تو یہ معنی قرآن مجید سے بھی ثابت ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ مومنوں کو دعا سکھاتا ہے ۔ جس میں توفنا مع الابرار کے الفاظ موجود ہیں کہ اے خدا تو ہمیں نیکوں کے ساتھ وفات دے یہاں پر مع سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ جس دن نیک مریں اس دن ہمیں بھی مار ڈال بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں ایسی حالت میں وفات دے کہ ہم نیک ہوں ۔

اسی طرح ایک آیت میں اللہ تعالےٰ نے ابلیس کے متعلق فرمایا ہے ابیٰ ان یکون مع الساجدین (الحجر) اور دوسری آیت میں فرمایا لم یکن من الساجدین (اعراف) تو ایک آیت میں مع استعمال کیا اور دوسری میں من استعمال کیا جس سے ثابت ہوا کہ مع بمعنی من بھی استعمال ہوتا ہے ۔ اسی طرح امام فخر الدین رازی آیت فاکتبنا مع الشاہدین کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔ "عن ابن عباس اکتبنا مع الشاھدین ای اکتبنا فی زمرۃ الانبیاء لان کل نبی شاھد لقولہ قال اللہ تعالیٰ فلنسئلن الذین ارسل الیھم ونسئلن المرسلین وقد اجاب

الله تعالیٰ دعاءهم وجعلهم انبياء ورسله فاحيوا الموتى وصنعوا كل ماصنع عيسىٰ عليه السلام"

(۲)" انه تعالیٰ قال شهد الله انه لآ اله الاهو والملآئكة واولوا العلم فجعل اولوا العلم من الشاهدين وقرن ذكرهم بذكر نفسه وذالك درجة عظيمة ومرتبة عالية فقالوا فاكتبنا مع الشاهدين اى اجعلنا من تلك الفرقة الذين قرنت ذكرهم بذكرك"

(۳) فاكتبنا مع الشاهدين اى اجعلنا ممن يكون فى شهود جلالك حتى نصير مستحقرين لكل مايصل الينا من المشاق والمتاعب محنيئذٍ يسهل علينا الوفاء بما التزمناه من نصرة رسولك ونبيّك" تفسير كبير جلد ۲ صـ۶۸ -

ان مذکورہ بالا تینوں عبارتوں کا بالترتیب ترجمہ حسب ذیل ہے۔

(۱) ابن عباس نے اکتبنا مع الشاہدین کا جو ترجمہ کیا ہے کہ ہمیں انبیاء کے زمرہ میں لکھ لے کیونکہ ہر ایک نبی اپنی قوم پر شاہد ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ہم رسولوں سے بھی دریافت کریں گے اور ان سے بھی جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان کی اس دعا کو قبول کیا اور انہیں انبیاء اور رسل بنایا پھر انہوں نے مردے زندہ کیے اور انہوں نے وہ تمام باتیں کر دکھائیں جو حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے کی تھیں۔

(۲) اللہ تعالےٰ نے اور اس کے فرشتوں اور اہل علم نے اس بات کی گواہی دی کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں پس اہل علم کو بھی خدا نے گواہ ٹھہرایا ہے۔ اور ان کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے۔ اور یہ ایک بڑا درجہ اور اعلیٰ شان کا مرتبہ ہے۔ تو انہوں نے یہ دعا کی کہ ہمیں شاہدوں کے ساتھ لکھ لے یعنی ہمیں اس فرقہ میں سے کر دے جس کا ذکر تو نے اپنا ذکر کے ساتھ ملا کر کیا ہے۔

(۳) فاکتبنا مع الشاہدین یعنی ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو تیرے جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں تاکہ ہم تمام مشقتوں اور تکلیفوں کو جو ہمیں پہنچیں حقیر جانیں اور جو ہم نے تیرے رسول اور تیرے نبی کی نصرت کا عہد اپنے اوپر لیا ہے اسے سہولت کے ساتھ بجا لاسکیں"

اس طرح اللہ تعالےٰ ان صفات کا جن کا ایک مومن میں پایا جانا ضروری ہے۔ ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے فاولٰئک مع المومنین یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے تو اس آیت میں مع المومنین کے معنی یہی ہیں کہ وہ مومن ہوں گے۔

اور اسی طرح لسان العرب میں کونوا مع الصادقین کے معنی کونوا صادقین لکھے ہیں کہ تم صادق بنو۔

مختار مدعیہ نے اپنے خیال میں ایک بہت بڑا یہ اعتراض کیا ہے کہ اس طرح تو وہ متکلم سے کبھی بندہ بھی خدا ہو جائے گا کیا مختار مدعیہ خدا کی بندے سے معیت اور ایک انسان سے انسان کی معیت کو ایک ہی قسم کی جانتا ہے۔ خدا کی معیت تو انسان کی معیت سے بالکل علیحدہ چیز ہے۔ اس سے اسے انسانوں کی انسانوں سے معیت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پس آیت متنازعہ فیہا کے یہ معنی ہوئے کہ خدا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

کرنے والے بھی ان لوگوں میں سے ہوں گے۔ نیز خدا تعالےٰ کا انعام ہوا یعنی نبی۔ صدیق اور صالحین ہیں سے۔ یعنی جو جس مرتبہ کے لائق ہوگا اُسے خدا تعالےٰ وہ مرتبہ عطا کرے گا۔ اور آیت واذاخذنا میثاق النبیین ومنک ومن نوح اور اسی طرح وما کان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ اور ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء سے گواہ مدعا علیہ ۲ نے بقاء نبوت پر جو استدلال کیا ہے وہ اس کے بیان میں تفصیل سے

مذکور ہے۔ اور مختار مدعیہ نے اس پر جو سوالات کئے ان کا جواب بھی اس میں موجود ہے۔ البتہ آیت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم کے متعلق جو بحث مختار مدعیہ نے کی ہے۔ وہ قابل التفات ہے۔

گواہ مدعا علیہ نے یہ آیت خلافت جسمانی اور خلافت روحانی دونوں پر چسپاں کی ہے۔ لیکن مختار مدعیہ نے ۱۲ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم سے مراد صرف صحابہ ہیں خلافت فی الارض کے معنی نبی بنانے کے نہیں جن بنی اسرائیل کی خلافت ارضی کے ساتھ ان کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کے متعلق قرآن میں تصریح ہے کہ اس سے سرزمین بیت المقدس کی حکمرانی مراد ہے نبوت وغیرہ نہیں لہذا یہاں بھی حکمرانی مراد ہے۔ جو صحابہ کرام کی حکمرانی سے پوری ہو چکی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وعد اللہ الذین امنوا منکم سے صرف صحابہ کو مراد سمجھنا الفاظ قرآن کریم کی عمومیت کا بلا دلیل باطل کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو خطابات مومنوں سے کئے گئے ہیں ان سے صرف صحابہ ہی مقصود نہیں

بلکہ امتی لوگ بھی مراد ہیں چنانچہ یوصیکم اللہ فی اولادکم میں بھی یوصیکم اور اولادکم میں وہی خطاب موجود ہے اب اگر اسی خطاب کے مخاطب صرف صحابہ ہی لئے جائیں تو پھر دوسرے امتی اس حکم سے آزاد ہو جائیں گے۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب اس آیت کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ کہ متکلم اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مخاطب امتی (ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۵۵)

پس آیت مذکورہ بالا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے امتی مراد ہیں۔ اور یہ کہنا کہ یہ آیت صرف خلافت جسمانی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ خلافت روحانی سے نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ خلافت جسمانی یعنی بادشاہت تو ایسے لوگوں کو بھی مل جاتی ہے جو نیک اور مومن نہیں ہوتے پس محض خلافت جسمانی کو ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ مقید کرنا واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے۔

نیز اس کا جو نتیجہ دین کا مضبوط ہو جانا نکالا گیا ہے۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ آیت میں صرف خلافت جسمانی مراد نہیں ہے بلکہ خلافت روحانی بھی۔ اور دین کو تمکن کرنے والی درحقیقت خلافت روحانی ہوتی ہے نہ کہ خلافت جسمانی اگر مختار مدعیہ اس امر کی دلیل پہلے مفسرین سے چاہے تو تفسیر کبیر موجود ہے۔ امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ان الاستخلاف بالمعنی الذی ذکرتموہ حاصل بجمیع الخلق فالمذکور ھھنا فی معرض

ایضاً ۔ واما قولہ تعالیٰ کما استخلف الذین من قبلھم فالذین انشارة لا بد وان یکون مغایراً لہ کانوا قبلھم قد کانوا خلفاء تارة بسبب النبوة وتارة بسبب الامامة والخلافة حاصلة فی الصورتین"
تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۲۸ و ۴۲۹ یعنی جن معنوں میں استخلاف کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اور خلافت جسمانی مراد لی ہے تو یہ خلافت تو تمام مخلوقات کو حاصل ہے۔ پس جس خلافت کا یہاں بطور بشارت کے ذکر کیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اس کے مغایر ہو اور اللہ تعالیٰ کے قول میں جو پہلوں کے استخلاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو جو لوگ مسلمانوں سے پہلے تھے ان میں خلفاء کبھی نبوت کی وجہ سے اور کبھی امامت کی وجہ سے ہوئے تھے اور خلافت ان دونوں صورتوں میں حاصل ہوتی ہے۔" اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ جیسے پہلے خلافت روحانی و جسمانی تھی ویسے ہی اس امت میں بھی ہوگی پھر اس کی اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"واما قولہ کما استخلف الذین من قبلھم یعنی کما استخلف ھارون ویوشع وداؤد وسلیمان وتقدیر النظم یستخلفنھم کما استخلف الذین من قبلھم من ھؤلاء الانبیاء علیھم السلام۔"
یعنی خدا تعالیٰ کے قول کہ جیسے ان سے پہلے خلیفے بنانے سے مراد ہارون اور یوشع اور داؤد اور سلیمان وغیرہ خلیفے ہیں اور اس آیت کے معنی ہے کہ خدا ان کو ان پہلے نبیوں کے خلیفے بنانے کی طرح خلیفے بنائے گا۔" اور لکھتے ہیں "واما قولہ تعالیٰ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم وھو الاسلام۔
(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۲۸/۴۲۹) کہ ولیمکنن لھم کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔ یعنی اسلام کو ثابت اور مضبوط کرے گا اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ جو استدلال اس آیت سے گواہ مدعا علیہ ۱ نے خلافت روحانی اور جسمانی پر کیا ہے وہی صحیح ہے"۔

احادیث سے امکان نبوت کا ثبوت!

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱
مختار مدعیہ نے نواس بن سمعان کی حدیث پر جس میں آنے والے مسیح کو نبی اللہ کے لقب سے پکارا ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام صفحہ ۲۲۳ میں لکھا ہے "کہ اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے"۔

جواب:۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس قول سے قطعاً یہ منشاء نہیں ہے کہ نواس کی روایت موضوع ہے اور اس میں جو لفظ نبی اللہ کا وارد ہوا ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ دجال کے متعلق جو بعض باتیں جو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ

حدیثوں سے اختلاف رکھتی ہیں صرف ان کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ تو اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"اب حاصل کلام یہ ہے کہ وہ دمشقی حدیث جو امام مسلم نے پیش کی ہے خود مسلم کی دوسری حدیث سے ساقط الاعتبار ٹھیرتی ہے۔ اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ تو اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے۔ مگر انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا۔ تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث قطعی اور یقینی سمجھتے تھے اور نواس بن سمعان کی حدیث کو از قبیل استعارات و کنایات خیال کرتے تھے اور اس کی حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے تھے"

(ازالہ اوہام بار پنجم صـ۱۰۱)

اور اس امر کا ذکر کہ آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی متعدد کتب میں کیا ہے۔ اور مختار مدعیہ نے سراج منیر صـ۳ سے جو حوالہ پیش کیا ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ حدیثوں میں مسیح موعود کے لیے جو نبی کا لفظ آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔

وہ اس لحاظ سے ہے کہ حقیقی نبی سے آپ صاحب شریعت اور مستقل نبی مراد لیتے ہیں۔ اور اس کے مقابل میں آپ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود کو جو حدیثوں میں نبی کہا گیا ہے تو اس سے مراد حقیقی نبی نہیں ہے اور دوسری حدیث کہ ابو بکر میری امت میں سب سے افضل ہیں مگر یہ کہ کوئی نبی ہو یہ اتنی واضح حدیث تھی کہ اس پر مختار مدعیہ کو چاہیئے تھا کہ وہ خاموش رہتا مگر اس پر بھی اس نے کہہ دیا کہ اس جگہ الا ان یکون نبی سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔ جو حقیقی طور پر نبی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ایک تو نبی کا لفظ نکرہ واقع ہوا ہے۔ جس کو کسی خاص فرد کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح نہیں دوسرے اس حدیث کے الفاظ میں یہ امر صاف مذکور تھا کہ ابو بکر اس امت میں سب سے افضل ہے۔ مگر یہ کہ کوئی نبی ہو یعنی اگر امت میں سے کوئی نبی ہو تو وہ افضل ہوگا۔ کیونکہ اس میں حضرت ابو بکر کا مقابلہ پہلے انبیاء سے نہیں تھا۔ بلکہ اس سے ہے جو کہ اس امت میں سے آئے۔

پس اس حدیث سے ایک تو نبی کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ امتی ہوگا جس نے تمام کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجے میں حاصل کئے ہونگے۔

خلاصہ ملاحظہ ہو!

بیان مطبوعہ گواہ مدعا علیہ ملا صـ ۹۶ ، ۹۷

تیسری وجہ تکفیر کا رد

گواہان مدعیہ نے تیسری وجہ تکفیر یہ بیان کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے قیامت اور نفخ صور وغیرہ اور قیامت کے دن مردوں کے قبروں سے جی اٹھنے وغیرہ سے انکار کیا ہے۔

اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ما۔

نیز ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل حوالہ جات جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے صاف طور پر بعث بعد الموت اور روز قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کا صریح طور پر اقرار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) خدا تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔

"آمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والبعث بعد الموت واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ فاتقوا اللہ ولا تقولوا لست مسلما واتقوا الملک الذی الیہ ترجعون۔" (ازالہ اوہام ٹائیٹل پیج صـــ۲ـــ)

(۲) ونعتقد ان الجنۃ حق والنار حق وحشر الاجساد حق یعنی ہمارا اعتقاد ہے کہ جنت برحق ہے اور جہنم بھی برحق ہے حشر اجساد بھی برحق ہے آئینہ کمالات اسلام صـــ۳۸۷ـــ)

(۳) ہم وہ لوگ ہیں جن کا مقولہ ہے۔ لآ الہ الا اللہ محمد رسول اللہ امنا باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والجنۃ والنار والبعث بعد الموت یعنی ہم ایمان لاتے ہیں خدا تعالےٰ پر فرشتوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اس کی سب کتابوں پر اور جنت پر اور جہنم پر اور بعث بعد الموت پر

(انوار الاسلام صـــ۳۴ـــ)

(۴) "نؤمن بالملائکۃ ویوم البعث والجنۃ والنار" اور ہم فرشتوں اور یوم البعث اور دوزخ اور بہشت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (نور الحق حصہ اول صـــ۵ـــ)

(۵) ۔ یہ بات نہایت بدیہی اور عند العقل مسلم اور قرین قیاس ہے۔ کہ جیسا کہ انسان دنیا میں ازتکاب جرائم یا کسب خیرات اور اعمال صالحہ کے وقت صرف روح سے ہی کوئی کام نہیں کرتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتا ہے ایسا ہی جزا و سزا کا اثر بھی دونوں پر ہی ہونا چاہیئے یعنی جان اور جسم دونوں کو اپنی اپنی حالت کے مناسب پاداش اُخروی سے حصہ ملنا چاہیئے۔" (نور القرآن حصہ دوم صـــ۲۳ـــ)

(۶) پس ہم مسلمان لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ بہشت جو جسم و روح کے لیے دار الجزاء ہے۔ وہ ایک ادھورا اور ناقص دار الجزاء نہیں۔ بلکہ اس میں جسم اور جان دونوں کو اپنی اپنی حالت کے موافق جزاء ملے گی جیسا کہ جہنم میں اپنی حالت کے موافق دونوں کو سزا دی جائے گی۔" (نور القرآن حصہ دوم صہ ۳۱)

(۷) قیامت کو جو لوگ جہنم کا مزہ چکھینگے وہ کہیں گے و ما لنا لا نری رجالا کنا نعدھم من الاشرار ۲۳/۳۴ یعنی ہمیں کیا ہو گیا کہ دوزخ میں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم شریر سمجھتے تھے۔ (لیکچر سیالکوٹ صہ ۲۱)

(۸) اور یوم آخر قرآن شریف کی رو سے یہ ہے۔ جس میں مردے بھی اٹھیں گے اور پھر ایک فریق بہشت میں داخل کیا جائے گا جو جسمانی اور روحانی نعمت کی جگہ ہے۔ اور ایک فریق دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ جو روحانی اور جسمانی عذاب کی جگہ ہے۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۱۴۱)

(۹) ایسا عقیدہ جو مومنین مطہرین بلا توقف بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں یہ میری طرف سے نہیں بلکہ یہی عقیدہ ہے۔ جس کی قرآن شریف نے تعلیم دی ہے۔ اور دوسری تعلیم جو قرآن شریف میں ہے جو حشر اجساد ہو گا۔ اور مردے زندہ ہوں گے وہ بھی حق ہے۔ اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہ بہشت میں داخل ہونا (یعنی فوت ہوتے ہی داخل ہونا) صرف اجمالی رنگ میں ہے۔ اور اس صورت میں جو مومنوں کو مرنے کے بعد بلا توقف اجسام دیئے جاتے ہیں وہ اجسام ابھی ناقص ہیں مگر حشر اجساد کا دن تجلی اعظم کا دن ہے اس دن کامل اجسام ملیں گے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ ۲۶ حاشیہ)

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ نے جو بحث کی ہے۔ وہ قطعاً قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد جگہ اپنی کتب میں ان سب عقائد کا بیان فرمایا ہے۔ اور جو آیات اور احادیث ان مسائل کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ ملحدین کے اعتراضات کو ملحوظ رکھ کر ان سب میں تطبیق فرمائی ہے۔ تو یہ تقریر کو جو ازالہ اوہام میں بیان ہوئی ہے۔ تو وہ ان مختلف حدیثوں اور آیات کی تطبیق میں ہے۔

مختار مدعیہ نے بارہ ۱۲ اکتوبر کی بحث میں کچھ آیات سنائی تھیں جن سے بزعم خود اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور نفخ صور ہو گا۔ مگر مرزا صاحب کے نزدیک جب جنتی جنت میں رہیں گے۔ اور دوزخی دوزخ میں تو قبروں میں کون ہے جو نکلے گا۔ اور نفخ صور اس کو جمع کرے گا۔ سو اس سوال کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے اوپر گزر چکا ہے۔ میں مختار مدعیہ سے اگر وہ بھی ظاہری قبور مراد کہتا ہے۔ تو وہ قوم جو مردوں کو جلاتی ہیں۔ یا جو سمندروں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ یا جنہیں درندے کھا جاتے ہیں۔ وہ کن قبروں سے اٹھیں گے

اگر تمام لوگ قیامت کے روز تک اپنی قبروں میں ٹھہرے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی جنت اور دوزخ میں داخل نہیں ہوتا۔ تو ان آیات کا کیا مطلب ہے۔ اغرقوا فادخلوا نارا (نوح) کہ نوح کے مخالف غرق کیے گئے پھر انہیں آگ میں داخل کر دیا اور اسی طرح فرماتا ہے۔ النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا و یوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب کہ فرعونی صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہوا اس دن ہم حکم کریں گے کہ فرعون کو اشد العذاب میں ڈالو اور آیت یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جو نفس خدا کی طرف سے تسلی پا گیا ہوا سے دیگر بندگان الٰہی کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور اسی طرح ایک مومن کو بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قیل ادخل الجنة قال یالیت قومی یعلمون اسے کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا اور اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اور اس کے علاوہ بھی جہنم کو دیکھا تو اس میں اکثر عورتیں تھیں اور جنت کو دیکھا تو اس میں اکثر ضعفاء تھے اور شہداء کے متعلق تو قرآن مجید میں وارد ہے کہ انہیں مردے مت کہو بل احیاء عند ربھم یرزقون بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور وہ رزق پاتے ہیں۔

اور امام ابن حزم فرماتے ہیں۔ ھکذا نص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان ارواح الشھداء فی الجنة وکذالك الانبیاء بلاشك۔

(کتاب الفصل جلد ۳ صفحہ ۱۳۴)

یعنی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نص کے طور پر بیان کیا ہے۔ کہ شہداء کی ارواح جنت میں ہیں اور اسی طرح انبیاء کی ارواح بھی بلاشک جنت میں ہیں پس اگر کوئی شخص مرنے کے بعد جنت اور دوزخ میں داخل نہیں ہوتا۔ تو مختار مدعیہ ان آیات اور اپنے اس عقیدہ میں کہ مردے قبروں سے اٹھیں گے تطبیق کر کے دکھائے اور یہ بھی یاد رہے کہ جن قبور کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ وہ یہ قبریں نہیں ہیں بلکہ ان سے برزخی قبریں مراد ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثم اماتہ فاقبرہ یعنی پھر خدا تعالیٰ انسان کو مارتا ہے۔ اور پھر اس کے لیے قبر بناتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران (ترمذی) کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

پس مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب محض الفاظ ملتے ہیں۔ معنی کچھ نہیں۔ درحقیقت اس کے اپنے اوپر صادق آتا ہے۔ کیونکہ وہ ان آیات کے معنی پر غور نہیں کرتے۔ بلکہ بغیر کسی غور اور فکر کے مومنوں کی شان کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہم حشر اجساد اور بعث من فی القبور اور دیگر تمام امور اخروی پر ایمان لاتے ہیں اور نفخ صور کو بھی مانتے ہیں۔ مختار مدعیہ نے شہادۃ القرآن اور چشمہ معرفت کے چند حوالے پیش کر کے کہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نفخ صور کے منکر ہیں۔ حالانکہ شہادۃ القرآن میں ہی آپ نے آیت و نفخ فی الصور فصعق من فی السموٰت کے تحت میں لکھا ہے: یہ آیتیں ذوالوجوہ ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی (شہادۃ القرآن صفحہ ۲۵)

اسی طرح صفحہ ۶۲ پر بھی فرماتے ہیں کیونکہ نفخ صور صرف جسمانی احیاء اور اماتت تک محدود نہیں بلکہ روحانی احیاء اور اماتت بھی ہمیشہ نفخ صور کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے۔

دیکھو ان دونوں حوالوں میں جو شہادۃ القرآن میں ہی موجود ہیں کیا نفخ صور کا اقرار موجود نہیں ہے پھر یہ کہنا کس قدر خلاف واقعہ ہے کہ آپ نے نفخ صور سے انکار کیا ہے آپ نے آیت و نفخ فی الصور فجمعناھم جمعا کی آیت میں نفخ صور سے مراد مسیح موعود لی ہے۔ کیونکہ اس آیت کے سباق و سیاق سے ظاہر ہے۔ کہ یہ قیامت کا واقعہ نہیں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکا وکان وعد ربی حقا۔ وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض۔ ونفخ فی الصور فجمعناھم جمعا۔ (الجزو ۱۶)

یعنی جب وعدہ خدا تعالے کے نزدیک آجائے گا تو خدا تعالے اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دے گا جو یاجوج و ماجوج کی روک ہے۔ اور خدا تعالے کا وعدہ سچا ہے۔ اور ہم اس دن یعنی یاجوج و ماجوج کی سلطنت کے زمانے میں متفرق فرقوں کو مہلت دیں گے کہ تا ایک دوسرے میں موجزنی کریں۔ یعنی ہر ایک فرقہ اپنے مذہب و دین کو دوسرے پر غالب کرنا چاہے گا اور جس طرح ایک موج اس چیز کو اپنے نیچے دبانا چاہتی ہے جس کے اوپر پڑتی ہے اس طرح اقوام موج کی مانند بعض بعض پر پڑیں گی تا ان کو دبالیں اور کسی کی طرف سے کمی نہیں ہوگی۔ ہر یک فرقہ اپنے مذہب کو عروج دینے کے لیے کوشش کرے گا۔ اور وہ اپنی لڑائیوں میں ہوں گے کہ خدا تعالے کی طرف سے صور پھونکا جائے گا تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع کر دیں گے۔ صور پھونکنے سے اس جگہ یہ اشارہ ہے۔ کہ اس وقت عباد اللہ کے موافق خدا تعالیٰ کی طرف سے آسمانی تائیدوں کے ساتھ کوئی مصلح پیدا ہوگا اور اس کے دل میں زندگی کی روح پھونکی جائے گی اور وہ زندگی دوسروں میں سرایت کرے گی۔ شہادۃ القرآن صفحہ ۵، ۶ قرآن مجید کے (۹) مقامات پر نفخ صور کا ذکر آیا ہے۔

پس اگر ان میں سے کسی ایک مقام کی نسبت آپ یہ سمجھتے ہوں۔ کہ اس کے سیاق کے لحاظ سے وہ اس زمانہ کے لیے بطور پیش گوئی کے ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ آپ مطلقاً نفخ صور کا انکار کرتے ہیں چنانچہ دوسری آیت کے ماتحت جیسے کہ شہادۃ القرآن صفحہ ۲۵ کے حوالہ سے ذکر ہو چکا ہے۔ آپ قیامت کے وقت جو نفخ صور ہوگا اسے تسلیم کرتے ہیں۔

پھر مختار مدعیہ نے یہ فرض کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قیامت کا ہی انکار کر دیا تو پل صراط

وغیرہ کا بھی انکار کر دیا

حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت ہر ایک اس چیز کو مانتی ہے۔ جو قرآن مجید اور حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ پل صراط کے متعلق بھی فرماتے ہیں۔

"یہی صورت جسمانی طور پر عالم آخرت میں ہمیں نظر آجائے گی اور ہم آنکھوں سے دیکھیں گے کہ درحقیقت ایک صراط ہے۔ جو پل کی شکل پر دوزخ کے اوپر بچھایا گیا ہے۔ جس کے دائیں بائیں دوزخ ہے تب ہم مامور کیے جائیں گے کہ اس پر چلیں سو اگر ہم دنیا میں صراط مستقیم پر چلتے رہے ہیں اور دائیں بائیں نہیں چلے تو ہم کو اس صراط سے بھی خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ جہنم کی بھاپ ہم تک پہنچے گی اور نہ کوئی فزع اور خوف ہمارے دل پر طاری ہوگا بلکہ نور ایمان کی قوت سے چمکتی ہوئی برق کی طرح ہم اس سے گذر جائیں گے۔ لیکن جو شخص دنیا میں صراط مستقیم پر نہیں چل سکا وہ اس وقت بھی چل نہیں سکے گا۔ اور دوزخ میں گرے گا اور جہنم کی آگ کا ہیمہ بن جائے گا۔

(آئینہ کمالات اسلام ص۱۴۷ و ۱۴۸)

مختار مدعیہ نے جس رنگ سے تکفیر کی اس کو دیکھ کر بے اختیار حضرت مسیح کا مقولہ یاد آتا ہے کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے۔ لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا یہی مختار مدعیہ ہے جس نے مولوی احمد رضا خان کے فتاوی تکفیریہ کے رد میں کتابیں لکھی ہیں مولوی اسماعیل صاحب شہید کے متعلق مولوی احمد رضا خاں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "جو شہید مظلوم خاں صاحب کے نزدیک وہابی نہیں بلکہ ان کے باپ ہیں اور مقتدا و پیشوا اور ان سے خاں صاحب کے نزدیک ایک نہیں بلکہ متعدد و کیا بے شمار کفر سرزد ہوئے ہیں۔ جن کی بنا پر ان پر جزماً قطعاً یقیناً اجماعاً موجود کثیرہ کفر لازم"

(الکواکب الیمانی علی اولاد الزوانی ص۹۰)

لیکن اگر مختار مدعیہ اپنی عبارتوں کو بالمقابل رکھ کر اس عبارت کو پڑھتا تو اس کو معمولی سمجھ کر ذکر بھی نہ کرتا۔ مولوی احمد رضا خان کی مذکورہ بالا تحریر مختار مدعیہ کی تحریر کے مقابل میں کچھ چیز نہیں۔

چنانچہ مختار مدعیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کہتا ہے۔

حشر اجساد تقریباً سو آیات سے زیادہ میں مذکور ہے اور ایک آیت کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ لہذا کم از کم سو وجہ کفر و ارتداد مرزا صاحب کی ہوتی اور چونکہ بحث من فی القبور بھی ضروریات دین سے ہے اور قبروں سے اٹھنے والے کروڑوں کیا اربوں ہیں اور مرزا صاحب نے ہر ایک شخص کے قبر سے اٹھنے کا انکار کیا ہے۔ لہذا بے شمار وجہوں سے کافر اور مرتد ہوئے۔

اب بتاؤ مختار مدعیہ کی تحریر مولوی احمد رضا خان کی تحریر سے تکفیر میں بڑھی ہوئی ہے یا نہیں لیکن باوجود اس کے وہ اسے قابل اعتراض سمجھتا ہے!

چوتھی وجہ تکفیر

توہین انبیاء علیہم السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی نبی کی توہین نہیں کی

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ تکفیر کی یہ بیان کی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انبیاء کی توہین کی ہے اور جو انبیاء کی توہین کرے وہ کافر اور مرتد ہے اس کے جواب کے لیے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱؎

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کے اس اعتراض کا خود جواب دیتے ہیں :

"اور اگر یہ اعتراض ہے کہ نبی کی توہین کی ہے اور وہ کلمہ کفر ہے تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور ہم سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور تعظیم سے دیکھتے ہیں" (انوار الاسلام ص۱۲)

(۱)

مختاران مدعیہ نے انبیاء کی توہین ثابت کرنے کے لیے پہلا حوالہ یہ پیش کیا ہے اور یہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شعر ہے ؎

آنچہ داد است ہر نبی را جام | داد آں جام را مرا بتمام

سو اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱؎

اور مختار مدعیہ نے اس سے جو استدلال کیا ہے وہ قطعاً باطل ہے اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرفان کا جو جام اور انبیاء علیہم السلام کو پلایا ہے میرے سید و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے وہی جام مجھے بھی پلایا ہے۔ اس کا مطلب جیسا کہ مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے یہ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت اقدس کو تمام انبیاء کے عرفان سے معہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفان کے زیادہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ مختار مدعیہ کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اس قول سے کہ خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اپنے واحد ماننے کی جو توفیق عطا فرمائی ہے وہی توفیق مجھے بھی عطا فرمائی ہے یہ مطلب نکالے کہ اس قائل نے اپنی توفیق کو تمام انبیاء کی توفیق کی برابر بنا کر تمام انبیاء پر اپنی فوقیت جتائی ہے حالانکہ یہ مطلب لینا بالکل باطل ہوگا صحیح مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح ہر نبی خدا تعالیٰ کو واحد مانتا تھا اسی طرح میں بھی واحد مانتا ہوں نہ یہ کہ ان سب کا مجموعی طور پر واحد ماننا میرے واحد ماننے کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا

علیٰ ہٰذا القیاس حضرت اقدس کے شعر کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہر نبی کو جو جام عرفان دیا گیا ہے وہی جام لبالب مجھے بھی دیا گیا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے طفیل اپنا جام عرفان پلانے میں کسی سے کم نہیں رکھا بلکہ جو جام ان کو پلایا وہی مجھے بھی پلایا۔ جیساکہ اسی نظم میں آپ فرماتے ہیں کہ ؎

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے | من بعرفاں نہ کمترم ز کسے

اگر آپ کا مقصود وہ ہوتا جو مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے تو آپ یہ کیوں فرماتے کہ میں عرفان میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ اس صورت میں تو آپ یہ فرماتے کہ میں ان سے بہت بڑھا ہوا ہوں اور پھر یہ کیوں فرماتے کہ ؎

وارث مصطفیٰ شدم بیقیں | شدہ رنگیں برنگ یار حسیں

یعنی مجھے جو جام عرفان الٰہی پلایا گیا ہے اور جس میں مجھے کسی سے کم نہیں رکھا گیا ہے وہ اس لیے ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث اور حضور کے رنگ سے رنگیں کیا گیا ہوں اور اسی نظم میں یہ کیوں فرماتے ؎

لیک آئینہ ام ز رب غنی | از پئے صورت مہ مدنی

یعنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک کے لیے بطور آئینہ ہوں اور جس طرح آئینہ جس چیز کے سامنے ہو اس کی صورت اپنے اندر لے لیتا اور دوسروں پر ظاہر کرتا ہے اسی طرح میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک اپنے اندر لے لی ہے اور میں حضور ہی کی شکل مبارک دوسروں کو دکھلانے والا ہوں اگر شعر مذکور کا وہ مطلب ہوتا جو مختار مدعیہ نے ظاہر کیا ہے تو اس شعر کے آگے ہی یہ شعر کبھی نہ لکھے جاتے۔ اس مضمون کو جو جام مجھے پلایا گیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے طفیل پلایا گیا ہے حضرت اقدس نے جابجا تحریر فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اور وہ لوگ کہ جو قرآن شریف کا اتباع اختیار کرتے ہیں اور خدا کے رسول مقبول پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں اور اس کو تمام مخلوقات اور تمام نبیوں اور تمام رسولوں اور تمام ان چیزوں سے جو ظہور پذیر ہوئیں یا آئندہ ہوں بہتر اور پاک تر اور کامل تر اور افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں وہ بھی اب تک ان نعمتوں سے حصہ پاتے ہیں اور جو شربت موسیٰ اور مسیح علیہما السلام کو پلایا گیا وہی شربت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں اسرائیلی نور ان میں روشن ہے نبی یعقوب کے پیغمبروں کی ان سے برکتیں ہیں سبحان اللہ ثم سبحان اللہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے جس کے ناچیز خادم جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ امت جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں اللھم صل علیٰ نبیک وحبیبک سید الانبیاء وافضل الرسل وخیر المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم" (براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ ۱۱ ص۲۴۵ تا ص۲۴۷)

(۲)

دوسرا حوالہ توہین انبیاء کے متعلق یہ پیش کیا گیا ہے ؎

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے — من بعرفاں نہ کمترم ز کسے

اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ

اور اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ قول موجب توہین انبیاء ہو سکتا ہے تو شارح فصوص الحکم حضرت شیخ عبدالرزاق قاشانی جو مہدی موعود کو عرفان الٰہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق ظاہر کرتے ہیں بہت بڑے توہین انبیاء کرنے والے ٹھہریں گے کیونکہ وہ شرح فصوص الحکم مطبوعہ مصر صفحہ ۵۲، ۵۳ میں لکھتے ہیں:

"المهدی الذی یجیئ فی آخر الزمان فانه فی الاحکام الشرعیه تابعاً محمد صلی الله علیه وسلم و فی المعارف والعلوم والحقیقة تکون جمیع الانبیاء والاولیاء تابعین و لا ینافض ما ذکرنا لان باطنه باطن محمد صلی الله علیه وسلم"

یعنی وہ امام مہدی جو آخری زمانہ میں آئیں گے وہ احکام شرعیہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی تابع ہوں لیکن معارف علوم اور حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء ان کے تابع ہوں گے اور یہ بات ہمارے مذکورہ قول کے مناقض نہیں کیونکہ ان کا باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی باطن ہو گا۔

(۳)

تیسرا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے

زندہ شد ہر نبی بآمدنم — ہر رسولے نہاں بپیراہنم

اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نے

اور اس مضمون کا ایک شعر دیوبندیوں کے مسلمہ بزرگ شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے ؎

فقط ایک آپ کے دم سے نظر آتے تھے سب زندہ — بخاری و غزالی بصری و شبلی و شیبانی

(۴)

چوتھا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے ؎

تکدر ماء السابقین و عیننا — الی آخر الایام لا تتکدر (اعجاز احمدی)

اور اس کا یہ ترجمہ کر کے کہ نبیوں کے پانی خشک ہو گئے لیکن ہمارا چشمہ آخری دنوں تک کبھی خشک نہ ہو گا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں آپ نے تمام انبیاء حتیٰ کہ سید الانبیاء آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چشمہ کے بھی خشک ہو جانے اور صرف اپنے چشمے کے ہمیشہ جاری رہنے کا دعویٰ کر کے تمام انبیاء حتیٰ کہ حضور سید المرسلین پر بھی اپنی فضیلت ظاہر کی ہے۔ حالانکہ حضرت اقدس نے خود اس شعر کا جو ترجمہ فرمایا ہے وہ یہ ہے
"کہ دوسروں کے پانی جو امت میں سے تھے خشک ہو گئے مگر ہمارا چشمہ آخری دنوں تک کبھی خشک نہ ہوگا"

اس ترجمے سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نے سابقین کے لفظ سے اس امت کے لوگ مراد لیے ہیں نہ کہ تمام انبیاء اور قرآن مجید کے متعلق تو اسی کتاب اعجاز احمدی کے صفحہ ص۵۵ پر فرماتے ہیں۔

واللہ فی القران کل حقیقة　　　وآیاتہ مقطوعة لا تغیر

معین معین الخلد نور معینا　　　ھداہ غیر الماء لا یتکدر

اور بخدا قرآن شریف میں ہر ایک حقیقت ہے اور اس کی آیتیں قطعی ہیں جو بدلتی نہیں۔ وہ صاف پانی ہے بہشت کا پانی ہمارے خدا کا نور ہدایت اس کی صاف زلال ہے مکدر نہیں ہے۔

پس شعر اوّل کے ترجمہ کی موجودگی میں جو حضرت اقدس نے خود کیا ہے اور پھر ان دونوں شعروں اور ان کے ترجموں کی موجودگی میں مختار مدعیہ کا یہ نتیجہ نکالنا کہ شعر اول میں سابقین سے تمام انبیاء علیہم السلام مراد ہیں کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

حضرت سید عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں ؎

افلمت شموس الاولین وشمسنا　　　ابد العلی افق السماء لا تغرب

(مقامات امام ربانی ص۱۰۴)

اس شعر میں اولین کے سورج غروب ہو جانے اور اپنے سورج کے ہمیشہ درخشاں رہنے اور کبھی غروب نہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ تو کیا اس شعر کے لفظ اولین سے مختار مدعیہ تمام نبیوں کو معہ سیدنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراد لے کر یہ مطلب سمجھتا ہے کہ حضرت سید عبد القادر جیلانی نے تمام نبیوں حتیٰ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج کا بھی غروب ہو جانا ظاہر کر کے اپنے سورج کے ہمیشہ درخشاں رہنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس طرح آنجناب نے تمام انبیاء پر اپنی فضیلت ظاہر کی ہے۔ بلکہ اس شعر کا مطلب وہ ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات جلد ۳، ص۲۵۲ مکتوب ۱۲۳ میں فرمایا ہے۔

مراد از شمس آفتاب فیضان وارشادات واز افول آن عدم فیضان مذکورہ دچوں بوجود حضرت شیخ معاملہ کہ باولین متعلق داشت باز قرار گرفت داو واسطہ وصول رشد و ہدایت گردید چنانچہ پیش ازوی اولیں بودہ اند ونیز تا معاملہ توسط فیضان برپا است متوسل اوست ناچار راست آمد کہ افلمت شموس الاولین الخ یعنی شمس سے مراد آفتاب فیضان و ارشادات ہے اور اس کے غروب ہونے سے فیضان وارشادات مذکور کا مفقود ہونا اور جب اس معاملہ نے جو اولین سے

تعلق رکھتا تھا سیدی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے وجود پر قرار پکڑا اور آپ رشد و ہدایت کے رسول کا واسطہ ذریعہ ٹھہرے جیسا کہ آپ سے پیشتر اولین ہوئے ہیں۔ اور اب جب تک بھی کہ فیضان کے توسط کا معاملہ برپا ہے آپ ہی کے توسل سے ہی ناچار آپ کا افلت شموس الاولین الخ فرمانا راست آیا یعنی آپ سے پہلے اولیائے امت کے جو فیضان اپنے اپنے زمانوں میں جاری تھے وہ بند ہو گئے اور چشمہ فیضان حضرت شیخ بنا دیئے گئے۔ جو مطلب حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ کے شعر کا حضرت ربانی مجدد الف ثانی نے بیان فرمایا ہے وہی مطلب حضرت اقدس کے شعر کا ہے۔ جو معنی حضرت شیخ کے شعر میں لفظ اولین کے ہیں وہی معنی حضرت اقدس کے شعر میں سابقین کے مختار مدعیہ کو اختیار ہے جو چاہے وہ مطلب لے لے۔ مگر دونوں شعروں کا مطلب ایک ہی نہیں ہو گا۔ جو مراد ایک شعر میں لفظ اولین کی ہے وہی دوسرے شعر میں لفظ سابقین کی۔ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک جگہ تو تمام انبیاء معہ حضور سید الانبیاء کے مراد لیے جائیں اور دوسری جگہ صرف اولیائے امت اور مختار مدعیہ نے شعر سے اولیاء امت کی جو توہین نکالی ہے اس کا جواب بذیل عنوان اولیاء امت آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۵)

پانچواں حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے ؎

مقام او مبین از راہ تحقیر　　بدورانش رسولاں ناز کردند

اور کہا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ زمانہ بدترین زمانہ ہے اور خود گواہان مدعا علیہ نے بھی اسے بدترین زمانہ ہی کہا ہے

جواب۔ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے مولویوں کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ بدترین مخلوقات ہوں گے اور ضلالت اور گمراہی کا دور دورہ ہو گا لیکن ساتھ ہی آپ نے مسیح موعود کے آنے کی بشارت دی ہے اور اسکے اور اسکی جماعت کے ذریعہ اسلام کی جو تبلیغ اور اشاعت ہو گی اس پر خوشی کا اظہار فرمایا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ باوجود یہ کہ مولوی اور دوسرے مخالفین اسلام اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوں گے اور تمام منصوبے اس کی ہلاکت کے کریں گے اور اس کی جماعت کا استیصال کرنے کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے مگر خدا تعالیٰ کی نصرت اس کے اور اس کی جماعت کی شامل حال ہو گی۔ اور وہ روز افزوں ترقی کرتی جائیں گی یہاں تک کہ وہ زمانہ آ جائے گا کہ تمام دنیا میں اسلام کا سورج چمکے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و ستائش سے زمین معمور ہو جائے گی جیسا کہ منصب امامت کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"انی لارجوان طال بی عمر ان القی عیسیٰ بن مریم فان عجل بی موت فمن لقیہ منکم فلیقرأہ منی السلام اخرجہ مسلم واحمد باسنادین رجالھما رجال الصحیحین" (حجج الکرامہ ص ۴۲۹)

یعنی میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ اگر میری عمر لمبی ہو جائے تو میں عیسیٰ ابن مریم سے ملوں پس اگر میں پہلے وفات پا گیا تو جو تم میں سے اسے ملے تو اسے میری طرف سے سلام کہے۔ اور اس جگہ عیسیٰ ابن مریم سے حضرت عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی نبی مراد نہیں بلکہ محمدی عیسیٰ ابن مریم یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی نبی

سے نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں مل چکے تھے پھر آپ فرماتے ہیں کہ دجال کے فتنہ سے تمام انبیاء اپنی قوموں کو ڈراتے آئے ہیں اور اس کے فتنہ سے بڑھ کر نہ کبھی فتنہ ہوا اور نہ ہوگا (مشکوٰۃ)

پس جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء نے دجال کے فتنہ ہائلہ سے ڈرایا ویسا ہی انہیں اس شخص کا بھی علم دیا گیا ہوگا جو اس کے فتنہ کو دور کرے گا اور وہ فریقین کے نزدیک مسیح موعود ہے جو ہمارے نزدیک حضرت مرزا صاحب کے آنے سے پورا ہو چکا۔ چنانچہ دلائل النبوۃ جلد ا صفحہ ۱۴ میں ابوہریرہ سے ایک روایت آئی ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے میرے رب میں الواح میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جن کو علم اول و علم آخر دیا جائے گا اور وہ قرون ضلالت مسیح دجال سے مقابلہ کریں گے پس تو اس کو میری امت بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ احمد کی امت ہے نیز ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۱۳۰

اور مولانا عبد الرحمٰن جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ "شیخ ابو الحسن شاذلی قدس اللہ تعالیٰ روحہ کہ قطب زمان خود بود از واقعہ کہ دید چنیں خبر دادہ است کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم با موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام مفاخرت و مباہات کردہ است بغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ" (نفحات الانس معہ سلسلۃ الذہب مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۲۹)

پس جب امام صاحب غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے وجود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفاخرت اور مباہات کا اظہار کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی اپنے لائق بیٹے کے اچھے کاموں پر ناز کرے پس جیسے کہ ایک باپ کا اپنے بیٹے کے کاموں پر ناز کرنا بیٹے کی عزت افزائی کا موجب ہے نہ کہ باپ کی ہتک کا ویسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے روحانی بیٹے مسیح موعود کے خدمات اور کاموں کے حال معلوم کر کے اس کے وقت پر ناز کرنا اس کو عزت بخشتا ہے نہ کہ نعوذ باللہ حضور کی ہتک اور دوسرے انبیاء اس زمانہ کے مولویوں کی طرح حاسد نہیں ہیں کہ وہ کسی کے کمال کو دیکھ نہ سکیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کامل فرزند روحانی پر ناز کرنے کو دیکھ کر اور انبیاء کا بھی ناز کرنا ایک لازمی امر تھا۔ اور ناز کرنا موجب توہین نہیں ہوتا ایک بیٹا اپنے باپ اور باپ اپنے بیٹے پر اور بڑا بھائی چھوٹے بھائی پر بھی ناز کر سکتا ہے اور ناز کرنے کو موجب توہین قرار دینا درست نہیں ہے

(۶)

چھٹا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ ؎

روضہ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک ——— میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

اس شعر سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ نے تمام انبیاء کی توہین کی ہے اور اپنی طرف وہ بات منسوب کی ہے جو کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی حالانکہ اس شعر سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ مقصد نہیں کہ اپنی فضیلت تمام انبیاء پر ظاہر کریں بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ شخص جس کا آخر زمانہ میں آنا مقدر تھا اور جس کی آمد پر تکمیل اشاعت موقوف تھی وہ میں ہوں اور میرے آنے سے وہ بات پوری ہوئی کہ روضہ آدم جس سے مراد نسل انسانی ہے کی ہدایت کے لیے

جو آخری ہدایت اور آخری شریعت نازل ہوئی تھی اس سے فیض یاب ہونے کا وقت اب آگیا ہے اور اب آپ اور آپ کی جماعت کے ذریعہ دنیا کی تمام اقوام کو وہ ہدایت پہنچی ہے اور پہنچتی رہے گی یہاں تک کہ تمام دنیا کی قومیں دین اسلام کو قبول کرلیں اور جیسا کہ انسان حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ایک قوم تھے اسی طرح آخری زمانہ میں بھی ایک قوم کی صورت میں ہو جائیں چنانچہ اسی نظم میں جس کے شعر کے مطلب پر یہ کلام ہو رہا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے

ملت احمد کے مالک نے جو ڈالی تھی بنا — آج پوری ہو رہی ہے اے عزیزان دیار

گلشن احمد بنا ہے مسکن باد صبا — جس کی تحریکوں سے سنتا ہے بشر گفتار یار

اور اس مضمون کو آپ نے چشمہ معرفت صـ۸۲ میں یوں فرمایا ہے

"اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس خدا نے نہ چاہا کہ وحدۃ اقوامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی یعنی شبہ گذرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانے میں انجام کو پہنچ گیا۔ اس لیے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لیے اس امت میں سے ایک نائب مقرر کیا۔ جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اس کا نام خاتم الخلفاء ہے پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر پر مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا ہو ے کیونکہ وحدۃ اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوۃ کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے۔ اس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ صـ۸۲،۸۳"

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے تکمیل ہدایت ہوئی لیکن تکمیل اشاعت کا زمانہ وہ نہیں تھا کیونکہ اشاعت کے اسباب اس وقت پیدا نہیں کیے گئے تھے اور تکمیل اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مقررہ تھا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی کے ذریعہ سے ہو۔ علماء متقدمین اس امر کے قائل ہیں چنانچہ مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید اپنی کتاب منصب امامت صـ۵۶ میں لکھتے ہیں :

"قال اللہ تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و ظاہر است کہ ابتداء ظہور دین در زمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بوقوع آمدہ و اتمام آن از دست حضرت مہدی واقع خواہد گردید"

پھر فرماتے ہیں :

"قال اللہ تعالیٰ قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ وظاہر است کہ تبلیغ رسالت بنسبت جمیع ناس از آں جناب متحقق نگشتہ بلکہ امر دعوت از آنجناب شروع گردیدہ بود فیوما بواسطہ خلفاء راشدین وائمہ مہدیین ادبیشتر ابدکشید تا از آنکہ بواسطہ امام مہدی خواہد رسید" صـ۵۷ منصب امامت۔

اور اسی مضمون کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شعر مذکورہ بالا میں اشارہ فرمایا ہے

(۷)

ساتواں حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے ؎

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا — منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

حالانکہ اس شعر کا کسی نبی کی توہین سے کچھ بھی تعلق نہیں اس میں آپ نے اپنا مقام بیان فرمایا ہے کہ میں مسیح بھی ہوں اور کلیم خدا بھی کہ خدا تعالیٰ مجھ سے کلام کرتا ہے اور بروزی طور پر محمد و احمد بھی ہوں اور جیسا کہ اپنے دوسرے مقامات پر تشریح فرمائی کہ محمد و احمد کا نام بروزی طور پر مجھے عطا کیا گیا ہے اس لیے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم اور آپ کا قائم مقام ہوں چنانچہ اس قصیدہ میں آپ فرماتے ہیں ؎

بروئے یار کہ ہرگز نہ رتبتے خواہم — مگر اعانت اسلام مدعا باشد

پناہ بیضہ اسلام آں جوان مردیست — کہ خون بدل ز پئے دین مصطفیٰ باشد

(تریاق القلوب صـ۳)

اور اس کی تائید تریاق القلوب کے صـ۷ کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے

"اے تمام۔ وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور تمام وہ انسانی روحو جو مشرق و مغرب میں آباد ہو میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں۔ کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال و تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔"

(۸)

آٹھواں حوالہ یہ پیش کیا ہے ؎

آدمم نیز احمد مختار — در برم جامہ ہمہ ابرار

اور اس پر بھی وہی اعتراض کیا ہے جو اس سے پہلے شعر پر کیا تھا سو اس کا جواب بھی بالکل وہی ہے جو حوالہ ۱

میں گذر چکا ہے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں آدم بھی ہوں اور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور مجھ پر ان تمام ابرار کا جامہ ہے جو آدم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوئے۔ اس لحاظ سے میں آدم بھی ہوں اور موسیٰ بھی ہوں اور عیسیٰ بھی ہوں اور احمد مختار بھی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوں۔ کیونکہ جو جامہ علم و معرفت کا ان پر خدا کی طرف سے پہنایا گیا تھا۔ وہی خدا تعالیٰ نے مجھے بھی اپنے فضل سے باتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنایا ہے۔

(۹)

نواں حوالہ یہ پیش کیا ہے

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں   نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اور اسی طرح انہوں نے حقیقۃ الوحی میں سے ص۷۹ کا حاشیہ بھی جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں آدم ہوں شیث ہوں یعنی انبیاء کے نام مجھے دیئے گئے ہیں پیش کیا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر کسی نبی کو بہت سے نام دے جائیں تو اس سے دوسرے انبیاء کی توہین کیسے لازم آتی ہے اس میں تو انبیاء کی عزت کا اظہار ہے کیونکہ مشبہ کو مشبہ بہ کا نام دیا جائے تو بالعموم مشبہ بہ میں وجہ شبہ اقویٰ طور پر پائی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم میں مختلف ناموں کے دیئے جانے کی وجہ تحریر فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد و محمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوت ہیں۔ ویسا ہی عاجز خاتم ولایت ہے اور بعد کے اس کے براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرے متعلق یہ بھی فرمایا "جری اللہ فی حلل الانبیاء" یعنی رسول خدا تمام گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے پیرایہ میں اس وحی الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ آدم سے لے کر اخیر تک جس قدر انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں خواہ اسرائیلی ہوں یا غیر اسرائیلی ان سب کے خاص واقعات یا خاص صفات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے .... اور اس میں سے یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن اور سخت مخالف جو عناد میں حد سے بڑھ گئے تھے جن کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا گیا اس زمانہ کے اکثر لوگ بھی ان سے مشابہ ہیں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں .... اور جیسا کہ پہلی امتوں میں کوئی قوم طاعون سے مری اور کوئی قوم پانی کے طوفان سے اور کوئی آندھی کے طوفان سے اور کوئی قوم خسف سے اسی طرح اس زمانہ کے لوگوں کو عذابوں سے ڈرنا چاہیے اگر وہ اپنی اصلاح نہ کریں کیونکہ اکثر لوگوں میں یہ تمام مواد موجود ہیں محض حکم الٰہی نے مہلت دے رکھی ہے اور یہ فقرہ کہ جری اللہ فی حلل الانبیاء بہت تفصیل کے لائق ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۹)

اسی طرح آپ نے صفحہ ۸۸ و صفحہ ۸۹ و صفحہ ۹۰ پر ان اسماء کی وجہیں تحریر کی ہیں اور تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۴ میں یہ لکھ کر کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کے نام سے مجھے خطاب فرمایا ہے لکھا ہے:

"سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو"

بایزید بسطامی کے متعلق تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے "کہ ایک نے آپ سے کہا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور محمدؐ خدا کے بزرگ و بلند بندے ہیں اس کے جواب میں فرمایا "وہ سب میں ہی ہوں" (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۱۴۹)

چنانچہ اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب اپنی کتاب فوائد فریدیہ کے صفحہ ۴ میں حضرت فضیل ابن عیاض کا قول نقل فرماتے ہیں۔ "فرمودہ است انا العرش والکرسی واللوح والقلم وانا الجبرئیل والمیکائیل والعزرائیل والاسرافیل وانا موسیٰ و عیسیٰ و محمدؐ"۔

اور صفحہ ۴ میں نقل فرماتے ہیں "حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرمودہ است کہ من حجتم بر ملائکہ د گو سفند من حجت است بر علماء و فقہاء"

اور اسی صفحہ پر نقل فرماتے ہیں حضرت ابوالحسن نوری فرمودہ است نظرت یو ما الی النور فلم ازل انظر الیہ حتی صرت ذالک النور"

اور بھی بہت سے بزرگوں کے خواجہ صاحب نے اقوال نقل کیے ہیں کیا مختار مدعیہ ان سب کو کافر و مرتد قرار دے گا۔

پس اگر کسی مشابہت کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کو مختلف انبیاء کے نام دیئے گئے تو اس سے نہ تو کسی نبی کی توہین لازم آتی ہے اور نہ اس سے دوسرے انبیاء پر آپ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود

گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ الزام بھی لگایا ہے کہ آپ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ اور اپنے کو ان پر فضیلت دی ہے ان کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱ و ۲

(۱) پہلی وجہ توہین گواہان مدعیہ نے یہ بیان کی ہے کہ وہ آیات قرآنیہ جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چند مراتب اور مقامات علویہ سے مشرف فرمایا تھا۔ انہیں اپنے اوپر چسپاں کر لیا۔

اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ ۱

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے الہاموں کے متعلق اپنی کتاب براہین احمدیہ میں جس میں کہ یہ سب الہامات درج ہیں تحریر فرمایا ہے:

"اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہیے کہ کیونکر ایک ادنےٰ امتی آں رسول مقبول کے اسماء یا

صفات یا محامد میں شریک ہو سکے بلا شبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرتؐ کے کمالات قدسیہ سے شریک ومساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جرأت نہیں چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرت کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالب حق۔ ارشدک اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں۔ اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم ولاجواب کرتی رہیں اسی طرح پر اپنی کامل حکمت اور رحمت سے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کو جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گذرے ہوتے ہیں خدا ان کو فانی اور ایک مصفا شیشے کی طرح پاکر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ من جانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ سوم صـــ ۲۴۲، ۲۴۳)۔

پھر فرماتے ہیں :

"اور ان کلمات کا حاصل مطلب تلطفات اور برکات الٰہیہ ہیں جو حضرت خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کامل مومن کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور حقیقی طور پر مصداق ان تمام آیات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سب طفیلی ہیں اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک مدح و ثنا جو کسی مومن کے الہام میں کی جائے وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہوتی ہے اور وہ مومن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصہ لیتا ہے اور وہ بھی محض خدا تعالیٰ کے لطف واحسان سے نہ کسی اپنی لیاقت وخوبی سے" (براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ صـــ ۴۸۹-۴۸۷)۔

پھر آپ کا ایک الہام ہے کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارك من علم وتعلم یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پر بہ پیرایہ الہام وکشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور ان کے توسط سے ہے (ازالہ اوہام صـــ ۲۴۲)

اور فرماتے ہیں :

۱۔ "رسول محمد عربی جس کو گالیاں دی گئیں ۔۔۔۔۔۔۔ اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک میں ہوں جس سے خدا مکالمہ ومخاطبہ کرتا ہے (حقیقۃ الوحی ص۲۷)

۲۔ میری مراد نبوت سے کثرۃ مکالمت اور مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل کی ہے (حقیقۃ الوحی ص۶۸)

۳۔ یہ تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں بلکہ آسمان پر ایک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم" (ایک غلطی کا ازالہ بحوالہ حقیقۃ النبوۃ ص۲۶۵)

۴۔ اور ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لیے ہم خدا تعالیٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں۔ تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ہم ہر ایک امر میں اس سے فیضیاب ہیں (چشمہ معرفت ص۲۱۰)

اس سے مختار مدعیہ کا وہ اعتراض باطل ہو گیا جو اس نے ۱۲ر اکتوبر کی بحث میں کیا تھا کہ مرزا صاحب مقام نبوۃ کے مدعی ہیں وہ جس چیز کو ثابت کرتے ہیں بطریق استحقاق اور بطریق منصب کے ثابت کرتے ہیں۔ برخلاف دوسرے اولیائے کیونکہ مندرجہ بالا حوالجات سے صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے وہ بطفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملا ہے۔ آپ کو بالا ستقلال کسی کمال کے حاصل کرنے کا دعویٰ نہیں ہے نیز ۱۲ر اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے صوفیہ کے حوالوں کے متعلق جو اصولی طور پر بحث کی ہے وہ بالکل بے محل ہے کیونکہ اس نے مثالوں میں یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اگر کوئی ولی کہے کہ میں فلاں نبی کے مقام میں گیا یا مقام محمود میں گیا تو ان کا مطلب ان کی حسب تصریحات یہی ہو سکتا ہے کہ میں نے ان مقامات کی دور سے زیارت کی۔ حالانکہ گواہان مدعا علیہ نے اس قسم کے حوالجات پیش نہیں کیے تھے بلکہ انہوں نے جس جس مدعا کے اثبات کے لیے اولیاء کے حوالے پیش کیے ہیں ان سے ان کا مدعا بالکل واضح اور ثابت ہے اور مختار مدعیہ نے جو تاویل کی ہے اس کو ان حوالجات کے مطلب سے دور کی بھی نسبت نہیں ہے

(۲)

عینیت کا دعویٰ

گواہان مدعیہ نے جو حضرت مسیح موعود پر یہ الزام لگایا تھا کہ آپ نے عین محمد ہونے کا دعویٰ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے اس کا مفصل جواب گواہان مدعا علیہ نے دے دیا تھا ملاحظہ ہو بیان مطبوعہ گواہ مدعا علیہ ص۲۰۱ ان کے جواب پر مختار مدعیہ نے یہ کہا کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو محمد واحمد قرار دے کر عینیت کا دعویٰ کیا ہے۔ گواہوں نے جواب دیا ہے کہ یہ عینیت جسمانی نہ تھی یہ بالکل غلط جواب ہے (جیسی ایک نفس یا دو اگر یہ مطلب ہے کہ جسم دو

تھے روح ایک تھی تو یہ عین تناسخ ہے جو سب کے نزدیک باطل اور اگر مرزا صاحب میں دو روحیں تھیں تو نبی کی کونسی روح تھی اگر مرزا صاحب کی روح تھی تو پھر وہی خرابی لازم آئی یعنی ختم نبوۃ کا انکار اور اگر آنحضرت کی روح تو پھر مرزا صاحب نبی نہ ہوئے (دیکھو بحث ۱۲ اکتوبر)۔

چونکہ گواہان مدعا علیہ کا جواب بالکل واضح ہے اور اس جواب پر مذکورہ بالا اعتراض وارد نہیں ہوسکتا اس لیے میں یہاں پر گواہان مدعا علیہ کے جواب کی طرف اشارہ کردینے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱ اور اس جواب میں بحوالہ مثنوی دفتر چہارم صہ ۱۵۰ یہ حوالہ بھی پیش کیا گیا تھا کہ "بایزید چوں قطب وقت بود عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود چرا کہ قطب نمے باشد مگر بر قطب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہر کہ بر قطب کسے بود عین آنکس است" مگر مختار مدعیہ نے اس کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کیا اور اس پر اعتراض کردیا کہ بایزید بسطامی کیسے رسول اللہ صلعم کے عین ہوگئے تھے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے کہیں بھی اپنے لئے عین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں فرمائے۔ بلکہ آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ مجھے بروزی طور پر محمد واحمد کا نام دیا گیا ہے اور میرے اور ان کے درمیان شاگرد و استاد کی نسبت ہے اور ظل واصل کی ہے۔ آنحضرت صلعم استاد ہیں اور اصل ہیں اور حضرت مسیح موعود آپ کے شاگرد اور ظل ہیں اور امام ربانی بھی مکتوبات جلد ۱ صہ ۲۶۶ مکتوب ۴۸ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے حامل تبع بہ سبب کمال متابعت انہی میں جذب ہوجاتے ہیں اور ان کے رنگ میں ایسے رنگیں ہوتے ہیں کہ تابع و متبوع یعنی نبی اور امتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سوائے اوّل اور آخر ہونے کے اور اصل اور ظل کے اور حضرت مسیح موعود نے صاف فرما دیا ہے :

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لیے منتخب کیا جو خلق اور ہمت اور ہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر اپنا نام احمد و محمد اس کو عطا کیا تا یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہٖ آنحضرت صلعم کا ظہور تھا" (تحفہ گولڑویہ صہ ۱۰۱)

پس حضرت مسیح موعود نے حقیقی طور پر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا جو آج سے چودہ سو برس قبل تشریف لائے تھے ہرگز دعویٰ نہیں کیا۔

(۳)

حقیقی خاتم

مختار مدعیہ نے ۹ اکتوبر کی بحث میں بحوالہ ضمیمہ خطبہ الہامیہ صہ ۔ ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے متعلق کہا ہے کہ میں حقیقی خاتم ہوں اور رسول مقبول کو بھی قرآن مجید میں خاتم النبیین کہا گیا ہے حقیقت کے

مقابل میں مجاز ہوتا ہے تو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجازی خاتم النبیین ٹھہرے یہ صریح کفر اور توہین ہے۔
جواب: مختار مدعیہ کا یہ ایک صریح مغالطہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہیں بھی اپنے آپ کو حقیقی خاتم النبیین نہیں کہا اور نہ آنحضرت کو مجازی خاتم النبیین کہا ہے جس عبارت پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے اس میں اس کی تردید موجود ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ختمت النبوة علی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فلا نبی بعدہ الا الذی نور بنورہ وجعل وارثہ من حضرت الکبریاء واعلموا ان الختمیة اعطیت من الازل لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم اعطیت لمن علمہ روحہ وجعلہ ظلہ فتبارک من علم وتعلم فان الختمیة الحقیقیة کانت مقدرة فی الالف السادس الذی ھو یوم سادس من ایام الرحمان لیشابہ ابا البشر من کان ھو خاتم نوع الانسان"

"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوۃ ختم ہوگئی۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا مگر وہی جو آپ کے نور سے منور کیا جائے اور جناب الٰہی سے آپ کا وارث بنایا جائے یاد رکھو کہ ازل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ختمیت عطا کی گئی پھر اس شخص کو عطا کی گئی جس کو اس کی روح نے سکھایا اور اسے اپنا ظل بنایا پس بابرکت ہے وہ جس نے سکھایا اور جس نے سیکھا پس حقیقی ختمیت چھٹے ہزار میں مقدر تھی جو خدا کے دنوں سے چھٹا دن ہے تا اس سے حضرت ابوالبشر آدم کی بھی اس شخص سے مشابہت پائی جائے جو نوع انسان کا خاتم ہے"

یہ عبارت خود بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا مگر وہی جو آپ کے نور سے منور ہو پس جو شخص نبوت کا مقام آنحضرت کی اتباع کی برکت سے پائے گا تو وہ حقیقی خاتم النبیین کیسے ہوسکتا ہے دوسرے حضرت مسیح موعود نے اپنے آپ کو آنحضرت صلعم کا شاگرد اور وارث بتایا ہے۔ پس آپ کو جو ختمیت حاصل ہوئی ہے تو وہ بطور وراثت کے ہے اور نیز آپ نے اپنی بعثت کو بروزی طور پر آنحضرت صلعم کی بعثت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اقتباس الانوار صـ۵۲ میں بھی لکھا ہے "محمد بود کہ بصورت آدم در مبدء ظہور نمود یعنی بطور بروز در ابتداء عالم روحانیت محمد مصطفٰےؐ در آدم متجلی شد وہم او باشد کہ در آخر بصورت خاتم ظاہر گردد یعنی در خاتم الولایت کہ مہدی است نیز روحانیت محمد مصطفٰےؐ بروز وظہور خواہد کرد وتصرف ہا خواہد نمود (ایام الصلح صـ۱۵۰)
اور جو ختمیت آپ کو عطا کی گئی ہے وہ بلحاظ ولایت کے ہے اور آنحضرت کو ختمیت بلحاظ نبوۃ کے ہے چنانچہ شیخ محی الدین العربی فرماتے ہیں۔

"فکل نبی من لدن آدم الی اخر نبی ما منھم احد یأخذ الا من مشکاۃ خاتم النبیین وان تأخر وجود طینتہ فانہ بحقیقتہ موجود وھو قولہ کنت نبیًّا وآدم بین الماء والطین وغیرہ من الانبیاء ما کان نبیًّا الاحین بعث وکذالک خاتم الاولیاء کان ولیًا وآدم بین الماء والطین وغیرہ من الاولیاء ما کان ولیًا الا بعد تحصیلہ شرائط الولایۃ من الاخلاق الالھیۃ فی الاتصاف بھا من کون اللہ یسمی بالولی الحمید فانہ الولی الرسول النبی وخاتم الاولیاء الولی الوارث الاخذ عن الاصل المشاھد للمراتب وھو حسنۃ من حسنات خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم" (فصوص الحکم ص۳۰)

یعنی آدم سے لے کر آخری نبی تک انہیں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو خاتم الانبیاء کے طاقدان سے نور نہ لیتا ہو اگرچہ آنحضرت کا وجود عنصری متاخر ہو لیکن وہ اپنی حقیقت کے ساتھ موجود تھے اور یہ امر خاتم الانبیاء کے اس قول سے ثابت ہے کہ میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے اور آنحضرت کے سواء دوسرے انبیاء میں سے کوئی نبی نہیں تھا مگر جس وقت کہ وہ مبعوث ہوئے اور اسی طرح خاتم الاولیاء اس وقت ولی تھے جبکہ آدم پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے اور اس کے سوا اولیاء میں ولی نہیں ہوا۔ مگر جس وقت کہ اس نے ولایت کی شرائط اخلاق الٰہی کو ولایت سے متصف ہو کر حاصل کر لیا اور یہ شرائط ولایت کی بہ سبب اللہ تعالیٰ کا نام ولی حمید ہونے کے ہے پس خاتم الرسل کی نسبت باعتبار ان کی ولایت کے خاتم الاولیاء کی طرف ایسی ہی ہے جیسے انبیاء اور رسولوں کی نسبت اس کی طرف پس تحقیق وہ ولی اور رسول اور نبی تھے۔ اور خاتم الاولیاء ولی اور وارث اور لینے والا اصل معدن سے اور مشاہدہ کرنے والا مراتب کا ہے اور وہ خاتم الاولیاء خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات حسنات میں سے ایک درجہ حسنہ کا مظہر ہے۔

پس باوجودیکہ ختمیت حقیقیہ حضرت مسیح موعود کے لیے خاتم ولایت ہونے کے لحاظ سے لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ختم نبوۃ کے لحاظ سے حقیقی ختمیت آنحضرت صلعم کو بالاستقلال حاصل ہے اور حضرت مسیح موعود کو جو ختمیت حاصل ہوئی ہے تو وہ آنحضرتؐ کی اتباع میں ہوئی ہے اور بطور وراثت کے چنانچہ ختمیت کے لحاظ سے آپ کا دعویٰ خاتم الاولیاء ہونے کا ہے چنانچہ آپ خطبہ الہامیہ میں بھی جس کا مختار مدعیہ نے حوالہ دیا ہے فرماتے ہیں :

"میں ولایت کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں جیسا کہ ہمارے سید آنحضرت صلعم نبوت کے سلسلہ کو ختم

کرنے والے تھے اور وہ خاتم الانبیا ہیں اور میں خاتم الاولیاء ہوں میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر وہ جو مجھ سے ہو گا اور میرے عہد پر ہو گا" (خطبہ الہامیہ صہ ۳۰)

اور فرماتے ہیں :

"براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا اور یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم نبوۃ ہیں ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ ۸۹)

پس مختار مدعیہ کا یہ قول کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو حقیقی خاتم النبیین اور آنحضرتؐ کو مجازی قرار دیا ہے محض بہتان ہے۔

(۴)
معجزات کی تعداد

مختار مدعیہ نے تحفہ گولڑویہ کے حوالے کی بناء پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے معجزات تین لاکھ بیان کئے ہیں اور آنحضرتؐ کے تین ہزار اس کا مفصل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں دے دیا ہے اس لیے اب اس کے جواب دینے کی ضرورت نہیں ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ع۲۱

اصل بات یہ ہے کہ مختار مدعیہ کو اس امر سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعود کے کلام سے کہ نشان بھی خرق عادت ہے اور معجزہ بھی خرق عادت ہے دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے جہاں نشان کو خرق عادات قرار دیا ہے وہیں نشان کی تقسیم بھی بیان کی ہے۔ جس سے بین طور پر معجزہ اور نشان میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر معجزہ نشان ہوتا ہے لیکن ہر نشان کو کسی کا معجزہ نہیں قرار دیا جا سکتا مثلاً حضرت مسیح موعود نے بعض لوگوں کو آپ کی صداقت کے متعلق خوابیں آنا یا آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کا اس زمانہ کے متعلق ظاہر ہونا اپنے نشانات میں سے شمار کیا ہے لیکن ان کے متعلق یہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ آپ کے معجزات ہیں۔

پس جہاں نشانات کا ذکر کیا ہے۔ وہاں آنحضرت کے نشانوں یا معجزات کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ ورنہ آنحضرتؐ کے ویسے نشانات کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ اور تحفہ گولڑویہ میں جہاں مقابلہ میں آنحضرت کے معجزات کا ذکر کیا ہے وہاں اپنی پیشگوئیاں سو کے قریب بتائی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ہزار معجزات اور یہ بھی فریق مخالف کے مسلمات کی بناء پر کہا ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب یہی ہے کہ آپ کے معجزات قیامت تک ظہور میں آتے رہیں گے۔ اور گواہان مدعا علیہ حضرت مسیح موعودؑ کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کی تائید میں جو ظاہر ہوتا ہے وہ بھی آنحضرتؐ

کے معجزات ہیں اور آپ کو مکالمہ و مخاطبہ کا شرف بھی آنحضرت صلعم کے فیض سے ملا ہے۔

(۵)

حضرت مسیح موعود کا نبی ہونا

مختار مدعیہ نے ۹ر اکتوبر کی بحث میں ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ بہت سی عبارات میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ عیسیٰؑ کا تشریف لانا آنحضرتؐ کی ہتک ہے اور اسلام کی بربادی ہے (ازالہ اوہام ص۲۲۵) اور اپنے آپ کو ان سے بڑا قرار دے کر نبی مانا ہے اور یہ صریح توہین آنحضرتؐ کی ہوئی کیونکہ جب مسیح جیسے گھٹیل کم درجہ نبی کا آنا اسلام کی بربادی اور آنحضرتؐ کی ہتک ہے تو بہت بڑے نبی کے آنے کی وجہ سے تو اسلام کی بربادی اور آنحضرتؐ کی توہین زیادہ ہوئی ہے

جواب: مختار مدعیہ کا یہ ایک مغالطہ ہے یا حضرت مسیح موعودؑ کی تحاریر سے ناواقفیت کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے مسیحؑ کے آنے کو جو فساد عظیم قرار دیا ہے تو اس کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اگر وہ آئیں تو یا وحی نبوت یعنی نبوۃ مستقلہ کا دروازہ جو بلا واسطہ اتباع آنحضرت صلعم ہے کھلا ماننا پڑے گا یا ان کا مسلوب النبوۃ ہو کر آنا تسلیم کرنا پڑے گا چنانچہ ازالہ اوہام ص۲۲۵ کی عبارت جس کا مختار مدعیہ نے حوالہ دیا ہے یہ ہے:

"اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لوازم نبوۃ سے الگ کر کے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں"۔

اور ص۲۳۵ میں فرماتے ہیں:

"صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے بھی ممتنع ہے"۔

پس حضرت عیسیٰ امتی ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ امتی کا مفہوم یہ ہے کہ جو بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بغیر اتباع قرآن شریف محض ناقص اور گمراہ بیدین ہو پھر آنحضرتؐ کی پیروی اور قرآن شریف کی پیروی سے اس کو ایمان اور کمال نصیب ہو اور یہ خیال حضرت عیسیٰ کی نسبت کرنا کفر ہے کیونکہ وہ ایک مستقل نبی تھے اور خدا تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی تھی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آنحضرت کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے لیکن ایک امتی کا آنحضرتؐ کی اتباع اور آپ میں فنا ہو کر نبوت کے مرتبہ کا حاصل کرنا نہ قرآن مجید کے مخالف ہے اور نہ احادیث کے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"سو اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیین ہیں پھر آپ کے بعد اور نبی کس طرح

آسکتا ہے اس کا جواب یہی ہے کہ بے شک اس طرح سے تو کوئی نبی نیا ہو یا پرانا، نبی نہیں آسکتا جس طرح سے آپ لوگ حضرت عیسیٰ کو آخری زمانہ میں آتارتے ہیں اور پھر اس حالت میں ان کو نبی مانتے ہیں بلکہ چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوۃ کا جاری رہنا اور زمانہ آنحضرت سے بھی بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بے شک ایسا عقیدہ معصیت ہے اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی اس عقیدہ کے کذب صریح ہونے پر کامل شہادۃ ہے لیکن ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور اس آیت میں ایک پیشگوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے۔ اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے نبوۃ کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں۔ مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول کی پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے اس لیے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لیے"۔ (ایک غلطی کا ازالہ حقیقۃ النبوہ صـ۲۶۲)

پس مستقل نبی کے آنے سے جس کی نبوۃ آنحضرتؐ کی اتباع کا نتیجہ نہیں ہے اس سے فساد عظیم لازم آتا ہے نہ کہ جس قسم کی نبوۃ کا حضرت مسیح موعود نے دعویٰ کیا ہے۔

اور جو حوالہ مختار مدعیہ نے اخبار الحکم کا پیش کیا ہے کہ پہلے انبیاء تو آنحضرتؐ کے خاص خاص صفات میں ظل تھے اور اب ہم تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں یہ ڈائری ہے۔ اول تو ضروری نہیں کہ حضرت مسیح موعود کے من وعن الفاظ ڈائری نویس نے نقل کئے ہوں۔ لیکن بصورت تسلیم اس میں بھی آنحضرتؐ کی کوئی توہین نہیں اور نہ دوسرے نبیوں کی توہین ہے کیونکہ ان کی نبوت بالاصالہ اور بالاستقلال تھی۔ جیساکہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے

"پس میں اپنے مخالفوں کو یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہرگز نہیں ہیں گو وہ بلکہ تمام انبیاء آنحضرتؐ کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے۔ مگر وہ ان ہدایتوں کے پیرو تھے جو ان پر نازل ہوئی تھیں اور براہ راست خدا نے ان پر تجلی فرمائی تھی۔ یہ ہرگز نہیں تھا۔ آنحضرت صلعم کی پیروی اور آنحضرت کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے تا وہ امتی کہلاتے" (براہین احمدیہ جلد ۵ صـ۱۹۲)

پس پہلے انبیاء کا آنحضرت صلعم کے خاص خاص صفات میں ظل ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں جو صفتیں بالاستقلال و بالاصالہ پائی گئی تھیں۔ وہ تمام کی تمام آنحضرت صلعم میں اکمل طور پر پائی گئیں۔ پس اس کمال کو مدنظر رکھتے ہوئے جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر اس صفت میں جس سے پہلے نبی متصف ہوئے حاصل تھا۔ ان کے لیے ظل کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ گویا اصل میں ان تمام صفات کے مستحق تو آنحضرت صلعم ہی ہیں۔ لیکن آپ کو جو صفات حاصل ہوئیں وہ بالواسطہ نہ تھیں بلکہ مستقل اور بلاواسطہ تھیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو کچھ بھی حاصل ہوا وہ بالواسطہ تھا۔ نہ بالاستقلال اور اس لیے یہاں تفاضل کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ اسی عبارت میں فرماتے ہیں :

"کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کیے گئے۔ اور پھر مولانا روم کا یہ شعر پیش کیا ہے ؎

نام احمد نام جملہ انبیاء ست　　　چوں بیامد صد نود ہم پیش ماست

اور ظلی طور پر جو کمالات امت محمدیہ کو حاصل ہوئے ان کو مد نظر رکھتے ہوئے شیخ محی الدین ابن عربی۔ سید عبدالقادر جیلانی کا ایک قول نقل فرماتے ہیں

یا معشر الانبیاء اوتیتم اللقب واوتینا مالم تؤتوا۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ص۱۱)

یعنی انہوں نے فرمایا کہ اے انبیاء کے گروہ تمہیں تو نبوت کا لقب دیا گیا اور ہمیں وہ کچھ دیا گیا جو تمہیں نہیں دیا گیا۔"

اسی طرح سید محمد بن نصیر الدین جعفری المکی الحسینی خلیفہ حضرت چراغ دہلوی بحر المعانی ص۱۶ میں فرماتے ہیں :

"اے محبوب اگر موسیٰ علیہ السلام کہ مظہر ذات اوست در آئینہ محمدی صلعم رب ارنی ہرگز خبر بہ لن ترانی نخوردے۔ اما چوں بیرون آئینہ او خواست لا محالہ خبر بہ لن ترانی خورد۔ دآنکہ اے محبوب موسیٰ علیہ السلام اگر در عہد حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ بودے چوں محال او بدیدے۔ گویا کہ جمال حضرت جل وعلا وبدے وتسکین یافتے کہ من رانی فقد رای ربی زہے بیچارگی کہ در ذات موسیٰ شد بعد از خبر بہ لن ترانی در آئینہ محمدی صلعم از حضرت احدی جل جلالہ روشن کرد بعدہ تمنا بر دگفت کہ اللھم اجعلنی من امتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ واحبابہ وسلم۔"

پس آنحضرت صلعم کی اتباع سے وہ کمالات حاصل ہوتے ہیں جو پہلوں کو حاصل نہ ہوئے تھے۔

اسی طرح ص۳۳ میں لکھا ہے "امام مجاہد میگوید کہ بالائے عرش ہفتاد حجاب از نور ظلمت است چوں موسیٰ ازیں خبر یافت سلوک آغاز میکرد ند۔ ندے شنید کہ یا موسیٰ ایں مقام و منزل مخصوص بمحمد علیہ السلام و امتہ"

پس جو چیز کہ موسیٰ جیسے عظیم الشان نبی کو حاصل نہ ہوئی وہ آنحضرت صلعم کے متبعوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دی گئی۔

حیات مسیح

مختار مدعیہ نے ایک الزام حضرت مسیح موعود پر یہ بھی لگایا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلعم کو شرک کی طرف منسوب کیا۔ کیونکہ آپ نے استفتاء ص ۳۹ میں حیات مسیح کے عقیدہ کو شرک قرار دیا اور آنحضرت صلعم کا عقیدہ حیات مسیح کا حدیث ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم (ابن کثیر) سے ثابت ہے لہذا مرزا صاحب نے آنحضرت صلعم کو مشرک قرار دے کر آپ کی توہین کی

جواب: آنحضرت صلعم نے کبھی عقیدہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ کہ حضرت عیسیٰ بجسدہ العنصری زندہ موجود ہیں۔ بلکہ آپ کے اقوال سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ وفات مسیح کے قائل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ایھا الناس بلغنی انکم تخافون من موت نبیکم ھل خلد نبی قبلی فیمن بعث فاخلد فیکم (لباب الخیار فی سیرۃ المختار ص ۹۴) اے لوگو مجھے یہ بات معلوم ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی زندہ باقی رہا ہے جو میں تم میں رہوں گا۔

اسی طرح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حشر کے دن جب میرے بعض صحابہ پکڑ کر لے جائے جائیں گے اور میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ جب سے تو ان سے علیحدہ ہوا اس وقت سے یہ مرتد ہو گئے تھے۔ اس پر آپ فرماتے ہیں۔ فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم (کتاب التفسیر بخاری جلد ۳ ص ۸۶) کہ میں بھی وہ ہی بات کہوں گا جو حضرت عیسیٰ ؑ نے کہی کہ میں بھی اپنی قوم کا نگران اور محافظ تھا جب تک کہ میں ان میں تھا۔ مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کا رقیب اور نگران تھا۔ پس اس حدیث سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ میں ارتداد واقع ہوا ویسے ہی حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد عیسائیوں نے مسیح کو خدا بنایا اسی طرح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے آنے والے مسیح کو گندم گوں رنگ اور سیدھے بالوں والا بیان فرمایا ہے اور مسیح اسرائیلی کا حلیہ گھنگھروالے بال اور سرخ رنگ کا ذکر فرمایا۔ اور یہ دونوں حلیے بتا رہے ہیں کہ پہلا مسیح جس کو آنحضرت صلعم نے معراج کی رات عیسیٰ ؑ کے ساتھ یعنی وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا وہ اور ہے اور وہ وفات پا کر وفات یافتہ انبیاء میں شامل ہو گیا ہے اور جو آنے والا ہے وہ اور ہے۔ اور پھر بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات پر جب حضرت ابوبکر ؓ نے آیت ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم پڑھی تو سب نے اس دلیل کی بنا پر کہ تمام انبیاء وفات پا چکے ہیں۔ آنحضرت صلعم کی وفات کو تسلیم کر لیا۔

پس مختار مدعیہ کا ان احادیث کی موجودگی میں یہ کہنا کہ آنحضرت صلعم حیات مسیح کا عقیدہ رکھتے تھے بالکل غلط ہے اور جو روایت تفسیر ابن کثیر سے مختار مدعیہ نے پیش کی ہے۔ وہ بوجہ ضعیف اور مجروح ہونے کے مذکورہ بالا مرفوع متصل

احادیث کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے مروی ہے۔ بلکہ تابعی کی روایت ہے اور ظاہر ہے کہ تابعی تو اسے کہتے ہیں جو آنحضرت صلعم سے نہ ملا ہو۔ اس لیے یہ حدیث مرسل ہو گئی۔ اور جب اس کے راویوں پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی نہایت درجہ کے ضعیف راوی ہیں۔ چنانچہ اس کا ایک راوی احمد بن عبدالرحمٰن بن وھب ابو عبداللہ المصری ہے اور اس کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے۔

رایت شیوخ مصر مجمعین علی ضعفه والغرباء لا یمتعون عن الاخذ عنه ابوذرعة وابوحاتم ممن دونهما (میزان الاعتدال) یعنی میں نے مصر کے تمام مشائخ یعنی علما کو متفق پایا کہ وہ ضعیف راوی ہے اور اجنبی لوگ جس سے ابوذرعہ اور ابو حاتم اس سے روایات لینے سے رکتے نہیں اور ظاہر ہے کہ وہ مصری ہے اور مصر کے علماء کی رائے اس کے حق میں صحیح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مصر سے باہر کے رہنے والوں کو اس کے حالات کا حقیقی علم نہیں ہو سکتا۔

دوسرا راوی عبداللہ بن ابی جعفر الرازی ہے۔ اس کے متعلق محمد بن حمید الرازی نے کہا ہے

"سمعت منه عشرة الاف حدیث فرمیت بها کان فاسقا" (میزان الاعتدال)

یعنی میں نے اس سے دس ہزار حدیث سنی اور سب کو میں نے پھینک دیا۔ اور وہ فاسق تھا۔ اور ابو زرعہ اور ابو حاتم نے اسے سچا کہا ہے۔ لیکن اس کے حق میں بھی محمد بن الرازی کی شہادت قابل قبول ہے کیونکہ وہ اس کا ہم وطن ہے اور اس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے۔

تیسرا راوی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ماہان ابو جعفر الرازی ہے۔ اس کے متعلق مختلف آرا ہیں۔ بعض نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے لیکن احمد اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ و قال الفلاس سئی الحفظ۔ یعنی فلاس نے کہا ہے کہ اس کا حافظہ اچھا نہیں اور ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ مشہور لوگوں سے منکر حدیثیں بیان کرنے میں منفرد ہے اور ابو ذرعہ نے کہا ہے کہ وہ کثیر الوہم ہے اور جاننا چاہیے کہ عمرو بن علی الفلاس یحیی بن سعید قطان کا شاگرد ہے جیسا کہ ابن معین بھی انہی کا شاگرد ہے۔

اور چوتھا راوی ربیع بن انس ہے۔ اس کے متعلق ابن معین نے کہا ہے:

"کان یتشیع فیفرط فیه وذکره ابن حبان فی الثقات وقال الناس یتقون من حدیثه کان من روایة ابی جعفر عنه لان فی احادیثه عنه اضطرابا کثیرا"

(تهذیب التهذیب)

یعنی وہ تشیع میں افراط کا پہلو اختیار کرتا تھا۔ ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ لوگ اس کی اس حدیث کے لینے سے پرہیز کرتے ہیں جو ابو جعفر نے اس سے روایت کی ہے۔ کیونکہ اس کی ان احادیث میں جو اس نے ربیع

سے روایت کی ہے۔ بہت اضطراب ہے۔

اور آخری راوی حسن بصری ہے اس کے متعلق اکمال فی اسماء الرجال میں صاحب المشکوٰۃ نے بھی لکھا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری دو سال میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ پس انہوں نے آنحضرت کو دیکھا تک نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ بات یہود سے کہی کہ عیسیٰ مرے نہیں۔ پس لازماً یہ حدیث مرسل ہوئی۔ اور ایسی حدیث کا حکم بھی اپنے پاس نہیں بلکہ دیوبندیوں کے مقتدا اور پیشوا کی کتاب ہدیۃ الشیعہ سے پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

"اور سنیوں کے نزدیک گو حضرت زید اکابر اولیاء میں سے ہوں۔ لیکن تاہم آدمی ہیں جب تک مستند نہ ہو۔ کیونکر معلوم ہو کہ انہوں نے جس سے یہ بات لی ہے وہ معتبر ہے کہ نہیں۔ صحابہ کی ملاقات میں تو احتمال ہے۔ باقی رہے تابعین سو ان میں جھوٹے سچے۔ نیک و بد۔ سب طرح کے ہیں۔ اور اگر بالفرض کسی معمر صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہو تو بھی کیا لازم ہے کہ وہ صحابی اس وقت حاضر ہی تھے۔ یا ان کو کسی دوسرے صحابی سے یہ بات پہنچی تھی اور پھر حضرت زید نے بھی انہیں سے سنا ہو۔ احتمال ہے کہ جس صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہو ان کو یہ بات معلوم نہ ہو اور اگر معلوم بھی ہو تو انہوں نے ان سے نہ سنا ہو بلکہ کسی تابعی سے سنا ہو۔ بلکہ زبان زد عوام ایک بات دیکھ کر اس کے موافق نقل کر دیا ہو۔ یا بطور تسلیم قول معترض یہ بات فرمائی ہو۔ بہر حال احتمالات چند در چند قادح اعتبار روایت موجود ہیں پھر با ایں ہمہ احتمالات کوئی کیونکر اس روایت کو در بارہ دعویٰ ہبہ فدک قبول کرے خصوصاً در صورتیکہ آیت اور روایت صحیحہ متصل بلکہ مرفوع اعنی روایت مشکوٰۃ اس کے مخالف موجود ہو۔"

ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۳۱ میں وضاحت کے لیے یہ عبارت بہ تبدیلی الفاظ یوں لکھے دیتا ہوں کہ پھر با ایں ہمہ احتمالات مذکورہ کوئی کیوں کر مختار مدعیہ کی اس روایت کو در بارہ عقیدہ حیات مسیح قبول کرے۔ خصوصاً در صورتیکہ آیت فلما توفیتنی کنت انت رقیب علیھم اور آیت ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل اور روایت صحیحہ متصل بلکہ مرفوع اعنی روایت بخاری اس کے مخالف موجود ہے اور نیز البراہین القاطعہ صفحہ ۸۲ میں مولوی خلیل احمد صاحب دیوبندی لکھتے ہیں۔

"اب اس حدیث شیخین کے مقابلہ میں ضعیف روایت کہ قابل احتجاج ہی ہرگز نہیں کس طرح درست ہوگی"

اور مختار مدعیہ کا یہ اعتراض اس وقت درست ہو سکتا تھا اگر آپ کا یہ عقیدہ ہوتا کہ آنحضرت صلعم بھی مسیح علیہ السلام کو آسمان پر بجسدہ العنصری زندہ مانتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ کی تمام کتابیں اس بات سے مملو ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کو وفات یافتہ سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے (اعجاز احمدی صفحہ ۶۰)۔

رہی یہ بات کہ حضرت مسیح موعود نے حیات مسیح کے عقیدہ کو شرک عظیم قرار دیا ہے تو اس کا جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں بالتفصیل دے دیا ہے اور بتادیا ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کو اس کی مستقبل کی حالت کو مدنظر رکھ کر جو نتیجہ" اس سے پیدا ہوتی ہے ۔نام دے دیا جاتا ہے ۔چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں ۔

تسمیۃ باسم مایؤول الیہ نحو انی ارانی اعصر خمراً ای عنباً یؤول الی الخمریۃ
ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً ای صائراً الی الکفر والفجور (اتقان جلد ۲ ص۴۵)

کہ کسی چیز کو وہ نام دے دینا جو اس کا آئندہ ایک نئی حالت کے ماتحت نام ہونا تھا جیسے قرآن مجید میں آتا ہے کہ قیدی نے دیکھا کہ میں شراب کو نچوڑتا ہوں تو مراد شراب سے انگور ہیں ۔جن سے شراب بنتی ہے ۔اور اسی طرح قوم نوح کے متعلق فرمایا کہ وہ نہیں جنیں گے مگر فاجر اور کافر لوگ یعنی وہ بچے جو کافر اور فاجر ہوں گے ۔پس چونکہ حیات مسیح کا عقیدہ منجر الی الشرک تھا ۔اور لاکھوں مسلمان اس عقیدہ کی وجہ سے عیسائی ہو گئے تھے ۔اس لیے آپ نے اس حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو شرک عظیم قرار دے دیا ۔اور اردو کی تصانیف میں اس امر کی تصریح کر دی کہ یہ عقیدہ منجر الی الشرک ہے یا یہ عقیدہ شرک کا حامی ہے ۔

اور گواہان مدعا علیہ نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ بعض وقت عربی زبان میں کسی فعل کے لیے شرک یا کفر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔مگر اس کے مرتکب کو کافر اور مشرک نہیں کہا جاتا لیکن مختار مدعیہ نے ان احادیث کو بالکل نظر انداز کر کے وہی اعتراض دوبارہ کر دیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو منوانے کے لیے اس کے مقتداؤں کے اقوال پیش کئے جادیں ۔چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی ایک عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں :

"جواب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نہایت صحیح ہے کہ افعال شرکیہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ شرک محض ہیں ۔اور بعض ایسے ہیں کہ لوگ ان کو کرتے ہیں اور تاویل ہو سکتی ہے ۔پس پہلی قسم سجدہ بت کو کرنا ۔زنار ڈالنا ان امور سے مشرک ہو جاتا ہے اور دوسری قسم میں افعال سے کبیرہ گناہ ہوتا ہے ۔خروج عن الاسلام نہیں ہوتا ۔کیونکہ بعض شرک اصل شرک ہے اور بعض کم ۔کہ شرک دون شرک کہتے ہیں ۔تو دوسرے درجہ کے شرک حقیقتاً شرک نہیں مثلاً قسم بغیر اللہ کو شرک فرمایا ۔اور ریا کو شرک فرمایا اور تسمیہ بغیر اللہ کو شرک فرمایا ۔پر ان کے کرنے سے مشرک حقیقی نہیں ہوتا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم ۔رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص۵)

اور یہی جواب گواہ مدعا علیہ ۲ نے بجواب جرح دیا تھا جس کو مختار مدعیہ نے صحیح تسلیم نہ کرتے ہوئے پھر وہی اعتراض کر دیا ۔

اور میں اس جواب کو اور واضح کرنے کے لیے ایک اور مثال حدیث سے پیش کر دیتا ہوں ۔آنحضرت صلعم فرماتے ہیں :

"بین الرجل وبین الشرك والکفر ترك الصلوٰة" (صحیح مسلم برحاشیہ اکمال اکمال المعلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)۔

"یعنی آدمی کے درمیان اور شرک اور کفر کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔"

یعنی اگر نماز چھوڑے تو وہ کفر اور شرک میں داخل ہوگا۔ لیکن تارک نماز کو گواہان مدعیہ کافر اور مشرک نہیں کہتے جیسا کہ گواہ مدعیہ ۱ و ۳ نے بجواب جرح یہ کہا ہے کہ تارک نماز کو کافر اور مشرک نہیں کہا جاوے گا۔ پس جیسے ترک نماز کو اس حدیث میں شرک اور کفر تو کہا گیا ہے لیکن اس کے تارک پر گواہان مدعیہ کافر اور شرک کے احکام نافذ نہیں کرتے اور نہ اسے کافر اور مشرک سمجھتے ہیں۔ اور شارحین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ نماز چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر کار انسان حقیقتہً کافر بن جاتا ہے۔ اس لیے ترک نماز کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ پس بعینہٖ اسی طرح حیات مسیح کا عقیدہ چونکہ منجر الی الشرک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہزاروں مسلمانوں کے عیسائی ہونے سے ظاہر ہے اس لیے اسے شرک کا نام دیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود نے ان پہلے لوگوں کو جنہوں نے اجتہادی غلطی کی بنا پر یہ عقیدہ رکھا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک معذور قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"مجھ سے پہلے جو جو علماء اپنی اجتہادی غلطی سے ایسا خیال کرتے رہے کہ ابن مریم آسمان سے آئے گا۔ وہ خدا کے نزدیک معذور ہیں ان کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ ان کی نیتوں میں فساد نہیں تھا۔ بوجہ بشریت بھول گئے۔ خدا ان کو معاف کرے۔ کیونکہ ان کو علم نہیں دیا گیا تھا اور ان کی اجتہادی غلطی ایسی تھی۔ جیسے داؤد علیہ السلام نے غنم القوم کے مسئلہ میں اجتہادی غلطی کی تھی۔ مگر اس کے بیٹے سلیمان کو خدا نے فہم عطا کر دیا تھا۔" (دافع البلاء صفحہ ۱۶)

اور حضرت مسیح موعود نے جو حیات مسیح کا عقیدہ رکھا تو وہ رسمی عقیدہ تھا۔ جو مسلمانوں میں چلا آتا تھا۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے آپ پر یہ ظاہر کر دیا کہ حضرت عیسیٰ وفات پا گئے ہیں تو آپ نے لوگوں میں ان کی وفات کا اعلان کر دیا اور قرآن اور حدیث کی رو سے ان کی وفات کے مسئلہ کو الم نشرح کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

گواہ مدعیہ ۱ الف نے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۷ کے حوالہ سے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ موسیٰ کی دودھ اور شہد کی نہروں کے ملنے کی پیشگوئی پوری نہ ہوئی لہٰذا مرزا صاحب حضرت موسیٰ کی توہین کے بھی مرتکب ہوئے۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود نے تتمہ حقیقۃ الوحی میں نہیں بلکہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۷۷ میں یہ لکھا ہے کہ:

"حضرت موسیٰ کی توریت میں یہ پیش گوئی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک شام میں جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں

لے جائینگے ۔ مگر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی ۔ حضرت موسیٰ بھی راہ میں فوت ہوئے اور بنی اسرائیل بھی راہ میں ہی مر گئے ۔ صرف اولاد ان کی وہاں گئی ۔

حضرت مسیح موعود نے جس امر کا اظہار اس عبارت میں کیا تھا وہ ایک امر واقعہ ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن حضرت مسیح موعود کا یہ قطعاً منشا نہیں کہ وہ وعدہ کبھی بھی پورا نہیں ہوا۔ بلکہ اپنے اسی عبارت میں بھی واضح کر دیا کہ ان کی اولاد وہاں داخل ہوئی ۔ یعنی وہ وعدہ جو بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے کیا گیا تھا۔ وہ ان کی اولاد کے ذریعہ پورا ہوا۔ چنانچہ آپ نے ایک اور مقام پر اس امر کو وضاحت سے لکھا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

”یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں ۔ کبھی تو بلاواسطہ پورے ہوتے ہیں ۔ اور کبھی بالواسطہ اس کی تکمیل ہوتی ہے ۔ حضرت مسیح ابن مریم کو بھی جو نصرت اور فتح کے وعدہ دیئے گئے تھے وہ ان کی زندگی میں پورے نہیں ہوئے ۔ بلکہ ایک دوسرے نبی کے ذریعہ سے جو تمام نبیوں کا سردار ہے یعنی سیدنا و امامنا حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الرسل کے ظہور سے پورے ہوئے اور اسی طرح حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو جو کنعان کی فتح کی بشارتیں دی گئی تھیں ۔ بلکہ صاف صاف حضرت موصوف کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ تو اپنی قوم کو کنعان میں پہنچا دے گا اور کنعان کی سرزمین کا تو انہیں مالک کر دے گا یہ وعدہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا ۔ اور وہ راہ میں فوت ہو گئے ۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ پیش گوئی غلط نکلی ۔ جواب تک توریت میں موجود ہے ۔ کیونکہ موسیٰ کی وفات کے بعد موسوی قوت اور موسوی روح اس کے شاگرد یوشع کو عطا ہوئی اور وہ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے نفخ روح سے موسیٰ میں ہو کر اور موسوی صورت پکڑ کر وہ کام بجا لایا جو موسیٰ کا کام تھا ۔ سو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ موسیٰ ہی تھا“ (ازالہ اوہام بار پنجم صـ ۱۷۴)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نفس پیشگوئی کے پورے ہونے کو مانتے ہیں لیکن موسیٰ کی بجائے آپ کے خلیفہ یوشع نبی کے ذریعہ پوری ہوئی ۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے دیکھا کہ کسریٰ و قیصر کے خزائن کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں رکھی گئیں ۔ مگر وہ آپ کے ہاتھ کی بجائے حضرت عمر کے ہاتھ میں آئیں ۔ اور وہ خزائن کی کنجیوں والی پیش گوئی آنحضرت کے خلفاء کے ذریعہ ظہور میں آئی ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

گواہان مدعیہ نے جو الزامات حضرت مسیح موعودؑ پر حضرت عیسیٰؑ کی توہین ثابت کرنے کے لیے لگائے تھے ۔ ان کا مفصل جواب گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں دے دیا ہے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ صـ ۲۴۲۱ لیکن اب میں ان نئی باتوں

کا جواب دیتا ہوں جو مختار مدعیہ نے بحث میں پیش کی ہیں

(۱) مسیحؑ کی پیش گوئیاں

۱۲ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے حضرت عیسیٰؑ کی توہین ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعودؑ پر یہ الزام لگایا ہے کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیش گوئیاں جس قدر جھوٹی نکلیں اس قدر سچی نہیں نکلیں۔ اور کشتی نوح صہ۵ میں لکھا ہے کہ قرآن شریف بلکہ تورات کے بعض صحیفوں میں بھی یہ موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ بلکہ حضرت مسیح نے بھی انجیل میں خبر دی ہے اور ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشگوئیاں ٹل جاویں لہذا معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے نزدیک حضرت عیسیٰ نبی نہیں اور یہ صریح توہین ہے

جواب: مختار مدعیہ کا ازالہ کی عبارت میں سے ایک فقرہ لے کر اعتراض کر دینا اس کے لیے یہ قطعاً مناسب نہ تھا کہ وہ ایک فقرہ کو لے کر اعتراض کرے۔ اور اس کے ساتھ کی عبارت کو جس سے یہ اعتراض بالکل باطل ہو جاتا ہے ترک کر دے چنانچہ اب میں اس کے بعد کی عبارت لکھتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

"مگر یہ بات الزام کے لائق نہیں کیونکہ امور اخبار یہ کشفیہ میں اجتہادی غلطی انبیاء سے بھی ہو جاتی ہے حضرت موسیٰ کی بعض پیش گوئیاں بھی اسی صورت پر ظہور پذیر نہیں ہوئیں جس صورت پر حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں امید باندھ لی تھی غایت ما فی الباب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیشگوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں۔ مگر یہ غلطی نفس الہام میں نہیں۔ بلکہ سمجھ اور اجتہاد کی غلطی ہے۔ چونکہ انسان تھے۔ اور انسان کی رائے خطا اور صواب دونوں کی طرف جا سکتی ہے۔ اس لیے اجتہادی طور پر یہ لغزشیں پیش آگئیں" (ازالہ اوہام صہ۶)

اور اجتہادی غلطی کا انبیاء سے ہونا تمام علماء امت کو مسلم ہے۔ چنانچہ انبیاء کو اجتہادی غلطی لگ جانے کے متعلق پہلے حوالے پیش کئے جا چکے ہیں

دوم:۔ مختار مدعیہ نے علاوہ حوالہ مذکورہ کے ایک حوالہ اعجاز احمدی کا بھی پیش کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔ حالانکہ یہ بھی مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے کیونکہ اعجاز احمدی صہ۴ پر حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے۔

"حال میں ایک یہودی کی تالیف شائع ہوئی ہے۔ جو میرے پاس اس وقت موجود ہے گویا وہ محمد بن ثناء اللہ کی تالیف ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اس شخص یعنی عیسیٰ سے ایک معجزہ بھی ظہور میں نہیں آیا۔ اور نہ کوئی پیش گوئی اس کی سچی نکلی۔ وہ کہتا تھا کہ داؤد کا تخت مجھے ملے گا۔ کہاں ملا۔ (اس کے آگے بہت سی مثالیں ذکر کی ہیں)"

ہاں حضرت مسیح موعودؑ نے ان کو بھی اجتہادی غلطی ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اگر کسی الہام کے سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو امان اٹھ جاتا ہے اور شک پڑجاتا ہے کہ شاید اس نبی یا رسول یا محدّث نے اپنے دعویٰ میں دھوکا کھایا ہے۔ یہ خیال سراسر مغالطہ ہے اور جو لوگ نیم سودائی ہوتے ہیں وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں اور اگر ان کا یہی اعتقاد ہے تو تمام نبیوں کی نبوت سے ان کو ہاتھ دھو بیٹھنا چاہیے۔ کیونکہ کوئی نبی نہیں جس نے کبھی نہ کبھی اپنے اجتہاد میں غلطی نہ کھائی ہو۔ مثلاً حضرت مسیح جو خدا بنائے گئے ان کی اکثر پیشگوئیاں غلطی سے پُر ہیں" (اعجاز احمدی صفحہ ۲۴)

اور صفحہ ۲۵ پر فرماتے ہیں:

"ایک شریر یہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیگانہ عورت پر آپ عاشق ہو گئے تھے۔ لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔ آپ خدا کے مقبول اور پیارے تھے خبیث ہیں وہ لوگ جو آپ پر یہ تہمتیں لگاتے ہیں۔ ہاں آپ نے اجتہادی غلطی سے داؤد کے تخت کی تمنا کی تھی۔ مگر وہ تمنا پوری نہ ہوئی اور مطابق مثل مشہور کہ بن مانگے موتی ملیں۔ مانگے ملے نہ بھیک۔ آپ تو داؤد کے تخت سے محروم رہے۔ مگر وہ برگزیدہ خدا سید الرسل جس نے دنیا کی بادشاہت سے منہ پھیر کر کہا تھا۔ الفقر فخری یعنی فقر پر میرا فخر ہے۔ اس کو خدا نے بادشاہت دے دی۔

اور اسی صفحہ پر فرماتے ہیں۔

"غرض حضرت مسیح کا اجتہاد غلط نکلا۔ اصل وحی صحیح ہوگی مگر سمجھنے میں غلطی کھائی۔ افسوس ہے کہ جس قدر حضرت عیسےٰ کے اجتہادات میں غلطیاں ہیں اس کی نظیر کسی نبی میں بھی نہیں پائی جاتی شاید خدائی کے لیے یہ بھی ایک شرط ہوگی مگر کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان غلط اجتہادوں اور ان غلط پیشگوئیوں کی وجہ سے ان کی پیغمبری مشتبہ ہو گئی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جس یقین کو نبی کے دل میں اس کی نبوت کے بارہ میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ آفتاب کی طرح چمک اٹھتے ہیں اور اس قدر تواتر سے جمع ہوتے ہیں کہ وہ امر بدیہی ہو جاتا ہے۔ اور پھر بعض دوسری جزئیات میں اگر اجتہادی غلطی ہو بھی تو وہ اس یقین کو مضر نہیں ہوتی (اعجاز احمدی صفحہ ۲۶)

پس اعجاز احمدی میں جو کلام مسیح کی پیش گوئیوں کے متعلق کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو اسی جگہ ایک تو ان لوگوں کو جواب دینا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء اجتہادی غلطی نہیں کھاتے۔ دوسرے عیسائی جو ان کو خدا بناتے ہیں۔ ان کی بھی تردید کیے جاتے ہیں مختار مدعیہ تو اعجاز احمدی کی عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود ان کی نبوت ثابت کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ان سے جو اجتہادی غلطیاں صادر ہوئیں۔ اس وجہ سے ان کی نبوت مشتبہ نہیں ہو سکتی اور

اعجاز احمدی صـ۸ میں اصولی طور پر فرماتے ہیں

"انبیاء اور ملہمین صرف وحی کی سچائی کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ اپنے اجتہاد کے کذب اور خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ ان کی اپنی رائے ہے نہ خدا کا کلام"

پس حضرت مسیح کی جو پیش گوئیاں غلط نکلیں وہ درحقیقت ان کے اجتہادات تھے اس لیے ان کے پورا نہ ہونے سے ان کی نبوت مشتبہ نہیں ہوتی۔ اور نہ مختار مدعیہ کا اعتراض درست ہو سکتا ہے

(۲)۔ صداقت حضرت عیسیٰؑ

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ بھی الزام لگایا ہے کہ آپ نے حضرت عیسٰے کی اس وجہ سے بھی توہین کی آپ نے اپنی کتاب اعجاز احمدی صـ۱۳ پر لکھا کہ ہم نے انہیں قرآن مجید کے سہارے مان لیا ہے۔ اگر ایک شخص حضرت مسیح یا دیگر انبیاء کو قرآن مجید کے اقوال کی بنا پر صادق تسلیم کرتا ہے تو نہ معلوم اس میں ان انبیاء کی توہین کیسے لازم آ سکتی ہے۔ یہ مختار مدعیہ کا انوکھی طرز کا استدلال ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ یہود کے ان اعتراض کو مدنظر رکھ کر جو انجیل کی بنا پر انہوں نے کیے ہیں فرماتے ہیں:

"اور یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اور ان کی پیش گوئیوں کے بارہ میں ایسی قوی اعتراض رکھتے ہیں۔ کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں۔ بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہیں۔ کیونکہ قرآن نے ان کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا۔ اسی وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے۔ کہ وہ سچے نبی ہیں اور برگزیدہ ہیں اور ان تہمتوں سے معصوم ہیں جو ان پر اور اس کی ماں پر لگائی گئی ہیں" (اعجاز احمدی صـ۱۵)

مختار مدعیہ کو یہ نہایت گراں گزرا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے یہ قرآن کا احسان مسیح پر کیوں جتایا۔ حالاں کہ حقیقت یہی تھی کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت حضرت عیسٰے سے تعلق رکھنے والی دو قومیں تھیں ایک یہود اور دوسرے نصاریٰ۔ یہود تو نعوذ باللہ انہیں ملعون اور شیطان وغیرہ القاب سے یاد کرتے تھے۔ اور دوسرے عیسائی ان کے ماننے والے۔ وہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ پس اگر ان کی نبوت کسی چیز نے منوائی تو وہ قرآن مجید ہی تھا اور کوئی چیز نہ تھی اور یہی حقیقت ہے جس کو ہر عاقل و فرزانہ تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مولوی آل حسن صاحب جن کو گواہ مدعیہ مـ۱ ۲۱ اگست کو مسلمان تسلیم کر چکا ہے۔ اور گواہ مدعیہ مـ۲ ۲۹ اگست کو ان کی کتاب استفتاء کی تصدیق کر چکا ہے۔ لکھتے ہیں:

"از انجملہ اگلے سب انبیاء نے بنی اسرائیل پر ایمان لانے کی بسبب فقدان اسناد اور ثبوت، تحریف کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی۔ بجز تصدیق حضرت خاتم النبیین کے" (استفتاء، حاشیہ ازالہ اوہام ص۲۷۹)

مولوی آل حسن نے تو صرف حضرت عیسیٰ کی نبوت ہی نہیں بلکہ تمام انبیائے بنی اسرائیل کی نبوت کی ثبوت کا دارومدار آنحضرتؐ کی تصدیق کو قرار دیا۔ پس کیا مختار مدعیہ ان کے متعلق بھی یہی فتویٰ دے گا کہ انہوں نے تمام انبیائے بنی اسرائیل کی توہین کی ہے۔ اس لیے وہ کافر و مرتد ہیں۔

(۳)۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور شراب کا استعمال

گواہان مدعیہ نے کشتی نوح حاشیہ ص۶۵ کی عبارت سے یہ استدلال کیا تھا کہ مرزا صاحب نے اس میں یہ اقرار کیا ہے کہ مسیح شراب پیا کرتے تھے۔ اور اس سے صریح توہین حضرت عیسیٰؑ کی لازم آتی ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے جو اس کا تفصیلی جواب دیا تھا۔ مختار مدعیہ نے اس کی طرف توجہ کیے بغیر پھر وہی اعتراض کر دیا ہے۔ بات بالکل صاف تھی کشتی نوح ص۱۶ میں آپ نے صریح طور پر لکھا ہے کہ "میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ میں روحانیت کی رو سے اسلام میں خاتم الخلفا ہوں۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لیے خاتم الخلفا تھا۔ موسیٰؑ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہم نام ہوں اور مردود اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔" اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جس کتاب میں یہ عبارت موجود ہے اس میں کوئی بات ان کی ہتک اور توہین کی نہیں ہو سکتی اور جس عبارت پر اعتراض ہے وہ انجیل اور قرآنی تعلیم کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ انجیل کے پیرو عیسائی لوگ ہیں نہ کہ مسلمان پس فی الحقیقت یہ کلام عیسائی مسلمات پر کہا گیا ہے۔ جیسا کہ چشمہ معرفت کی عبارت ذیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

"کیا قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ شراب پی لیا کرو۔ یا یہ حکم ہے کہ بجز اپنی قوم کے دوسروں سے سود لے لیا کرو اور کیا عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح قرآن شریف بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتا ہے یا شراب پینے کا فتویٰ دیتا ہے یا یہ تعلیم دیتا ہے کہ بہر حال بدی کا مقابلہ نہ کرو۔" (چشمہ معرفت ص۲۵۶)

اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت مسیح کا شراب پینا بالکل ثابت ہے۔ چنانچہ دیوبندیوں کے مسلم مقتدا مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی بھی فرماتے ہیں۔

"جناب مسیح اقرار مے فرمایند کہ یحییٰ علیہ السلام نہ نان مے خورد و نہ شراب مے آشامید و آنجناب

شراب بہم سے نوشیدند" (ازالۃ الاوہام ص ۳۷)

پس یہ کلام جو کہ عیسائیوں کے مسلمات پر ہے۔ اس لیے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس پر تو گواہان ومختاران مدعیہ کے مسلمات کی بنا پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ شرح فقہ اکبر علامہ ملا علی قاری کے صفحہ ص ۱۷۱ میں لکھا ہے۔ کہ پہلے انبیاء کی شریعتوں میں شراب حرام نہیں تھی صرف امت محمدیہ کے لیے حرام کی گئی ہے اور صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۱۶ میں لکھا ہے۔

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب موافقۃ اھل الکتاب فیما لم یؤمر بہ"

(نیز دیکھو بخاری جلد ۲ ص ۲۲۷)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس امر کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو اس میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ اور صحیح بخاری میں ہے۔ کہ تحریم خمر سے پہلے صحابہ شراب پیا کرتے تھے اور چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے

"قال کنت اسقی ابا عبیدۃ وابا طلحۃ وابی بن کعب من فضیخ زھو وتمر فجاءھم آیت فقال ان الخمر قد حرمت فقال ابو طلحۃ قم یا انس فاھرقتھا"

(بخاری جلد ۳ ص ۲۱۴)

یعنی انسؓ نے کہا کہ میں ابو عبیدہ اور ابو طلحہ اور ابی ابن کعب کو شراب پلا رہا تھا تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ شراب حرام ہو گئی ہے تو ابو طلحہ نے کہا کہ اے انسؓ اٹھو اور اس کو زمین پر ڈھلکا دو تو میں نے اسے زمین پر پھینک دیا۔ پس جبکہ گواہان مدعیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس وقت شراب حرام ہی نہیں کی گئی تھی تو پھر حضرت مسیح موعود کے قول پر اعتراض کیسا اور اس سے توہین مسیح علیہ السلام کا الزام دینا کیسا۔ مختاران مدعیہ کو چاہیے تھا کہ پہلے وہ گواہان مدعا علیہ کے جواب کو توڑتے اور پھر نئے اعتراض کرتے۔ مگر ان کے اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے گواہان مدعا علیہ کے جوابات کو سمجھا ہی نہیں ہے اور باقی جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲۷۱۔

(۴)۔ دافع البلاء کا حوالہ

دافع البلاء کے حوالہ کا جو مدلل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں دیا تھا۔ مختار مدعیہ نے اُسے بالکل نظر انداز کرتے ہوئے پھر وہی اعتراض کر دیا ہے۔ جو کہ گواہان مدعیہ نے کیا تھا اور ضمنی طور پر ایک دو نئے اعتراض بھی کئے ہیں اس لیے پہلے میں نئے اعتراضوں کا جواب دیتا ہوں۔

پہلا اعتراض:

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راستباز آدمی جانتے ہیں گویا کہ وہ آپ کے نزدیک نبی نہیں ہیں۔ صرف راستباز ہیں۔ اور راستبازتو کافروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

جواب:

یہ مختار مدعیہ کی خوش فہمی ہے کہ وہ راستباز کے لفظ سے یہ شبہ نکالیں کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی نہیں ہیں۔ لیکن کوئی عقلمند شخص اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالے گا۔ جبکہ اس عبارت پر جو حاشیہ لکھا گیا ہے۔ اس میں یہ صاف طور پر لکھا ہے ''ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لیے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے اُن کو کچھ تعلق نہ تھا۔ پس ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ بعض انبیاء جولم نقصص میں داخل ہیں وہ اُن سے بہتر اور افضل ہوں گے۔''

حضرت اقدس نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انبیاء کے ساتھ مقابلہ کرکے بتا دیا کہ وہ بھی نبی تھے۔ ورنہ نبی تو غیر نبی سے بہرصورت افضل ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری تحریرات میں کثرت سے حضرت مسیح کو نبی اور رسول کہا گیا ہے۔ پس کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مختار مدعیہ کا یہ اعتراض دیانت و امانت اور راستگوئی پر مبنی ہے۔ استغفراللہ۔ اور اگر راستباز کہنے سے نبوت کی نفی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اُن کے حق میں جو ایک جگہ وجیھاً فی الدنیا والاخرۃ و من المقربین بیان فرمایا ہے۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ کے مقربوں میں سے ایک مقرب ہیں تو اس سے مختار مدعیہ کے طرز پر لازم آئے گا کہ حضرت مسیح صرف خدا کے مقرب تھے نہ کہ نبی بھی اور اس آیت میں ان کو نبی نہیں بلکہ مقرب کہا ہے اور ہر مقرب کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں۔ خدا کے ایسے بے شمار بندے ہوتے ہیں۔ جو مقرب الٰہی تو سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن نبی نہیں سمجھے جاتے۔ غرض مختار مدعیہ کے استدلال کی بناء پر تو یہ آیت پڑھ کر بھی کوئی کہہ دے گا۔ کہ دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی عدم نبوت کا اثبات کیا ہے اور پھر دوسری آیت میں کہا:

تکلم الناس فی المھد و کھلا و من الصالحین۔ یعنی وہ منجملہ دیگر صالحوں کے ایک صالح تھے۔

تو کیا مختار مدعیہ یہ تسلیم کرے گا کہ چونکہ اس آیت میں صرف صالح کہا گیا ہے۔ اس لیے خدا نے حضرت مسیح کے نبی ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ اور کیا مختار مدعیہ اس موقع پر بھی یہی کہے گا کہ صالح تو کفار میں سے بھی ہوتے ہیں پس اس آیت میں حضرت مسیح کی نبوت و رسالت کا انکار کیا گیا ہے۔

دوسرا اعتراض۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راستباز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا "واللہ اعلم" اور واللہ اعلم کہنے کے یہ معنی ہیں کہ بیشک کا لفظ بھی جھوٹ کہا۔ اور "اچھا تھا" بھی جھوٹ کہا۔

جواب

انشاء اللہ کہنے کی طرح مختار مدعیہ نے اپنے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود کی کلام میں "واللہ اعلم" کہنے سے یہ مراد لی ہے کہ جو کلام پہلے کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے۔ حالانکہ واللہ اعلم کے قول سے پہلے کلام کو جھوٹا قرار دینا ہرگز مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے پہلے کلام کے متعلق یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جو ہم سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے آگے اس سے زیادہ کوئی اور بات ہو یا اس کے خلاف ہو تو وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اس بیان سے اچھی طرح ظاہر ہے اور ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ واللہ اعلم کہنے کا یہی وہ مطلب نہیں جو مختار مدعیہ نے ظاہر کیا ہے بلکہ واللہ اعلم کہنے کا وہ مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے لیکن مختار مدعیہ کو مطمئن کرنے کی نیت سے اتنا اور کہہ دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اگر مختار مدعیہ کا مسلک درست ہے۔ پھر تمام وہ فتوے جن کے آخر میں واللہ اعلم لکھا ہوتا ہے۔ جھوٹے قرار پائیں گے۔ اور ماننا پڑے گا کہ ان مفتیوں نے جنہوں نے اپنے فتوے کے آخر میں واللہ اعلم بالصواب لکھا ہے۔ (اور یہ علی العموم لکھا جاتا ہے) دیدہ و دانستہ جھوٹا فتویٰ دیا ہے اور اس لحاظ سے تو گویا واللہ اعلم بالصواب کا جملہ جھوٹے فتوؤں کی شناخت کا ایک آلہ بن جائے گا یہ اور بات ہے کہ اس طرح نہ تو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا کوئی فتویٰ درست رہے گا۔ اور نہ مولوی خلیل احمد صاحب کا نہ مفتی عزیز الرحمن صاحب کا اور نہ مفتی حبیب الرحمن صاحب کا۔ اور نہ ہی ان سب کے پیر و مرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا۔ کیونکہ کسی فتوے کے آخر میں لکھا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ اور کسی کے آخر میں واللہ اعلم بالصواب واللہ مرجع المآب

تیسرا اعتراض

مرزا صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں " کہ یاد رہے کہ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ حضرت عیسےٰ اپنے زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھے تھے یہ ہمارا بیان محض نیک ظنی کے طور پر ہے۔ ورنہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں خدا تعالیٰ کی زمین پر بعض راستباز اپنی راستبازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں" فقط "ورنہ" پہلے کلام کے خلاف آتا ہے۔ ماقبل اور مابعد دونوں نقیض ہونے چاہئیں یہ اعجازی کلام ہے۔ چاہیے تھا کہ اس میں پہلے کی تردید ہوتی۔ لیکن یہاں بات ایک ہی ہے۔ کیونکہ پہلی عبارت میں زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھا کیا۔ اور "ورنہ" کے بعد بھی بعض کی راستبازی کو زیادہ ثابت کیا ہے اس لیے دونوں کلاموں میں کوئی فرق نہیں پس ادبی لحاظ سے یہاں "ورنہ" کا استعمال بالکل غلط ہے۔

جواب : مختار مدعیہ نے یہ اعتراض ایسے طور پر کیا کہ گویا یہ بھی آنجناب کے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ کے کفر کی ایک بہت بڑی وجہ ہے کہ انہوں نے "ورنہ" کا غلط استعمال کیا۔ جس سے اردو زبان کی توہین ہو گئی اور اردو زبان چونکہ علمائے دیوبند کی زبان ہے لہذا ان کی توہین ہوئی اور علماء کی توہین سے چونکہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوئی۔ لہذا مرزا صاحب کا کفر ثابت اور مرزا صاحب کافر۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان اپنی آنکھوں پر تعصب کی عینک لگا کر کسی کے کلام کو پڑھے تو اس کو حقیقت نظر نہیں آیا کرتی بلکہ وہ ایک سچی اور واقعی بات کو بھی قابل اعتراض سمجھا کرتا ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ کے حال سے ظاہر ہوا۔ ورنہ لفظ "ورنہ" جو حضرت مسیح موعودؑ کے کلام میں استعمال ہوا ہے بجائے خود بالکل درست استعمال ہوا ہے اور اس کو بے محل بتانا نا بے علمی کا نشان ہے کیونکہ "ورنہ" کا ماسبق اور مالحق مفہوم کے لحاظ سے ایک نہیں ہے بلکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ماسبق سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام بہت لوگوں کی نسبت اچھے تھے۔ تو باقی بعض سے درجہ میں برابر ہوں گے اور وہ باقی بعض حضرت مسیح سے افضل نہ ہوں گے۔ اور چونکہ ظاہر یہ کرنا تھا کہ بعض کا اُن سے بہتر ہونا بھی ممکن ہے اور یہ مفہوم پہلے مفہوم کے خلاف تھا۔ اس لیے لفظ "ورنہ" لا کر عبارت مالحق میں یہ مفہوم ظاہر کرنے کے لیے لکھا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں خدا تعالیٰ کی زمین پر بعض راستباز اپنی راستبازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں۔

مختار مدعیہ سے تو توقع نہیں۔ لیکن ہر غیر متعصب اور فہیم انسان دیکھ سکتا ہے کہ "ورنہ" کے ماسبق اور مالحق کا مفہوم ایک ہی ہے یا دونوں کے مفہوم میں عظیم الشان فرق موجود ہے اور اس امر کا ثبوت کہ حضرت عیسیٰ

کے دنت میں بعض راستبازوں کا تعلق باللہ میں افضل ہونا ممکن ہے حضرت اقدس نے اسی موقع پر پیش کر دیا اور وہ یہ ہے :

"کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ ومن المقربین جس کے یہ معنی ہیں کہ اس زمانہ کے مقربوں میں سے یہ بھی ایک تھے ۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سب سے بڑھ کر تھے بلکہ اسبات کا امکان نکلتا ہے کہ بعض مقرب ان کے زمانہ کے ان سے بہتر تھے ۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لیے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا ۔ پس ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ بعض انبیاء جو لم نقصص میں داخل ہیں وہ ان سے بہتر اور افضل ہوں گے ۔"

چوتھا اعتراض : مختار مدعیہ نے چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے گواہان مدعیہ کے اعتراض کے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت یحیٰی کی فضیلت پر "حصوراً" سے استدلال کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے "کیونکہ ایسے قصے اس نام کے لکھنے سے مانع تھے" یہ عیسائیوں کو جواب دیا ہے یا ان مسلمانوں کو جو مسیح کو تمام نبیوں سے افضل مانتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ نہ تو مسلمان حضرت مسیح کو تمام نبیوں سے افضل مانتے ہیں اور نہ عیسائی قرآن مجید کو صحیح مانتے ہیں جو ان پر قرآن مجید سے استدلال کرنا درست ہو اس لیے یہ مرزا صاحب کی اپنی تحقیق ہے اور وہ ان قصوں کو جو مسیح کی طرف منسوب کئے گئے صحیح خیال کرتے ہیں اور یہ صریح حضرت عیسیٰ کی توہین ہے

جواب : کتاب دافع البلاء جس سے یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں جا بجا عیسائیوں کو خطاب کیا گیا ہے چنانچہ صلا پر لکھا ہے "اور بالآخر یاد رہے کہ اگر تمام لوگ جن میں مسلمانوں کے ملہم اور آریوں کے پنڈت اور عیسائیوں کے پادری داخل ہیں چپ رہے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ سب لوگ جھوٹے ہیں" اور صلا پر لکھتے ہیں :

"اور عیسائیوں کے خیالات کے اظہار کے لیے ابھی ایک پادری وائٹ بریخٹ صاحب اور ان کی انجمن کی طرف سے اشتہار نکلا ہے اور وہ یہ کہ طاعون کے دور کرنے کے لیے اور کوئی تدبیر کافی نہیں بجز اس کے کہ حضرت مسیح کو خدا مان لیں اور اُن کے کفارہ پر ایمان لے آئیں"

اور جن آخری دو اوراق میں سے اعتراض پیش کیا گیا ہے اس کے شروع میں لکھا ہے :

"سردست ہماری ہمدردی کا قدر یہی ہو گا ۔ کہ پھر دوبارہ اسلام کے مولویوں اور عیسائی مذہب کے پادریوں اور ہندو مذہب کے پنڈتوں سے گالیاں سنیں ۔"

اس سے بھی ظاہر ہے کہ عیسائیوں کو اس میں خطاب کیا گیا ہے پھر جس حاشیہ کی عبارت بطور اعتراض پیش کی گئی ہے وہ جس عبارت کی توضیح کے لیے لکھا گیا ہے وہ یہ ہے "بہر حال اس مقابلہ کے وقت معلوم ہو گا کہ ان تمام

مذاہب میں کون سا ایسا مذہب ہے جس کا شفاعت کرنا اور منجی کے بزرگ لفظ کا مصداق ہونا ثابت ہو سکتا ہے سچے منجی کو ہر ایک چاہتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے پس بلا شبہ اب دن آگئے ہیں کہ ثابت ہو کہ سچا منجی کون ہے ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راست باز آدمی جانتے ہیں اور اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا۔ واللہ اعلم۔ مگر وہ حقیقی منجی نہیں تھا۔ یہ اس پر تہمت ہے کہ وہ حقیقی منجی تھا۔ حقیقی منجی ہمیشہ سے اور دنیا مت تک نجات کا پھل کھلانے والا وہ ہے جو زمین حجاز میں پیدا ہوا تھا اور تمام دنیا اور تمام زمانوں کی نجات کے لیے آیا تھا اب بتاؤ کہ کیا اس عبارت سے ظاہر نہیں کہ آخری کلام کے مخاطب عیسائی لوگ ہیں۔ اور اُن کے اس عقیدہ کی کہ حقیقی منجی مسیح ہے تردید کی جا رہی ہے اور لفظ "اکثر" پر اس حاشیہ کی نشانی ہے جس کی عبارت پر مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے اعتراض کیا ہے پھر یہیں تک قصہ ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس عبارت کے ملحق میں بھی عیسائیوں کا ذکر ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"جن لوگوں نے اس کو خدا بنایا ہے جیسے عیسائی یا وہ جنہوں نے خواہ مخواہ خدائی صفات اس کو دی ہیں جیسا کہ ہمارے مخالف اور خدا کے مخالف نام کے مسلمان وہ اگر ان کو اوپر اٹھاتے اٹھاتے آسمان پر چڑھا دیں یا عرش پر بٹھا دیں یا خدا کی طرح پرندوں کا پیدا کرنے والا قرار دیں ان کو اختیار ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت عیسائیوں سے متعلق ہے۔ جو مسیح کو خدا مانتے ہیں اور ان کے ساتھ مسلمان بھی ملحوظ رکھے گئے ہیں جو حضرت عیسیٰ کو آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے قائل ہیں۔ اور ان کو خدا کی صفات دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے انہیں بغیر اکل و شرب زندہ آسمان پر ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید سے استدلال کیا ہے اور عیسائی مسلمانوں پر حجت قائم کرنے اور مسیح کی خدائی اور اس کی فضیلت و برتری اور اس کا شفیع ہونا ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لیے مسیح موعود نے ان کے اس عقیدہ کو کہ مسیح حقیقی منجی ہے اور وہی سب راستبازوں کا سردار ہے بلکہ خدا ہے غلط ثابت کرنے کے لیے ان کی مسلّمہ باتوں کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے:

"انسان جب حیا اور انصاف کو چھوڑ دے تو جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا ہو یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن میں یحییٰ کا نام "حصور"

رکھا۔ مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصّے اس نام کو رکھنے سے مانع تھے۔ اور پھر یہ کہ حضرت عیسےٰ نے یحییٰ کے ہاتھ پر جس کو عیسائی یوحنا کہتے ہیں۔ جو پیچھے ایلیا بنایا گیا۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی اور ان کے خاص مریدوں میں داخل ہوئے تھے اور یہ بات حضرت یحییٰ کی فضیلت کو بالبداہت ثابت کرتی ہے کیونکہ بالمقابل اس کے یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ یحییٰ نے بھی کسی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی پس اس کا معصوم ہونا بدیہی امر ہے"۔

یعنی حقیقت تو یہی ہے کہ مسیح علیہ السلام کی راستبازی اُن کے زمانہ کے دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن باوجود اس کے اگر تم اسے خدا بناتے ہو یا اسے خدائی صفات دیتے ہو تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے اور تمہارے مسلّمہ امور کے بھی مخالف ہے۔

"بلاشبہ یحییٰ نبی کو اُس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سُنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا الی آخرہ"

سو جوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ فرمانا کہ "نہیں سُنا گیا" جس کا مفہوم پہلی عبارت کے ساتھ یہ ہے کہ مسیح کے متعلق تو یہ بات سنی گئی اور "یحییٰ کے متعلق نہیں سنا گیا" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیم میں ان امور کا نشان نہیں پایا جاتا کیونکہ اگر اسلامی تعلیم میں یہ باتیں ہوتیں تو ان کے لیے "سنا گیا" اور "بعد میں بنایا گیا" کے الفاظ ہی استعمال میں نہ آتے۔ کیونکہ وہ اپنے عقیدہ میں مذہبی ہوتیں اور تاریخ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ امر یہود اور نصاریٰ دونوں سے سُنا گیا۔ اگرچہ دونوں کا نقطۂ نظر مختلف تھا۔ عیسائیوں نے تو ان امور کو معیوب نہ جان کر نقل کیا۔ لیکن یہود نے ان کو بطور اعتراض کے نقل کیا اور شراب پینے کا ذکر اور یحییٰ کے ہاتھ پر مسیح کے توبہ کرنے کا ذکر انجیل میں پایا جاتا ہے پس عیسائیوں پر حجت تمام کرنے کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ جس کو تم خدا بنا رہے ہو اس کے متعلق یہ امور تمہاری انجیلوں میں پائے جاتے ہیں پھر وہ دنیا کے تمام راستبازوں سے بڑھ کر اور خدا کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ اور چونکہ فاحشہ عورت کے عطر ملنے اور دیگر واقعات کو یہود نے بطور اعتراض پیش کیا تھا اور قسم قسم کے الزامات مسیح اور ان کی والدہ پر لگائے تھے اس لیے آنحضرت نے ایک حدیث میں ان کے الزامات سے تطہیر فرمائی لیکن بعض مسلمانوں نے اس سے یہ سمجھا کہ مس شیطان سے محفوظ ہونا صرف حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ کی خصوصیت ہے اس لیے پھر عیسائیوں نے جیسے ان کے دوسرے عقائد کو مسیح کی الوہیت کی دلیل اور تمام انبیاء پر فضیلت کا سبب مانا تھا۔ اس حدیث کو بھی مسیح کی فضیلت کا موجب گردانا۔ سو عیسائیوں کی اس دلیل کو کہ حدیث سے مسیح کی فضیلت دوسرے راستبازوں پر ثابت ہوتی ہے رد کرنے کے لیے حضور نے آخر میں فرمایا کہ "مسلمانوں میں یہ جو مشہور ہے کہ عیسیٰ اور اس کی ماں مس شیطان سے پاک ہیں

اس کے معنے نادان لوگ نہیں سمجھتے (مسلمانوں سے ہوں یا عیسائیوں سے شمس) اصل بات یہ ہے کہ پلید یہودیوں نے حضرت عیسٰی اور ان کی ماں پر سخت ناپاک الزامات لگائے تھے اور دونوں کی نسبت نعوذ باللہ شیطانی کاموں کی تہمت لگاتے تھے سو اس افترا کا رد ضروری تھا۔ پس اس حدیث کے اس سے زیادہ کوئی معنی نہیں کہ یہ الزام جو حضرت عیسٰی اور ان کی ماں پر لگائے گئے ہیں یہ صحیح نہیں ہیں۔ بلکہ ان معنوں پر وہ مس شیطان سے پاک ہیں اور اس قسم کے پاک ہونے کا واقعہ کسی اور نبی کو پیش نہیں آیا۔"

اب ہمیں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس عبارت میں جن الزامات سے مسیح کو بری قرار دیا ہے وہ وہی الزامات ہیں۔ جو اس سے پہلے ذکر ہوئے ہیں اور وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ امر خود حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب میں بالتصریح بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

۱۔ حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا طریق تعلیم عطا کیا تھا جس سے بدبخت یہودی خیال کرتے تھے کہ وہ توریت کو چھوڑتا ہے اور الحاد کی راہ سے اس کے معنے کرتا ہے اور نیز کہتے تھے کہ اس شخص میں تقویٰ اور پرہیزگاری نہیں۔ کھاؤ پیو ہے اور برائیوں اور بدچلنوں کے ساتھ کھاتا پیتا اور اُن سے اختلاط کرتا ہے اور اجنبی عورتوں سے باتیں کرتا ہے چنانچہ نادان یہودیوں کے یہ اعتراضات آج تک ہیں کہ یسوع نے جس کو عیسائی اپنا خدا قرار دیتے ہیں۔ ناپاک عورتوں سے اپنے تئیں دور نہیں رکھا۔ بلکہ جب ایک زناکار عورت عطر لے کر اس کے پاس آئی تو اس کو زانیہ یہ موقع دیا۔ کہ وہ حرام کی کمائی کا عطر اس کے سر کو ملے اور اس کے پیروں پر اپنے زینت کردہ بال رکھے اور ایسا کرنا اس کو روا نہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ وہ اعتراض ہیں جو یہودیوں کی کتابوں میں لکھے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسا ہی عیسائیوں نے بھی حضرت مسیح پر جھوٹے الزام لگائے تھے کہ گویا انہوں نے نعوذ باللہ خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو اطلاع دی تھی کہ ایسے ایسے ناپاک الزام تیرے پر لگائے جائیں گے اور ساتھ ہی وعدہ دیا تھا کہ میں تیرے بعد ایک نبی آخر زمان بھیجوں گا۔ اور اس کے ذریعہ یہ تمام اتہامات تیری ذات پر سے دفع کروں گا اور وہ تیری سچائی کی گواہی دے گا اور لوگوں پر ظاہر کرے گا کہ تو سچا رسول ہے سو ایسا ہی وقوع میں آیا یعنی جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آئے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تو آپ نے حضرت مسیح کا دامن ہر ایک الزام سے پاک کر کے دکھلایا" (تریاق القلوب حاشیہ در حاشیہ ص۱۴۳-۱۴۲)

عیسائی بھی ان باتوں کو مانتے ہیں کہ مسیح نے شراب پی۔ خزینۃ الاسرار اور تفسیر انجیل متی ص۱۸۷ اور یوحنا یعنی یحییٰ ایسا نہ تھا (متی)۔ ایک فاحشہ عورت نے یسوع کے پاؤں پر اپنے بال لگا کر پونچھے (لوقا ۷/۳۷-۴۹) اور بعض ایسی عورتیں جن کا مسیح سے کوئی جسمانی تعلق نہ تھا۔ آپ کی خدمت کرتی تھیں (متی ۲۷/۵۵ لوقا ۸/۲-۳) اور یوحنا سے مسیح کے بپتسمہ لینے کا ذکر دیکھو (لوقا باب ۳ و یوحنا باب ۱)۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ دافع البلاء کی عبارت میں جن قصّوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ عیسائیوں کے مسلّمات میں سے ہیں تو لازماً ہمیں ماننا پڑا۔ کہ یہاں عیسائیوں کو اُن کے مسلّمات کی بناء پر جواب دیا جارہا ہے کہ مسیح خدا تو کجا اپنے زمانہ کے اور راستبازوں سے بھی راستبازی میں بڑھ کر ثابت نہیں ہوئے۔ اور اگر کہو کہ قرآن مجید کی رو سے ان کی تمام راستبازوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جس طریق پر تم فضیلت ثابت کرتے ہو اس طریق پر یحییٰ کی مسیح پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہاں لفظ "حصُور" کو خصوصیت سے اس لیے پیش کیا۔ کیوں کہ عیسائیوں نے اس لفظ سے یہ استدلال کیا تھا کہ حضرت یحییٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی رو سے افضل ہیں۔ چنانچہ ایک پادری نے اپنے ایک رسالہ موسومہ "دلائل اثبات رسالت عیسیٰ مسیح" (دیکھئے ازالۃ الاوہام) میں یہ لکھا ہے کہ "اگر محمد کی طرح کوئی شخص اس زمانہ میں ہوتا تو کوئی اس کو اپنے پاس بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتا۔ آیا وہ نہیں سمجھتا تھا۔ کہ تجرد اچھا کام ہے حالاں کہ یحییٰ کی صفت میں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ وہ سردار تھا اور عورت کے پاس نہیں جاتا تھا اور نبی تھا نیکوکاروں میں سے۔ پس محمد کو اقرار تھا اس امر کا کہ یحییٰ اس سے پاک اور بزرگ تھا اور درحقیقت محمد کو یحییٰ سے کیا مناسبت تھی"

حضرت یحییٰ کی جو تعریف اس عبارت میں کی گئی ہے وہ آیہ شریفہ سیداً وحصُوراً ونبیاً من الصالحین، کا ترجمہ ہے اب مختاران مدعیہ سوچیں کہ عیسائی تو قرآن کو نہیں مانتا لیکن ان کو قرآن مجید میں سے حضرت یحییٰ کے متعلق جو لفظ حصوراً آیا تھا۔ اس کو لے کر کبھی آنحضرتؐ پر سخت توہین آمیز طعن کی ہے۔ اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس زمانے میں اگر کوئی شخص آپ کی طرح ہوتا تو اس کو کوئی اپنے پاس بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتا اور حضرت یحییٰ ان سے افضل ہیں۔ کیونکہ وہ عورتوں سے بالکل ہی دور رہتے تھے اور آنحضرت عورتوں کے معاملہ میں اس کے بالکل ہی خلاف تھے اسی وجہ سے یحییٰ علیہ السلام کا نام تو قرآن مجید میں حصور رکھا گیا۔ اور آنحضرت کو یہ نام نہ دیا گیا۔ پس اس طعن کو حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائیوں پر لوٹا دیا ہے کہ اے عیسائیو اگر تمہارا یہ اعتراض درست ہے۔ کہ آنحضرت کا نام حصُور نہ رکھا جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ عورتوں سے تعلق رکھتے تھے اور یحییٰ کا نام حصُور اس لیے رکھا گیا کہ وہ عورتوں سے دور رہتے تھے اور اس سے ان کی آنحضرتؐ پر افضلیت ثابت ہوتی ہے تو تمہیں یہ امر تسلیم کرنا چاہیے کہ حضرت یحییٰ حضرت مسیح سے بدرجہا افضل ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ جن عورتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تو ان کی عفیفہ اور صالحہ بیویاں تھیں لیکن جن عورتوں کا حضرت مسیح کے ساتھ رہنا اور خلا ملا کرنا تم مانتے ہو وہ ان کی بیویاں نہ تھیں بلکہ بعض ان میں سے بدچلن اور بدکار عورتیں تھیں اور تم جانتے ہو کہ حضرت یحییٰ آبادی سے دور بیابان میں رہتے تھے جہاں عورتوں کا گذر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت مسیح آبادی میں رہتے تھے اور عورتیں ان کے پاس آتی جاتی تھیں۔ پس تم کو ماننا چاہیے کہ اس وجہ سے خدا نے قرآن شریف میں یحییٰ کا نام حصُور رکھا۔

مگر مسیح کا یہ نام نہیں رکھا۔ کہ اس قسم کے قصے جن سے تم کو بھی انکار نہیں ہے۔ اس نام کے رکھے جانے سے مانع تھے
پس حضرت مسیح موعودؑ نے اس جگہ عیسائیوں کے طرزِ استدلال کو مدنظر رکھتے ہوئے ان پر حجت قائم کی ہے۔ اور انہوں نے جو اعتراض آنحضرت پر کیا تھا وہی ان پر لوٹا دیا ہے۔

اور ایسا ہی گواہانِ مدعیہ اور مختار مدعیہ کے مسلمہ مقتدا اور شیخ الہند مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر بیت اللہ مرحوم نے اپنی کتاب ازالۃ الاوہام میں کیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا طعن کا بھی آپ نے ذکر کیا ہے اور پھر بالکل اسی طرح عیسائیوں کی طعن ان پر لوٹائی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے دافع البلا میں چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم اپنی کتاب ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۶۷ میں پہلے پادریوں کے طعن دوم ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

طعن دوم۔ نبوت را پاکیزگی لازم است محمد پابند شہوات نفسانیہ بود کہ ۹ زوجہ نمود اس کے بعد اس طعن کا جواب دیتے ہوئے صفحہ ۳۶۸ میں فرماتے ہیں:

"دریں طعن علمائے ایں فرقہ مسیحیہ چہ زبان درازیہا ست کہ بہ نسبت خیر البشر کردہ اند اگرچہ دل مے سوزد مے خواہد کہ آں ہمہ را نقل کردہ الزاماً معکوس سازم مگر خوف طوالت مانع ازیں جہت ہمہ را گذاشتہ فقط قول صاحب دلائل اثبات رسالت مسیح را کہ او موافق زعم خود تمسک باین قرینہ نمودہ طعن مے نماید۔ اکتفا مے کنم۔"

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ دل تو یہ چاہتا ہے۔ کہ علماء مسیحیہ کی ان زبان درازیوں کو جو اس طعن میں انہوں نے کی ہے۔ نقل کر کے الزاماً ان پر لوٹ دوں مگر خوف طوالت مانع ہے۔ اس لیے مصنف دلائل اثبات رسالت مسیح کے ایک طعن پر جو اس نے اپنے زعم میں آیتِ قرآنی سے تمسک کیا ہے۔ اکتفا کرتا ہوں۔ پھر آپ مؤلف مذکور کے متعلق لکھتے ہیں:

"در آخر رسالہ خود بزبان اردو مے نگارد کہ ترجمہ اش ایں کہ اگر شخصے مثل محمد دریں زماں مے بود کسے نزد خود اجازت نشستن او را نہ داد سے وا آیا دانے نہمد۔ کہ تجرد کار نیک است وحالانکہ در صفت یحیٰی در قرآن مے نویسد۔ کہ او سردار خواہد بود و نزد زن نخواہد رفت و نبی خواہد بود از نیکاں پس خود اقرار دارد بریں کہ یحیٰی از و پاک بود و بزرگ محمد را با یحیٰی چہ مناسبت است۔"

اس عبارت کا اردو ترجمہ یعنی دلائل اثباتِ رسالت مسیح سے اوپر گذر چکا ہے۔ اس کے بعد مولوی رحمت اللہ صاحب ان کے اس طعن کو ان پر اس طرح لوٹانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"در آیا مسیح و حواریاں از توریت و کتاب القضات واقف نبودند۔ کہ دانستندے۔ کہ شراب آں قدر نجس و پلید است۔ آیا مسیح و حواریان نہ دانستند کہ ریاضت در روزہ محمودہ است۔ چنانچہ یحیٰی د

شاگردانِ او بعمل مے آرند۔ پس چرا دوام ایام خود را بے ریاضتی بسر مے بردند دائم حریص اکل و شرب شراب بودند۔ آیا مسیح این قدر خیال نمے کردند کہ اجتناب از زناں اجنبیہ خصوصاً فاحشہ ضرورلیست و محبت داشتن بازناں نامحرم بناید پس باقرار مسیح فضیلت یحییٰ بردر فضیلت شاگردانِ یحییٰ بر شاگردانِ او ثابت شد۔ و فی الحقیقت مسیح و شاگردانِ او را با یحییٰ و شاگردانِ او ہیچ مناسبت"

(صـ۳۷۱ ازالۃ الاوہام)۔

اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ آیا مسیح اور حواری شراب کا نجس و بد اور عبادت روزے کا اچھا ہونا نہیں جانتے تھے یحییٰ اور اس کے شاگرد تو روزہ رکھتے اور عبادت کرتے تھے۔ لیکن مسیح اور اس کے حواری کس طرح بغیر عبادت کے بسر کرتے تھے اور نشہ کھانے اور شراب پینے کے حریص رہتے تھے۔ آیا مسیح اس قدر خیال نہیں کرتے تھے۔ کہ اجنبی عورتوں خصوصاً حرام کاروں سے پرہیز ضروری ہے اور نامحرم عورتوں سے محبت نہیں کرنی چاہیے۔ پس باقرار مسیح اور ان کے شاگردوں کو یحییٰ اور ان کے شاگردوں سے کیا مناسبت۔

اب دیکھنا چاہیے کہ کیا یہ عبارت دافع البلاء کی عبارت کی طرح نہیں ہے اور کیا اس میں وہی طریق اختیار نہیں کیا گیا جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں عبارتیں ایک ہی رنگ کی ہیں اور ایک ہی آیت کے متعلق ہیں اور جس طرح حضرت اقدس کی عبارت یہی "وجہ" کے الفاظ ہیں اسی طرح مولانا رحمت اللہ مہاجر بیت اللہ کی عبارت میں فی الحقیقت کے الفاظ ہیں اور جس طرح مولانا کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں الزامی طور پر جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کی رو سے لکھا کر اسی طرح حضرت اقدس کی عبارت میں یہی وجہ کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آپ نے عیسائیوں کے مقابلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے عقیدے کی رو سے لکھا ہے۔

ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ

مختار مدعیہ نے ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب اور مولوی آل حسن صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی جو عبارت پیش کی گئی ہے۔ وہ قابلِ اعتراض نہیں ہے اور ان سے توہین لازم نہیں آتی۔ کیونکہ انہوں نے تو لکھ دیا ہے کہ یہ بطور الزام کے ہم لکھ رہے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے تو یہ کہا ہے۔ کہ میں یسوع کے متعلق یہ باتیں کہتا ہوں۔ اور گواہان مدعیہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یسوع اور عیسیٰ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ لہٰذا مرزا صاحب کی عبارتوں سے مسیح کی توہین لازم آتی ہے۔ اس کا جواب اگرچہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں میں تفصیل سے آچکا ہے۔ لیکن یہاں بھی اختصار سے ایک دو باتیں کہہ دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں۔

اگر مولوی رحمت اللہ مہاجر مکی اور مولوی آل حسن صاحب اور دیگر اشخاص کے خاص حضرت عیسیٰ کا نام لیتے اور عیسائیت وغیرہ ان کے معجزات جو قرآن مجید سے ثابت ہیں انہیں بھان متی کا تماشا کرنے والوں کے ہتھکنڈوں سے تشبیہ دیتے ہیں حضرت مسیح کی اس وجہ سے توہین لازم نہیں آتی کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ ہم الزامی طور پر یہ جواب دے رہے ہیں تو حضرت مسیح موعودؑ تو یسوع کا نام لے کر جو لکھا اور یہ تصریح کر دی کہ یہاں حضرت عیسیٰ مراد نہیں ہے۔ کیونکر باعثِ توہین ہو سکتی ہے اور اس سے حضرت عیسےٰ کی توہین کیونکر لازم آئے گی ضمیمہ انجام آتھم سے جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل عبارتیں قابل غور ہیں:

۱۔ ایک مردہ پرست فتح مسیح نام نے فتح گڑھ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور سے اپنی پہلی بے حیائی کو دکھا کر ایک گندہ اور بدزبانی سے بھرا ہوا خط لکھا ہے (ضمیمہ انجام آتھم ص۳)

۲۔ یسوع کی تمام پیشگوئیوں میں سے جو عیسائیوں کا مردہ خدا ہے (حاشیہ ص۴)

۳۔ ان دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں نے ایسی ایسی پیشگوئیاں اس کی خدائی پر دلیل ٹھیرائیں۔ اور ایک مردہ کو اپنا خدا بنا لیا (حاشیہ ص۴)۔

۴۔ متی کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے (حاشیہ ص۵)

۵۔ ایک فاضل پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنی تمام زندگی میں تین مرتبہ شیطانی الہام بھی ہوا تھا (حاشیہ ص۶)

۶۔ عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں (حاشیہ ص۶)

۷۔ آپ کا یہ کہنا کہ میرے پیرو زہر کھائیں گے اور ان کو کچھ اثر نہیں ہوگا (حاشیہ ص۷)

۸۔ افسوس کہ نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں (حاشیہ ص۷)

۹۔ آپ وہی حضرت ہیں جنہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ ابھی تمام لوگ زندہ ہوں گے کہ میں پھر واپس آجاؤں گا (حاشیہ ص۸)

ان تمام عبارات سے ظاہر ہے کہ یہاں مخاطب عیسائی ہیں۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو گندہ دہانی کی ہے تو الزاماً اُن کے رسول یسوع کے متعلق جسے وہ خدا بنا رہے ہیں یہ جوابات دیئے گئے ہیں اور حضرت مسیح موعود کا ایک جگہ "مگر حق بات یہ ہے" کہنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے مولوی رحمت اللہ صاحب نے اس حوالہ میں جو اوپر گذر چکا ہے فی الحقیقت کہا ہے اور گواہان مدعیہ نے باوجود اچھی طرح یہ جاننے کے کہ ان کے اکابر نے عیسائیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا نام لے کر اس قدر سخت کلمات استعمال کیے ہیں جن کے مقابلہ میں حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام ان الفاظ کی سختی جو آپ نے پادریوں کے فرضی یسوع کے متعلق لکھے ہیں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی اور باوجود اچھی طرح سے سمجھنے کے کہ جس طرح ان کے

اکابر نے الزامی طور پر سخت الفاظ لکھے ہیں۔ اس طرح حضرت اقدس نے بھی الزامی طور پر لکھے ہیں۔ لیکن پھر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر توہین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا الزام لگا دیا۔ چنانچہ اس میں سے چند کلمات کا ذکر انہوں نے اپنے بیانوں میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۲،۱۔

اور حضرت مسیح موعود نے اسی حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم کے آخر میں جس کے کلمات پر گواہان مدعیہ نے اعتراض کیا ہے یہ تحریر فرمایا ہے

"بالآخر ہم لکھتے ہیں۔ کہ ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی انہوں نے ناحق ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ اُن کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اس پلید۔ نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زانی لکھا ہے اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں پس اس طرح اس مردود اور خبیث فرقہ نے جو مردہ پرست ہے ہمیں اس بات پر مجبور کر دیا ہے۔ کہ ہم بھی ان کے یسوع کے کسی قدر حالات لکھیں اور مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹ مار رکھا اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے" (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۱۰،۹،۸)

اور انجام آتھم کے ص۱۳ پر بھی فرمایا ہے:

"اور یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا۔ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں"۔

پس آپ نے تصریح فرما دی کہ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے مسیح کے لیے نہیں جو خدا تعالیٰ کے ایک راستباز بندہ اور نبی تھا۔ بلکہ عیسائیوں کے اس فرضی اور موہوم یسوع کی نسبت ہے جس کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا تھا۔ اور خدائی صفات اپنے اندر رکھتا تھا اور یہ بھی فرض محال کے طور پر ہے ورنہ ایسے یسوع کا بھی کوئی وجود نہیں ہے جیسے کہ مولوی محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں:

"مفرط فی المحبت اس کا محب نہیں جس کی محبت کا مدعی ہوتا ہے بلکہ اپنی خیالی تصویر کا محب ہوتا ہے۔ ہدیۃ الشیعہ ص۲۴۵۔

اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں :

" نصاریٰ جو دعوے محبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں تو حقیقت میں ان سے محبت نہیں کرتے کیونکہ دارومدار اُن کی محبت کا خدا کا بیٹا ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معلوم البتہ ان کے خیال میں تھی۔ سو وہ اپنی تصویر خیالی کو پوجتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے (ہدیۃ الشیعہ ص ۲۴۵)

کیا مولوی محمد قاسم صاحب کی عبارت محولہ بالا سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح موعود نے حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم بالسی اور کتاب میں جو کچھ عیسائیوں کے مفروضہ خدا کے متعلق لکھا ہے وہ ان کی ایک خیالی تصویر کے متعلق ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق۔ جو خدا تعالیٰ کے ایک نبی تھے پس یہاں یہ سوال نہیں پیدا ہوسکتا کہ مسیح کا نام تو یسوع بھی تھا۔ ہوا کرے لیکن آپ نے دو یسوع کی صفات بیان کرکے تخصیص کر دی ہے کہ وہ یسوع مراد نہیں بلکہ وہ مراد ہے جو خدا ہونے کا مدعی تھا اور ایسے فرضی طور پر کلام کرنے کا ثبوت گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں مثالوں کے ساتھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۲۱

پس جس طریق پر حضرت مسیح موعود نے یسوع کے متعلق کلام کیا ہے ایسے کلام کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء کا ذکر کرکے فرماتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا الٰی نجزی الظالمین (سورۃ انبیاء)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کرکے جنہوں نے خدا کے لیے ولد بنایا ہے فرمایا کہ خدا تو اتخاذ ولد سے پاک ہے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو خدا کا بیٹا بنایا ہے وہ خدا کے معزز اور مقرب بندے تھے۔ اور پھر آخر میں فرمایا ہے کہ جو ان میں سے یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو اس کو اس کے اس بدلے میں جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح یہ سزا دیا کرتے ہیں۔

اب آخری کلام کہ جو شخص یہ کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں ان لوگوں کے اعتقاد کی بنا پر کی گئی ہے کہ جنہوں نے خدا کے لیے ولد تجویز کیا تھا۔ ورنہ حقیقت میں خدا تعالیٰ کے لیے کوئی ولد نہیں اور نہ کسی نبی نے یہ کہا۔ کہ میں خدا کا حقیقی ولد ہوں اور نہ ہی کسی نبی سے یہ ممکن ہے کہ وہ کہے میں خدا کے سوا معبود ہوں جیسا کہ آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ (آل عمران) سے ظاہر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ کتاب حکم اور نبوت دیتا ہے اس سے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ نبی بھی ہو۔ اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم مجھے خدا کے سوا معبود بناؤ اور تم میرے بندے بنو۔

پس جیسا کسی نبی سے یہ متصور نہیں تھا۔ کہ وہ لوگوں سے کہے کہ مجھے خدا کے سوا معبود بناؤ تو پھر خدا تعالیٰ کا یہ

فرمایا کہ جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو اس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ یہ صرف فرضی طور پر ہے اور صرف ان لوگوں کے عقیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہے جنہوں نے بعض انبیاء کو خدا کے سوا معبود مانا تھا اور اگر جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے اس آیت میں ملائکہ بھی مراد لئے جائیں تو پھر بھی یہ کلام فرضی طور پر ہی ماننا پڑے گا۔ اور یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ جنہوں نے ملائکہ کو خدا کے سوا معبود بنایا ہے اُن کے عقیدہ کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے ورنہ ملائکہ کی تو یہ صفت ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی کام کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دوسری آیت میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا کہ مسیح خدا ہے ذکر کر کے فرماتا ہے۔ قل فمن يملك من الله شيئا ...... جميعا (مائدہ رکوع ۳) کہہ تو ان لوگوں کو جنہوں نے مسیح کو خدا بنایا ہے کہہ دے کہ کون روک سکتا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنی طاقت کے ذریعہ سے اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہے کہ مسیح اور اس کی والدہ اور تمام ان لوگوں کا جو زمین پر ہیں عذاب دے کر استیصال کر دے

تو یہاں بھی مسیح کے حق میں جو کلام کیا گیا ہے وہ بھی عیسائیوں کے عقیدہ کو مدنظر رکھ کر کہا گیا ہے ورنہ ایک خدا کا نبی خدا کے عذاب میں کس طرح گرفتار ہو سکتا ہے اور کیونکر خدا تعالیٰ اس کا استیصال کرے گا۔

پس حضرت مسیح موعود نے جہاں یسوع یا مسیح کے متعلق کلام کیا ہے تو وہ اسی فرضی یسوع اور مسیح کے متعلق ہے جس کو عیسائیوں نے خدا کے سوا معبود بنایا۔

حضرت مسیح موعود کے بعض حوالہ جات کہ فرضی یسوع مراد ہے حضرت عیسیٰ نہیں

۱۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:

ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح پر نہایت نیک عقیدہ ہے ہم دل سے یقین رکھتے ہیں۔ کہ وہ خدا کے سچے نبی اور اس کے پیارے تھے اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے۔ اپنی نجات کے لیے ہمارے سید و مولا محمد مصطفیٰ پر دل و جان سے ایمان لائے تھے اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح اُن کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اولین و آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا۔ یعنی ان بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا۔ جن کی سزا لعنت ہے۔ اور ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بد زبان یسوع کی خبر نہیں دی۔ اس شخص کے چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے۔ جس نے خدا پر مرنا جائز رکھا اور

آپ خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور ایسے پاکوں کو جو ہزار ہا درجہ اس سے بہتر تھے۔ گالیاں دیں۔ سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی مسیح مراد لیا ہے۔ اور خدا کا عاجز بندہ عیسیٰ ابن مریم جو نبی تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیوں کو سن کر اختیار کیا ہے" (تبلیغ رسالت جلد چہارم صفحہ ۶۵، ۶۶)

۲۔ "ہمیں حضرت مسیح کی شان مقدس کا بہر حال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے" (نور القرآن مطبوعہ صفحہ ۱ ۱۸۹۵ء)

۳۔ اس رسالہ کے صفحہ ۱۳ پر پادریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"یقیناً جو کچھ تم مقدس نبوی کی نسبت بُرا کہو گے وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا نہ بیٹا ہونے کا اور جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور ان پر ایمان لایا۔"

۴۔ اور فرماتے ہیں :

"پڑھنے والوں کو چاہیے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کا مصداق حضرت عیسیٰ کو نہ سمجھ لیں بلکہ وہ ہمارے کلمات اس لیسوع کی نسبت لکھے گئے ہیں جس کا قرآن و حدیث میں نام و نشان نہیں" (تبلیغ رسالت جلد پنجم صفحہ ۸)

۵۔ اور فرماتے ہیں :

"ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور نیک اور راستباز مانتے ہیں تو پھر کیونکر ہماری قلم سے اُن کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں" (کتاب البریہ صفحہ ۹۳ مطبوعہ ۱۸۹۸ء)

۶۔ اور فرماتے ہیں :

"ہم اس بات کے لیے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور اُن کی نبوت پر ایمان لائیں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو اُن کی شان بزرگ کے برخلاف ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے والا ہے اور جھوٹا ہے" (ایام الصلح ٹائٹل پیج صفحہ ۲ ۱۸۹۹ء)

۷۔ اور فرماتے ہیں :

"حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ مرے منہ سے نہیں نکلتا یہ سب مخالفوں کا افترا ہے

ہاں چونکہ درحقیقت کوئی ایسا یسوع مسیح نہیں گزرا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو۔ اور آنے والے نبی خاتم الانبیاءؐ کو جھوٹا قرار دیا اور حضرت موسیٰ کو ڈاکو کہا ہو۔ اس لیے میں نے فرض محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں۔ راستباز نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدق ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں"۔ (تریاق القلوب حاشیہ ص۳۷)۔

۸۔ اور فرماتے ہیں:

"میں (مسیح ابن مریم کی) عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور مفتر اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا"۔ (کشتی نوح ص۱۶)

۹۔ اور فرماتے ہیں:

"اور یاد رہے کہ ہم عیسیٰ کی عزت کرتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھتے ہیں۔ اور ہم ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں جو آج کل شائع ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں یہ دکھلانا منظور رہے کہ جس طرح یہود محض تعصب سے حضرت عیسیٰ اور ان کی انجیل پر حملے کرتے تھے۔ اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآن اور آنحضرت پر کرتے ہیں عیسائیوں کو مناسب نہ تھا کہ اس طریق میں یہودیوں کی پیروی کرتے (چشمہ مسیح مقدمہ ص ب)

۱۰۔ اور فرماتے ہیں:

"ہمارا جھگڑا اس یسوع کے ساتھ ہے۔ جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے نہ اس برگزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن کی وحی میں معہ تمام لوازم کے کیا ہے (تبلیغ رسالت جلد ششم ص۳۲ اشتہار ۲۸ فروری ۱۸۹۷ء)

۱۱۔ اور فرماتے ہیں:

"ھذا ما کتبنا من الاناجیل علی سبیل الالزام ..... کرامات الصادقین حاشیہ ص۹)

(ترجمہ) یعنی جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اناجیل سے بطور الزامی جواب کے لکھا ہے ورنہ ہم خود حضرت مسیح کی عزت کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ آپ متقی اور معزز انبیاء میں سے تھے۔

حضرت مسیح نبی اللہ ہیں

۱۔ "اسبات میں کیا شک ہے۔ کہ حضرت مسیح سچے نبی ہیں" (اربعین ۲ ص۲۵)

۲۔ اور فرماتے ہیں:

"اس لیے ظاہر پرستی کی شامت سے یہودیوں کو دو سچے نبیوں کی نبوۃ سے منکر رہنا پڑا یعنی مسیح اور

یحیٰی سے" (ازالہ اوہام ص۳۱۱)

۳۔ اور فرماتے ہیں :

اور اللہ جل شانہٗ کی قسم ہے کہ مجھے صاف طور پر اللہ جل شانہٗ نے فرما دیا ہے کہ حضرت مسیح بلا تفاوت ایسا ہی انسان تھا جیسا کہ اور انسان۔ مگر خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور اس کا مرسل اور برگزیدہ ہے"

(حجت الاسلام ص۹)

۴۔ اور فرماتے ہیں :

"اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ (یعنی مسیح) سچے نبی ضرور تھے۔ رسول تھے۔ خدا تعالیٰ کے پیارے تھے مگر خدا نہیں تھے (حجت الاسلام ص۳۱)

۵۔ اور فرماتے ہیں :

"اس وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی تھے اور برگزیدہ ہیں اور ان تہمتوں سے پاک ہیں جو ان پر اور ان کی ماں پر لگائی گئیں (اعجاز احمدی ص۱۳)

۶۔ اور فرماتے ہیں :

حضرت عیسیٰ بے شک خدا کا پیارا نبی تھا نہایت اعلیٰ درجہ کے اوصاف اپنے اندر رکھتا تھا" (مجموعہ اشتہارات مرتبہ مفتی محمد صادق ص۱۵۳)

۷۔ اور فرماتے ہیں :

"حضرت مسیح اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ اپنے تئیں عاجز ہی ٹھہراتے ہیں خدا کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں۔ ایک عاجز انسان ہیں ہاں نبی اللہ بے شک ہیں خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں" (جنگ مقدس ص۵۰)

۸۔ اور فرماتے ہیں :

"ایک شریر یہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بے گانہ عورت پر آپ عاشق ہوئے تھے لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔ آپ خدا کے رسول اور پیارے تھے خبیث ہیں وہ لوگ جو آپ پر یہ تہمت لگاتے ہیں۔ (اعجاز احمدی ص۲۵)

۹۔ اور فرماتے ہیں :

حضرت عیسیٰ خدا نہیں وہ صرف ایک نبی ہے۔ ایک ذرہ اس سے زیادہ نہیں۔ اور بخدا میں سچی محبت اس سے رکھتا ہوں۔ جو نہیں ہرگز نہیں اور جس نور کے ساتھ میں اسے شناخت کرتا ہوں۔ تم ہرگز

اسے شناخت نہیں کر سکتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایک خدا کا پیارا اور برگزیدہ نبی تھا اور ان میں سے تھا۔ جن پر خدا کا ایک خاص فضل ہوتا ہے اور جو خدا کے ہاتھ سے پاک کئے جاتے ہیں'
(دعویٰ حق ص۵ مشمولہ حقیقۃ الوحی)

۱۰۔ اور فرماتے ہیں:
"یاد رہے کہ ہم حضرت عیسیٰ کی عزت کرتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھتے ہیں اور ہم ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں جو آجکل شائع ہوتے ہیں" (چشمہ مسیحی صب)

ان تمام حوالہ جات سے بصراحت و وضاحت ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا نبی اور راستباز اور مقربان بارگاہ الٰہی سے سمجھتے تھے اور ان کی نبوت پر ایمان لاتے تھے اور ان کے متعلق آپ نے کسی قسم کا توہین آمیز لفظ استعمال نہیں۔

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کسی شخص کا حق نہیں ہے کہ وہ آپ کو توہین حضرت عیسیٰ کا مرتکب قرار دے اور مختار مدعیہ کا باوجود مذکورہ بالا واضح عبارتوں کے یہ اعتراض کرنا کہ حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰ کی توہین کی ہے نہ صرف دیانت اور امانت ہی کے خلاف ہے۔ بلکہ گواہ مدعیہ ملا کے بیان کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس نے ۲۰/اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ کسی شخص کا عقیدہ معلوم کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کی کسی کتاب کا ایک جملہ پیش کر دیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ اس کی دیگر تصانیف کو دیکھ کر اس کا صحیح عقیدہ معلوم کیا جائے۔

پس اسی اصل کی رو سے بھی دیکھا جائے تو مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰ کی توہین کی ہے بالکل لغو اور باطل ہے اور جو اعتراض مختار مدعیہ نے معجزات مسیح کے متعلق کیا ہے اس کا مفصل جواب گواہان مدعا علیہ کے بیان میں موجود ہے۔

لازم مذہب۔ مذہب نہیں ہوتا

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بہت سے الزامات آپ کی عبارتوں سے غلط استنباط کر کے لگائے ہیں چنانچہ ۹/اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔

۱۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ابن مریم نہیں آ سکتے۔ کیونکہ وہ نبی ہیں اور اگر نازل ہوں تو وہ امتی ہوں گے اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ رحمانی دین کے لیے ضروری ہے کہ اس میں امتی نبی آئیں اور نبی امتی بن نہیں سکتا۔ لازم آیا کہ اسلام اور باقی سب ادیان شیطانی اور لعنتی ہوں۔ جب مرزا صاحب کے اقرار سے اسلام لعنتی دین ہوا۔ تو اپنے اقرار سے آپ کافر ہوئے۔ لہذا نکاح فسخ ہوا۔ حالانکہ مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کی عبارت

سے جو نتیجہ نکالا ہے۔ وہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ آپ کی تحریرات کا یہ منشا ہے کہ اگر ایک مستقل نبی کا دوبارہ آنا مانا جائے تو یہ ماننا اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کہ اس کے امتی نبی ہونے کا یقین کیا جائے اور اس کا امتی نبی ہونا محال ہے۔ کیونکہ امتی کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ اس نے تمام کمالات و مراتب دوسرے کی اتباع سے حاصل کیے ہوں۔ لیکن حضرت عیسیٰ پر یہ تعریف صادق نہیں آسکتی۔ البتہ ایک امتی شخص نبی ہو سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کی برکت سے اس مقام پر پہنچ جائے کہ خدا تعالیٰ اسے عندالضرورت نبوت کے مقام پر سرفراز فرمائے۔ اور دین کی اصلی غرض خدا تعالیٰ سے ملانا اور اس کے قرب کی راہیں بتا کر منزل مقصود تک پہنچانا ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس دین کی متابعت سے انسان اپنے محبوب ازلی سے ہم کلام نہیں ہو سکتا وہ دین دین ہی نہیں ہے اور نیز آپ نے اپنی تمام کتب میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ حقیقی طور پر جس کی پیروی کرنے والا انسان اپنے خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل کر سکتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"آپ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہیں اور دوسرے ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو ان کی امت سے باہر ہو۔ بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الٰہیہ ملتا ہے وہ انہی کے فیض اور انہی کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ امتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی" (ضمیمہ چشمہ معرفت ص۹)

اسی طرح مختار مدعیہ نے کہا ہے مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا تشریف لانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے اور اسلام کی بربادی تو ان سے زیادہ درجہ رکھنے والے کا آنا کیوں اسلام کی بربادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ جیسے گھٹیل نبی کے آنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور اسلام کی بربادی ہو جاتی ہے تو اُن سے افضل نبی کے آنے سے تو بہت زیادہ ہتک اور بہت زیادہ بربادی ہونی چاہیے۔

۲۔ مختار مدعیہ کا یہ استنباط بھی صریح طور پر غلط ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ جو مستقل نبی ہیں ان کے آنے سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ٹوٹتی ہے اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد روحانی اتنی ناقص ہے کہ اس میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو امت محمدیہ کی اصلاح کر سکے بلکہ اس امت کو دینی اصلاح کے لیے ایک ایسے نبی کا محتاج ماننا پڑتا ہے جو مستقل نبی ہے اور اس کو نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں بطور انعام نہیں ملی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل نبوت کو ماننے سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ لیکن حضرت مسیح

موعودؑ جس نبوت کو اپنے لیے ثابت کرتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور فیضان کا نتیجہ ہے اور آپ حضور کے روحانی بیٹے ہیں۔ اور آپ کو جو کمالات حاصل ہوئے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع اور پیروی کی برکت سے ظلی طور پر حاصل ہوئے ہیں۔

۳۔ مختار مدعیہ نے آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۴۳ کا حوالہ پیش کر کے کہا ہے کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مسیح علیہ السلام کی روح تین دفعہ جوش مارے گی۔ اس عبارت میں مرزا صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور رسول مقبول آپ کے ظل ہیں۔ اور نیز لازم آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہوئے اور حضرت مسیح کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ میں اس سے ہر شان میں بڑھ کر ہوں تو مرزا صاحب رسول مقبول سے ہر شان میں بڑھ کر اور افضل ہوئے اور یہ صریح کفر ہے مختار مدعیہ نے جو نتائج مذکورہ بالا عبارت سے نکالے ہیں۔ وہ بالکل غلط اور باطل ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ عقائد نہیں ہیں آئینہ کمالات اسلام میں نہ ایک جگہ بلکہ متعدد مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار انبیاء اور افضل الانبیاء ہونے کا ذکر موجود ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ کا اصل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ پس کسی کی قوم کا گمراہ ہونا اور اس کے لیے اس کی روح کا جوش مارنا تاکہ اس کی قوم کی اصلاح کرے۔ اس کی فضیلت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

۴۔ اسی طرح مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۳ پر لکھا ہے:۔
"یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بہت دفعہ امت محمدیہ میں ظاہر ہوئی اور اس نے حلول کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہزاروں نبی ہوئے اور مرزا صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اس امت میں میں ہی نبی قرار دیا گیا ہوں۔ کوئی نبی بھی نہ ہوا۔ یہ بھی جھوٹ ہے تو یہ صریح کفر اور ارتداد ہے اس لیے نکاح فسخ ہوا"۔
آئینہ کمالات اسلام کی مذکورہ بالا عبارت میں نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے اپنے پاس سے اس عبارت کا ایک مفہوم وضع کر کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دے دیا ہے۔

(۵) مختار مدعیہ نے ۱۲ اکتوبر کی بحث میں دافع البلاء کا حوالہ پیش کر کے مندرجہ ذیل نتائج نکالے ہیں۔
(۱) خدا خدائی کے قابل نہیں (۲) عیسیٰ نبوت کے قابل نہیں (۳) نبوت ایک ایسا مرتبہ ہے کہ معاذ اللہ بدمعاش اور رنڈی بازوں کو بھی مل جاتا ہے اس سے تمام شریعت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور مرتبہ نبوت کی کھلی توہین ہے اس سے مرزا صاحب کافر و مرتد ہوئے اور اسی طرح کیا ہے۔ اور چونکہ بعث من القبور بھی ضروریات دین سے ہے اور قبروں سے اٹھنے والے کروڑوں کیا اربوں ہیں اور مرزا صاحب نے ہر ایک کے قبر سے اٹھنے کا انکار کیا ہے۔ لہذا بے شمار وجہوں سے کافر و مرتد ہوئے۔ پھر جب قیامت کا ہی انکار ہے تو حوض کوثر

انا اعطیناک الکوثر کا بھی انکار ہوا اور وہ بھی کفر ہے۔ جب میت نیا ہی نہیں تو شفاعت کبریٰ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے وہ بھی گئی جب جنتی جنت میں ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں تو پُل صراط بھی نذارد ہے۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو مختار مدعیہ نے ازراہ افترا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی ہیں اور ایسی باتیں جو کسی شخص کے کلام سے اس کی منشا اور تصریحات کے خلاف نکالی جائیں لازم مذہب کہتے ہیں اور اس طرح لازم مذہب پر تکفیر کرنے والوں کے متعلق ائمہ سلف صالحین نے تحریر فرمایا ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ الیواقیت والجواہر جلد ۲ صـ۱۲۸ میں ہے۔

والصحیح ان لازم المذھب لیس بمذھب وانہ لا کفر بمجرد اللزوم۔ کہ صحیح بات یہ ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا اور مجرد لزوم سے کفر لازم نہیں آتا۔

اور اسی طرح امام ابن حزم لکھتے ہیں :

واما من کفر الناس بما تؤول الیہ اقوالھم فخطاء لانہ کذب علی الخصم وتقویل لہ مالم یقل بہ من الکفر (کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۳ صفحہ ۲۵)۔

اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے لوگوں کی ان کے اقوال سے نتائج اور لوازم نکال کر تکفیر کی ہے۔ اس نے بڑی غلطی کی کیونکہ وہ مد مقابل پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اور اس کی طرف ایسی بات منسوب کرتا ہے۔ جو اس نے نہیں کی۔ اور اگر اس سے وہ بات لازم بھی آئے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ تناقض ثابت ہو گا اور تناقض کفر نہیں ہے بلکہ یہ تو اچھی بات ہے کہ وہ کفر سے دور بھاگ گیا۔

اور خود مختار مدعیہ نے بھی اپنے مکفرین کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"تکفیر صراحت کی بنا پر ہے۔ لزوم میں تکفیر خان صاحب (بریلوی) کے نزدیک بھی نہیں ہو سکتی"۔

(السطین اللازب صـ۳ مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ مـ۲)

اور اس کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے اور بالفرض محال مان بھی لیں کہ وہ کفریات بطریق کنایہ یا لزوم ان عبارات سے ثابت بھی ہوتے ہیں تو گفتگو اس میں ہے کہ خان صاحب کا لزوم اور کنایہ پر بھی کفر کا فتویٰ ہوتا ہے۔

اور لکھتے ہیں :

اور اگر وہ عبارات جن کی صراحت کا دعویٰ کیا ہے نہ دکھا سکیں تو اس مضمون ہی کو دوسری عبارت صحیحہ میں دکھا دیں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو ان مضامین کو بطریق لزوم ہی ثابت کر دیں گو لزوم مثبت تکفیر نہیں (تزکیۃ الخواطر صـ۱۴ مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ مـ۲)۔

اور ص۱۵ پر لکھتے ہیں۔

تکفیر تو ان امور کی تصریح اور صراحت پر موقوف ہے اور صراحت بھی کیسی جس میں جانب مخالف ضعیف کا احتمال بھی نہ ہو۔ حالانکہ جن عبارات کو کتب مذکورہ سے خاں صاحب نے نقل فرمایا ہے ان عبارات میں ان معانی کا ضعیف سے ضعیف بھی احتمال نہیں۔ اور اگر مصنفین کے حالات اور سیاق و سباق کلام کے مقدم و موخر کو دیکھا جائے۔ تو ان معانی کفریہ کی بُو بھی نہیں بلکہ خلاف کی تصریح۔ پھر یہ تکفیر بے جا اور گناہ کبیرہ اور جہل و ناواقفیت ہوائے نفس، حُبّ جاہ، عداوت اسلام وغیرہ وغیرہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اور ص۱۷ پر لکھتے ہیں:

"اگر مضامین کفریہ صراحتاً تو نہ ہوں۔ مگر احتمال اور لزوم کے طور پر ہوں تب ایسی صورت میں قاضی و مفتی کو تکفیر حرام و ناجائز ہے۔ جب تک کہ قائل کی مراد معلوم نہ ہو جائے۔ کہ اس نے معنی کفریہ ہی مراد لیے ہیں۔"

پس مختار مدعیہ کا یہ کہہ کر کہ ان اقوال سے یہ امور لازم آتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کرنا جب کہ ان اقوال میں معانی کفریہ کی بو بھی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ مصنف کے حالات اور اُن کتب کے مطالعہ اور ان عبارات کے سیاق اور سباق سے اس کے خلاف صراحت سے ثابت ہوتا ہے تکفیر بے جا۔ اور گناہ کبیرہ اور جہل و ناواقفیت۔ ہوائے نفس۔ حب جاہ۔ عداوت اسلام۔ وغیرہ وغیرہ نہیں تو اور کیا ہیں۔ مختار مدعیہ حضور مسیح موعود علیہ السلام کی کسی کتاب سے قیامت تک یہ نہیں دکھا سکتے کہ آپ نے قیامت سے انکار کیا ہے یا پل صراط یا بعث بعد الموت یا دیگر امور آخرت سے انکار کیا ہے۔ یا اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی ہو یا قرآن کی کسی آیت کا انکار کیا ہو۔ پس قائل کی منشاء کے خلاف اس کے قول کا مفہوم لے کر تکفیر کرنا سوائے ان لوگوں کے جو تکفیر کے عادی ہیں اور اسلام کے دشمن ہیں کسی ایماندار شخص کا کام نہیں۔

توہین صحابہؓ کا الزام اور اس کا جواب

مختار مدعیہ نے صحابہ کے توہین کی ایک وجہ یہ بھی قرار دی ہے۔ کہ آپ نے خطبہ الہامیہ میں فرمایا ہے کہ جو شخص میری جماعت میں داخل ہوا۔ وہ درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہؓ میں داخل ہوا یعنی غیر صحابہ کو صحابہ کے ساتھ شریک کر دینا یہ صحابہ کی سخت توہین ہے لیکن اکابر بزرگان اسلام نے امام مہدی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز مانا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روحانیت تھی جو آدم علیہ السلام میں جلوہ گر ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روحانیت بصورت حضرت مہدی ظاہر ہو گی پس اسی روحانیت اور بروزیت کے لحاظ سے مہدی کے اصحاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں داخل ہونے والا کہنا صحابہ کی توہین کا موجب کیوں ہونے لگا صحابہ میں داخل ہونے کا تو یہی مطلب ہے کہ انہیں بعض امور میں صحابہ سے مشابہت حاصل ہو گئی تھی اس سے

توہین کا کیا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فرماکر علماء امت کو انبیائے بنی اسرائیل کا شبیہ ومثیل قرار دیا ہے کیا اس سے انبیاء بنی اسرائیل کی کوئی توہین ہوگی۔ اگر نہیں تو کسی کے مثیل وشبیہ صحابہ ہونے سے صحابہ کی توہین کیا معنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی امت کے دو گروہوں کے لیے کہ ایک ان میں وہ ہے جس میں خود حضور بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ اور ایک وہ جو آخری زمانہ میں ہونے والا تھا۔ یہ فرمایا ہے کہ میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔ لایدری اولہ خیرام آخرہ' مشکوٰۃ ص۵۸۳ جس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری تو کیا مختار مدعیہ یہ فتویٰ لگائے گا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے آخری گروہ کو صحابہ کے ساتھ اتنا ہمرنگ قرار دے کر کہ گویا ایک ہی ٹھہرا کر یہاں تک فرما دیا کہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون بہتر ہے اور کون نہیں ہے یعنی دونوں ہی بہتر ہیں۔ اپنے اصحاب کی توہین کی ہے اور غیر صحابہ کو صحابہ سے ملا دیا ہے جو مختار مدعیہ کے نزدیک کفر وارتداد ہے استغفراللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ امید ہے کہ اب مختار مدعیہ نے جس امر پر اعتراض کیا ہے وہ صحابہ کی توہین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن اگر اب بھی کچھ کسر باقی رہ گئی ہو تو پھر اس کو دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب خلیفہ مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیہ کا یہ شعر دیکھ لینا چاہیے جو انہوں نے اپنے پیر و مرشد مولوی رشید احمد صاحب کی وفات پر لکھا ہے ؎

زبان پر اہل اھوا کی ہے کیوں اعل ہبل شاید
اٹھا عالم سے کوئی بانیٔ اسلام کا ثانی

پس جب مولوی رشید احمد کو سید الاولین والآخرین افضل المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی کہنے سے مختار مدعیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں ہوتی۔ تو امت محمدیہ میں سے کسی کے مثیل صحابہ ہونے سے ہتک کے کیا معنی۔

اہل بیت کی توہین

مختار مدعیہ نے ایک الزام حضرت مسیح موعود پر توہین اہل بیت کا لگایا ہے اور کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔ میرے اہل بیت کی کشتی نوح کی مثال ہے لیکن چونکہ مرزا صاحب نے اپنی تعلیم کو کشتی نوح قرار دیا ہے۔ لہٰذا اہل بیت کی توہین ہوگئی۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم جس کو آپ نے کشتی نوح قرار دیا ہے وہ یہی تعلیم ہے کہ "نوع انسان کے لیے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے کوئی رسول اور شفیع نہیں۔ مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ تم سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو۔ اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی برائی مت

دو۔ تا تم آسمان پر نجات یافتہ لکھے جاؤ (کشتی نوح ص۱۳)

اگر اس تعلیم کو بحکم خداوندی کشتی نوح قرار دینے سے اہل بیت کی توہین لازم آتی ہے تو اہل بیت کو کشتی نوح قرار دینے سے اصل کشتی نوح کی ضرور توہین لازم آئے گی پس مختار مدعیہ کے طرز استدلال سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ فتوی کہاں جا کر لگتا ہے۔

امام حسین کی توہین

ایک اعتراض مختار مدعیہ نے یہ کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب اعجاز احمدیؑ میں امام حسین کی توہین کی ہے اور ان پر اپنے آپ کو فضیلت دی ہے اور یہ امر امام حسین کی توہین کا موجب ہے یاد رہے کہ اعجاز احمدی میں ان غالی شیعوں سے خطاب ہے۔ جو مشرکوں کی طرح امام حسین سے مرادیں مانگتے اور اُن کو تمام مخلوق کا سردار تمام انبیاء سے افضل اور سب کا شفیع اور منجی ٹھہراتے ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن کی شفاعت کا محتاج بناتے ہیں اور شیعوں کے مقابلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہو اس کو موجب توہین قرار دینا درست نہیں کیوں کہ ایسے موقعوں پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ بغرض توہین نہیں ہوتا۔ بلکہ بغرض اصلاح عقائد مخاطب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مولنا محمد قاسم صاحب بانی مدرسۃ العلوم دیوبند ہدیۃ الشیعہ ص۱۴۰ میں فرماتے ہیں۔ ”اہل ہند جو تمام ولائتوں کے لوگوں کے نامردہ پن میں امام ہیں۔ ان میں کوئی بھنگی اور چمار بھی اس سہولت سے بیٹی نہیں دیتا۔ جیسا کہ حضرت امیر (حضرت علی) نے اپنی بیٹی کو حضرت عمرؓ کے حوالے کر دیا آپ بھی دیکھتے رہے اور صاحبزادے بھی۔ پھر صاحبزادوں میں بھی ایک وہ تھے جنہوں نے بیس ہزار فوج جرار کا مقابلہ کیا“۔ پس اگر حضرت اقدس کا غالی شیعوں کے مقابلہ میں کچھ لکھنا حضرت امام حسین کی توہین کا موجب ہے تو محمد قاسم بانی مدرسۃ العلوم دیوبند کا وہ لکھنا جو ابھی نقل کیا گیا ہے نہ صرف حضرت امام حسین علیہ السلام بلکہ ان کی ہمشیرہ رضی اللہ عنہا اور بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام پھر والد ماجد امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بھی ہتک اور توہین کا موجب ہوگا۔ اور یہ توہین اُس توہین سے جس پر مختار مدعیہ معترض ہے پنج گونہ زیادہ ہوگی۔ اور اگر مولانا محمد قاسم کا لکھنا موجب توہین نہیں ہے تو حضرت اقدس کا لکھنا موجب توہین کیوں۔

رہا فضیلت کا اعتراض تو ایک کی فضیلت سے دوسرے کی توہین کا نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں۔ بعض انبیاء کی بعض دوسرے انبیاء پر فضیلت مسلّمہ فریقین ہے لیکن ان دوسرے انبیاء کی اس سے کوئی توہین اور ہتک نہیں ہوئی جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء سے عموماً اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام سے خصوصاً افضل ہونا مسلّم ہے لیکن کیا اس سے تمام انبیاء اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی ہتک ہو جاتی ہے۔ اُمت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے تو کیا اس سے تمام امتوں کی توہین ہو گئی ہرگز نہیں اور امام مہدی کے متعلق تو تمام اکابر۔

علمار صلحا و اولیائے امت نے تسلیم کیا ہے کہ وہ صحابہ بلکہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہے جیساکہ نواب صدیق حسن خان نے حجج الکرامہ صـ ۳۸۶ میں امام محمد بن سیرین کا قول نقل کیا ہے اور شرح فصوص الحکم میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ مہدی جو آخر زمانہ میں آئیں گے وہ احکام شرعیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے اور معارف اور علوم اور حقیقت کے علم میں تمام انبیاء واولیاء اس کے تابع ہیں۔ کیونکہ اس کا باطن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہوگا تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ملا۔ پس اگر کلام ہوسکتا ہے تو اس امر میں ہے کہ وہ مہدی کون ہے نہ اس میں کہ اس کا امت محمدیہ کے بزرگوں میں دوسروں سے افضل ہونا۔ ان دوسروں کی ہتک کا موجب ہے کیونکہ اُس کے افضل ہونے کو تو اکابر صلحاء واولیائے امت نے تسلیم کیا ہے اور اس کے دوسروں سے افضل ہونے سے دوسروں کی ہتک کا خیال باطل ہے خلاصہ یہ کہ حضرت اقدس نے اعجاز احمدی میں جو کچھ لکھا ہے وہ بغرض توہین ہرگز نہیں۔ بلکہ بلحاظ حمایت حق اور تائید توحید ہے اسی وجہ سے حضور نے اعجاز احمدی صـ ۳۸ میں فرمایا ہے جس کو مختار مدعیہ نے پیش کیا ہے "کہ میں نے اس قصیدہ میں جو امام حسین کے متعلق لکھا ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت بیان کیا ہے یہ انسانی کاروائی نہیں خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاملوں اور راستبازوں پر زبان دراز کرتا ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسینؓ جیسے یا حضرت عیسیٰ۔ جیسے راستباز پر بدزبانی کرکے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید من عاد ولیاً لی دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔ پس مبارک وہ جو آسمان کے مصالح کو سمجھتا ہے اور خدائی حکمت عملیوں پر غور کرتا ہے۔"

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ کلام تو بتائید توحید اور بتائید امر حق لکھا گیا ہے۔ قابل اعتراض نہیں ہے جیساکہ مولوی محمد قاسم صاحب ہدیۃ الشیعہ صـ ۳۴۶ میں لکھتے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا بچھڑے کے پوجنے کے مقدمے میں بے قصور ہونا کلام اللہ سے ثابت ہے اور پھر باایں ہمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان پر غصے ہونا یہاں تک حضرت ہارون کی داڑھی اور سر کے بال کھینچنے تک نوبت آئی خود کلام اللہ میں ہی موجود ہے سو جب حضرت ہارون تو ہوں بے قصور کہ وہ بے قصور تھے ہی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں کچھ کہہ نہیں سکتے کہ وہ اپنے عندیہ میں بے جا غصے نہیں ہوئے تھے بلکہ بایں نظر کہ ان کے بڑے بھائی پر غصے ہونے کا کوئی منصب نہیں تھا۔ مگر خدا واسطہ کی بات نہ ہوتی تو حضرت ہارون ان کا خون بھی کردیتے تو دم نہ مارتے ہدیہ الشیعہ صـ ۳۴۶۔

پس اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقصود ان لوگوں کے مقابلہ میں جو حضرت امام حسین کو منجی اور شفیع قرار دیتے ہیں کہ شرک تک نوبت پہنچاتے ہیں اور انہیں تمام انبیاء سے افضل ٹھہراتے ہیں بتائید توحید اور بتائید حق ہے نہ بغرض توہین ورنہ حضرت اقدس حضور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

جان و دلم فدائے جمالِ محمد است   خاکم نثار کوچہ آلِ محمد است

اور اسی طرح اعجاز احمدی میں ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے آپ نے حضرت امام حسین کے متعلق راستباز اور رضی اللہ عنہ کے الفاظ تحریر فرمائے ہیں اور اسی طرح آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴ پر آپ فرماتے ہیں۔

"اور اسی طرح علما کی عادت رہی اور ایسے سعید ان میں سے بہت ہی کم نکلے جنہوں نے مقبولان بارگاہ الٰہی کو وقت پر قبول کر لیا۔ امام کامل حسین رضی اللہ عنہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک یہی سیرت اور خصلت ان ظاہر پرست مدعیان علم کی چلی آئی کہ انہوں نے وقت پر کسی مرد خدا کو قبول نہیں کیا۔"

پس اعجاز احمدی میں حضرت اقدس نے جو کلام کیا ہے وہ ان شیعوں کے مقابلہ میں ہے جو امام حسین کو انبیاء سے بڑھ کر اور تمام مخلوقات سے افضل بتاتے ہیں اور ایسے رنگ میں ہے جس رنگ میں کہ مولوی محمد قاسم صاحب اور دیگر علماء نے بھی ان کے متعلق کلام کی ہے۔ اسی طرح "صد حسین است در گریبانم" سے امام حسین کی کوئی توہین لازم نہیں آتی۔ بلکہ اس میں دشمنوں کی ایذاء رسانی کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح کربلا میں یزید کے لشکروں نے حضرت امام حسین پر ظلم کیا تھا اور سخت ایذاء پہنچائی تھی اسی طرح آج میں اپنے آپ کو ہر آن کربلا میں پاتا ہوں یعنی میرے دشمن میرے لیے مصائب کا نت نیا شاخسانہ کھڑا کرتے رہتے ہیں۔ پس ان دشمنوں کی ہر روز نئی ایذاء رساں تدبیروں کے مقابلہ میں گویا میں ان کے لیے ہر روز ایک نیا حسین ہوتا ہوں اور اس شعر کے ایک یہ معنی بھی ہیں کہ میری جماعت کے بہت سے افراد مصائب و آلام کا نشانہ بنائے جائیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح مظلومانہ حالت میں قتل کئے جائیں گے۔ پس اس شعر میں توہین کیسی۔ اس میں تو امام حسینؑ کی عظمت کا اظہار ہے۔ کیونکہ اگر حضرت اقدس کی نظر میں حضرت امام حسین اور آپ کے واقعہ شہادت کی عظمت نہ ہوتی تو آپ اپنی اس مصیبت اور شدّت کے ظاہر فرمانے کے لیے جو قوم کی طرف سے آپ کو پہنچی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مثال کیوں دیتے۔ صد حسین است در گریبانم کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ قوم کی مخالفت اور یورش نے ایسی شدت اختیار کر لی ہے کہ میں صد حسین است در گریبانم کا مصداق ہو رہا ہوں اور یزیدی الطبع مخلوق نے مجھ پر اس طرح حملہ کیا ہے کہ جس طرح میرے گریبان میں سو حسین ہیں۔ جن کے ایذاء دینے اور قتل کرنے کے لیے وہ آمادہ ہیں۔ اور واقعہ شہادت امام حسین علیہ السلام کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ازالہ اوہام حاشیہ صفحہ ۶۱ و صفحہ ۶۹ میں تحریر فرمایا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا مظلومانہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت عظمت و وقعت رکھتا ہے اور فرماتے ہیں حضور امام مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کا دردناک واقعہ شہادت جس کی دمشق کے لفظ میں بطور پیشگوئی اشارہ کی طرز میں حدیث نبوی میں خبر دی گئی ہے اس کی عظمت و وقعت دلوں میں بیٹھ جائے۔ ازالہ اوہام حاشیہ صفحہ ۷ اور پھر آپ امام موصوف کے لیے فرماتے ہیں۔

"بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کے تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر و استقامت اور زہد و عبادت ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی، (التبلیغ ص: ۲ و ۳) کیا جس کی تحقیر و تذلیل و ہتک و توہین منظور ہو اس کے متعلق یہ کہا جا

ہو سکتا ہے کہ اس کے حالات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتدار کرنیوالے ہیں

اولیاء کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل شعر

تکورما السابقین و عیننا
الی آخر الایام لا تتکدر

سے تمام اولیاء کے متعلق کہا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر وغیرہ کے چشمے خشک ہو گئے اور اس میں اجمالی طور سے تمام اولیا کی توہین کی ہے۔

اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ مختار مدعیہ کے نزدیک پہلے ادیان جیسے دین موسوی اور دین ابراہیمی وغیرہ دین اسلامی سے منسوب ہو گئے تو گویا دین اسلام نے آکر ان سب کی توہین کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام رسولوں سے افضل ہیں اس لیے گویا آپ نے تمام انبیاء کی توہین کی ہے۔ اگر مختار مدعیہ کی طرز استدلال اختیار کی جائے تو دنیا کا نہ کوئی ولی ایسا ہو سکتا ہے نہ نبی اور رسول۔ جسے دوسروں کی توہین کا مرتکب نہ ماننا پڑے۔

کیونکہ اگر حضرت اقدس کے مندرجہ بالا شعر سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور دوسرے اولیاء کی توہین لازم آتی ہے تو حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شعر

افلت شموس الاولین وشمسنا
ابداً علی افق العلیٰ لا تغرب

سے اولیاء ماسبق کی توہین لازم آئے گی کیونکہ اس شعر کے معنی یہ ہیں۔

کہ پہلوں کے تو سورج غروب ہو گئے۔ لیکن ہمارا سورج بلندی کے افق پر چمکتا رہے گا اور کبھی غروب نہیں ہوگا۔

اب اس شعر میں اولین کا لفظ ہے جو ان تمام لوگوں پر اطلاق پاتا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں جن میں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دوسرے اولیاء بلکہ پہلے انبیاء بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ تو کیا مختار مدعیہ اس شعر کی عمومیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دیگر اولیاء کی توہین کا مرتکب مان کر کافر و مرتد قرار دے گا۔ اسی طرح حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ

قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی
(مقامات امام ربانی)

کہ میرا قدم ہر ایک ولی کی گردن پر ہے۔ لفظ کل میں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دیگر تمام اولیاء شامل ہیں۔ کیا مختار مدعیہ یہاں بھی عمومیت کو لے کر حضرت سید عبدالقادر جیلانی کو کافر و مرتد قرار دے گا۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں کافر و مرتد قرار نہیں دے گا۔ تو کیا وجہ ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر میں اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں تو انہیں موجب توہین گردان کر کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا جاتا ہے حضرت مسیح موعود کے شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ

پہلے اولیاء وغیرہ نے جو طرق نکالے تھے وہ سب طرق اب بند کئے گئے ہیں اب کوئی شخص ان طرق کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ وہ میرا طریق اختیار نہ کرے جو طریقہ مرے سید و مولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

پھر مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کے اس قول پر بھی اعتراض کیا ہے کہ غرض اس حصہ کثیر وحی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے مَیں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا" حقیقۃ الوحی صہ ۳۹۱ اور اس قول کو بھی موجب توہین قرار دیا ہے۔ حالانکہ دنیا کا کوئی صحیح الدماغ اور صحیح العقل انسان اس کو موجب توہین نہیں کہہ سکتا۔ اس عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں پایا جاتا۔ جس سے پہلے ابدال۔ اقطاب اور اولیاء کی توہین ہوتی ہو۔ اس قسم کے بے سرو پا اعتراضوں سے یہ ظاہر ہونے کے سوا کہ معترض صاحب اعتراض کردینا جانتے ہیں اور ان کو اعتراض کرنے کا بہت شوق ہے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بہت بڑا نقصان ہے کیونکہ مختار مدعیہ کے اس مسلک کو غلطی سے کوئی درست سمجھ لے تو پھر بڑی مشکل پیش آئے گی اور بڑوں بڑوں تک نوبت پہنچے گی اور ان کو مقدسین سابقین کا اہانت کرنے والا ماننا پڑے گا مثلاً امام ربانی حضرت مجدّد الف ثانی جو تمام دیوبندی علماء کے مسلّمہ مقتدا و پیشوا ہیں اور جن کے سامنے حضرات دیوبند کو دم مارنے کی بھی جرأت نہیں ہو سکتی فرماتے ہیں:

"کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد آتا رہا۔ لیکن اس صدی کا مجدّد اور ہے اور ایک ہزار کا مجدّد اور ہے جیسے ایک سو اور ہزار میں فرق ہے۔ ایسے ہی پہلی صدی کے مجدّد میں اور ایک ہزار کے مجدّد میں۔ بلکہ اس بھی زیادہ" (مکتوبات امام ربانی جلد ۲ صہ ۱۴)

اب جو مختار مدعیہ کے مسلک کو صحیح سمجھ لیں انہیں امام ربانی مجدّد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے سے پہلے تمام مجدّدین کی ہتک کرنے والا ماننا پڑے گا۔ سبحان اللہ یہ خوب مسلک ہے جس کی بنا پر حضرت مجدّد الف ثانی جیسے بزرگوار بھی توہین بزرگاں کرنے والے ٹھہرتے ہیں۔

اے بدذات فرقہ مولویاں

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس فقرہ کو کہ اے بدذات فرقہ مولویاں تمام اولیاء کی توہین کا موجب قرار دیا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی جگہ بھی شریف علماء کو جو دشنام دہی اور سب و شتم وغیرہ یہودیانہ خصلتوں کے ظاہر کرنے سے اجتناب کرتے ہیں کبھی ایسے الفاظ کا مصداق نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ آپ نے اپنی متعدد کتب میں اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کے مصداق محض وہی مولوی ہیں۔ جنہوں نے شرارت اور خیانت کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور وہ وہی مولوی ہیں۔ جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب اسلام کا نام ہی نام رہ جائے گا اور قرآن شریف ان میں صرف رسمی طور پر ہوگا مسجدیں تو بہت بڑی بڑی

ہوں گی مگر ہدایت سے خالی اور ان نام کے مسلمانوں کے جو مولوی ہوں گے وہ بدترین مخلوقات ہوں گے اور وہی تمام فتنوں کی جڑ ہوں گے انہیں میں سے فتنہ نکلے گا۔ اور اس کا نقصان انہیں پر لوٹے گا اور یہ وہی علماء ہیں جن کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب بھی فرما چکے ہیں۔ کہ اگر تو یہود کا نمونہ دیکھنا چاہیے تو اس زمانہ کے مولویوں کو دیکھ (الفوز الکبیر ص۱۳)

پس ایسے یہودی سیرت مولوی جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سخت مخالفت کی اور آپ کے حق میں زبان درازی انتہا تک پہنچا دی۔ اور فحش مضمون کے اشتہارات نکالے جو کسی شریف انسان کی زبان اور قلم سے صادر نہیں ہو سکتے تھے اور یہ مولوی لوگ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مصداق ہو گئے تھے جس میں آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ یہود کے قدم بقدم چلیں گے۔ پس جس طرح مسیح موسوی علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے مولویوں اور فقیہوں کے دل آزار رویہ کو دیکھ کر انہیں سانپ بلکہ سانپوں کے بچے اور منافق اور ریاکار اور حرام کار اور شریر اور بدکار وغیرہ القاب سے ملقب کیا۔ اور ان پر لعنتیں بھیجیں جس کا ذکر قرآن شریف ان الفاظ میں فرماتا ہے (لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ) اسی طرح حضرت مسیح محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی قسم کے خبیث فطرت۔ ممسوح القلب اور سیاہ باطن مولویوں کے حق میں نہ کہ شریف الطبع مولویوں کے حق میں یہ الفاظ استعمال فرمائے :

"اے بد ذات فرقہ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑ دو گے اے ظالم مولویو تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو بھی پلایا"
(انجام آتھم حاشیہ ص۲۱)

اور یہ بھی یاد رہے۔ کہ یہاں خطاب مولوی محمد حسین بٹالوی اور اس کے ہم مشرب مولویوں کو ہے۔ جنہوں نے اس جیسی خصلتوں کا اظہار کیا۔ نہ کہ اُن لوگوں سے جنہوں نے مذکورہ لوگوں کی حرکات سے کوئی حصہ نہیں لیا۔ پس اعتراض کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ الفاظ انہیں مذکورۃ الصدر اصحاب سے مخصوص ہیں۔ سب کے لیے نہیں۔ اگر کوئی ان حرکات شیطانیہ کا مرتکب نہیں۔ تو اس کو ان الفاظ کا مخاطب سمجھنا یا قرار دینا غلط ہے۔ اور اگر کوئی اس کا مرتکب ہے تو جو کچھ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا ہے وہ اس کا مستحق ہے۔ پس اعتراض فضول ہے اور اگر مولویوں کی بدزبانی کا نمونہ دیکھنا ہو تو میں عدالت کے سامنے کشف الغطاء ص۱۹ دکھاتا ہوں اور نیز کتاب البریہ میں ان کی بدزبانیوں کا کچھ نمونہ دیا گیا ہے۔

پھر مختار مدعیہ نے حضرت اقدس علیہ السلام کے کفر وارتداد کی ایک وجہ یہ بھی قرار دی ہے کہ آپ نے امت کو گالیاں دی ہیں۔ اور اس نے اپنے اس زعم باطل کو ثابت کرنے کے لیے نجم الہدیٰ کا ایک شعر پیش کیا ہے اور آئینہ کمالات اسلام میں سے ذریۃ البغایا کے الفاظ نقل کیے ہیں شعر کے الفاظ یہ ہیں۔

جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالکل ایسا ہی دیکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

رایت فی المنام کان فی حجر عائشۃ ام المومنین رضی اللہ عنہا وانا ارضع ثدیھا الایمن ثم اخرجت ثدیھا الایسر فوضعتہ فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا عائشۃ ھذا ولدنا حقاً (قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبد القادر صہ ۸۲)

یعنی میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت عائشہ ام المومنین کی گود میں ہوں اور میں ان کی دائیں پستان چوس رہا ہوں پھر انہوں نے اپنی بائیں پستان نکالی۔ تو میں نے وہ بھی چوسی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے تو فرمایا کہ اے عائشہ یہ ہمارا ہی بچہ ہے۔

پس کیا مختار مدعیہ حضرت سید عبد القادر جیلانی پر بھی یہ الزام لگا کر کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین کی ہے کفر وارتداد کا فتویٰ دے گا۔ شاید مختار مدعیہ کہے کہ یہ واقعہ تو حضرت عائشہ کے متعلق ہے اور ہم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کر رہے ہیں۔ تو اگرچہ یہ کہنا قابل التفات سمجھے جانے کے لائق نہ ہوگا۔ تاہم اسی طبیعت کی رعایت سے ہم ایک مثال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی پیش کیے دیتے ہیں اور وہ مثال بھی مولوی محمد علی کانپوری کے پیرومرشد کے کشف کی ہے جن کا نام نامی مولوی محمد علی صاحب نے جو دیوبندیوں کے مسلم مقتدا و رہنما ہیں اپنی کتاب ارشاد رحمانی و فضل رحمانی میں اس طرح لکھا ہے۔

"حضرت قدوۃ الکملاء واسوۃ الفضلاء ہادیٔ مراحل شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت و معرفت مہبط رجال کرام و مرجع خواص و عوام و قطب دوراں و غوث زمان مرشدنا و مولانا فضل الرحمن صاحب دامت برکاتہم و ظلت فیوضاتہ"

اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے۔ "کہ ہمارے گھر میں جاؤ مجھے جاتے ہوئے شرم آئی اس لیے تامل کیا حضرت نے مکرر فرمایا جاؤ ہم کہتے ہیں۔ میں گیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف رکھتی تھیں۔ آپ نے سینہ مبارک بالکل کھول کر مجھے سینہ سے لگا لیا" (ارشاد رحمانی صہ ۵۸)

مختار مدعیہ کے ان اعتراضوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس کو بزرگان اسلام کے حالات سے قطعاً ناواقفی اور تعلیم اسلام سے بالکل بے گانگی ہے اور اس کا جو کچھ کہنا ہے وہ اسی ناواقفی کی وجہ سے ہے۔ اور یا وہ بزرگان اسلام سے بھی صاف نہیں ہے۔ جو حالت حضرت اقدس نے بیان کی ہے۔ وہ حالت کشف کی ہے۔ اور کشف کی حالت سے کسی کی توہین نہیں ہوا کرتی۔ پھر حضرت مسیح موعود نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مادر مہربان کی طرح میرا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ میں بجائے ان کے فرزند کے ہوں۔ اور مجھے مناسبت ہے حضرات حسنین

ان العدا صاروا خنازیر الفلا ولنساءھم من دونھن الاکلب

یعنی دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں

مختار مدعیہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آپ نے تمام امت کے لوگوں کو جنگلی خنزیر کہا ہے لیکن یہ مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ جس کا پہلے بھی کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی تحریریں صرف انہی لوگوں کے حق میں ہیں۔ جنہوں نے ازراہ شرارت آپ کے حق میں طعن و تشنیع اور دشنام دہی کی ہے اور کتوں اور خنزیروں کی صفات دکھائی ہیں۔ نہ کہ ہر ایک شریف اور قوم کے خواص لوگوں کے لیے۔ چنانچہ اس شعر میں لفظ عدا خود بتلاتا ہے۔ کہ مراد آپ کے وہ دشمن لوگ ہیں۔ جنہوں نے آپ کے حق میں بدزبانی کی اور وہ عورتیں ہیں جنہوں نے مختلف بلا دمیں آپ کے سیاپے کیے۔ اور قسم قسم کی گالیاں دیں۔ اگر مختار مدعیہ کا مقصد عدالت کو مغالطہ دینا نہیں یا لفظ عدا سے وہ اس مفہوم کو سمجھ نہیں سکا تھا تو اس کے بعد کا شعر اس مفہوم کی بالکل وضاحت کر رہا تھا اور وہ یہ ہے

سَبُّوا وما ادری لای جریمۃٍ سبُّوا انعصی الحِبَّ او نتجنّبُ (صلا)

یعنی انہوں نے گالیاں دیں اور میں نہیں جانتا کہ کیوں دیں۔ کیا ہم اس دوست کی مخالفت کریں۔ یا کنارا کریں۔

اس سے صاف ظاہر تھا۔ کہ یہاں پر دشمنوں سے مراد بھی وہ دشمن تھے جنہوں نے ناحق آپ کو گالیاں دیں اور آپ کے حق میں سخت نازیبا الفاظ استعمال کئے اور وہ وہی لوگ ہیں۔ جو مولوی کہلانے والے ہیں۔ جنہوں نے آپ کے حق میں اور آپ کے مخالف نہایت گندے اور مکروہ الفاظ استعمال کیے تھے اور انہی لوگوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی موجود تھی جس میں آپ نے فرمایا:

تکون فی امتی فزعۃ فیصیر الناس الی علماءھم فاذاھم قردۃ وخنازیر

کنز العمال جلد ۷ ص۱۹۰

یعنی میری امت میں ایک ایسا حادثہ ہو گا۔ جس سے امت میں گھبراہٹ پیدا ہو گی تو لوگ اپنے مولویوں کے پاس جائیں گے۔ مولویوں کے پاس جانے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حادثہ ایسا ہو گا۔ جو دین سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی اسلام پر قسم قسم کے اعتراض پیدا ہوں گے۔ لوگ ان اعتراضوں کا جواب معلوم کرنے کے لیے اپنے مولویوں کے پاس جائیں گے تو جب مولویوں کے پاس جائیں گے تو انہیں بندر اور سؤر پائیں گے۔ بندر تو اس لیے کہ وہ دوسروں کی نقل کا عادی ہوتا ہے اسی طرح اس وقت کے مولوی لکیر کے فقیر ہوں گے اور بغیر سوچے سمجھے پہلی نقول پر چلنے والے ہوں گے اور ان نقلوں پر جو اعتراض پیدا ہوں گے تو اُن کے جواب میں صرف اتنا کہیں گے کہ جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے وہی صحیح ہے ہم کچھ نہیں سنتے۔ اور ان کے پاس آنے والے لوگ کہیں گے۔ کہ پھر آپ کی ان روایات پر جو غیر مذاہب کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے اس کا ہم کیا جواب دیں۔ تو آگے سے کافر قرار دینا اور گالیاں دینا شروع کر دیں گے۔ یعنی خنزیری صفت

کا اظہار کریں گے۔ پس جن مولویوں کے متعلق اس حدیث میں بندر اور سُور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے انہی کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے خنزیر کا لفظ استعمال کیا ہے اور اگر اظہار حقیقت گالی ہو سکتا ہے تو ماننا پڑے گا۔ کہ قرآن کریم نے بھی سب کافروں کو گالیاں دی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک کافر کی کتے سے مثال دے کر فرماتا ہے:

ذلك مثل الذين كذبوا بايات الله

کہ یہ مثال سب ان لوگوں کی ہے جنہوں نے خدا کی آیات کی تکذیب کی اور اسی طرح یہودیوں کے مولویوں کی گدھے سے مثال دی۔ کہ اُن کی مثال ایسی ہے جیسے گدھا کتابیں اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ کفار کے متعلق فرمایا کہ ھم شر البریہ کہ وہ بدترین مخلوقات ہیں اور بھر صم بکم عمی کہکر انہیں بہرے گونگے اندھے فرمایا۔ پس جیسے یہ الفاظ اپنے اپنے محل پر چسپاں ہیں ویسے ہی حضرت مسیح موعود کے الفاظ انہیں مولویوں کے متعلق ہیں۔ جنہوں نے خنزیری صفات کا اظہار کیا اور ان کی انہیں عورتوں کے متعلق ہیں۔ کہ جنہوں نے حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ کر گالیاں وغیرہ کے دینے میں کتوں کی سی صفات کا اظہار کیا ہے

ذریۃُ البغایا

ذریۃ البغایا کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں مفصل جواب دیا تھا۔ اور لغت کی رُو سے یہ ثابت کیا تھا کہ اس کے معنےٰ ان لوگوں کے ہیں۔ جو رشد اور ہدایت سے محروم ہیں" اور یہ بھی بتایا تھا کہ عربی زبان میں مفسد و شریر کو یا حاسدوں کی کمینگی ظاہر کرنے کے لیے بھی ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جیسا کہ یا ابن الفاعلہ۔ زانیہ کے بیٹے یا ابن الفاحشہ یا ولدالزنا یا ابن اللقیطہ وغیرہ کہہ دیتے ہیں جس سے مراد محض ان کی بدخصلتی کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ متنبی کا شعر ہے ؎

اتنكر موتهم وانا سهيل   طلعت بموت اولاد الزناء

یعنی اے علیؓ بن اسحاق آپ ان حاسدوں اور چغلخوروں کی موت پر تعجب کرتے ہیں حالانکہ میں سہیل ستارہ ہوں جو ان حیوان سرشت بد باطنوں کی موت کے لیے۔ طلوع ہوا ہوں۔

پس مختار مدعیہ نے ذریۃ البغایا کے جو معنی کیے ہیں۔ یہ معنی ضروری نہیں ہیں۔ ذریۃ کا لفظ صرف حقیقی اولاد کے معنوں میں ہی استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ جو کسی قسم کا کام کرے تو ان سے پہلے جو اس قسم کا کام کرنے والے لوگ ہوں اسے ان کی ذریت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے افتتخذونه وذريته اولياء من دونی) کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو میرے سوا دوست پکڑتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تو ذریت شیطان ہے۔ تو اس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ شیطان والے کام کرتا ہے نہ کہ شیطان کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے

اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ گدھے کا بچہ ہے تو اس سے مراد اس کی بے وقوفی کا اظہار ہوتا ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سور کا بچہ ہے تو مقصود اس کی بدیوں کا اعلان ہوتا ہے۔ پس یہاں بھی ذریۃ البغایا سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو بغایا والا کام کرتے ہیں جس طرح ایک بدکار عورت اپنے اصلی خاوند کو چھوڑ کر غیر کی طرف رجوع کرتی ہے اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تائید میں لکھی ہوئی کتابوں سے منہ پھیر لیتا ہے اور دشمنوں کی تائید کرتا ہے اور اس شخص کو کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت دنیا پر ثابت کی اور اسلام کی ایک نمایاں خدمت انجام دی اس کو کافر اور دشمن اسلام قرار دیتا ہے اور اس کی اُن کتابوں کو جن میں اسلام کی صداقت ظاہر کی گئی ہے بنظرِ حقارت دیکھتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں عیسائیوں کی اور دیگر دشمنان اسلام کی تائید کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو امت کے حقیقی روحانی باپ ہیں۔ انہیں چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور پر فضیلت دیتا اور حضور کو چھوڑ کر اُن کو اپنا باپ تسلیم کرتا ہے۔ تو وہ بھی اس بدکار عورت کے مشابہ ہے پس ایسے لوگوں کو استعارۃً ذریۃ البغایا قرار دیا جانا بالکل درست ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کتابیں لکھی ہیں اور جن کتابوں کا ذریۃ البغایا کے الفاظ سے پہلے ذکر ہے۔ وہ براہین احمدیہ۔ سرمہ چشمہ آریہ۔ آئینہ کمالات اسلام وغیرہ ہیں۔ جن میں قرآن مجید کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اِن کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان ان کو بنظر استحسان دیکھتا ہے۔

اور یاد رہے کہ ذریۃ البغایا کا استعمال تمام مولویوں کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے خاص طور پر وہی مولوی مراد ہیں۔ جو مخالفت میں بیش از بیش ہیں۔ جنہوں نے آپ کو ہر قسم کی گالیاں دی ہیں اور جنہوں نے تمام ان غیر احمدی شریف زادیوں کو جو احمدیوں کے گھروں میں تھیں۔ زانیہ اور ان کی اولادوں کے زنا کی اولاد ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور امام ابو حنیفہ بھی فرماتے ہیں۔

من شھد علیھا بالزنا فھو ولد الزناء (کتاب الوصیہ صفحہ ۳۱ مطبوعہ حیدرآباد)

یعنی جو حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے وہ خود ولد الزنا ہے پس جب حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگانے والے کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولد الزنا کہنا جائز ہوا تو ان مولویوں کو جنہوں نے ہزارہا پاکباز صالحہ عورتوں کو اپنے فتویٰ کی رو سے زنا کی تہمت دی۔ اور ان کے نکاحوں کو فسخ قرار دیتے ہوئے ان کی اولاد کو زنا کی اولاد قرار دیا کیوں ذریۃ البغایا نہ کہا جائے۔

پس اگر ذریۃ البغایا کے استعمال کو ان معنوں میں کیا جاوے جیسا کہ امام ابو حنیفہ نے لیا ہے تو اس سے مراد صرف وہ فتویٰ دینے والے مولوی ہیں۔ جو شریف زادیوں کو زانیہ قرار دیتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ اس کے مصداق تمام لوگ نہیں ہیں یہ ہے کہ حضرت اقدس نے آئینہ کمالات اسلام ہی میں فرمایا ہے۔

”غرض ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں انصار دین کے دشمن اور یہودیوں کے قدم پر چل رہے ہیں۔ مگر

ہمارا یہ قول کُلی نہیں ہے۔ راستباز علما اس سے باہر ہیں صرف خاص مولویوں کی نسبت یہ لکھا گیا ہے ہر ایک مسلمان کو دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جلد اسلام کو ان خائن مولویوں سے رہائی بخشے کیونکہ اب اسلام پر ایک نازک وقت ہے اور یہ نادان دوست اسلام پر ہنسی اور ٹھٹھا کرانا چاہتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جو صریح ہر ایک کے نور قلب کو خلاف صداقت نظر آتی ہیں" (اشتہار ملحقہ آئینہ کمالات اسلام صـ۹)۔

اسی طرح ایام الصلح ٹائیٹل پیج صـ۳ میں آپ فرماتے ہیں:

"سو ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے"

اور لجنۃ النور میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

"ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ نیک علماء کی ہتک سے اور شرفاء اور مہذب لوگوں پر اعتراض کرنے سے خواہ وہ مسلمانوں میں سے ہوں یا عیسائیوں یا آریوں میں سے بلکہ ہم ان تینوں اقوام کے لیے بے وقوفوں میں سے بھی صرف ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی بدزبانی میں اور برائی کے ظاہر کرنے میں لوگوں میں مشہور ہو چکے ہیں لیکن وہ جو اس قسم کی برائی سے بری ہو۔ اور اپنی زبان کو روکتا ہے اسے ہم بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔ اور اس کی عزت کرتے ہیں اور بھائیوں کی طرح اس سے محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔"

اور اسی طرح الہدیٰ صـ۶۸ میں فرماتے ہیں۔

"ولیس کلامنا ھذا فی اخیارھم بل فی اشرارھم"

یعنی ہمارا ایسا کلام نیک علماء کے حق میں نہیں ہے۔ بلکہ صرف شریروں کے حق میں ہے پس ان تمام حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں اگر کوئی سخت لفظ آیا ہے۔ تو وہ مولویوں کے ایک خاص گروہ کے لیے ہے۔ اس سے عمومیت مراد صرف اس قماش کے مولویوں کا کام ہے۔ جس کے متعلق وہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں

بعض آیات قرآن مجید میں بھی ایسی ہیں۔ جن کے الفاظ اپنے اندر عمومیت رکھتے ہیں مگر مفسرین نے ان سے خاص افراد مراد لیے ہیں۔ جیسا کہ آیت ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم۔۔۔۔

جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا۔ برابر ہے ان پر کہ ڈرایا تو نے ان کو یا نہ ڈرایا۔ تو نے ان کو۔ ایمان نہیں لائیں گے۔ سو تفسیر جلالین صـ۲ میں اس سے ابوجہل اور ابولہب اور ان کے امثال مراد لیے گئے ہیں یعنی ابوجہل اور ابولہب اور جو ان کی طرح ہیں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

پس اسی طرح ذریۃ البغایا سے مراد وہ خاص مولوی لوگ ہیں۔ جو مخالفت میں ابوجہل اور ابولہب کی طرح حصہ

لیتے تھے۔ ان کے متعلق آپ نے فرمایا کہ وہ ذریۃ البغایا ہیں۔ اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ تمام مولویوں کے لیے جو اختلاف کو اختلاف کی حد تک رکھتے ہیں۔ کمینگی اور درندگی نہیں دکھاتے ہیں۔ شریف الطبع اور اپنے طور پر نیک مزاج ہیں۔ حضرت اقدس نے یہ الفاظ ہرگز نہیں لکھے۔ جیسا کہ خود آپ کے ارشاد سے ثابت ہے۔ اسی طرح مسیح ناصری نے بھی انجیل میں یہودی مولویوں کے متعلق فرمایا کہ نہ اپنے باپ ابراہیم کی اولاد پر ہو۔ انہوں نے کہا کہ کیا ہمارا باپ ابراہیم نہیں انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم ابراہیم کی اولاد ہوتے تو تم ابراہیم کے سے کام کرتے تمہارا باپ ابلیس ہے (یوحنا باب ۲)۔

ازواج مطہرات کی توہین

مختار مدعیہ نے ازواج مطہرات کی توہین کی یہ وجہ قرار دی ہے کہ احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو ام المومنین کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں صرف آنحضرت صلعم کی بیبیاں ہی مومنوں کی مائیں قرار دی گئی ہیں اور کسی نبی کی بیوی ام المومنین قرار نہیں دی گئی۔

اگر قرآن مجید میں دوسرے انبیاء کی بیبیاں مومنوں کی مائیں نہیں قرار دی گئیں۔ ہیں تو قرآن مجید میں دوسرے نبی مومنوں کے باپ بھی قرار نہیں دیئے گئے ہیں اور قرآن میں ایسا ذکر کہیں نہیں ہے۔ لیکن کیا اس عدم ذکر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی اپنی امتوں کے باپ نہ تھے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ عقائد کی کتب میں لکھا ہوا موجود ہے۔ کل رسول اب لامتہ (شرح عقائد نسفی)۔ یعنی ہر ایک رسول اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ تو یقیناً اس رشتہ کے لحاظ سے ان کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہوں گی اور ان کی بیویوں کا مومنوں کی مائیں کہلانا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے موجب توہین نہیں ہے جس طرح دوسرے نبیوں کا ابوالمومنین یعنی مومنوں کا باپ کہلانا آنحضرت صلعم کے لیے موجب توہین نہیں۔ پس مختار مدعیہ کا اعتراض غلط ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین کی ہے۔ اور توہین کی بنا یہ قرار دی ہے کہ آپ نے ایک کشف میں دیکھا۔ کہ آپ کا سر حضرت فاطمہ کی ران پر رکھا ہوا ہے۔ مختار مدعیہ کی غرض صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جا و بے جا اعتراض کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اپنی اس ہوا نفس کو پورا کرنے کے لیے وہ یہ بھی نہیں سوچتا۔ کہ اگر کسی کے خواب یا کشف میں ایسا دیکھنے سے دوسرے کی توہین لازم آجایا کرتی ہے تو پھر امت کے دوسرے بزرگوں کو بھی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ چنانچہ قطب ربانی حضرت سید عبدالقادر

علیہا السلام سے۔ لیکن مختار مدعیہ اس کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین بتلاتا ہے۔ اگر اس کا یہ کہنا صحیح ہے تو حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی بابت وہ کیا کہے گا۔ کیا ہی کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب سے بدرجہا زیادہ توہین اور ہتک اور تذلیل اور تحقیر کی ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے مادر مہربان کی طرح جیسا کہ وہ بچوں کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا کرتی ہیں۔ حضرت فاطمہ کا آپ کے سر کو اپنے زانو پر رکھ لینا لکھا ہے۔ لیکن حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے کشف میں تو یہ بات نہیں ہے۔ پس مختار مدعیہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہتک کا سب سے بڑا مرتکب قرار دے کر کہ انہوں نے اپنے سینہ کو فاطمہ کے سینہ سے ملایا۔ کافر و مرتد قرار دے گا یہ نتیجہ ہے حق کی مخالفت کا کہ جو اعتراض حضرت اقدس مسیح موعودؑ پر کیا جاتا ہے۔ اسی قسم کا یا بالکل وہی اعتراض دوسرے مقدسوں پر بھی عائد ہوتا ہے۔

بیت اللہ کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر ؎

زمینِ قادیان اب محترم ہے ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

سے بیت اللہ کی توہین نکالی ہے اور کہا ہے کہ قرآن مجید میں بیت اللہ کو حرم قرار دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو بھی حرم قرار دیا ہے۔ اگر ہم کسی کو حرم قرار دیں گے تو یہ بیت اللہ کی توہین ہوگی اور مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ گواہ مدعا علیہ ما نے بجواب جرح یہ کہا ہے کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ مختار مدعیہ کے دیگر مغالطوں کی طرح یہ بھی ایک مغالطہ ہے۔ ورنہ گواہ مدعا علیہ ما نے جرح کے جواب میں ہرگز یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ بلکہ گواہ مدعا علیہ نے یہ تسلیم کیا تھا کہ شعر مذکورہ حضرت اقدس کا شعر ہے۔ مختار مدعیہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں کو بار بار بگاڑ کر بیان کرتا ہے۔ حضرت اقدس نے زمین قادیان کو ہجوم خلق کی وجہ سے ارض حرم کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی جس طرح لوگ محض دین کی خاطر حج کے لیے ارض حرم پر ہجوم کرتے ہیں۔ یہاں بھی ہجوم کرنا دین ہی کے لیے ہے۔ کیونکہ اعلائے دین حق۔ اسلام کی تجویزیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلام کی خوبیاں اور نبی کریم کے فضائل بیان ہوتے ہیں اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دینے سے مشبہ بہ کی توہین نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ مشبہ سے اس کی فضیلت اور برتری ثابت ہوا کرتی ہے۔ مختار مدعیہ کو ہر بات میں توہین ہی نظر آتی ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے۔ کہ ایک امر بھی ایسا نہیں ہے۔ جس کو اس نے موجب توہین قرار دیا ہو اور وہی یا اسی کی طرح کوئی اور امر اکابر اسلام یا اکابر دیوبند کی تحریروں میں نہ نکل آیا ہو۔ چنانچہ یہ امر بھی اس کلیہ سے باہر نہیں رہا۔ مختار مدعیہ نے زمین قادیان کے ارض حرم سے تشبیہ دینے کو حرم کعبہ کی توہین قرار دیا ہے لیکن ایک مشہور شعر میں بزرگان اسلام نے دل کو کعبہ بلکہ سو ہزار کعبوں سے بھی بہتر بتایا ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اور بعض نے فرمایا ہے کہ حقیقی بیت اللہ تو دل ہی ہے۔ چنانچہ کتاب علم الکتاب میں لکھا ہے۔ دل منصف بارگاہِ حق بر سبیل دوام بیت اللہ دیگر است و قبلہ توجہ سالکان بلکہ بیت اللہ حقیقی ہمیں است۔ چنانچہ این حدیث قدسی مشعر ازیں است۔ لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن (علم الکتاب ص۱۱۴)

پس کیا مختار مدعیہ ان تمام اہل اللہ کو بھی یہی کہے گا کہ انہوں نے بیت اللہ کی توہین کی ہے اور اس وجہ سے یہ کافر و مرتد ہے۔ اور نیز جب اس کے نزدیک قرآن مجید میں صرف بیت اللہ کو حرم قرار دیا گیا تھا۔ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کو حرم قرار دینے سے بھی بیت اللہ کی توہین نکالے گا اور کیا مختار مدعیہ مولوی عبدالمالک مشیر مال ریاست بہاولپور والد ماجد مولوی اختر علی صاحب منتظم آبادی کو بھی کافر و مرتد قرار دے گا۔ جنہوں نے جامع مسجد بہاولپور کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد کو مسجد اقصیٰ کی مثال اور کعبہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کے دو شعر جو مسجد میں کندہ ہیں یہ ہیں ؎

ہزار شکر کہ دست جواد ہر مومن ! برائے زینت ایں کعبہ گوہر افشاں شد

فرشتہ گفت پئے عبدالملک سن تعمیر مثال مسجد اقصیٰ بلند ایوان شد

اور کیا مختار مدعیہ ان لوگوں کو بھی جنہوں نے یہ مسجد تعمیر کی اور اس کام کو پسند کیا۔ اسلام کی صف سے نکال کر کفار مرتدین کی صف میں کھڑا کرے گا۔ یہ تو تھا حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود کا زمین قادیان کو ہجوم خلق کی وجہ سے ارض حرم کے ساتھ تشبیہ دینا جس سے حضرت اقدس کے قلب مبارک میں ارض حرم کی وقعت و عظمت کی حالت بخوبی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ مشبہ سے مشبہ بہ افضل و برتر ہونا مسلمہ فریقین ہے حضرت اقدس کے بلحاظ ہجوم خلق زمین قادیان کو ارض حرم سے تشبیہ دینے سے ارض حرم کی فوقیت و برتری ظاہر ہوئی۔ لیکن تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا و پیشوا اور شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے یہی کچھ فرمایا ہے اور وہ نہ تو عمومیت کے ساتھ ارض حرم کے لیے فرمایا ہے اور نہ اس کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ خاص بیت اللہ کے لیے فرمایا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے اور بیت اللہ کا جو درجہ قرار دیا ہے وہ اس شعر سے ظاہر ہے ؎

پھرتے تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوق عرفانی

یعنی کعبہ میں فقدان عرفان کا یہ عالم ہو گیا ہے۔ کہ وہاں جانے والوں میں سے جو ذوق و شوق عرفانی رکھنے والے تھے
لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن

ان کو گنگوہ کا رستہ پوچھنا پڑتا تھا جو عرفان کعبہ میں پہنچ کر بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔ وہ گنگوہ پہنچ کر حاصل کریں۔ کیونکہ کعبہ اگر آنحضرت صلعم کا مولد ہے تو گنگوہ مولوی رشید احمد کا مولد و مسکن، یہ ہے نقطہ نظر دیوبندیوں کے شیخ الہند کا خاص بیت اللہ کے متعلق اور بیت اللہ کے شہر یعنی مکہ معظمہ کے متعلق جو کچھ ہو گا وہ محتاج بیان نہیں۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

اب رہی مدینہ منورہ کی حالت۔ اس کے متعلق بھی یہی شیخ الہند صاحب فرماتے ہیں ؎

تمہاری تربت انور کو بھی دے کر طور سے تشبیہ

کہوں، ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی!

یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی کی قبر کو طور سے تشبیہ دے کر آپ ارنی کہتے ہیں اور جب قبر کو طور سے تشبیہ دے کر ارنی کہا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آرزو میں کہا تھا تو تشبیہ دینے والے صاحب نے اس پیرایہ میں اپنے آپ کو کس سے تشبیہ دی۔ اور صاحب قبر کو کس سے نہایت صفائی سے ظاہر ہے۔ کہ کسی کی قبر کو طور سے تشبیہ دے کر ارنی کہنے والا اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے اور صاحب قبر کو اللہ جل شانہ سے تشبیہ دے رہا ہے اور یہ مختار مدعیہ کے نزدیک سب کچھ جائز ہے نہ اس سے طور کی توہین لازم آتی ہے۔ نہ ہی حضرت موسیٰ کی نہ کعبہ کی نہ مدینہ منورہ کی۔ نہ رسول اللہ صلعم کی اور نہ اللہ تعالیٰ عزاسمہ کی۔ لیکن حضرت اقدس نے ارض قادیان کو ارض حرم سے تشبیہ دی اور اس کو عزت والی فرمادیا کیونکہ حرم عزت والی جگہ کو ہی کہتے ہیں تو اس سے بیت اللہ کی توہین لازم آگئی سبحان اللہ یہ خوب لازم آتا ہے۔ اور حضرت اقدس کے الہام۔ من دخلہ کان آمنا سے جو مسجد مبارک قادیان کے متعلق ہے حرم بیت اللہ کی خصوصیات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ اس کے متعلق حضرت اقدس نے صاف فرمادیا ہے کہ جو شخص بیت الذکر یعنی مسجد مبارک قادیان میں باخلاص و قصد تعبد و صحت نیت و حسن ایمان داخل ہوگا وہ سوء خاتمہ سے امن میں آجاوے گا اور یہ وہ بات ہے کہ اس سے خصوصیات بیت اللہ میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے خصوصیات اسی کے ساتھ ہیں۔ اور مسجد مبارک کے متعلق بھی یہ فضل ظلی طور پر ہے مستقل طور پر نہیں۔ یعنی جب اسی قسم کی عبادت کے قصد سے جو بیت اللہ میں ہوتی ہے کوئی شخص بشرائط مذکورہ مسجد مبارک میں داخل ہوگا تو وہ سوء خاتمہ سے امن میں آجاویگا۔ کیا مختار مدعیہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ داخل ہونے پر سوء خاتمہ سے امن میں آجانا بیت اللہ کے ساتھ ہی خصوصیت رکھتا ہے۔ مختار مدعیہ یہ کبھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ سوء خاتمہ سے امن میں آنا بیت اللہ میں داخلہ کے ساتھ ہرگز مشروط نہیں۔ کروڑ در کروڑ بلکہ بے گنتی بے شمار ایسے لوگ ہوں گے جن کو بیت اللہ میں داخلہ کا موقع نہ ملا ہوگا۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سوء خاتمہ سے مامون اور محفوظ رہیں گے اور جب یہ ہے تو یہ امر بیت اللہ سے مخصوص نہ رہا بلکہ عام ہوگیا۔ اور جب عام ہوگیا۔ تو یہ اعتراض کہ جو امر بیت اللہ کے ساتھ خاص تھا۔ وہ دوسرے مقام کے لیے تسلیم کر کے اس کو بیت اللہ کی خصوصیت میں شریک کر دیا ہے خود بخود

باطل ہو گیا۔

حج کی توہین

پھر مختار مدعیہ نے ایک الزام احمدیوں پر یہ لگایا ہے کہ انہوں نے حج کی بھی توہین کی۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے برکات خلافت میں لکھا ہے کہ ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ لہذا حج کی توہین ہوئی۔ مختار مدعیہ نے جو طرز استدلال کی ایجاد کی ہے اس کی رو سے اگر کوئی اپنے بیٹے کا نام محمد رکھ لے تو اس میں اسم محمد کی توہین لازم آجائے گی اگر کوئی کہہ دے کہ فلاں شخص حضرت ابوبکر و عمر کی طرح تو اس سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی توہین لازم آجائے گی۔ چنانچہ تیرہویں صدی کے مجدد سید احمد صاحب بریلوی کی مہر کے متعلق لکھا ہے۔

"سید احمد صاحب کی مہر جس پر اسمہ احمد کھدا ہوا تھا"۔۔۔۔۔۔ ہر نامہ اور مراسلہ کے خاتمہ پر سید صاحب کی مہر ثبت ہوا کرتی تھی (سوانح احمدی ص۱۴۰)

۲۔ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی مہر جس پر اذکر فی الکتاب اسمٰعیل کندہ تھا۔ (سوانح احمدی ص۱۱۱)۔

(۳) آپ کے بڑے خلیفوں میں مولوی عبد الحیؒ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید ہیں یہ دونوں بزرگ بمنزلہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح ہیں آپ کے خلفائے راشدین میں سے تھے (سوانح احمدی ص۱۴۲)

(۴) سید احمد صاحب بریلوی فرماتے ہیں۔

"اور جن لوگوں نے مجھے زہر دیا وہ بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ذریعہ سے میرے جد امجد حضرت رسول اللہ صلعم کی سنت کو مجھ پر جاری کر دیا۔ (سوانح احمدی ص۱۰۴)

اب مختار مدعیہ کے طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے مذکورہ بالا اقوال سے ماننا پڑتا ہے کہ سید احمد صاحب بریلوی نے آنحضرت صلعم کی توہین کی ہے۔ جب کہ اپنی زہر خورانی کے واقعہ کو آنحضرت صلعم کے زہر خورانی کے واقعہ سے تشبیہ دی۔ اور اپنی مہر پر اسمہ احمد کندہ کروا کر آیت اسمہ احمد کی توہین کے علاوہ آنحضرت صلعم کی توہین کی۔ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید نے آیت اذکر فی الکتاب اسمٰعیل کی توہین کے علاوہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی توہین کی۔ اور مولوی عبد الحیؒ اور مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کو بمنزلہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر قرار دے کر حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ کی توہین کی اور مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی نے مولوی محمد قاسم صاحب کی تاریخ وفات یہ نکالی ہے ؎

وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے۔ (ملاحظہ ہو حالات طیب مولوی محمد قاسم صاحب مطبوعہ صادق الانوار بہاولپور ص۳۳)

مختار مدعیہ کے طرز استدلال پر تو اس قول سے آنحضرت صلعم کی سخت توہین لازم آئی۔ کیونکہ جب مولوی محمد قاسم صاحب

کی وفات سرور عالم آنحضرت صلعم کی وفات کا نمونہ قرار دی گئی تو مولوی محمد قاسم صاحب آنحضرت کا نمونہ ٹھہرے۔ پس کیا مختار مدعیہ ان مذکورہ بالا بزرگوں کو بھی کافر اور مرتد قرار دے گا۔

مقبرہ بہشتی

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک الزام یہ بھی لگایا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلعم کے قبرستان کی بھی توہین کی۔ کیونکہ آپ نے اپنے قبرستان کے متعلق کہا کہ جو اس میں دفن کیا جائے گا وہ بہشتی ہوگا۔ لہذا آنحضرت صلعم کے قبرستان کی اس سے توہین ہوئی۔

اگر ایک قبرستان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بوحی الہٰی یہ فرمایا کہ اس جگہ وہی دفن کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں بہشتی ہوگا تو اس سے آنحضرت صلعم کے قبرستان کی توہین نکالنا اہل عقل کی سمجھ سے بالکل بالا ہے۔ دیکھو مجدد الف ثانی صاحب فرماتے ہیں۔

"کہ جیسے زمین روضۂ منورہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم زمین جنت سے ہے۔ چنانچہ حدیث میں ما بین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ اس پر دال ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے بکمال فضل بباعث عنایت اتباع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے روضہ کی زمین کو بھی جنت کہا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی میری قبر سے ایک مشت خاک لے کر اپنی قبر میں ڈالے تو اس کی نجات کے واسطے امید عظیم ہے۔ فکیف من دفن فیہ" (مقامات امام ربانی ص۱۰۱)۔

اور اسی طرح آپ کے متعلق لکھا ہے:

"ایک روز ایک قبرستان میں تشریف لے گئے۔ دل میں گذرا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اگر عالم کسی مقبرہ پر گذرے تو چالیس دن تک اس قبر کا عذاب موقوف ہو جاتا ہے۔ بمجرد اس خطرہ کے الہام ہوا کہ تیرے گذرنے کی وجہ سے ان اہل قبور کا تاقیامت عذاب موقوف کیا"۔ (مقامات امام ربانی ص۹۰)

عبارت بالا میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے روضہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے مانند قرار دیا ہے اور مختار مدعیہ کے نقطۂ نظر کے لحاظ سے یہ بہت ہی بڑی ہتک ہوئی تو کیا مختار مدعیہ امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی روضہ نبی صلعم کی اہانت کا مرتکب قرار دے کر کافر اور مرتد ٹھہرائے گا اور فتویٰ کفر لگائے گا۔

یہ تھے جوابات مختار مدعیہ کے الزامات بلکہ اتہامات توہین کے اور ان سے ظاہر ہے کہ ان کے یہ اتہامات کیسے لغو اور باطل ہیں۔

کیا تکفیر وجہ ارتداد و فسخ نکاح ہو سکتی ہے؟

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ احمدیوں کے ارتداد کی یہ قرار دی تھی۔ کہ چونکہ احمدی غیر احمدیوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کی تکفیر کرنے کی وجہ سے خود کافر اور مرتد ہیں۔ اس لیے ان کا نکاح کسی مسلمان مرد و عورت سے درست نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواب میں گواہان مدعا علیہ نے یہ ثابت کیا تھا کہ اگر تکفیر وجہ ارتداد اور فسخ نکاح ہو سکتی ہے۔ تو مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کرکے مرتد ہو چکے ہیں۔ لہذا ان کے نکاح فسخ ہونے چاہئیں اور انکی اولاد کو اولاد زنا قرار دینا چاہیئے نیز منہاج السنۃ ابن تیمیہ کے حوالہ سے ثابت کیا تھا کہ خوارج حضرت علی کو بالاتفاق کافر کہتے تھے۔ مگر یہ ثابت نہیں کہ حضرت علیؓ نے ان کی تکفیر کی وجہ سے ان کو مرتد اور دین سے خارج خیال کر کے ان کے نکاح وغیرہ فسخ کیے ہوں بلکہ انہیں مسلمان قرار دیا اور مسلمانوں والے ان سے معاملات کئے۔

نیز گواہ مدعیہ ملا نے ۱۲ اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے۔ جن ائمہ نے اس حدیث یعنی من ترک الصلوۃ متعمدًا فقد کفر کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر کہا ہے۔ ان لوگوں کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ نیز احمد رضا خاں بریلوی جس نے دیوبندیوں پر کفر وارتداد کا فتویٰ لگایا۔ ان کے متعلق گواہ مدعیہ ملا نے بجواب جرح کہا "ہم احمد رضا خاں بریلوی کے فرقہ کو کافر نہیں کہتے۔ احمد رضا خاں کو بھی ہم کافر نہیں سمجھتے" پس اس سے ظاہر ہے کہ محض کسی کو کافر کہنا وجہ کفر اور ارتداد نہیں ہو سکتی

پس اوّل تو یہاں یہ بحث نہیں کہ احمدی غیر احمدیوں کو کیا سمجھتے ہیں۔ بلکہ صرف بحث یہ ہے کہ احمدی مسلمان ہیں یا نہیں۔ پس اگر احمدی دیگر مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہوں اور دائرہ اسلام سے خارج جانتے ہوں۔ تو پھر بھی محض تکفیر ان کے کفر اور ارتداد کی وجہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک فرستادہ کے منکر ہیں۔ مختار مدعیہ نے آئینہ صداقت صـ۳۵ کا حوالہ دیا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ان مسلمانوں کو بھی جنہیں دعوت نہیں پہنچی۔ خارج از دائرہ اسلام قرار دیا ہے۔ سو میں اس کتاب سے اس کی تشریح بیان کرتا ہوں آپ فرماتے ہیں۔

> "میرے نزدیک کفر کی یہ تعریف ہے کہ ایسے اصول میں سے کسی اصل کا نہ ماننا جن کے نہ ماننے سے نہ ماننے والا خدا تعالیٰ کا باغی قرار پا دے اور جن کے نہ ماننے سے روحانیت مر جائے۔ یہ نہیں کہ ایسا شخص ہمیشہ کے لیے غیر محدود عذاب میں مبتلا کیا جاوے اور چونکہ اسلام کے احکام کی بنا ظاہر پر ہے۔ اس لیے جو لوگ کسی نبی کو نہیں مانتے خواہ اس وجہ سے نہ مانتے ہوں کہ انہوں نے اس کا نام نہیں سنا کافر کہلائیں گے۔ گو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ مستحق عذاب نہ ہوں گے کیونکہ ان کا نہ ماننا ان کے کسی قصور کی وجہ سے نہ تھا چنانچہ سب مسلمان بالاتفاق ان لوگوں کو جو مسلم نہیں ہوئے خواہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا

ہے یا نہ سنا ہو کافر ہی کہتے چلے آئے ہیں۔ اور آج تک ایک شخص نے بھی آئس لینڈ کے اسکیموز یا امریکہ کے ریڈ انڈینز یا افریقہ کے ہاٹنٹاٹس یا آسٹریلیا کے وحشیوں کے مسلمان ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔ اور نہ ان ہزاروں لاکھوں عیسائیوں کی نسبت فتویٰ اسلام دیا ہے۔ جو پہاڑوں یا اندرون یورپ کے رہنے والے ہیں اور جنہیں رسول کریم کی تعلیم کا کوئی علم نہیں۔"

اور صفحہ ۸۵ میں آپ نے فرمایا ہے:

"بے شک ہم ان کو کافر باللہ یعنی دہریہ نہیں کہتے۔ مگر ان کے کافر بالمامور ہونے میں کیا شبہ ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو راستباز مانتے ہیں۔ پھر ہمیں کیوں کافر کہا جائے۔ وہ سوچیں کیا راستباز جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ اگر مرزا صاحب راستباز تھے تو پھر ان کے دعوؤں کے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ اور ہمارا یہ عقیدہ بعینہٖ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ جو وہ مسیح موعود کی نسبت رکھتے ہیں"

چنانچہ گواہ مدعیہ م۴ نے بھی بجواب جرح ۳۱ اگست کو تسلیم کیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریمؑ کے نزول کے وقت جو شخص ان کو نہ مانے گا مسلمان نہیں ہوگا۔

گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے انجام آتھم میں لکھا کہ میرا دشمن جہنمی ہے۔ حالانکہ یہ امر قابل اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے اپنی کتاب منصب امامت میں بڑی وضاحت سے اس کی تصدیق کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"از آں جملہ توقف نجات اُخرویست بر اطاعت او (یعنی امام وقت) یعنی چونکہ اگر کسے بہزار وجہ در معرفت الٰہیہ و تہذیب نفس جد و جہد تمام وسعی مالا کلام بجا آورد تا وقتیکہ ایمان بالمرسل نیارد ہرگز نجات اخروی بدست نخواہد آورد۔ و خلاص از غضب جبار و درکات نار نخواہد یافت ہم چنیں ہر چند عبادات شرعیہ و طاعات دینیہ بجا آرد و جد و جہد تمام در انتثال احکام اسلام بروی کار آرد اما تا وقتیکہ در طاعت امام وقت گردن نہد و اقرار بامامت او نکند ہرگز عبادات مذکورہ در آخرت کار آمدنی نیست واز دارو گیر رب قدیر خلاص یافتنی نہ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاہلیۃ" (منصب امامت ص ۶۳،۶۴)۔

پھر گواہان مدعا علیہ نے اور اماموں کے اقوال بھی پیش کئے تھے۔ کہ جو شخص اسلام کا اقرار کرتا ہے وہ تمام معاملات میں ائمہ اور حکام کے نزدیک بھی مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ وہ درحقیقت کافر و مستوجب جہنم ہو۔ ان اقوال میں سے ایک قول منصب امامت مصنفہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید کا پیش کیا تھا جس کے متعلق مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں۔ اور ان کا ایمان و اسلام ظاہر ہے اور کفر چھپا ہوا ہے اور

دعویٰ کی تصدیق شعار اسلامی سے کرتے ہیں۔ شریعت سے دستبردار نہیں۔

اب میں منصب امامت کی اصل عبارت پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے :

''ہر چند امثال ایں سلاطین فی الحقیقت از قبیل کفار اشرار اند واز جنس اہل نار فا ما از بسکہ بزبان خود دعویٰ اسلام میکنند پس کفر ایشاں مستور است وایمان ایشاں ظاہر وشاہد تصدیق ہمیں دعویٰ ظاہری از رسوم اسلام مثل عقد نکاح وختان واظہار تجمل بروز عید الفطر والضحیٰ وتجہیز وتکفین ونماز جنازہ ودفن در مقابر مسلمین درمیان خود جاری مے دارند واز شرع ربانی بالکل دست بردار نمے شوند ......

اسلام ظاہری مقتضی ہمیں معنی است کہ با ایشان در احکام دنیویہ معاملہ مسلمین بعمل آرند وایشان را ہم درباب معاملات از جنس مسلمین شمارند گو کہ در آخرت با کفار اشرار در درکات نار مخلد باشند''

(منصب امامت ص ۹۴)

پس جبکہ ایسے نام کے مسلمانوں سے جو درحقیقت کفار اشرار اور از جنس اہل نار ہیں مولانا اسماعیل شہید صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کے زبانی اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے معاملات نکاح وشادی وغیرہ میں مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا چاہیئے تو پھر ان حوالوں کے ہوتے کسی شخص کا حق نہیں کہ وہ احمدی مردوں سے جو کہ مسلمان ہونے کے مدعی اور شریعت اسلامیہ سے دست بردار نہیں اور اپنے دعویٰ کی تصدیق تمام اسلامی شعار کو بجا لانے سے کرتے ہیں۔ حکام وقت سے استدعا کرے کہ ان سے نکاح وغیرہ معاملات حرام قرار دیئے جا دیں۔

کیا غیر احمدی اہلِ کتاب نہیں

مختار مدعیہ نے ۹ راکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے کہا ہے کہ مدعیہ اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے نکاح میں رہ سکتی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں اِلاَّ الذین اوتوا الکتاب من قبلکم کے الفاظ مدعیہ کا استثناء کرتے ہیں۔ یہ آیت پہلے اہلِ کتاب کے متعلق ہے۔ گویا کہ مختار مدعیہ کے نزدیک قرآن کتاب ہی نہیں ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ کتابی عورتوں سے نکاح کے جواز کی علت اور سبب کیا ہے وہ یہی ہے کہ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب دی گئی تھی۔ باوجودیکہ وہ کتابیں جو انہیں دی گئیں تھیں محرف ومبدل ہوگئیں لیکن پھر بھی ان اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز رکھا گیا تو پھر وہ لوگ کہ جن کو قرآن مجید جیسی کامل کتاب دی گئی جو تحریف وتبدیل سے محفوظ ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ بار بار کتاب کے لفظ سے پکارتا ہے۔ کیوں اہلِ کتاب نہ ہوں۔ اور اسی وجہ سے بعض علماء نے شیعہ کو اہلِ کتاب قرار دیا ہے چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

''رافضی کے کفر میں اختلاف ہے۔ جو علماء کافر کہتے ہیں۔ بعض نے اہلِ کتاب کا حکم دیا ہے۔ بعض نے مرتد کا

پس درصورت اہلِ کتاب ہونے کے عورت رافضیہ سے مرد سنی کا نکاح درست ہے۔ اور عکس اس کے ناجائز اور بصورت ارتداد ہر طرح ناجائز ہوگا۔" (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۱۷)

پس مسلمان بھی اہلِ کتاب ہیں۔ اس لئے احمدیوں کے نزدیک ایک احمدی مرد کا سنی عورت سے نکاح قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہے۔ اس لیے مدعیہ کا دعویٰ خارج ہونا چاہیے۔ اور نکاح کو بحال رکھتے ہوئے فیصلہ بحق مدعاعلیہ ہونا چاہیے۔

کیا مدعیہ مشرکہ ہے؟

مختار مدعیہ نے ۸ اکتوبر کی بحث میں احمدی سے سنی عورت کا نکاح جائز نہ رکھنے کی ایک وجہ اختلاف عقائد کے علاوہ یہ قرار دی ہے کہ احمدی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اس کے بچوں کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھتے۔ اور نیز حضرت خلیفہ المسیح الثانی کے ایک خطبہ مندرجہ الفضل ۲۵ اپریل ۱۹۳۰ء میں لکھا ہے کہ ساری دنیا ہی دشمن ہے اور آپ کی تقریر تقدیر الٰہی ص۲۹ میں لکھا ہے کہ پہلے مسیح کو اس کے دشمنوں نے سولی پر چڑھایا اب یہ مسیح آیا تو دشمنوں کو سولی پر لٹکائے اس لیے ڈر ہے کہ جب وہ کسی سنی عورت سے شادی کریں تو اسے سولی پر نہ لٹکا دیں۔

مختار مدعیہ نے جس سادگی سے اس شبہ کا اظہار کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ گویا احمدیوں کے گھروں میں سولیاں کھڑی ہوئی ہیں۔ جہاں کوئی سنی عورت کسی احمدی کے گھر گئی اور انہوں نے اسے سولی پر لٹکایا۔ جس دشمنی کا حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے ذکر فرمایا ہے۔ وہ وہی ہے جو مولوی لوگوں کی طرف سے ہو رہی ہے اور احمدیوں کے خلاف افتراپردازی سے کام لے کر عوام الناس کے خیالات کو مسموم کرتے ہیں

مختار مدعیہ کو مسلم ہے کہ ایک مسلمان کے لیے بہ نص قرآن ایک یہودی عورت کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے لیکن اس جواز کے ساتھ ہی یہود کو مومنوں کا سخت دشمن قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیھود والذین اشرکوا (مائدہ ۱۱۶) کہ اے مخاطب تو یہودیوں اور مشرکوں کو مومنوں کا بہ نسبت دوسرے لوگوں کے سخت دشمن پائے گا۔ پس باوجود یہود کے تلخ ترین دشمن ہونے کے مسلمانوں کے لیے ایک یہودی عورت سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ نظر بر آں اگر غیر احمدی ہمارے دشمن بھی ہوں تو بھی ایک احمدی کا اپنے دشمن قوم کی عورت سے نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ ایک مسلمان کا اپنے سخت ترین دشمن قوم یہود کی عورت سے نکاح جائز ہے۔

رہا غیر احمدی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا سوال تو وہ ایک عورت سے نکاح کرنے کے وقت اٹھ ہی نہیں سکتا اور اس کی جو اولاد ہوگی وہ احمدی ہوگی۔ اس لیے ان کے نماز جنازہ کا بھی سوال پیش نہیں آتا۔ اور اگر اس قسم کے امور شادی کے جواز میں مانع ہو سکتے ہیں تو مسلمانوں کی شادی یہودی یا نصرانی عورت سے بھی ناجائز ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ مسلم نہ تو اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے نہ اس کی نماز جنازہ اور نہ ان سے رشتہ ناطہ وغیرہ کرنا جائز سمجھتا ہے۔

پس بیان مذکورہ سے نہایت صفائی کے ساتھ ثابت ہے کہ مختار مدعیہ کی بیان کردہ وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی از روئے قرآن مجید جس میں صریح طور پر یہودی اور نصرانی عورت سے شادی جائز قرار دی گئی ہے۔ ایک احمدی کی فرقہائے اسلام میں سے کسی فرقہ کی عورت سے شادی کے جواز میں روک نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ مختار مدعیہ کے متعلق سولی پر لٹکا دیئے جانے کا جو خدشہ پیش کیا ہے میں اس کے متعلق کافی وجوہ تسکین پیش کر کے اطمینان دلا چکا ہوں لیکن چونکہ مختار مدعیہ سولی سے بہت ہی خائف نظر آتا ہے اس لیے میں زیادہ سے زیادہ تسکین و تسلی کی غرض سے وہ تعلیم بھی پیش کئے دیتا ہوں جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے ساتھ حسن سلوک کے متعلق دی ہے آپ فرماتے ہیں:

"جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔۔۔۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے۔ وہ میری جماعت سے نہیں ہے"۔ (کشتی نوح ص۱۷)

احمدی شریعت اسلامیہ کے پابند ہیں

۱۰ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ کہ کسی اہل کتاب مرد سے لڑکی نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ اہل کتاب کی لڑکی سے مرد نکاح کر سکتا ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے کہا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی احمدی لڑکی غیر احمدی مرد سے نکاح کرے۔ تو وہ نکاح فسخ نہیں ہو جاتا۔ پس شریعت اسلامیہ کا مسئلہ تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان لڑکی اہل کتاب کے نکاح میں نہیں آ سکتی لیکن شریعت احمدیہ میں ہے کہ مسلمان لڑکی اہل کتاب کے ہاں جا سکتی ہے۔ یہ شرعی حکم ہوا جو پہلے شریعت اسلام میں موجود نہیں۔ لیکن یہ بھی منجملہ اور مغالطات کے مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے یہ بالکل نہیں کہا کہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی مرد سے نکاح جائز ہے۔ بلکہ گواہ مدعا علیہ نے یکم مارچ کو بجواب جرح اس امر کی تصریح کی ہے۔ کہ احمدی اپنی لڑکی کا رشتہ غیر احمدی سے کرنا جائز نہیں سمجھتے اور پھر یہ کہا ہے کہ "احمدی میاں بیوی سے اگر کوئی مرتد ہو جاوے یعنی غیر احمدیوں میں شامل ہو جاوے تو اس کا نکاح جیسا کہ تعامل ہے باقی رہے گا۔

اور ۱۲ مارچ کو بجواب جرح اس کی توضیح بھی کر دی تھی۔

"اگر کوئی احمدی اس وقت غیر احمدی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دے تو ہم اس نکاح کو باطل قرار نہیں دیتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد زنا کی اولاد سمجھی جاوے گی۔ البتہ ہمارے نزدیک نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کر دے تو نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اور نکاح فسخ ہونے کی وجہ بھی بیان کر دی تھی"۔

کہ جب کوئی حکومت اسلامیہ شرعیہ قائم ہو تو اس میں چونکہ قاضی اور مفتی اور حد لگانے والے سب محکمہ موجود ہوں گے اس لیے مرتد کے فسخ نکاح کے لیے بھی قضاء قاضی کی ضرورت ہوگی اور جہاں حکومت اسلامیہ قائم نہ ہو تو جو قانون رائج ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ ہو گا۔ اور شریعت اس کے فیصلوں کے متعلق یہ حکم نہیں لگائے گی کہ یہ نکاح باطل ہے اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہے۔

اور اگر کوئی اسلامی ریاست ہوگی۔ تو اس کا جو قانون رائج ہے۔ وہ جاری ہو گا یعنی اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ صاف اور واضح بیان تھا کہ جس کے بعد مذکورہ بالا اعتراض کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ اس میں صاف طور سے یہ ذکر کر دیا گیا تھا۔ کہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی مرد سے نکاح تو جائز نہیں۔ لیکن اگر کوئی کر دے تو وہ نکاح شریعت کے رائج اس وقت قانون کی وجہ سے فسخ اور باطل نہیں ہوگا۔ اور جو معاملات نکاح وغیرہ کے کسی قانون کے ماتحت کیے جائیں۔ انہیں شریعت باطل نہیں ٹھہراتی۔ فرض کرو ایک مسلمان مرد مرتد ہو گیا اور فقہ حنفیہ کی رو سے مرتد ہونے کی حالت میں اس کا کسی سے بھی نکاح جائز نہیں جیسا کہ ۳۰ اگست کو گواہ نمبر ۴ نے کہا ہے:

"مرتد کے ساتھ کسی سابقہ منکوحہ کا نکاح قائم نہیں رہتا اور نہ آئندہ حرہ یا لونڈی کے نکاح کا اختیار ہے"

اور یہی بات کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں لکھی ہے۔ لیکن موجودہ وقت میں اگر کوئی مرتد نکاح کرے جو قانوناً جائز ہے اور پھر اس کے بعد وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کا پہلے نکاح کو باطل قرار دے کر اس کی پہلی اولاد کو اولاد حرام قرار نہیں دیا جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ جب کسی قانون کے ماتحت نکاح کیا جاوے تو اگرچہ وہ شریعت کی رو سے جائز نہ بھی ہو تو بھی اس کے متعلق شریعت فسخ اور باطل ہونے کا فتویٰ دے کر اس سے پیدا شدہ اولاد کو حرام کی اولاد قرار نہیں دیتی۔

اس امر میں احمدیوں سے گواہان مدعا علیہا کا ضرور اختلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو ان مسلمان فرقوں کے نکاح جنہیں وہ اپنے زعم میں کافر اور مرتد خیال کرتے ہیں۔ باطل اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہے۔ جیسا کہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ ۲ اپنی کتاب الکوکب الیمانی علی اولاد الزوانی کے ٹائٹل پیج پر لکھتے ہیں۔

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور اس کے جملہ معتقدین مرد و عورتوں کا نکاح دنیا میں

کسی سے صحیح نہیں۔ باطل محض وزنائے صرف ہے جس کی بنا پر اولاد کا بھی حرامی اور محروم الارث ہونا لازم آتا ہے۔"

اور صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں :

"اور ان کی عورتوں مردوں کا مسلمان عورت و مرد سے نکاح جائز نہیں۔ بلکہ آپس میں بھی اگر نکاح کریں تو وہ بھی زنائے محض ہے۔"

اور مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :

"کہ مدعیان اسلام میں جو عقائد کفریہ رکھیں ان کا حکم مثل مرتد ہے ...... اور مرد مرتد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت و مرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہو سکتا ...... اور اگر ایسے عقائد خود نہیں رکھتا مگر گمرائے وہابیہ (یعنی مولوی اسمٰعیل صاحب شہید وغیرہم)

اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں :

"جس کے نزدیک رافضی کافر ہے وہ فتویٰ اوّل ہی سے بطلان نکاح کا دیتا ہے۔ اس میں اختیار زوجہ کا کیا اعتبار ہے۔ پس جب چاہے علیحدہ ہو کر عدت کر کے نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے۔ اور جو فاسق کہتے ہیں۔ اس کے نزدیک یہ امر ہرگز ہرگز درست نہیں کہ نکاح اوّل صحیح ہو چکا ہے۔ اور بندہ اوّل مذہب رکھتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم علی ہذا رافضی اولاد سنی کو ترکہ سنی سے نہ ملے گا۔" (فتاوی رشیدیہ حصہ دوم ص۳۲)۔

پس گواہان مدعیہ اور اس کے ہم خیالوں کے نزدیک تو روافض اور دیوبندیوں کے نزدیک رضاخانیوں اور رضاخانیوں کے نزدیک دیوبندیوں اور اس طرح مقلدوں کے نزدیک غیر مقلدوں اور غیر مقلدوں کے نزدیک مقلدوں کے نکاح باطل اور زنا محض ہیں اور آج کل مسلمان فرقوں کا گذارہ ان کے نزدیک زنا پر ہی چل رہا ہے۔ اور ان کی اولادیں بھی حرام کی اولادیں ہیں۔ کیونکہ ہر ایک فرقہ ایک دوسرے کو کافر اور مرتد قرار دے کر ان کے نکاح فسخ اور باطل قرار دے چکا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کے نکاح درست ہیں اور فسخ اور باطل نہیں۔ کہ ان کی اولادوں کو اولاد زنا قرار دینا پڑے۔ کیونکہ وہ ایک رائج الوقت شرعی قانون کے ماتحت کئے گئے ہیں اور اس قانون کی رو سے تمام مدعیان اسلام مسلمان قرار دیئے گئے ہیں۔ ہاں اگر کوئی ریاست مولویوں کی اس خاص شریعت کو جس کے بعض فتاویٰ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جاری کرنا چاہتی ہے۔ تو اسے اختیار ہے۔ لیکن کسی مقدمہ پر اس قانون خاص کو جاری کرنے سے پہلے شرعاً قانوناً اور عقلاً یہ ضروری ہے کہ وہ اس قانون کو اپنی ریاست میں شائع کرے۔

مذکورہ بالا تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے بحکم اور ۲۱ر مارچ کو جو بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور شریعت اسلامیہ کے قطعاً مخالف نہیں ہے اور مختار مدعیہ کا آخر بحث میں یہ کہنا کہ گواہان مدعا علیہ نے تسلیم کیا ہے

کہ جب کوئی مسئلہ قرآن وحدیث میں مصرح نہ ہو تو وہاں فقہ حنفیہ پر عمل ہوگا۔ ایک مغالطہ ہے۔ جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہا نے یکم مارچ کو بجواب جرح کہ کیا آپ فقہ حنفیہ کے پابند ہیں ؟ یہ کہا تھا کہ فقہ حنفیہ سے اگر یہ مراد ہو کہ جو کچھ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے ان سب باتوں کے ہم پابند ہیں تو نہیں۔ لیکن قرآن مجید اور احادیث کے بعد ان میں جو بات قرآن وحدیث کے اقرب ہو اس کو لیں گے۔

پھر مختار مدعیہ نے نہج المصلیٰ ص۱۲ کی عبارت پیش کی تھی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فقہ حنفیہ پر عمل کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن مختار مدعیہ نے وہ پوری عبارت نہیں لکھوائی تھی۔ بلکہ اس کے ساتھ کے فقرہ کو چھوڑ دیا تھا۔ پوری عبارت یہ ہے۔

"ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو۔ اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ قرآن میں اور نہ سنت میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں۔ کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں۔"

اس لیے مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ کے عقیدہ کو دیکھا جائے گا اور وہ یہ ہے کہ احمدی مرد غیر احمدی سنی عورت سے شرعاً نکاح کرسکتا ہے اور چونکہ رائج الوقت شرعی قانون کی رو سے غیر احمدیوں اور احمدیوں کو مسلمان تسلیم کیا گیا ہے اس لیے اگر کوئی احمدی عورت کا غیر احمدی سے یا غیر احمدی عورت کا احمدی مرد سے نکاح کر دیا۔ تاہم وہ نکاح باطل اور فسخ سمجھ کر اس کی اولاد کو زنا کی اولاد نہیں سمجھا جائے گا۔ جماعت احمدیہ کا فقہ حنفیہ سے بعض موجودہ تغیرات کی بناء پر مرتد کے احکام کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔

اور جو حوالے فقہ حنفیہ کی کتب سے ختم نبوت کے بارے میں پیش کیے گئے ہیں۔ اگر (لیکن جیسا کہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں وضاحت سے بتا دیا ہے۔ کہ انہوں نے ختم نبوت سے اس قسم کی نبوت کا بند ہونا مراد نہیں لیا جس کا دعویٰ حضرت مسیح موعود کو ہے) ان سے مراد اس قسم کی نبوت ہے جس کا دعویٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہے۔ تاہم حضرت مسیح موعود نے جہاں مذکورہ بالا تحریر جس میں فقہ حنفی پر عمل کرنے کے لیے لکھا ہے اسی جگہ ختم نبوت کے معنی بھی تحریر کر دیئے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"ایسا ہی چاہیئے کہ نہ تو ختم نبوت آنحضرت صلعم کا انکار کریں۔ اور نہ ختم نبوت کے یہ معنی سمجھ لیویں کہ جس سے امت پر مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کا دروازہ بند ہو جاوے۔ اور یاد رہے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے قیامت تک ان معنوں سے

کوئی نبی نہیں جو صاحب شریعت ہو یا بلا واسطہ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی پاسکتا ہو۔ بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے۔ اور متابعت نبوی سے نعمت وحی حاصل کرنے کے لیے قیامت تک دروازے کھلے ہیں۔ وہ وحی حق جو اتباع کا نتیجہ ہے۔ کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ مگر نبوت شریعت یا نبوت مستقلہ منقطع ہو چکی ہے۔ ولا سبیل الیہا الی یوم القیامتہ ومن قال انی لست من امتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وادعی انہ نبی صاحب الشریعتہ او من دون الشریعتہ ولیس من الامتہ فمثلہ کمثل رجل غمرہ السیل المنہمر فالقاہ وراءہ ولم یغادر حتی مات" (نہج المصلی ص۲۶۱ بحوالہ ریویو بر مباحثہ محمد حسین بٹالوی و چکڑالوی)

اصولی اختلاف

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ ۱ کے جواب کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں ایک لحاظ سے فرعی اور ایک لحاظ سے اصولی اختلاف ہے کے متعلق کہا ہے کہ جب گواہ کو مسلم ہے کہ فرعی بھی اختلاف ہے اور اصولی بھی اس لیے نماز روزہ وحدانیت وغیرہ دونوں ایک نہیں ہوسکتے اور یہ مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ ہے کیونکہ مدعا علیہ نے اپنے بیان میں وضاحت کے ساتھ اپنے عقائد لکھ کر یہ بتادیا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میرا کوئی عقیدہ خدا اور رسول کے فرمودہ کے خلاف نہیں ہے۔

اور خلیفہ اوّل کا یہ فرمانا کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں اصولی اختلاف ہے اس سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ نماز روزہ وغیرہ احکام میں اختلاف ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے عدالت کو دیدہ ودانستہ مغالطہ دینے کے لیے کہا ہے کیونکہ جو حوالہ خلیفہ اوّل کا نہج المصلی سے دیا گیا ہے اس میں یہ صاف لکھا ہے۔

"جس طرح یہ وہ نماز پڑھتے ہیں ہم بھی اسی طرح پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ اور حج اور روزوں کے متعلق ہمارے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے" (نہج المصلی ص۲۴)

اس تصریح کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اصولی اختلاف سے مراد نماز و روزہ وغیرہ میں اختلاف ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ اور اصولی فرق کی بھی حضرت خلیفہ اوّل ؓ نے تشریح کر دی ہے۔ فرماتے ہیں:

"میری سمجھ میں ہمارے اور ان کے درمیان اصولی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ اس کے ملائکہ پر کتب سماویہ پر اور اس کے رسل پر۔ خیر وشر کے اندازہ پر اور بعث بعد الموت پر۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے مخالف بھی یہی امر مانتے ہیں اور اس کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہاں سے ہی ہمارا اور ان کا اختلاف شروع ہوجاتا ہے۔ ایمان بالرسل اگر نہ

ہو تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور ایمان بالرسل میں کوئی تخصیص نہیں عام ہے خواہ وہ نبی پہلے آئے ہوں یا بعد میں ہندوستان میں ہوں یا کسی اور ملک میں کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے۔ ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ بتاؤ کہ یہ اختلاف فروعی کیونکر ہوا قرآن مجید میں تو لکھا ہے لانفرق بین احد من رسلہ۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ کے انکار میں تو تفرقہ ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ قرآن مجید میں خاتم النبیین فرمایا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے تو بالاتفاق کافر ہے یہ جدا امر ہے کہ ہم اس کے کیا معنی کرتے ہیں اور ہمارے مخالف کیا۔" (نہج المصلی ص۴۷)۔

پس اصولی اختلاف مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ماموریت کے لحاظ سے ہے نہ کہ نماز و روزہ وغیرہ احکام کے لحاظ سے اور گواہ مدعا علیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ فروعی اختلاف بھی ہے اور اصولی بھی بلکہ اس نے یہ کہا تھا کہ ایک لحاظ سے فروعی اختلاف بھی ہو سکتا ہے اور ایک لحاظ سے اصولی اور اس کا منشا یہ تھا کہ قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں اور نماز و روزہ زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت میں کچھ اختلاف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں تو اسی لحاظ سے دوسرے معمولی اختلافات فروعی کہلائیں گے۔ اور اصولی اختلاف اس لحاظ سے کہ قرآن مجید میں ایک اصل ایمان کا ایمان بالرسل ذکر کیا گیا ہے۔ مسیح موعود چونکہ خدا کے مامور ہیں اور قرآن مجید و احادیث کی رو سے ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس لحاظ سے اصولی فرق ہے۔ پس گواہ مدعا علیہ کا یہ قطعاً منشا نہیں تھا کہ فروعی اختلاف سے مراد نماز روزہ و زکوٰۃ و حج وغیرہ میں اختلاف ہے۔

کیا مدعا علیہ اور مدعیہ کا علیحدہ علیحدہ مذہب ہے

مختار مدعیہ نے فریقین مقدمہ کے علیحدہ علیحدہ مذہب ہونے کے ثبوت میں ۸ر اکتوبر کی بحث میں یہ دلیل پیش کی ہے۔ کہ مدعیہ اپنے استدلال اور مذہب کا معیار یہ مقرر کرتی ہے کہ جو قرآن سے ثابت ہے اور جو حدیث اور ائمہ سے ثابت ہے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ جس کی تصدیق مرزا صاحب یا ان کے خلفاء کر دیں وہ ہمیں مسلم ہے۔

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے۔ مدعا علیہ اور اس کے گواہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ جو قرآن مجید و حدیث سے ثابت ہو وہ اس کو نہیں مانتے بلکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق وہ قرآن مجید کو ہر چیز پر مقدم کرتے ہیں اور اس کے بعد حدیث کو اور اس کے بعد ائمہ کے اقوال کو بشرطیکہ کوئی ان میں سے قرآن کے صریح طور پر معارض نہ ہو۔ مختار مدعیہ کا سوال گواہان مدعا علیہ سے صرف حدیث کے متعلق تھا کہ اس کا قرآن مجید کے مطابق ہونا کون ثابت کرے گا۔ جس کے جواب میں گواہ مدعا علیہ ملا نے کہا کہ ہر ایک شخص جو ثابت کر دے گا کہ فلاں روایت قرآن مجید کے خلاف ہے وہ اس کے نزدیک قرآن مجید کے خلاف ہوگی اور گواہ ملا نے کہا کہ جس کی تصدیق مرزا صاحب یا ان کے خلفاء کر دیں وہ ہمیں مسلم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہم سے علم میں زیادہ ہیں اور ان کا ہر فیصلہ بعد تحقیق ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا فیصلہ ہمارے لیے درست اور قابل تسلیم ہوگا۔ آخر ہر شخص جو کسی کی اقتدار کرتا ہے اور اس کو اپنا امام تسلیم کرتا ہو تو یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ اس سے علم میں زیادہ ہے اور اسی وجہ سے وہ اس کے اقوال کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔

مختار مدعیہ کو شاید معلوم نہ ہو کہ علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کا احادیث کے قبول کرنے کے بارہ میں یہی مذہب ہے جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"کہ اہلسنت کلام اللہ کے سامنے کسی کی نہیں سنتے یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں اگر موافق نکلے تو فبہا ورنہ موافق مثل مشہور کالاء زبوں بر ریش خاوند اس کو راویوں کے سر مارتے ہیں اور رجان لیتے ہیں کہ کچھ راویوں کا قصور ہے۔ الغرض عقل و نقل کی کسوٹی اور دین و دنیا میں امام سمجھتے ہیں"۔ (ہدیۃ الشیعہ ص۱۰)۔

اب مختار مدعیہ بتائے کہ احادیث کے موافق قرآن یا مخالف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا۔ آخر وہی کرے گا جو اس کی اہلیت رکھتا ہو اور چونکہ گواہان مدعا علیہ کے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خلفاء اس بات کی اہلیت رکھتے ہیں اس لیے وہ ان کا فیصلہ ہی تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ احادیث جو قرآن کے معارض نہیں ہیں ان کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

"ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی کوئی درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں" (ریویو برمباحثہ چکڑالوی)

مرتد اسے کہتے ہیں جو مسلمان ہو اس کے بعد اسلام سے پھر جائے جیساکہ مختار مدعیہ نے ۷ار اکتوبر کی بحث میں کہا ہے لیکن مدعا علیہ کو اقرار ہے کہ وہ مسلمان ہے اور مذہب اسلام پر قائم ہے اور اس کے سوا کسی اور مذہب کو اختیار کرنا موجب لعنت خیال کرتا ہے اور قرآن شریف یا احادیث میں کوئی ایسی نص نہیں ہے۔ کہ ایک مدعی اسلام ہو اور وہ کہے کہ میں مذہب اسلام پر بھی قائم ہوں اور اس کے سوا میں نے کسی دین کو اختیار نہیں کیا تو وہ مرتد قرار دیا جائے۔

مختار مدعیہ کے نزدیک فسخ نکاح کی ایک وجہ

مختار مدعیہ نے فسخ نکاح کے متعلق ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے اور اس امر کا اس نے اپنے جواب دعویٰ میں اقرار کیا ہے اور گواہ ۲ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ غیر احمدی سے احمدی اور احمدی سے غیر احمدی ہو جانے کو مذہب اختیار کرنا کہا جا سکتا ہے۔ اور مذہب بدلنا اور مذہب اختیار میرے نزدیک ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ اور مذہب تبدیل کیے جانے کی حالت میں نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ جیساکہ مرزا صاحب نے بھی چشمۂ معرفت میں لکھا ہے پس یہ نکاح فسخ ہو جانا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ مختار مدعیہ کی یہ تینوں ہی باتیں غلط ہیں۔

پہلی اس لیے کہ مدعا علیہ نے ان معنوں میں ہرگز مذہب تبدیل نہیں کیا جن معنوں میں مختار مدعیہ نے عدالت کو یقین دلانا چاہا ہے۔ اس امر کے ثبوت میں اس نے جس بیان کا فقرہ مدعا علیہ کی طرف سے منسوب کیا ہے وہ مدعا علیہ کا نہیں بلکہ منصف احمد پور شرقیہ نے مدعا علیہ کے بیان سے بطور نتیجہ اخذ کر کے خود لکھا تھا اور چونکہ اس بیان سے وہ مغالطہ پیدا ہو سکتا تھا۔ جو مختار مدعیہ نے پیدا کرنا چاہا ہے۔ اس لیے مدعا علیہ نے اسی وقت درخواست دے کر ظاہر کر دیا تھا کہ جو خلاصہ میرے اعتقاد کا اخذ فرمایا گیا ہے وہ میرے اصل اعتقاد مذہبی سے مغائر ہے۔" میں خدا کو وحدہ لاشریک اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم

کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو الہامی کتاب مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور توسط اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے بلکہ شریعت محمدیہ کے تابع اور اشاعت کرنے والے تھے ان پر وحی والہام بہ برکت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوتے تھے۔"

یہ ہے خلاصہ اس درخواست کا جو مدعا علیہ نے ۱۹ ؍ فروری ۱۹۲۷ء کو دی ہے اور مسل میں موجود ہے۔

مگر کیسی عجیب جسارت ہے کہ باوجود اسی درخواست کی موجودگی کے مختار مدعیہ نے عدالت کو یہ یقین دلانا چاہا ہے کہ چونکہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب بدل لیا ہے اور مذہب بدل لینے سے نکاح قائم نہیں رہتا۔ لہٰذا عدالت کو نکاح فسخ کر دینا چاہیے حالانکہ جن معنی میں مذہب کی تبدیلی سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے وہ معنی اس موقعہ پر ہرگز نہیں پائے جاتے مذہب کا لفظ اسلامی فرقوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کہ حنفی مذہب۔ شافعی مذہب۔ مالکی مذہب حنبلی مذہب اور اسی لحاظ سے ان فرقوں کے لیے مذاہب اربعہ الفاظ بولے جاتے ہیں اور مذہب کا لفظ دین کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ دین موسوی۔ دین عیسوی۔ دین اسلام وغیرہ۔ اگر پہلے معنی کے لحاظ سے تبدیلی ہو یعنی کوئی حنفی المذہب انسان شافعی المذہب ہو جائے یا بالعکس تو اس کو دین کی تبدیلی نہیں کہتے اور تبدیلی سے نکاح فسخ نہیں ہوتا اور اگر مذہب دوسرے معنی کے لحاظ سے تبدیلی ہو یعنی کوئی شخص مذہب اسلام میں سے نکل کر مذہب موسوی یا عیسوی میں داخل ہو جائے تو اسکو دین کی تبدیلی کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی غیر احمدی کا احمدی ہو جانا دوسری قسم کی تبدیلی نہیں ہے نہ جس سے نکاح کا فسخ ہو جانا لازم آوے۔

جیسا کہ خود مدعا علیہ کے اس بیان سے ظاہر ہے جو اس نے درخواست مذکورہ بالا میں لکھا ہے کہ میں خدا کو وحدہٗ لاشریک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں اور قرآن کریم کو الہامی کتاب مانتا ہوں کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے الخ

پس مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مدعا علیہ نے مذہب بدل لیا ہے اور مذہب بدل لینے کو اس موقع پر دین بدل لینے یعنی اسلام ترک کر دینے کے معنوں میں لینا قطعاً باطل ہے اور چونکہ مدعا علیہ بفضلہٖ تعالیٰ اسلام پر قائم ہے اس لیے اس مقدمہ کو خارج ہونا چاہیے۔

دوسری بات مختار مدعیہ کی اس لیے غلط ہے کہ گواہ مدعا علیہ نے مذہب بدل لینے کو ان معنوں میں نہیں لیا ہے جن معنوں میں مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے یعنی دین اسلام کو چھوڑ دینے کے معنوں میں بلکہ فرقے کو بدل لینے کے معنی میں لیا ہے جیسا کہ گواہ مذکور کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مذہب کے معنی روشن اور طریقے کے ہیں جس پر ایک انسان چلتا ہے اس لیے غیر احمدی سے احمدی ہو جانا یا احمدی سے غیر احمدی ہو جانے کو مذہب اختیار کرنا کہا

جا سکتا ہے ملاحظہ ہو جرح بر گواہ مدعا علیہ ع۲ بتاریخ ۲۳ مارچ غرض چونکہ گواہ نے مذہب بدل لینے کو دین بدل لینے کے معنوں میں نہیں لیا جن میں کہ مختار مدعیہ لینا چاہتا ہے بلکہ طریقہ بدل لینے کے معنوں میں لیا ہے اور طریقہ بدل لینے سے نکاح فسخ نہیں ہو سکتا اس لیے مقدمہ کا خارج کر دیا جانا ضروری ہے۔

تیسری بات مختار مدعیہ کی اس لیے غلط ہے کہ حضرت اقدس نے چشمہ معرفت میں جو لکھا ہے کہ کسی کے مذہب تبدیل کرنے کی حالت میں اس کی عورت حاکم وقت کے سامنے خلع کی درخواست کر کے اس سے علیحدگی حاصل کر سکتی ہے تو اس موقع پر آپ کی مراد تبدیلی مذہب سے دین کی تبدیلی ہے۔ جیسے کوئی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین یعنی دین عیسوی یا دین موسوی وغیرہ اختیار کرے چنانچہ جس مضمون میں آپ نے یہ لکھا ہے وہ غیر مسلموں یعنی آریوں کے مقابلہ میں ہے جو آریہ مذہب پر اسلام کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔

غرض چونکہ چشمۂ معرفت کے مضمون میں مذہب کی تبدیلی سے دین کی تبدیلی مراد ہے اور مدعا علیہ نے دین کی تبدیلی نہیں کی اس لیے چشمۂ معرفت کے مضمون کی رو سے مدعا علیہ کی منکوحہ یعنی مدعیہ کو علیحدگی کی درخواست کرنے کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا پس اس مقدمہ کو خارج ہونا چاہیے۔

فسخ نکاح کی ایک اور وجہ

مختار مدعیہ نے نکاح فسخ کر دیئے جانے کی ایک وجہ کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ اب تک فسخ نکاح کی راہ میں دو روکیں واقع تھیں اول یہ کہ اس معاملہ کے متعلق علماء ممالک غیر کا کوئی فتویٰ موجود نہیں تھا دوسری یہ کہ عدالت ہائے ہائی کورٹ کے فیصلہ جات موجود تھے کہ احمدی مسلمان ہیں اور اب یہ دونوں روکیں دور ہو چکی ہیں اس لیے نکاح فسخ ہو جانا چاہیئے پہلی روک تو اس طرح دور ہو گئی کہ ملک شام سے احمدیوں کے خلاف فتویٰ آگیا ہے اور دوسری روک دربار معلی نے یہ کہہ کر دور کر دی کہ جج صاحبان ہائی کورٹ مدراس نے اپنے فیصلہ میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ علماء اسلام ہی اس امر کے متعلق بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ احمدی عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں لیکن مختار مدعیہ کا یہ بیان بھی اس طرح غلط ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلا بیان کیونکہ جس چیز کا نام وہ شام کا فتویٰ رکھتا ہے وہ درحقیقت کوئی فتویٰ نہیں بلکہ میرے ٹریکٹ "شی عن عقائد الجامعۃ الاحمدیۃ" کے جواب میں رشید ہاشم کی ایک تحریر ہے جو علماء میں سے نہیں بلکہ ایک تاجر آدمی ہے اور اس کی قابلیت اور دماغی حالت معلوم کرنے کے لیے اس کی یہی تحریر دیکھ لینی کافی ہے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نے میرے متعلق جو اس کی یہ عبارت دکھائی ہے وہ یہ ہے:

"جو عبارت میں نے تیرے رسالہ صفحہ ۲ و ۳ و ۴ سے نقل کی ہے بہ نص کفر پر دلالت کرتی ہے"

اور وہ اس عبارت سے پہلے انہیں صفحات کی یہی عبارت نقل کر کے اس کے متعلق یہ بھی لکھ چکا ہے کہ تیری یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ تو مسلمان ہے اور ایک ہی عبارت کے متعلق اس کی یہ دو متضاد رائیں اس کی دماغی حالت کا اچھا مظاہرہ ہیں اور اس کی شہرت کی یہ حالت ہے کہ جب جرح میں گواہ مدعیہ ۳ سے دریافت کیا گیا کہ رشید ہاشم کو جانتے ہو تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ملاحظہ ہو جواب جرح ۲۹ راگست ۳۲ء

پس چونکہ جس چیز کا نام فتویٰ رکھا جاتا ہے وہ کوئی فتویٰ نہیں بلکہ ایک شخص کی جوابی تحریر ہے اس لیے قابل التفات نہیں اور اس کے رو سے کسی کے کفر و اسلام کا فیصلہ کسی طرح نہیں کیا جا سکتا اس لیے نکاح قائم رکھنا اور مقدمہ خارج کر دیا جانا چاہیے ۔

مختار مدعیہ نے حسام الحرمین کے متعلق جو علمائے دیوبند پر علماء حرمین کا فتویٰ کفر کہا ہے کہ اس کی صف اوّل میں مرزا غلام احمد کا نام ہے میں کہتا ہوں کہ اس میں کسی کا نام صف اوّل میں ہو یا صف آخر میں ۔ مگر اس سے اس فتوے کے علماء دیوبند کے حق میں ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی ۔ البتہ احمدیوں نے اس فتوی کو اپنے حق میں بھی تسلیم نہیں کیا ۔

مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ یہ فتویٰ اصل میں احمدیوں پر ہے دیوبندی اس کے ضمن میں داخل کر لیے گئے ہیں بالکل غلط اور سراسر مغالطہ ہے دیوبندیوں کو احمدیوں کے ذیل میں قرار دے کر ضمنی طور پر کفر کا فتویٰ ہرگز نہیں دیا گیا بلکہ مستقل طور پر دیا گیا ہے اور اُن کا ان سب فرقوں سے جن پر فتوی دیا گیا ہے کفر میں سخت ہونا ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ ص۱۲ میں یہ لکھا ہے ۔

" تو ان میں سے کسی کو اصل دین کا انکار کرتے پائے گا اور اس میں کوئی ختم نبوت کا منکر ہو کر نبوت کا مدعی ہے اور کوئی اپنے آپ کو عیسٰی بتاتا ہے اور کوئی مہدی اور ظاہر میں ان سب میں ہلکے اور حقیقت میں ان سب سے سخت یہ وہابیہ ہیں ۔ خدا ان پر لعنت کرے اور ان کو رسوا کرے اور ان کا ٹھکانہ اور ان کا مسکن جہنم کرے بے پڑھے جاہلوں کو چوچو پاؤں کی طرح ہیں دھوکے دیتے ہیں کہ وے پیروان سنت ہیں ۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دیوبندیوں کو ان تمام فرقوں سے جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے سخت تر کافر کہا گیا ہے کیونکہ وہابیوں سے دوگروہ مراد ہیں ایک وہ جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہ دیوبندی خیال والوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا وہ جو مولوی نذیر حسین دہلوی سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ حسام الحرمین صفحہ ۱۳ و ۱۴ پر وہابیوں کی قسمیں لکھ کر ظاہر کر دیا مثلاً وہابیہ امثالیہ خواتمیہ وہابیہ امیریہ ۔ وہابیہ قاسمیہ ، وہابیہ کذابیہ ، وہابیہ شیطانیہ ، وہابیہ نذیریہ ، اور ان کو مولوی امیر حسن وامیر احمد سہسوانی و

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

مختار مدعیہ نے ان فتوؤں کی طرف سے جو علمائے اہلسنت والجماعت ہند و حرمین شریفین نے دیوبندیوں کے حق میں دیئے ہیں عدالت کی توجہ ہٹا دینے کی غرض سے کہا ہے کہ یہاں دیوبندیوں کے کفر و اسلام کی کوئی بحث نہیں ہے مگر یہ کہنا بالکل غلط اور دانستہ حقیقت الامر کو پوشیدہ کرنا ہے کیا مختار مدعیہ کو اپنا وہ فقرہ یاد نہیں رہا جو اس نے فیصلہ دربار معلّی کے حوالہ سے چنا اور پیش کیا ہے کہ "علماء اسلام ہی اس کے متعلق بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا احمدی عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں اور کیا اس نے یہ امر بھی فراموش کر دیا ہے کہ دربار معلّی نے یہ مقدمہ شرع شریف کے مطابق فیصل کرنے کے لیے اس عدالت میں واپس کیا ہے یہ امر کسی طرح نظرانداز کیے جانے کے قابل نہیں کہ جو علماء اس امر کا فیصلہ کرنے والے قرار دیئے جائیں کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ کے عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں تو قبل اس کے کہ اس نہایت ہی نازک اور مہتم بالشان امر کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کا تقرر عمل میں آئے تو ان کے متعلق بھی یہ باور کیئے جانے کے کہ یہ دنیائے اسلام میں کیا سمجھے جاتے ہیں اور ان کے عقائد بھی مطابق اسلام ہیں یا نہیں قطعی اور یقینی وجوہ موجود ہونا اشد ضروری ہے ورنہ کفر و اسلام جیسے مسئلہ میں ان کی رائے قابل توجہ تو کیا لائق التفات بھی نہیں ہو سکتی بہت صاف بات ہے کہ اگر وہ خود عقائد اسلامیہ نہ رکھتے ہوں اور اگر ان کے عقائد کی وجہ سے دنیائے اسلام کے مشرق سے لے کر مغرب اور شمال سے لے کر جنوب تک کے تمام علماء نے کفر کے فتوے دیئے ہوں حتیٰ کہ علمائے حرمین شریفین نے بھی تو پھر وہ دوسروں کے کفر و اسلام کا فیصلہ کرنے کے کس طرح اہل سمجھے جا سکتے ہیں اس بیان سے ظاہر ہے کہ کیا اس معاملہ میں علماء دیوبند کے کفر کا کوئی سوال نہیں ہے یا علمائے دیوبند کے کفر و اسلام کا سوال ایک بڑا ہی ضروری سوال ہے۔ کیا اتنی اہم بات ایسی آسانی سے نظرانداز کی جا سکتی ہے۔

اور کیا ایک ایسا معاملہ جو اپنے نتائج کے لحاظ سے نہایت وسیع الاثر اور بغایت مہتم بالشان ہے بعض غیر ذمہ دار آوازوں کے پیچ و خم اور نشیب و فراز کی بھول بھلیوں میں گم کر دیئے جانے کے لائق ہے دیوبندی علماء دوسروں کو کافر ٹھہرانے کے لیے فتوے لکھیں۔ شہادتیں دیں بحثیں کریں اور کوئی امکانی کوشش اٹھا نہ رکھیں لیکن جب یہ ثابت کرنے کے لیئے کہ جو خود مرتد اور کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیئے گئے ہوں جن کا کفر تمام روئے زمین کے کفار سے اشد اور اعظم بتایا گیا ہو وہ کسی کے کفر و اسلام کا فیصلہ کس طرح کر سکتے ہیں اس فیصلہ کے لیئے تو فیصلہ کرنے والے کا خود مسلمان بلکہ اعلیٰ درجہ کا مسلمان ہونا شرط ہے تو مختار مدعیہ کو یہ کہہ کر ٹال دینا چاہیے کہ یہاں دیوبندی علماء کے کفر و اسلام کا سوال نہیں ہے اگر یہاں دیوبندی علماء کے کفر و اسلام کا سوال نہیں ہے تو پھر جو فقرہ مختار مدعیہ نے دربار معلّی کے فیصلہ سے چن کر پیش کیا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور اس مقدمہ

کا شرع شریف کے مطابق فیصلہ کیا جانا کیا مطلب رکھتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ چونکہ اپنے عقائد کے لحاظ سے دیوبندی علماء خود مرتد اور کافر قرار پا چکے ہیں نہ ایک بار بلکہ بار بار اور نہ صرف سنی حنفی علماء ہند ہی نے انہیں کافر و دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرایا ہے بلکہ علمائے حرمین شریفین نے بھی اس لیے وہ کسی کے کفر و اسلام کا ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتے اور چونکہ ان کو احمدیوں کے ساتھ پہلے سے بغض و عناد چلا آتا ہے۔ اور وہ اس مقدمہ میں شہادت دینے سے قبل احمدیوں کے ساتھ اپنے بغض و عناد کا پورا پورا اظہار کر چکے ہیں جو طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے چنانچہ مولوی محمد شفیع گواہ ۱ نے کتاب ختم نبوت لکھی ہے اور مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی گواہ ۲ نے اشد العذاب شائع کی ہے جس کا دوسرا نام دین مرزا کفر خالص رکھا ہے اور جس کے صفحہ صفحہ سے احمدیوں کے ساتھ بغض و عناد ظاہر ہوتا ہے اور اس کے بہت سے غلط الزامات و اتہامات و بہتانات اس نے عدالت میں بھی سنائے ہیں اور مولوی انور شاہ گواہ ۳ نے بھی اپنی ایک مخالفانہ تحریر عدالت میں دکھائی تھی جس کا نام اکفار الملحدین تھا اس لیے احمدیوں کے متعلق ان کا بیان قطعاً قابل التفات نہیں ہے اور چونکہ ان کی حالت مدعیانہ حالت سے بھی بدرجہا بڑھی ہوئی ہے لہذا ان کی شہادت اور یہ مقدمہ خارج ہو جانا چاہیے۔

مختار مدعیہ نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا کہ دوسرے ممالک کی نسبت حرمین کا فتوی بہت اونچا ہے لیکن باوجود اس اقرار کے دیوبندیوں کا اس اونچے فتوے کے نیچے آنا اسے گوارا نہیں ہے بلکہ اس کے اونچے ہونے کا اقرار بھی اسی وقت تک ہے جب تک کہ دیوبندیوں کا نام درمیان میں نہ ہو۔

اگر دیوبندیوں کا نام درمیان میں آجائے تو پھر حرمین کا فتوی کیا؟ خود علماء حرمین بھی اونچے نہیں رہتے وہ بھی نیچے ٹھہرائے جاتے اور باعتبار علم و فضل اور تقوی اللہ و خشیۃ اللہ۔ دیوبندی علماء کے مقابل میں ہیچ۔ حتی کہ ناقابل فتوی بتائے جاتے ہیں جیسا کہ فتوی حسام الحرمین کو علماء دیوبند کے حق میں قبول نہ کرنے اور نہایت صریح و صاف اور کھلے کھلے الفاظ میں علماء حرمین کی ہجو کر کے علماء دیوبند کے مقابلہ میں انہیں خلاف شرع و بے احتیاط اور روپیہ لے کر غلط فتوی لکھ دینے والے قرار دینے سے ظاہر ہے چنانچہ مولوی خلیل احمد و مولوی رشید احمد کی طرف منسوبہ کتاب البراہین القاطعہ کے صفحہ ۱۸، ۱۹ سے اس بیان کی کما حقہ، تصدیق ہوتی ہے ان میں لکھا ہے کہ علماء دیوبند کا حال جو کچھ ہے وہ سب کو روشن ہے اور کچھ دور نہیں جس مسلمان کا دل چاہے بچشم خود دیکھ لے کہ ظاہر لباس و ہیئت موافق شرع کے رکھتے ہیں اور نماز کو با جماعت بخوبی ادا کرتے ہیں اور امر بالمعروف میں بشرط قدرت کوتاہی نہیں کرتے اور تحریر فتوی پر رعایت غنی فقیر کی نہیں حق جواب دیتے ہیں اور جو ان کو کوئی متنبہ کسی خطا پر کرے تو بشرط صحت قبول سے کبھی دریغ نہیں بسر و چشم

معترف ہوتے ہیں یہ سب اوصاف واضح ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے امتحان کرلیوے اور یہی قبولیت عند اللہ کا نشان ہے (صفحہ ۱۱۸ البراہین القاطعہ شروع سطر سے) یہ تو دیوبندی علماء کی مدح جو بلا استثناء تمام علماء کے لیے ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ دیوبندی علماء میں سے ایک بھی ان صفات سے خالی نہیں ہے اب ملاحظہ ہو علماء حرمین کی ہجو جو انہیں حضرات اکابر دیوبند نے اسی کتاب میں اسی صفحہ اسی مقام پر عبارت منقولہ سے بالکل متصل تحریر کی ہے۔

"اور علماء مکہ کا حال جس نے عقل و علم کے ساتھ دیکھا وہ خوب جانتا ہے جو نہیں گیا وہ ثقات کے بیان سے مثل مشاہدہ جانتا ہے اور اکثر وہاں کے علماء نہ کہ سب کیونکہ اکثر وہاں متقی بھی ہیں اس حالت میں کہ لباس ان کا خلاف شرع اسبال آستین اور دامن کا چغہ اور قمیص میں کرتے ہیں ریش اکثروں کی قبضہ سے کم نماز میں بے احتیاطی امر بالمعروف کا باوصف قدرت کے نام و نشان نہیں اکثر انگوٹھی چھلے غیر مشروع ہاتھوں میں پہنے ہوئے قطع صفوف شائع ہے فتویٰ نویسی میں کچھ دے کر جو چاہو لکھوالو اُن کے عصیان سے کوئی مطلع کرے تو مارنے کو موجود ہو جاویں اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں اور بغدادی رافضی سے کچھ روپیہ لے کر ابو طالب کو مومن لکھ دیا۔ خلاف روایات صحاح احادیث کے۔"

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بمقابلہ دیوبندی علماء کے یہ علماء حرمین کی تحقیر و تذلیل اور مذمت و ہجو ہے یا نہیں اور اگر کسی کو اس کی کھلی کھلی ہجو ہونے میں ذرا بھی تامل ہو تو خود ہجو کرنے والوں کا یہ اقرار کہ درحقیقت یہ ہجو ہے اس کی تسلی کے لیے موجود ہے۔ چنانچہ صاحب عبارت نے منقولہ بالا عبارت کے آگے ہی لکھا ہے

"اور علیٰ ہذا کہاں تک لکھوں کہ طول ہے اور شرم بھی آتی ہے کہ ہجو علماء حرمین کی لکھوں مگر بناچاری لکھنا پڑا پس اگر کسی نے ایسی حالت میں علماء دیوبند کو علماء حرمین پر ترجیح بوجہ اعتماد کے دے دی تو کون سا غضب کیا اہل فہم انصاف کریں کہ ایسی حالت میں علماء دیوبند کا فتویٰ قابلِ اعتماد ہو گا یا علماء حرمین کا یہ ہے دیوبندی صاحبوں کی نظر میں دیوبندی مولویوں کے مقابلہ میں علماء حرمین کی وقعت اور ان کے فتوے کے مقابلہ میں ان کے فتوے کی عظمت اور بات یہاں تک پہنچ کر بھی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ موافق مقولہ مشہور ہے۔

بلکہ جو کمی جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے رہ جاتی ہے وہ ان کے روحانی فرزند خلیفہ اور دیوبندیوں کے شیخ الہند جناب مولوی محمود حسن صاحب اپنے مصنفہ مرثیہ میں پوری کر دیتے

ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

پھریں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوق عرفانی

جب کعبہ میں دیوبندیوں کے شیخ الہند کے نزدیک فقدان عرفانی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ وہاں جانے والوں میں سے جو ذوق و شوق عرفانی رکھنے والے ہیں ان کو گنگوہ کا رستہ پوچھنے کے لیے مارا مارا پھرنا پڑتا ہے تا جو عرفانی کعبہ میں پہنچ کر بھی حاصل نہ ہو سکا تھا اور جس کا نام و نشان نظر نہ آیا تھا وہ گنگوہ پہنچ کر حاصل کریں کہ کعبہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے تو گنگوہ مولوی رشید احمد صاحب کا یہ ہے کعبہ شریف کے متعلق جو بیت اللہ سمجھا جاتا ہے موجودہ دور کے سب سے بڑے دیوبندی اور تمام دیوبندیوں کے مسلمہ شیخ الہند اور امام کا نقطۂ نظر جب بیت اللہ کے متعلق نقطۂ نظر یہ ہے تو بیت اللہ کے شہر یعنی مکہ معظمہ کے متعلق جو کچھ ہو گا وہ محتاج بیان نہیں اب رہی مدینہ منورہ کی حالت تو اس کے متعلق موصوف الصدر دیوبندی شیخ الہند صاحب کا ارشاد قابل ملاحظہ ہے فرماتے ہیں ؎

تمہاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار اَرِنی میری دیکھی بھی نادانی !

مختار مدعیہ نے دیوبندیوں کو علمائے حرمین کے فتوئ کفر کی زد سے بچانے کے لیے مذکورہ بالا عذر کے بعد دوسرا عذر یہ پیش کیا ہے کہ علمائے حرمین نے وہ فتوے واپس لے لیے۔ اس عذر سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ ان فتووں کے دیوبندیوں کی بابت ہونے سے تو مختار مدعیہ کو بھی انکار کی گنجائش نہیں مل سکتی ہے۔ اور اتنا تو اسے بھی ماننا پڑا ہے کہ وہ فتوے دیئے تو دیوبندیوں ہی کے لیے گئے تھے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اب ان کا کوئی اثر باقی نہیں رہا کیونکہ علمائے حرمین نے وہ فتوے واپس لے لیے۔ بہت خوب ؟ اب میں اس امر کی تحقیق شروع کرتا ہوں کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور وہ فتوے درحقیقت علمائے حرمین نے واپس لے لیے تھے یا یہ بھی منجملہ اور مغالطوں کے مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ مذکور فتووں کے واپسی کے ثبوت میں رسالہ المہند پیش کر کے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ علمائے حرمین نے چھبیس ۲۶ سوالات دیوبندیوں کے عقائد کی بابت دیوبند بھیجے تھے جن کے جوابات دیوبند سے لکھے گئے اور علمائے حرمین نے ان جوابات کے صحیح اور مطابق عقائد اہلسنت ہونے کی تصدیق کر دی اور اس طرح وہ کفر کے فتوے جو علمائے حرمین کی طرف سے دیوبندیوں پر دیئے گئے اور حسام الحرمین میں چھپے تھے

واپس ہو گئے لیکن یہ بالکل غلط ہے اور وہ فتوے ہرگز واپس نہیں کیے گئے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جن سوالات کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ وہ علمارِ حرمین شریفین نے اہل دیوبند کے عقائد کی تحقیقات کے لیے دیوبند بھیجے تھے وہ علمائے حرمین نے نہیں۔ بلکہ بعض دیوبندی مولویوں نے جو اس زمانے میں وہاں گئے ہوئے تھے۔ اس غرض سے بھیجے تھے کہ ان کے جواب اپنے دیوبندی عقائد کے خلاف اور اہلسنت والجماعۃ کے عقائد کے مطابق لکھ دیئے جائیں تا علمائے حرمین شریفین ان کو اپنے عقائد کے مطابق پا کر ان کی تصدیق میں اپنے اپنے دستخط اور مہریں ثبت کر دیں اور پھر وہ جوابات مع تصدیقات علمائے حرمین ہندوستان میں شائع کئے جائیں اور یہ مشہور کیا جائے کہ علمائے حرمین نے دیوبندیوں پر جو کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ دھوکے سے دیا تھا کیونکہ دیوبندیوں کے مخالفوں نے غلط عقائد پیش کر کے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ دیوبندیوں کے عقائد ہیں لیکن جب علمائے حرمین کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ ہم کو دھوکہ دے کر فتویٰ لیا گیا ہے تو انہوں نے دیوبندیوں کے عقائد کی بابت سوالات لکھ کر دیوبند سے جواب طلب کئے۔ اور جب جواب دیکھے تو انہوں نے تصدیق کر دی کہ دیوبندیوں کے عقائد صحیح ہیں اور اس پر دستخط اور مہریں کر دیں پس ثابت ہو گیا کہ جو فتوے حسام الحرمین میں چھپے تھے وہ غلط تھے اور ان کا اب کوئی اثر نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور سوالات بھیجے گئے اور پھر ان کے ایسے جوابات دیئے گئے جو دیوبندیوں کے خلاف اور اہلسنت والجماعۃ کے عقائد کے مطابق تھے اور کئی موقعوں پر دیوبندیوں کی کتابوں میں جو عبارتیں تھیں اور جن کی بنا پر پہلے علمارِ حرمین ان پر کفر کا فتویٰ دے چکے تھے وہ تبدیل کر کے پیش کر دیں یعنی جو عبارتیں کتابوں میں تھیں وہ تو پیش نہیں کیں۔ بلکہ ان کی جگہ اور عبارتیں اہلسنت والجماعۃ کے عقائد کے مطابق اپنی طرف سے وضع کر کے پیش کر دیں پھر ان مغالطہ انگیز جوابوں پر ہندوستان کے دیوبندی مولویوں سے تصدیقیں کرائیں کہ یہی ہمارے اور ہمارے اکابر کے عقائد ہیں۔ علاوہ اس کے ایک رسالہ وہابیوں کے عقائد کے رد میں یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ جب ہم وہابیوں کا رد کرتے ہیں تو پھر ہم خود کہاں وہابی ہو سکتے ہیں لکھا گیا اور پھر علمائے حرمین کے سامنے حسب موقعہ کہیں مذکورہ سوالات اور کہیں وہ رسالہ رد وہابیہ پیش کر کے دستخط و مواہیر حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور کچھ دستخط و مواہیر اس طریقہ سے حاصل کیے گئے اور پھر وہ سب المہند میں نقل کئے گئے۔ اور تیس ۳۰ مہریں علامہ برزنجی کے رسالہ سے المہند میں اتار لی گئیں۔ جو دیوبندیوں کے جواب پر نہیں تھیں بلکہ علامہ برزنجی کے ایک رسالہ پر تھیں اور المہند کے صن۶ پر درج ہیں اور یہ سب باتیں المہند سے ثابت ہیں۔

پہلی بات کا کہ سوالات مذکورہ علمائے حرمین میں سے کسی نے نہیں کیے بلکہ دیوبندی مولویوں میں سے جو اس وقت وہاں موجود تھے کسی نے بھیج دیئے تھے ثبوت یہ ہے کہ تیئیسویں ۲۳ سوال میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی

کے لیے علامہ زماں کے الفاظ لکھے گئے ہیں یعنی سوال ان الفاظ میں کیا گیا۔ کہ کیا علامہ زماں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نعوذ باللہ جھوٹ بولتا ہے" اور ظاہر ہے کہ وہ علمائے حرمین جو مولوی رشید احمد صاحب پر کچھ ہی مدت پہلے کفر کا فتویٰ دے چکے تھے وہ از سرِ نو تحقیقات سے پہلے ان کو علامۂ زماں نہیں لکھ سکتے تھے۔ پھر اکیسویں سوال کے جواب میں سوال کرنے والوں کو مخاطب کر کے یہ لکھا گیا ہے کہ ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ واہیات و موضوع روایات بیان ہوتی ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ سوال کرنے والے وہ لوگ تھے جو ہندوستان کی مولود کی مجلس خوب دیکھے ہوئے تھے اور جو اچھی طرح سُن چکے تھے کہ ان مجلسوں میں واہیات اور موضوع روایات بیان ہوا کرتی ہیں اور ایسے لوگ جو ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں شریک ہوں اور اردو زبان کی تقریروں میں واہیات اور موضوع روایات کا بیان ہونا معلوم کر لیں ہندوستانی مولوی ہی ہوسکتے ہیں نہ کہ علمارِ حرم۔

پھر المہند کے صفحہ ۵۶ پر علامہ سید احمد صاحب برزنجی کی تحریر میں ان سوالات کے متعلق یہ لکھا ہے کہ کسی عالم کی طرف سے بھیجے گئے تھے اور اس عالم کا نام ظاہر نہیں کیا گیا حالانکہ اگر علمائے حرمین نے وہ سوالات دیوبند کو بھیجے ہوتے تو برزنجی صاحب کو علم ہوتا مگر اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو ان کا بھیجا جانا علامہ برزنجی صاحب کے علم میں تھا اور نہ مولوی خلیل احمد صاحب نے وہ رسالہ پیش کرتے وقت جن میں وہ سوالات اور ان کے جوابات تھے ان پر ظاہر کیا کہ سوالات کس کے بھیجے ہوئے ہیں۔ پس صرف اتنا ہی ظاہر کیا کہ کسی عالم کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ علاوہ اس کے سوالات کے آخر میں بھی یہ امر ظاہر نہیں کیا گیا کہ سوالات بھیجنے والے کون حضرات ہیں اور یہ سب امور ثابت کر رہے ہیں کہ سوالات بھیجنے والے علمائے حرمین نہیں بلکہ دیوبندی مولوی صاحبان ہی تھے۔

دوسری بات یہ کہ سوالات کے جو جوابات دیئے گئے ہیں وہ دیوبندی عقائد کے مطابق نہیں بلکہ عقائد اہلسنت کے موافق ہیں یہ ثبوت ہے کہ المہند موجود ہے دیکھ لی جائے بلا استثنار ہر سوال کے جواب کی یہی حالت ملے گی۔

نمونہ کے طور پر چند جوابوں کے متعلق میں عرض بھی کرتا ہوں۔ بارہواں سوال یہ تھا کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون - - - - - مال اور آبرو کو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ خوارج ایک جماعت ہے شرکت والی جس نے امام پر چڑھائی کی تھی اس سے آگے چل کر ردالمحتار، علامہ شامی سے نقل کیا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا۔ کہ نجد سے نکل حرمین شریفین پر متغلب ہوئے اپنے کو حنبلی

مذہب بنانے تھے۔ مگر عقیدہ ان کا یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہے وہ مشرک ہے۔
پھر لکھا کہ عبدالوہاب اور اس کا تابع کوئی شخص بھی ہمارے کسی سلسلہ مشائخ میں نہیں ہے۔
اس جواب سے یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیوں کو محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیرؤوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ وہابیوں کے عقیدوں سے سخت بیزار ہیں۔ حتیٰ کہ ان کو خارجیوں کی طرح سمجھتے اور تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دینے والا جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ جواب حقیقت کے بالکل ہی خلاف ہے اور عبدالوہاب کے متعلق دیوبندیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے۔ اور یہ عقیدہ تو سنی حنفی حضرات کا ہے۔ جو دیوبندیوں نے علماء حرمین کو مغالطہ دے کر ان سے اپنے موافق فتویٰ حاصل کرنے کے لیے اپنے عقیدے کی جگہ پیش کر دیا ہے ورنہ خود اُن کا عقیدہ تو یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروؤں کا عقیدہ نہایت عمدہ ہے اور عقائد میں دیوبندی اور وہابی سب متحد ہیں۔ ہاں اعمال میں کچھ فرق ہے وہ بھی ایسا ہی جیسا کہ حنفی۔ شافعی اور مالکی و حنبلی میں ہے۔
چنانچہ تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتداء اور امام جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ جلد اول ص ۱۱۹ مطبوعہ وحید برقی پریس میں فرماتے ہیں:

"محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آ گیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی مالکی حنبلی کا ہے۔"

یہ وہ وہابیوں اور ان کے عقائد کے متعلق دیوبندیوں کا عقیدہ اور اسی وجہ سے کہ وہ وہابیوں کے عقیدوں کو عمدہ بتاتے اور ان کے ساتھ عقائد میں متحد ہیں۔ وہابیہ دیوبند کہلاتے ہیں۔ لیکن علمائے حرمین کے سامنے اس کے بالکل برخلاف پیش کر دیا کہ ہم محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیرو وہابیوں کو خارجیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔
اور اسی پر علمائے حرمین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ عقیدہ صحیح اور اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق ہے تو اس فتویٰ سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ علمائے حرمین نے دیوبندیوں کے عقیدے کو عقیدہ اہلسنت کے مطابق قرار دیا اور وہابیانہ عقائد کی وجہ سے جو کفر کا فتویٰ حسام الحرمین میں ان پر دیا تھا وہ اٹھا لیا ہے
انیسواں سوال یہ تھا۔ کیا تمہاری رائے ہے کہ ملعون شیطان کا علم سید الکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے۔ اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے اور جس کا یہ عقیدہ ہو اس کا کیا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم

علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جاسکتا ہے۔

لیکن جن میاں خلیل احمد صاحب انبیٹھی نے یہ جواب دیا ہے۔ وہی نہایت جسارت سے اپنی کتاب براہین قاطعہ کے صا۵ میں یہ لکھ چکے ہیں کہ "شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سے ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

اس عبارت میں شیطان و ملک الموت کو علم محیط زمین کا حاصل ہونا اور ان کی یہ وسعت علم آیت سے ثابت مانی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم محیط زمین اور آپ کی وسعت علم کے متعلق کسی آیت کی موجودگی سے انکار کیا ہے اور اہلسنت وجماعت سے پوچھا ہے کہ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے یعنی کوئی بھی نہیں ہے۔ شیطان و ملک الموت کے لیے تو علم محیط زمین کا تسلیم کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم محیط زمین کے تسلیم کرنے کو شرک قرار دیا ہے اور یہی وہ عقیدہ تھا جس کی وجہ سے علمائے حرمین نے دیوبندیوں پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اب علمائے حرمین کے سامنے براہین قاطعہ کی یہ عبارت تو پیش نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے خلاف یہ لکھ دیا گیا کہ جو شخص نبی کریم علیہ السلام کے علم سے کسی کے علم کو زیادہ بتا دے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی عبارت بڑھا دی گئی جس کا براہین قاطعہ میں کہیں نام ونشان بھی نہیں پایا جاتا اور ظاہر ہے کہ اگر اس جواب کو علمائے حرمین نے صحیح اور درست کہا اور عقائد اہلسنت کے موافق بتایا تو اس سے دیوبندیوں کے عقیدے کو صحیح اور درست بتانا کہاں ثابت ہوا اور جو فتویٰ کفر کا ان پر حسام الحرمین میں دیا تھا۔ اس کا واپس لے لینا کس طرح لازم آیا۔ کیونکہ المہند میں تو علمائے حرمین نے اہلسنت کے اس عقیدے کی تصویب و تصدیق کی ہے نہ کہ دیوبندیوں کے عقیدے کی جو براہین قاطعہ صا۵ کی عبارت سے ثابت ہے۔

بیسواں سوال یہ تھا کہ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم زید بکر اور چوپاؤں کے علم کے برابر ہے یا اس قسم کے خرافات سے تم بری ہو اور مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالہ حفظ الایمان میں یہ مضمون لکھا ہے یا نہیں اور جو یہ عقیدہ رکھے اس کا کیا حکم ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ایک افترا اور جھوٹ ہے کہ کلام کے معنی بدلے اور مولانا کی مراد کے خلاف ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک لمبی عبارت اپنی طرف سے لکھ کر اسکو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

کی عبارت کا حاصل بنا دیا ہے اور پھر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے نام سے یہ عبارت پیش کی ہے " پھر یہ کہ حضرت کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا اطلاق اگر بقول زید صحیح ہو تو ہم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ اس غیب سے مراد کیا ہے یعنی غیب کا ہر ہر فرد یا بعض غیب کوئی غیب کیوں نہ ہو۔ پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی۔ کیونکہ بعض غیب کا علم اگرچہ تھوڑا سا ہے۔ زید وعمر بلکہ ہر بچہ اور دیوانے بلکہ جملہ حیوانات اور چوپاؤں کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہے کہ دوسرے کو نہیں ہے تو اگر سائل کسی پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق بعض غیب کے جاننے کی وجہ سے جائز رکھتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اس اطلاق کو مذکورہ بالا تمام حیوانات پر جائز سمجھے اور اگر سائل نے اس کو مان لیا تو یہ اطلاق کمالات نبوت میں سے نہیں رہا۔ کیونکہ سب شریک ہو گئے۔ اور اگر اس کو نہ مانے تو وجہ فرق پوچھی جائے گی اور وہ ہرگز بیان نہ ہو سکے گی۔ مولانا تھانوی کا کلام ختم ہوا۔

بڑی دلیری ہی سے یہ عبارت مولوی اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی عبارت بتائی گئی ہے اور خاتمہ پر نہایت جسارت سے لکھا گیا ہے کہ مولانا تھانوی کا کلام ختم ہوا پھر علمائے حرمین سے کہا وہ کہ خدا تم پر رحم فرمائے ذرا مولانا کا کلام ملاحظہ فرماؤ۔

بدعتیوں کے جھوٹ کا کہیں پتہ بھی نہ پاؤ گے اور اس قول میں نہایت صفائی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ جو عبارت پیش کی گئی ہے وہ بلفظہا حفظ الایمان میں موجود ہے۔ حالانکہ یہ بالکل دروغ بے فروغ ہے اور حفظ الایمان میں عبارت مندرجہ بالا ہرگز موجود نہیں بلکہ اس کے خلاف اس میں یہ عبارت ہے " آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

اور حد یہ حفظ الایمان کے اسی مضمون کی عبارت ہے جس کے متعلق تمام سنی علماء نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ اس میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی نے علم غیب کی دو قسمیں کی ہیں علم کل اور علم بعض۔ پہلی قسم یعنی غیب کے علم کل کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے نفی کر دی ہے۔ رہی دوسری قسم یعنی علم بعض غیب تو یہ حضور کے لیے ثابت مانا ہے۔ مگر اسی علم بعض غیب کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے مانا ہے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ یہ صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو بچوں۔ دیوانوں اور جانوروں

کے علم کے برابر بتانا ہے علمائے حرمین کے فتویٰ کے موجب جو اشد درجہ کا کفر ہے اور علماء ہند و عرب بالخصوص علمائے حرمین نے اسی وجہ سے بھی دیوبندیوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھی دیوبندی نے اپنے جواب میں حفظ الایمان کی یہ عبارت تو پیش نہیں کی جو میں نے نقل کی ہے اور جس پر علمائے حرمین وغیرہ نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ بلکہ اپنی طرف سے ایک عبارت گھڑ کر پیش کردی کہ حفظ الایمان میں یہ عبارت لکھی ہے پس مولوی خلیل احمد کی گھڑی ہوئی عبارت پر علمائے حرمین نے جو رائے ظاہر کی وہ مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان کے کفریہ مضمون کی بابت نہیں ہو سکتی اور اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ حفظ الایمان کے مضمون کی بناء پر علمائے حرمین نے حسام الحرمین میں دیوبندیوں پر جو کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ واپس لے لیا ہے۔ کیونکہ علمائے حرمین کا فتویٰ کفر تو حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق تھا۔ نہ کہ اس عبارت کے متعلق جو مولوی خلیل احمد نے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کی ہے۔

اکیسواں (۲۱) سوال: مجلس مولود شریف یعنی ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا کہ تم اس کو شرعاً قبیح اور بدعت سیئہ اور حرام سمجھتے ہو یا کچھ اور۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حاشا ہم تو کیا کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر بلکہ آپ کی جوتیوں کے غبار اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح و بدعت سیئہ یا حرام کہے وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا سا بھی علاقہ ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول و براز اور نشست و برخاست اور بیداری و خواب کا تذکرہ ہو۔ جیسا کہ ہمارے رسالہ براہین قاطعہ میں متعدد جگہ بصراحت مذکور اور ہمارے مشائخ کے فتاویٰ میں مسطور ہے۔

پھر اس کی تائید میں مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری کے فتوے کی عبارت اس ذکر کے ساتھ درج کی ہے کہ مولانا سے کسی نے سوال کیا تھا کہ مجلس شریف کس طریقہ سے جائز ہے اور کس طریقہ سے ناجائز تو مولانا نے اس کا یہ جواب لکھا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کا ذکر صحیح روایات سے ان اوقات میں جو عبادات واجبہ سے خالی ہوں۔ ان کیفیات سے جو صحابہ کرام اور اہل قرون ثلاثہ کے طریقہ کے خلاف نہ ہوں۔ جن کے خیر ہونے کی شہادت حضرت نے دی ہے ان عقیدوں سے جو شرک و بدعت کے موہم نہ ہوں اور ان آداب کے ساتھ جو صحابہ کی اس سیرۃ کے مخالف نہ ہوں جو حضرت کے ارشاد ما انا علیہ واصحابی کی مصداق ہے ان مجالس میں جو منکرات شرعیہ سے خالی ہوں سبب خیر و برکت ہے بشرطیکہ صدق نیت اور اخلاص اور اس عقیدے سے کیا جائے کہ یہ بھی منجملہ دیگر اذکار حسنہ کے ذکر حسن ہے۔ کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں

پس جب ایسا ہوگا تو ہمارے علم میں کوئی مسلمان بھی اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کا حکم نہ دے گا الخ۔

مولوی احمد علی صاحب کا یہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد مولوی خلیل احمد دیوبندی انبیٹھی لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوگیا کہ ہم ذکر ولادت شریفہ کے منکر نہیں بلکہ ان ناجائز امور کے منکر ہیں جو اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ واہیات وموضوع روایات بیان ہوتی ہیں۔ مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے چراغوں کے روشن کرنے اور دوسری آرائشوں میں فضول خرچی ہوتی ہے۔ اور اس مجلس کو واجب سمجھ کر جو شامل نہ ہو اس پر طعن وتکفیر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور منکرات شرعیہ ہیں جن سے شاید ہی کوئی مجلس میلاد خالی ہے۔ پس اگر مجلس مولود منکرات سے خالی ہے تو حاشا کہ ہم یوں کہیں کہ ذکر ولادت شریفہ ناجائز اور بدعت ہے اور ایسے قول شنیع کا کسی مسلمان کی طرف کیونکر گمان ہو سکتا ہے۔ پس ہم پر یہ بہتان جھوٹے ملحد دجالوں کا افترا ہے۔ المہند ص ۲۴، ۲۵۔

اس جواب میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کا مخالف ہونا اور اس کو قبیح و بدعت یا حرام کہنا تو کیا معنے۔ دیوبندی تو آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کے تذکرے کو بھی قبیح و بدعت یا حرام نہیں کہتے۔ اور جن حالات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذرا سا بھی تعلق ہو۔ وہ دیوبندیوں کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول وبراز وغیرہ کا تذکرہ اور اپنے اس خیال کی تصدیق کے لیے دو تحریریں پیش کی ہیں ایک وہ فتویٰ جو اس سوال کے جواب میں کہ مجلس میلاد شریف کس طریقہ سے ہونی چاہیے۔ مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری نے دیا ہے اور دوسری براہین قاطعہ جس میں متعدد جگہ اپنے عقیدۂ مذکورہ کے مسطور ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اب میں یہ دکھانے کے لیے کہ اس معاملہ میں درحقیقت دیوبندیوں کا عقیدہ کیا ہے، ان کی مسلمہ کتب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور سب سے پہلے براہین قاطعہ ہی کو لیتا ہوں۔

اس کے صفحہ ۱۴۸ میں مجلس میلاد شریف اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کا ذکر آنے کے وقت قیام کرنے یعنی کھڑے ہو جانے کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ درج کیا گیا ہے اور اس قیام کے متعلق تو یہ بنایا ہے کہ اگر وہ اس لیے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح دنیا میں آئی ہے تو قیام معاذ اللہ کنہیا کے سوانگ کی طرح ہے۔ جو ہندو ہر سال بناتے ہیں اور ایک فرضی خرافات ہے اور حرکت قبیحہ قابل لوم وحرام وفسق ہے اور ایسا کرنے والے کنہیا کا سوانگ بنانے والوں سے بھی بڑھ کر ہیں اور پھر قیام کے متعلق کئی صورتیں قائم کرکے لکھا ہے۔

''الحاصل یہ قیام صورت اولیٰ میں بدعت ومنکر اور دوسری صورت میں حرام وفسق اور تیسری

صورت میں کفر و شرک اور چوتھی صورت میں اتباع ہوا اور کبیرہ ہونا ہے یہ فتویٰ تو قیام کے متعلق تھا اور مجلس مولود شریف کو مجلس پر اشرار و معاصی وغیر مشروعات۔ مجمع فساق و فجار اور محضر بدعات وشرور لکھا ہے اور مجلس میلاد شریف منعقد کرنے والوں کو مبتدع فاسق و فاجر و مرتکب حرام و کفر و شرک قرار دے کر آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ خود یہ مجلس میلاد ہمارے زمانے کی بدعت و منکر ہے اور شرعاً کوئی صورت جواز اس کے نہیں ہو سکتی۔ الحاج رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی علماء حرمین کے سامنے جو جواب پیش کیا گیا ہے۔ اس میں تو آنحضرت صلعم کے گدھے کے پیشاب کے ذکر کو بھی قبیح و بدعت سیئہ یا حرام کہنے سے نفرت و بیزاری اور اس سے اپنی بریت ظاہر کی گئی ہے۔ اور اس کی تصدیق و تائید کے لیے براہین قاطعہ کا حوالہ دیا گیا ہے اور براہین قاطعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کے پیشاب کے ذکر کو نہیں بلکہ جس مجلس میں خود حضور کا ذکر ولادت شریف کیا جائے۔ اس مجلس کو بحیثیت مجموعی معاذ اللہ کنہیا کا سوانگ اور حرکت قبیحہ قابل لوم و حرام و فسق قرار دیا ہے اور اس کے منعقد کرنے اور شریک ہونے والوں کو مجمع فساق و فجار کہا اور کفار سے بدتر ٹھیرایا ہے اور قیام کو حرام و فسق اور کفر و شرک تک پہنچایا ہے اور بالآخر مجلس ذکر میلاد شریف کے متعلق صاف لکھ دیا ہے کہ اس کے جواز کی شرعاً کوئی صورت نہیں ہو سکتی اور دیوبندی صاحبوں کے اس جواب میں جو علمائے حرمین شریفین کے سامنے پیش کیا ہے اور اس بیان میں جو براہین سے میں نے نقل کر دیا ہے۔ جو فرق ہے وہ ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

لیکن اس کے متعلق ایک عذر ناواقفوں کو مغالطہ دینے کے لیے کیا جاتا ہے کہ مجلس ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہیں کی گئی ہے۔ اس کو حرکت قبیحہ قابل لوم اور کنہیا کا سوانگ نہیں کہا ہے اس کی ممانعت نہیں کی ہے اور وہ شرعاً ناجائز نہیں بتائی گئی ہے۔ بلکہ اس میں جو غیر مشروع باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ یہ سب ان کے متعلق اور ان کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ یہ عذر بڑی کثرت سے پیش کیا جا چکا ہے اور برابر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر فی الحقیقت اس کی بھی اصلیت نہیں ہے۔ اور یہ بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ اگر مجلس ذکر میلاد شریف میں کوئی بات بھی غیر مشروع نہ ہو اور وہ بالکل اس طریقہ سے کی جائے جس طریقہ سے دیوبندی صاحبوں کے مسلم مقتدا مولوی حاجی شاہ امداد اللہ صاحب یا اور بزرگان دین کرتے رہے ہیں۔ تو بھی ان حضرات کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کے لیے میں مسلم مقتدا و پیشوائے دیوبندی جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ پیش کرتا ہوں۔

سوال کیا گیا کہ مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں اور شاہ صاحب واقعی مولود و عرس کیا کرتے تھے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب پوری توجہ کے بعد جواب ملاحظہ ہو۔ مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں۔

جواب

۱۔ "عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو۔ مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی ہے۔ لہذا اس زمانے میں درست نہیں۔ و علیٰ ہذا عرس کا جواب ہے۔ بہت اشیاء کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہوگئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے" فقط رشید احمد گنگوہی عفی عنہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل صفحہ ۹۲۔

۲۔ پھر سوال کیا گیا کہ انعقاد مجلس میلاد بدون قیام بروایات صحیحہ بھی درست ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں:

"انعقاد مجلس مولود ہر حال ناجائز ہے۔ تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔" فقط (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۸۳)

۳۔ پھر سوال کیا گیا ہے محفل میلاد میں جس میں روایات صحیحہ پڑھی جائیں اور لاف و گزاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں شریک ہونا کیسا ہے۔

اس کا جواب مولوی صاحب نے صاف یہ دیا ہے کہ ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے۔

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۱۸)

اب ان تمام فتاویٰ سے ظاہر ہے کہ مولود دیوبندیوں کے نزدیک ہر حال میں ناجائز ہے لیکن المہند میں صریح اس کے خلاف لکھا گیا ہے۔ پس علماء حرمین کا جو فتویٰ دیوبندیوں پر تھا وہ اپنی صورت پر باقی رہا۔ اور جو عذر مختار مدعیہ نے پیش کیا تھا۔ کہ ہم پر فتویٰ تو لگایا گیا لیکن وہ علماء حرمین نے واپس لے لیا تھا۔ مذکورہ بالا بیان سے بالکل غلط ثابت ہوا اور علماء حرمین کے نزدیک وہ ان عقائد کی بنا پر جو ان کے مقتداؤں کی کتابوں میں موجود ہیں کافر ہوئے اور کافر بھی ایسے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

لہذا ان کی شہادتیں مقدمہ ہذا میں قابل اعتبار نہیں ہوسکتیں بلکہ رد کرنے کے لائق ہیں۔ کیونکہ وہ علماء اسلام سے نہیں ہیں۔

۵ ۳/۴ گواہان مدعا علیہ پر تنقید کا جواب

مختار مدعیہ نے گواہان مدعا علیہ پر تنقید کرتے ہوئے گواہ ۱ کے متعلق کہا ہے کہ اس نے یکم مارچ کو مختار مدعیہ کے سوال جرح کے جواب میں کہا کہ سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر میری نظر سے نہیں گذرا جو اس وقت تک شائع ہوا ہے اور چونکہ گواہان مدعا علیہ کو مسلم ہے کہ حکم کسی پر اس وقت لگایا جائے گا جب کہ اس کی تصنیفات سے آگاہی

حاصل ہو۔ لہذا مرزا صاحب کے مسلمان ہونے کے بارے میں ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ کسی کا اسلام ثابت کرنے کے لیے سب باتوں کا علم ہونا چاہیے اور چونکہ کسی کا کفر ثابت کرنے کے لیے ایسا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے سلسلہ احمدیہ کی تمام کتابوں سے ناواقفیت کا اعتراض گواہان مدعیہ پر عائد نہیں ہو سکتا۔

جواب

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ ۱ کی عبارت محرف کر کے پیش کی ہے اور اس سے یہ مطلب نکالنا چاہا ہے کہ گویا گواہ مذکور کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے واقفیت کا انکار ہے لیکن یہ مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ ہے جو اس نے عدالت کو دینا چاہا ہے مدعا علیہ کے گواہ ۱ نے جو کہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"سلسلہ احمدیہ کی طرف سے اس وقت تک جس قدر لٹریچر شائع ہو چکے ہیں وہ سب کا سب میری نظر سے نہیں گزرا۔"

اور ظاہر ہے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تمام لٹریچر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے علاوہ دوسرے بہت سے احمدی مصنفین کی کثیر التعداد کتب اور جرائد اور مجلدات سب شامل ہیں جن کا پڑھنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے پیرؤں کا اسلام ثابت کرنے کے لیے ہرگز ضروری نہیں۔ بلکہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا پڑھ لینا کافی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مدعا علیہ کے اسلام ثابت ہونے کا دارومدار حضرت مسیح موعود کی کتب پر ہے اور مدعا علیہ انہی معتقدات کا پابند ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تھے اور جو قرآن مجید واحادیث صحیحہ کے بالکل مطابق ہیں۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ کسی کے عقیدے کو کفریہ عقیدہ ثابت کرنے کے لیے اس کی تمام تصانیف کا دیکھا جانا ضروری نہیں قطعاً باطل ہے کیونکہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی مبہم یا ذوالوجوہ عبارت غلط فہمی کا موجب ہو اور خلاف منشاء متکلم معنے لے لینے کی وجہ سے موجب کفر سمجھ لی جائے۔ حالانکہ درحقیقت وہ موجب کفر نہ ہو۔ پس کسی کے کلام کو موجب کفر قرار دینے کے لیے بہت بڑی ضرورت ہے کہ اس کے ماسبق و ما لحق پر بھی خوب غور سے نظر کی جائے۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہ کر کے اس کی دوسری تصانیف بھی اچھی طرح دیکھ لی جائیں تا اس امر کے متعلق کہ درحقیقت اس کے کلام کا مطلب اور اس کا عقیدہ کیا ہے۔ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے اور کسی کے متعلق کفر جیسے نازک اور خطرناک امر کی بابت رائے دینے میں غلطی نہ ہو جائے۔ مختار مدعیہ کا اس کے خلاف بیان کرنا اور جس کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا ہو۔ اس کے اسی کلام کی بابت جو موجب کفر معلوم ہوتا ہو یہ تحقیق کرنے کے لیے کہ درحقیقت وہ موجب کفر ہے بھی یا نہیں اس کی اور تصانیف کے دیکھنے کو غیر ضروری بتانا عقل وانصاف کے خلاف ہونے کے علاوہ گواہ مدعیہ ۱ کے بیان پر بھی پانی پھیر دینے والا ہے۔ کیونکہ

اس نے ۲۷ راگست کو بجواب جرح یہ اصل بیان کیا ہے۔

"ایک مصنف کے قول کا ما قبل و ما بعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کرایا جائے اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کر دینا عقیدہ ثابت کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔"

اور واضح رہے کہ فتوای دینے کے بارے میں گواہ مدعیہ ۱ کا قول بہ نسبت مختار مدعیہ کے قول کے زیادہ معتبر اور ماننے کے قابل ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ ۱ بقول اس کے دار العلوم دیوبند کے مفتی ہیں اور مختار مدعیہ ایک معمولی آدمی ہے جو کسی یونیورسٹی کا سند یافتہ نہیں ہے۔ پس کسی کے عقیدے کو کفریہ عقیدہ ثابت کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کی کسی کتاب کا ایک جملہ پیش کر دیا جائے۔ بلکہ اس کا ماسبق و مالحق اور اس کی دوسری تصانیف کا دیکھنا بھی ضروری ہے۔ لیکن گواہان مدعا علیہ ۳ نے بجواب جرح اقرار کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا سوائے ان عبارات کے جن پر اعتراض کئے اسے مطالعہ نہیں کیا۔ اور یہ صورت ایسی ہے کہ ان کی شہادت کو قابل التفات نہیں رہنے دیتی۔

(۲)

دربارِ معلّٰی کی توہین

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مدعا علیہ کے گواہ ۱ نے اپنے بیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ گواہان مدعیہ نے فتوی تکفیر کی بنیاد بعض علماء کے اقوال پر رکھی ہے اور اس میں دربار معلی کی صریح توہین ہے۔

"مولوی صاحب موصوف نے بطور دلائل کئی ایک آیات قرآن شریف پیش کیں۔ جن میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ الجامعہ کی شہادت کے متعلق دربار معلی کی مذکورہ بالا رائے یک طرفہ رائے ہے جو قانوناً کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ دربار معلی میں مدعا علیہ کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اُسے اس پر جرح کا موقعہ دینا چاہیے۔ یہاں تک کہ مدعا علیہ کی طرف سے ایک عالم جرح کے لیے پیش بھی ہوئے۔ مگر دربار معلی نے اسے جرح کرنے سے روک دیا۔ ان حالات میں دربار معلی کی مذکورہ بالا رائے قطعاً قابل اعتناء نہیں ہے۔ علاوہ اس کے مختار مدعیہ ۱ کے مذکورہ بالا قول کو دربار معلی کی توہین کا موجب بتانا اپنے آپ کو مدعی سست گواہ چست کی مثل کو اصلی کر دکھانا ہے۔ کیونکہ دربار معلی خود بھی اپنی رائے کو یک طرفہ سمجھتے ہوئے قطعی نہیں قرار دیتا۔ چنانچہ نقلی تجویز اجلاس خاص منعقدہ ۲۱ ر دسمبر ۱۹۳۱ء منظور شدہ ۲۵ رجنوری ۱۹۳۲ء میں لکھا ہے

"مگر ہم اس مقدمہ کو فیصلہ کرنے کے لیے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے۔ جب تک کہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اس لیے ہمارے خیال میں یہ مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور مدعا علیہ کو بھی موقعہ دینا چاہیے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے"۔

اور جب مدعا علیہ کی طرف سے ان تمام دلائل کو جو گواہان مدعیہ اور شیخ الجامعہ نے اس امر کے اثبات میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ غلط ثابت کر دیا اور بتا دیا گیا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت اور صحاح میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس سے یہ نکلتا ہو۔ کہ جس قسم کی نبوت کا مدعا علیہ قائل ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہے اور گواہان مدعیہ کوئی آیت یا حدیث ایسی پیش نہیں کر سکے جس میں مدعا علیہ کے موافق عقیدہ رکھنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔ بلکہ اس کو کافر ثابت کرنے کے لئے علماء کے قول پیش کیے گئے تو گواہ مدعا علیہ ملا کا یہ کہنا کہ فتوائے تکفیر کی بنیاد علماء کے اقوال پر رکھی گئی ہے۔ بجائے خود بالکل صحیح اور درست ہے اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں ثابت کر دیا ہے کہ مدعا علیہ کا یہ عقیدہ :

"کہ میں خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو الہامی مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور توسط اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے۔ بلکہ شریعت محمدی کے تابع اور اشاعت کرنے والے ہیں ان پر وحی الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوتے تھے۔ ۱۹ر فروری ۱۹۲۷ء"

قرآن مجید اور حدیث کی رو سے بالکل درست ہے اور ائمہ سلف صالحین نے یا تو ایسی نبوت کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی ناسخ نہ ہو بلکہ آپ کے اتباع میں ملے سکوت اختیار کیا ہے یا اس کے ملنے کو ممکن اور جائز قرار دیا ہے۔

پس مختار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ ملا پر مذکورہ بالا اعتراض بالکل باطل ہے۔

عدالت میں شیخ الجامعہ اور مولوی محمد حسین کی شہادتیں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن چونکہ ان دونوں کی شہادتوں میں وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جو دوسرے گواہان مدعیہ نے بیان کی ہیں اور انہوں نے جو باتیں بیان کی ہیں گواہان مدعا علیہ نے ان کا مسکت جواب دے دیا ہے۔ اس لیے شیخ الجامعہ اور مولوی محمد حسین کی گواہیاں باطل اور رد

ناقابل التفات ہو گئیں اور ان کے متعلق علیحدہ جرح کی ضرورت نہ رہی۔

(۳)

گواہ مدعا علیہ ۱ کی معلومات پر بحث کا جواب

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ ۱ پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ اس کی معلومات ناقص ہیں۔ کیونکہ

۱۔ گواہ مدعا علیہ ۱ نے البحر الرائق سے بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں ۲۷ مارچ کو جب البحر الرائق کا اصول تکفیر دریافت کیا گیا۔ تو لاعلمی ظاہر کی اور۔

۲۔ فتوحات مکیہ کے متعلق یکم مارچ کو بجواب جرح کہا۔ کہ میں نے بالاستیعاب یعنی پوری کی پوری نہیں پڑھی ہے اور اسی طرح منصب امامت اور اشارات فریدی کے متعلق یہی کہا ہے۔

۳۔ اور ہدیہ مجددیہ اور جامع الشواہد اور بھونچال بر لشکر دجال کے مصنفین کے نام نہ بتائے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف نے جو علماء کی شہادت کے قبول نہ کرنے کے متعلق مبسوط کا حوالہ دیا تھا۔ اس کی بابت کہا کہ میں نے مبسوط نہیں دیکھی۔

مختار مدعیہ کی یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جو گواہ ۱ کی شہادت پر ایک سر مو بھی اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

پہلی اس لیے کہ وہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ گواہ مدعا علیہ ۱ نے ۲۷ مارچ کو بجواب جرح اس کا جو جواب دیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔

"لیکن بحر الرائق میں یہ لکھا ہے۔ کہ ان میں سے اکثر کے متعلق میں فتویٰ ہی نہیں دیتا۔ اور اگر کسی کے کلام کا محمل حسن نکل سکے۔ تو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ اور یہ بھی فقہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے ۹۹ احتمال کفر کے نکل سکیں اور ایک احتمال ایمان کا تو اس کو کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے لیکن باوجود اس کے مولویوں نے اس کے خلاف فتوے دیئے ہیں"۔

دوسری اس لیے کہ فتوحات مکیہ اتنی ضخیم کتاب ہے کہ جس غرض سے گواہ مدعا علیہ ۱ نے اس کا مطالبہ کیا تھا اس غرض کے لیے اسے۔ بالاستیعاب پڑھنا ضروری نہیں تھا۔

دوسری کتابوں کے متعلق یہ جواب ہے کہ ان سے جو عبارات پیش کی گئی ہیں ان کے خلاف ان کتب میں کوئی عبارت نہیں ہے جس سے پیش کردہ عبارت کے مفہوم میں فرق آسکے۔ اس لیے ان کتابوں کا بالاستیعاب پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

گواہ مدعا علیہ ۱ نے ہدیہ مجددیہ کے متعلق جو سوال تھا اس کا یہ جواب دیا تھا۔ کہ ان کا مذہب مجھے

اس لحاظ سے معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اپنے آپ کو کس فرقہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف نے کتاب کی غرض خود بیان کر دی ہے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف کا نام کتاب پر لکھا ہوا ہے اس وقت مجھے یاد نہیں۔

اور مختار مدعیہ نے جامع الشواہد کے مصنف کے متعلق جو جواب گواہ مدعا علیہ ملا کی طرف منسوب کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس کا جواب جو ۱۲ ار مارچ کی جرح میں درج ہے یہ ہے۔

"کہ جامع الشواہد اور بھوپال برلشکر دجال کے مصنفین کے متعلق ان کی کتابوں سے معلوم ہو سکے گا۔ کہ وہ مقلدین تھے یا غیر مقلدین۔"

علاوہ ازیں بیسیوں کتابوں میں سے جن کا شہادت میں ذکر آیا ہے کسی کتاب کے مصنف کا نام بھول جانے سے گواہ کی معلومات پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن گواہ مدعیہ ملا کا جو بقول دارالعلوم دیوبند کے مفتی بھی ہیں۔ مندرجہ ذیل امور سے عدم علم کا اظہار کرنا ان کے معلومات کو ضرور ناقص ثابت کرتا ہے۔

۱۔ ۲۱ر اگست کو بجواب جرح کہا۔ مجھے یاد نہیں کہ دیوبندیوں نے بھی کسی کو احمدیوں کے سوا کافر کہا ہے یا نہیں۔

۲۔ مسیلمہ کذاب نبوت مستقلہ کا مدعی نہیں اس نے اسلامی شریعت کے خلاف کوئی شریعت قائم نہیں کی۔ اور مجھے علم نہیں کہ قرآن شریف کے مقابلہ میں کوئی آیات قائم کی تھیں یا نہیں۔

۳۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔ امام بخاری۔ امام نسائی۔ سید عبدالقادر جیلانی۔ شیخ محی الدین ابن عربی پر علماء کے فتوے لگانے کا مجھے علم نہیں۔

اسی طرح گواہ مدعیہ ملا نے ۲۴ر اگست کو بجواب جرح کہا مسلم کے دو نو شارحین کو میں نہیں جانتا۔ اور اسی طرح گواہ ملا نے ۳۱ر اگست کو بجواب جرح کہا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے کس سن میں فتویٰ دیا اور مجھے معلوم نہیں کہ خاتم النبیین میں خاتم کے معنے مہر کے کس نے کئے ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ خاتم الاولیاء مرزا صاحب نے لکھا ہے یا نہیں۔

پس مختار مدعیہ کا یہ اعتراض خود اس کے گواہوں پر پڑتا ہے۔

گواہ مدعا علیہ ملا کے جوابات میں تعارض کا رد

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ ملا پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ وہ اپنے بیان میں ٹکرایا ہے اور اس کے جوابات میں تعارض پایا جاتا ہے۔

(۱)

مختار مدعیہ نے پہلا تعارض یہ بیان کیا ہے کہ ۹ مارچ کو بجواب جرح اس نے اجماع کے متعلق کہا۔ کہ کسی منصوص مسئلہ پر تمام امت بلا استثنار اجماع کرے اور پھر یہ جواب دیا کہ امت کے مسلمہ اکابر اور بزرگ اسے مانتے چلے آتے ہوں۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں :

"اگر کسی منصوص مسئلہ پر تمام کی تمام امت بغیر استثناء کے اجماع کر لے تو اس کا ماننا ضروری ہے ہمارے نزدیک اجماع امت سے مراد یہ ہے کہ امت کے تمام بزرگ اور مسلم اکابر اس کو مانتے چلے آئے ہوں" دیکھو جواب جرح ۹ مارچ ۱۹۳۲ء۔

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں کوئی تناقض اور تعارض نہیں ہے۔ پہلے قول میں "تمام امت بلا استثناء" کے الفاظ تھے اور دوسرے میں اس کی تفسیر کر دی کہ "تمام امت بلا استثناء" اجماع کرنے سے امت کے اکابر تمام بزرگ اور مسلمہ اکابر کا مان لینا مراد ہے۔ اس میں تعارض بتانا مختار مدعیہ ہی کا کام ہے۔

(۲)

گواہ ما نے ۹ مارچ کو بجواب جرح کہا۔ کہ اشارات فریدی جلد سوم خواجہ محمد بخش صاحب نے مولوی رکن الدین سے سبقاً سبقاً سنی اور ۱۲ مارچ کو بجواب جرح کہا کہ خواجہ غلام فرید صاحب نے سبقاً سبقاً سنی پس دونوں بیان میں تعارض ہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"میں نے جو پہلے لکھوایا ہے کہ اشارات فریدی جلد سوم جس سے حضرت مرزا صاحب کے مسلمان ہونے پر شہادت پیش کی گئی ہے۔ خواجہ محمد بخش صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور اس کی تصحیح فرمائی یہ صحیح نہیں بلکہ خواجہ غلام فرید صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور تصحیح کی ہے"

کیا اس جواب کو پڑھ کر کوئی عقل مند کہہ سکتا ہے کہ گواہ کے بیان میں تعارض ہے۔ ہرگز نہیں! کیونکہ گواہ نے خود ہی غلطی دور کر دی اور پہلے جواب کی تصحیح کر دی ہے۔

(۳)

گواہ مدعا علیہ نے ۱۱ مارچ کو بجواب جرح کہا کہ چندہ ادا نہ کرنے والا بیعت سے خارج ہونے کے

بعد احمدی مسلمان ہے اور گواہ ملا کا یہ جواب مرزا محمود احمد صاحب کے اس قول سے کہ جو بیعت میں داخل نہ ہو وہ احمدی نہیں ہے مناقض ہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"جو شخص تین مہینے تک چندہ نہ دے وہ نظام جماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے اگر وہ احمدیت سے انکار نہیں کرتا تو وہ احمدی کہلائے گا۔ لیکن نظام جماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔"

(ملاحظہ ہو جواب جرح ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء)

اور اس میں برائے نام بھی تناقض نہیں تھا۔ کیونکہ نظام جماعت سے خارج کر دیا جانا اور بات ہے اور احمدیت سے خارج کر دیا جانا اور بات۔ لیکن مختار مدعیہ کو اس میں تناقض نظر آتا ہے حالانکہ اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

(۴)

گواہ مدعا علیہ ملا نے ۲ مارچ کو اقرار کیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہیں اور نبی کسی مشرکانہ عقیدہ پر نہیں ہو سکتا لیکن براہین میں آپ کو مسیح کہا گیا اور آپ (حیات مسیح) مشرکانہ عقیدہ پر قائم رہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"جس وقت مرزا صاحب مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق حیات مسیح مانتے تھے۔ اس وقت تک آپ نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ مسیح موعود نبی ہیں لیکن اس وقت تک (یعنی براہین کے زمانہ تک) آپ پر حقیقت نہ کھلی تھی۔" (ملاحظہ ہو اعجاز احمدی ص۶)

اور حیات مسیح کے عقیدہ کے مشرکانہ عقیدہ ہونے سے جو مراد ہے اس کی بحث ہو چکی ہے۔ پس یہاں بھی گواہ کے جواب میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

(۵)

گواہ مدعا علیہ ملا نے بجواب جرح کہا۔ بخاری کی حدیثیں بھی بشرط موافقت قرآن معتبر ہیں۔ حالانکہ گواہان اور مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ سب حدیثوں سے صحیح بخاری کی حدیثیں ہیں۔

جواب :

ان دونوں باتوں میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔ قرآن مجید بطریق تواتر یقینی ہم تک پہنچا ہے جس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن بخاری کی احادیث اس طریق سے نہیں پہونچیں پس اس کا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونا انہی کتب کی نسبت سے ہے جو بطریق روایت ہم تک پہنچی ہیں اور اس کے یہ معنے قطعاً نہیں ہیں کہ اس میں جو کچھ بھی آیا ہے وہ سب صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی بعض احادیث میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

مثلاً شریک کی روایت میں جو کتاب التوحید میں آئی ہے معراج کا ذکر نے سے پہلے قبل ان یوحی الیہ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی یہ واقعہ آنحضرت صلعم پر نزول وحی کے شروع ہونے سے پہلے ہوا ہے۔ اور دوسری احادیث میں یہ آیا ہے کہ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ پس واقعہ معراج وحی کے شروع ہونے سے پہلے کا واقعہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ان احادیث کے اختلاف کا حال ہے۔ جن میں انبیاء علیہم السلام کے آسمانوں پر ہونے کی ترتیب بیان ہوئی ہے۔ اگر بخاری کی احادیث کے باہم متعارض ہونے میں مختار مدعیہ کو شک یا تردد ہو تو دیوبندیوں کے مقتدا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ قول ملاحظہ کر کے اپنا شک دور کر سکتے ہیں۔

"کہ قول غیر مقلدین کا کہ فقہ میں بہت اختلاف ہے اور احادیث میں یہ نہیں بالکل غلط ہے ۔۔۔۔ احادیث میں اس قدر تعارض ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے یہ کلام محض دھوکا دہی ہے جس کا دل چاہے دیکھ لیوے کہ احادیث بخاری کی خود باہم متعارض ہیں اور یہ ہی سبب اختلاف فقہاء مجتہدین کا ہوا ہے۔ اللہ اکبر کیسا غلط قول ہے کہ آفتاب پر خاک ڈالنا ہی کو کہتے ہیں۔" (سبیل الرشاد مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۴)

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بخاری کی احادیث قبول کرنے کے لیے بھی وہی شرط لگائی ہے جو دوسری کتب احادیث کے لیے لگائی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"الغرض میرا مذہب یہی ہے۔ کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں۔ مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مباین و مخالف قرآن کریم کے واقع ہوگی۔ وہ صحت سے باہر ہو جائے گی آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ جس طریق سے انہوں نے حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ اس طریق پر نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ طریق ظنی ہے۔ اور ان کی نسبت یقین کا ادعا کرنا ادعاء باطل ہے۔" (الحق لدھیانہ ص ۱۳)۔

(۶)

گواہ مدعا علیہ ۱ نے ۷ر مارچ کو بجواب جرح کہا کہ اگر کوئی حکم بذریعہ جبرئیل بھی نازل ہو تو کوئی حرج نہیں اور گواہ کا یہ قول ازالہ اوہام ص۲۲۳ کی اس عبارت کے خلاف ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ بذریعہ جبرئیل وحی نازل ہو۔ تو یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔

جواب:

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"جبرئیل کے ذریعہ سے نئے احکام اور نئی شرعی وحی بند ہے۔ اگر ایسے نبی پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہو کوئی حکم شریعت محمدیہ کا بذریعہ جبرئیل بھی نازل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔"

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ازالہ اوہام میں ایسے نبی پر جس کا گواہ ۱ کے جواب میں ذکر ہے وحی بذریعہ جبرئیل کے نزول سے انکار نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہاں مستقل نبوت کا ذکر ہے۔ جو حضرت عیسیٰؑ کے نزول کو ماننے سے لازم آتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مدعا علیہ ۱ کے بیان میں کوئی تناقض نہیں۔

(۷)

گواہ مدعا علیہ نے ۷ر مارچ کو بجواب جرح کہا ہے۔ کہ اولیاء اور انبیاء دونوں پر ایک قسم کی وحی ہو سکتی ہے اوّل تو یہ بداہتہً باطل ہے۔ لیکن گواہ نے بحوالہ علم الکتاب تسلیم کیا ہے۔ کہ وحی کا لفظ دل کے الہام پر اطلاق نہیں پا سکتا۔

جواب:

اگر مختار مدعیہ کا مقصود عدالت کو مغالطہ نہ دینا ہوتا۔ تو گواہ مدعا علیہ ۱ کے الفاظ اس کو اس اعتراض سے باز رکھنے کے لیے کافی تھے۔ چنانچہ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"میرے نزدیک جو وحی انبیاء کو ہوتی ہے۔ وہی وحی اولیاء کو بھی ہو سکتی ہے لیکن فرق کمیت اور کیفیت میں ہے اور صوفیہ نے نبیوں کی وحی کو وحی کہا ہے اور دوسرے اولیاء کی وحی کو وحی الہام اور کبریت احمر ص۱ حاشیہ الیواقیت و الجواہر کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ وہ فرشتہ کی زبان پر بھی ہو سکتی ہے۔" ملاحظہ ہو جواب جرح ۷ر مارچ۔

اور گواہ مدعا علیہ ۱۲ر اگست کو بجواب جرح بحوالہ فتوحات تسلیم کر چکا ہے کہ اولیاء امت کو انبیاء کی

طرح وحی ہوتی ہے اور فرق تشریع اور غیر تشریع کا ہے۔

گواہ مدعا علیہ ما کے ان الفاظ کی موجودگی میں اور گواہ مدعیہ ما کے اقرار کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ کے مذکورہ بالا اعتراض کی جہاں تک گنجائش ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن وہ ان الفاظ کی موجودگی میں بھی اعتراض سے باز نہ رہ سکا۔ کہ علم الکتاب میں بھی اسی اصطلاح کے مطابق اولیاء کی وحی کو الہام کہا گیا ہے۔

(۸)

گواہ مدعا علیہ ما نے کہا ہے کہ نعمت اللہ ولی پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار نہیں ہوا اس کے لیے وہ نبی نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کیسی چیز ہے حالانکہ گواہ مانتے ہیں کہ نبوت وہبی ہے۔

جواب :

نبوت کے لیے کثرت اظہار امور غیبیہ کی شرط کا ہونا اس کے وہبی ہونے کے منافی نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی کو از راہِ موہبت نبی بناتا ہے تو اسے کثرت اظہار امور غیبیہ کی نعمت سے مشرف کرتا ہے۔

(۹)

گواہ مدعا علیہ ما نے ۷ مارچ کو بجواب جرح اہلِ کتاب کی تعریف یہ کی کہ جن کو کتاب ملی ہے اور گواہ مدعا علیہ ۲ نے ۱۲ مارچ کو بجواب جرح کہا کہ اہلِ کتاب وہ ہیں جنہیں مسلمانوں سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ پس گواہ ما کی تعریف گواہ ۲ کی تعریف سے متعارض ہے۔

جواب :

گواہ مدعا علیہ ۲ کے الفاظ یہ ہیں۔

"اہلِ کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں مسلمانوں سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ پر بھی استعمال ہوا ہے اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ مسلمانوں کے لیے بظاہر لفظ اہل کتاب استعمال نہیں ہوا۔ ورنہ وہ بھی اہل کتاب ہیں۔ اور گواہ ۲ نے مکرر بیان میں کہا ہے کہ مسلمان اہلِ کتاب ہیں۔ پس گواہان مدعا علیہ کے بیانوں میں کوئی تناقض نہیں ہے"۔

(۱۰)

گواہ مدعا علیہ ما نے عبداللہ بن مسعود کے متعلق کہا ہے کہ وہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں لیکن مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ وہ ایک معمولی آدمی تھا۔

جواب :

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ابن مسعودؓ کو معمولی انسان لکھنا گواہ کے جواب کے منافی اور معارض نہیں ہے

کیونکہ آپ نے نبی اور رسول کے مقابلہ میں انہیں معمولی انسان لکھا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"حق بات یہ ہے کہ ابن مسعود ایک معمولی انسان تھا نبی اور رسول تو نہیں تھا اس نے جو شہر میں آ کر غلطی کھائی تو کیا اس کی بات کو ان ھوالا وحی یوحیٰ میں داخل کیا جائے۔"

(ازالہ اوہام بار پنجم صـ۲۴۶)

پس نبی اور رسول کے مقابلہ میں ابن مسعودؓ کو معمولی انسان لکھنا ان کے جلیل القدر صحابی ہونے کے منافی نہیں ہے۔ علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں۔

"اور سنیوں کے نزدیک گو حضرت زید اکابر اولیاء میں سے ہوں لیکن تاہم آدمی ہیں جب تک سند نہ ہو کیونکر معلوم ہو کہ انہوں نے جس سے یہ بات سنی وہ معتبر ہے کہ نہیں۔" (ہدیۃ الشیعہ صـ۲۳۱)

کیا مولوی قاسم صاحب کا حضرت زید کو آدمی کہہ دینا ان کے اکابر اولیاء میں سے ہونے کے منافی ہے؟ ہرگز نہیں۔

گواہ مدعا علیہ ما کے علم کے متعلق اعتراضات کا جواب

گواہ مدعا علیہ ما سے پوچھا گیا کہ قرآن میں ملائکہ کی تعریف ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں حالانکہ قرآن مجید میں ان کی تعریف بل عباد مکرمون موجود ہے۔

جواب:

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"مجھے کوئی تعریف ملائکہ کی جس طرح مختار مدعیہ چاہتا ہے معلوم نہیں۔ البتہ ملائکہ کے کاموں کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔"

اور مختار مدعیہ کا بل عباد مکرمون کو ملائکہ کی تعریف قرار دینا بالکل غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں ملائکہ کی تعریف نہیں بلکہ ان کے اوصاف کا ذکر زیادہ موزوں معلوم دیتا ہے کیونکہ اس آیت سے پہلے گذشتہ رسولوں کا ذکر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما ارسلنا قبلك من رجال الا نوحی الیه انه لا اله انا فاعبدون وقالوا اتخذ الله ولداً سبحانه بل عباد مکرمون ۔ الایة

یعنی ہم نے تجھ سے پہلے کسی مرد کو رسول نہیں بنایا۔ مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے۔ کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو۔ اور لوگوں نے کہا کہ رحمان خدا نے اپنے لیے ولد بنایا ہے۔ خدا اس سے پاک ہے۔

کہ اس کے لیے کوئی بیٹا نہیں بلکہ وہ تو خدا تعالیٰ کے مقرب اور معزز بندے ہیں وہ اس سے قول میں سبقت نہیں کرتے۔ اور وہ اس کے حکم پر عامل ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ کسی کے حق میں شفاعت نہیں کرتے مگر جس کے لیے خدا تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کی خشیت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو ان میں سے کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو بدلے میں جہنم دیں گے۔ اسی طرح ہم ظالموں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ کسی فرشتہ کی طرف ایسے طور پر خدائی کا دعویٰ منسوب نہیں کیا گیا۔ کہ کسی فرشتہ نے آکر لوگوں کو یہ تعلیم دی ہو کہ وہ اسے خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ لیکن دنیا میں ایسی اقوام موجود ہیں جو اپنے انبیاء کے حق میں کہتی ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو خدا کہا اس لیے ہم پر ان کی پرستش اور عبادت لازم ہے۔ جیسے کہ عیسائی اور ہندو وغیرہ اور یہ آیت عصمت انبیاء کی زبردست دلیل ہے۔

(۲)

گواہ مدعا علیہ ملا نے ۷ مارچ کو بجواب جرح کہا کہ اہلِ سنت والجماعت وہ ہے جو اپنے آپ کو اہلِ سنت والجماعت کہے حالانکہ یہ تعریف صحیح نہیں۔ غنیۃ الطالبین میں اہلِ سنت کی تعریف رسول مقبول کا طریقہ اور صحابہ کا متفقہ طریقہ لکھی ہے اور یہ اصل تعریف ہے۔

جواب :

مختار مدعیہ نے غنیۃ الطالبین کی عبارت تو پیش کر دی مگر یہ نہ سمجھ سکا کہ غنیۃ الطالبین میں جو تعریف بیان کی گئی ہے۔ وہ اہلسنت والجماعت کی تعریف نہیں بلکہ سنت اور جماعت کی تعریف ہے اور گواہ مدعا علیہ سے جو سوال کیا گیا ہے۔ وہ سنت اور جماعت کے متعلق نہیں بلکہ اہلِ سنت وجماعت کے متعلق تھا۔ جس کے جواب میں گواہ مدعا علیہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"عام طور پر اہلسنت سے حنفی شافعی مالکی حنبلی مراد لیے جاتے ہیں۔ لیکن ہر ایک وہ شخص بھی جو کہے کہ میں سنت کا تابع ہوں اس سے مراد لیا جا سکتا ہے۔" ملاحظہ ہو جواب جرح ۷ مارچ ۱۹۳۲ء

(۳)

گواہ مدعا علیہ ملا نے بجواب جرح ۷ مارچ کو کہا۔ جو کسی حدیث کا واقعی طور پر قرآن کے موافق ہونا ثابت کر دے اس کا قول مسلم ہے۔ پس اگر یہی اصول ہے تو یہ دین بازیچہ طفلاں ہو جائے گا۔

جواب :

گواہ مدعا علیہ نے یہ نہیں کہا بلکہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"جو شخص کسی حدیث یا قول کو واقعی طور پر قرآن کریم کے خلاف ثابت کر دے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔"
اور گواہ کے اس قول پر از روئے عقل وانصاف کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور یہ وہ بات ہے جس کے خلاف اہل علم میں سے کسی کو ذرا بھی گنجائش چون و چرا نہیں ہے اور اس کی صحت و درستی کے ثبوت کے لیے اس سے زیادہ اور کون سی دلیل کی ضرورت ہے کہ تمام دیوبندیوں کے مسلمہ مقتدا وامام جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے سکوت سے گواہ کے اس قول پر ان الفاظ میں اپنی مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ کہ اہلسنت

"کلام اللہ کے سامنے کسی کی بھی نہیں سنتے۔ یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں۔ اگر موافق نکلے تو فبہا ورنہ بوافق مشہور کالائے زبون بریش خاوند اس کو راویوں کے سر مارتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ راوی کا قصور رہے" (ہدیۃ الشیعہ ص۱۰)

اب تمام دیوبندیوں کے مقتدا مولوی محمد قاسم صاحب اہل سنت کا یہ عظیم الشان کارنامہ بیان فرمار ہے ہیں کہ وہ قرآن شریف کے سامنے کسی کی بھی نہیں سنتے حتیٰ کہ احادیث کو بھی قرآن شریف سے مطابق کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ اگر مطابق ہو تو قبول کرتے ہیں۔ اور مطابق نہ ہوں تو ردی کی ٹوکری میں بھی نہیں ڈالتے بلکہ کالائے زبون سمجھ کر نہایت حقارت سے راویوں کے سر مارتے ہیں اور اس کے خلاف مختار مدعیہ یہ کہتا ہے کہ اگر یہی اصل ہے تو یہ دین بازیچہ طفلاں بن جائے گا۔ اور اس طرح وہ گواہ مدعا علیہ پر ہی بے جا اعتراض نہیں کرتا بلکہ مولوی محمد قاسم صاحب کو بھی بازیچہ طفلاں بنا دینے والا ٹھہراتا ہے۔

(۴)

گواہ مدعا علیہ ما نے ۱۲ مارچ کو بجواب جرح کہا کہ جن احادیث کے متعلق مرزا صاحب نے ردی میں پھینکنے کے متعلق کہا ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں جو قرآن کے معارض ہیں اور صحیح احادیث کے متعلق جو وحی غیر متلو ہیں تسلیم کیا ہے کہ وہ قرآن کے معارض ہو سکتی ہیں۔ لیکن مرزا صاحب کی وحی کے متعلق کہا کہ آپ کی کوئی وحی قرآن کی معارض نہیں ہے۔

جواب:

یہ اعتراض محض قلت تدبر سے پیدا ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ثابت ہوگی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی نہیں ہوگی۔ بلکہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ غلط طور پر آپ کی طرف منسوب کی گئی اور وہ آپ پر افترا ہے۔ خواہ ناواقفان حقیقت اسے کیسی ہی صحیح سمجھتے اور خیال کرتے ہوں اور کہتے ہوں۔ جب کہ توضیح تلویح علی التنقیح ص ۲۶۳ مطبوعہ مصری فاعرضوہ علی کتاب اللہ ذکر کر کے لکھا ہے۔

"فدل ھذا الحدیث علی ان کل حدیث یخالف کتاب اللہ فانہ لیس بحدیث الرسول

علیہ السلام وانما ھو مفتری"

یعنی اس حدیث کا مدلول اور ماحصل یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں۔ بلکہ محض افترا اور وضعی قول ہوگا اور دیوبندیوں کے مقتدا و امام مولوی محمد قاسم صاحب نے بھی ایسی حدیث کو راویوں کے سر مار دینے کا اظہار کیا ہے۔ پس ایک قول جو آنحضرت صلعم پر افترا کیا گیا ہے اس کا قرآن شریف کے خلاف ہونا ذرا بھی محل تامل نہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں میں سے ایک کامل فرد پر جو مسیح موعود و مہدی معہود کے درجہ پر ممتاز کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ جو وحی فرمائے۔ تو وہ کسی طرح قرآن شریف کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اور جو خلاف قرآن شریف ہو وہ وحی نہیں کوئی شیطانی وسوسہ ہوگا۔

(۵)

گواہ مدعا علیہا نے بجواب جرح یہ کہا ہے کہ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کے عموم کے لحاظ سے کرشن ہونے کا دعویٰ خلاف قرآن نہیں ہے۔ پس اس اصل کی رو سے تو آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا کوئی حدیث بھی قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

جواب

سوال تو یہی ہے کہ کسی روایت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا کیسے ثابت کیا جائے۔ اسی کے لیے تو یہ اصول باندھا گیا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرآن شریف کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کوئی روایت ایسی ہو۔ جو قرآن کی نصوص کے مخالف ہو۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہوگی۔ اور زیر حکم آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ داخل نہیں ہو سکے گی۔ اور گواہ مدعا علیہا کے اصل الفاظ سے کرشن ہونے کے دعویٰ کی قرآن شریف سے مطابقت بالکل ظاہر ہے۔ چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں۔

"کرشن ہونے کا دعویٰ آپ نے وحی الٰہی کی بنا پر کیا ہے۔ اور آپ کی وحی قرآن مجید کے معیار کی رو سے جو وحی من اللہ ہونے کے لیے قرآن مجید میں بیان ہوتے ہیں سچی ہے۔ لہذا آپ کے کرشن ہونے کا دعویٰ کرنا قرآن مجید کے مخالف نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا۔ کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے اور اسی طرح فرمایا وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کہ ہر امت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے آئے

اس لیے ہندو قوم کی اصلاح کے لیے اگر کرشن کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھ لیا جائے تو قرآن کریم کی تعلیم کے ذرا بھی مخالف نہیں چنانچہ علماء نے اس امر کو تسلیم کیا ہے اور خواجہ غلام فرید صاحب نے بھی کرشن کو نبی مانا ہے؛" جیساکہ پہلے مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

گواہ مدعا علیہ ۲ پر تبصرہ

(۱)

گواہ ۲ نے ۲۲ر مارچ کو بجواب جرح کہا۔ جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے۔ وہ قرآن و حدیث میں تطابق کر سکتا ہے اور میرے نزدیک میرے واجب الاطاعت اماموں اور میری اپنی مطابقت مسلم ہے۔ اور ۲۱ر مارچ کو بجواب جرح کہا میرے نزدیک خلیفہ اوّل و ثانی کے اقوال سند ہیں اور اس کے سوا میرے نزدیک اور کوئی سند نہیں۔ لہٰذا دونوں بیانوں میں تناقض ہے۔

جواب:

احادیث کو قرآن شریف کے مطابق کرنے کے متعلق پہلے ذکر آچکا ہے اور گواہ مدعا علیہ ۲ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"میرے نزدیک قرآن شریف کے سوا اور کوئی چیز مسلم نہیں سوائے اس کے جو قرآن شریف کے ساتھ تطابق رکھتی ہو جو قرآن شریف پڑھتا ہے وہ خود تطابق کر سکتا ہے اور میرے نزدیک میرے واجب الاطاعت اماموں اور میری اپنی مطابقت مسلم ہے"

ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص اپنی مطابقت کو جب اسے اس کی صحت پر یقین ہو اور اپنے واجب الاطاعت اماموں کی مطابقت کو صحیح تسلیم کرتا ہے اور ۲۱ر مارچ کو گواہ مدعا علیہ ۲ نے وہ جواب نہیں دیا جو مختار مدعیہ نے بیان کیا ہے بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"میرے نزدیک حضرت مرزا صاحب علیہ السلام اور ان کے دونوں خلفاء کی تحریرات ان کی اپنی کتابوں سے حجت اور معتبر ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا قول ہو جس کی ان کتب میں تصریح نہ ہو تو وہ قول حجت نہ ہوگا۔"

پس مختار مدعیہ نے گواہ ۲ کے جواب کو محرف مبدل کر کے اعتراض کیا ہے۔

(۲)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے ضروریات دین کے معنی اپنے بیان میں دیئے ہیں لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔ پس

گواہ مـ۲ ضروریات دین کی تعریف بھی نہیں جانتا اور بالکل ناواقف ہے۔

جواب :

گواہ مـ۲ نے ضروریات دین کی تشریح اپنے بیان میں وضاحت سے کر دی ہے نیز ۲۳، مارچ کو بجواب جرح ضرورت دین کی یہ تعریف بھی کی ہے۔

"ضرورت دین وہ چیز ہے جس کا ماننا اس دین کے اندر داخل ہونے کے لیے نہایت ضروری ہے قرآن شریف کی رو سے اور ان احادیث کی رو سے جن کو قرآن کریم کی بناپر قطعیت کا درجہ حاصل ہے۔"

پھر باوجود اس کے مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مـ۲ نے ضروریات دین کی تعریف نہیں کی صریح مغالطہ ہے اگر یہ تعریف غلط تھی تو اس پر اعتراض کرنے سے پہلے لازم تھا کہ وہ اُسے غلط ثابت کر لیتا۔

(۳)

گواہ مدعا علیہ مـ۲ نے کہا ہے کہ نبوت کے لغوی معنی ہیں **خبر دینا** یعنی خدا کی طرف سے غیب کی خبر پاکر اطلاع دینا۔ یہ تعریف لغت میں نہیں لکھا۔

جواب :

نبوت کے مذکورہ بالا معنے لغت کی بڑی کتابوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ منجد میں لکھا ہے۔

"النبوۃ والنبوۃ الاخبار عن الغیب او المستقبل بالعام من اللہ الاخبار من اللہ وما یتعلق بہ تعالیٰ والنبی المخبر من الغیب او المستقبل بالعام من اللہ"

یعنی نبوت خدا تعالیٰ سے بذریعہ الہام غیب یا مستقبل کے متعلق خبر دینے کو کہتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ اور جو امور اس کے متعلق ہیں ان سے خبر دینے کو اور نبی غیب یا مستقبل کے متعلق بذریعہ الہام الٰہی خبر دینے والوں کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں جس پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار ہو۔ پس گواہ مـ۲ نے لغوی لحاظ سے نبوت کے جو معنے بیان کیے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ مـ۲ نے نبوت کے جو لغوی معنے بیان کیے ہیں وہ لغت میں نہیں ہیں قطعاً باطل ہے۔

(۴)

گواہ مدعا علیہ مـ۲ بعض کتب کے مضمون کا نام نہ بتا سکا اور بعض کتب کے بالاستیعاب نہ پڑھنے کا اقرار کیا۔ چونکہ اس سوال کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔ اس لیے دوبارہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

(۵)

گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ابتدائی تعارف میں تو بہت کچھ پیش کیا۔ لیکن جرح کے جواب میں کہا کہ خواجہ صاحب میرے واجب التعظیم بزرگ نہیں بلکہ احمدی ہونے کے بعد دوسروں کی طرح ہیں۔

جواب :

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک خلاف واقعہ قول ہے گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"واجب الاطاعت ہونے کے لحاظ سے مسلم بزرگ نہیں ہیں۔ ویسے مسلم بزرگ ہیں جیسے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اور سابقین احمدی حضرات میرے بزرگ ہیں۔"

اور اس قول اور مختار مدعیہ کے قول میں جو فرق ہے۔ وہ معمولی اردو خواں بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

(۶)

گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے ۱۲ مارچ کو بجواب جرح کہا۔ احمدیت سے ارتداد اسلام سے ارتداد نہیں۔ اور سوالات مکرر کے جواب میں کہا کہ اسلام سے ارتداد اور احمدیت سے ارتداد ایک ہی چیز ہے۔

جواب :

اصل الفاظ گواہ کے یہ ہیں۔

"حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا انکار کرنے والا اور آپ کو مسلمان سمجھ کر کافر کہنے والا مرتد نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ مرتد کے معنے مان کر انکار کرنے والے کے ہیں۔" دیکھو جواب جرح ۱۲ مارچ ۱۹۲۳ء اور مکرر بیان میں اس نے کہا ہے۔

"اسلام سے ارتداد اور احمدیت سے ارتداد بلحاظ مرتد ہونے کے تو ایک ہی ہے۔ قطعاً کوئی فرق نہیں کیونکہ احمدیت عین اسلام ہے۔ لیکن اس لحاظ سے فرق ہے کہ مسلمان کہلانے والا شخص مرتد ہو کر کسی غیر از اسلام مذہب یعنی ہندو مذہب یا عیسائی مذہب وغیرہ میں شامل ہوتا ہے۔ لیکن احمدیت سے مرتد ہونے والا اسلام کے مخالف مذہبوں میں شامل ہونا اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتا بلکہ عام مسلمانوں میں شامل ہو جاتا ہے۔"

چونکہ ان اصل جوابات پر مختار مدعیہ کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اس لیے اس نے اعتراض کرنے کی غرض سے گواہ کے جوابات محرف و مبدل کر کے پیش کیے ہیں۔

(۷)

گواہ ۲ نے ۲۰ مارچ کو بجواب جرح کہا۔ ہندوستان میں احمدی کہتے ہیں جو مرزا صاحب کو مانتے ہیں اور سوالات مکرر کے جواب میں کہا مولوی رشید احمد گنگوہی کو ماننے والے احمدی کہلاتے ہیں۔

جواب:

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"میرے خیال میں جب کوئی شخص احمدی کا لفظ اپنے نام کے ساتھ لکھتا یا بولتا ہے یا اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ وہ جماعت احمدیہ کا فرد ہے اور جماعت احمدیہ وہ ہے جو حضرت مرزا صاحب کو مانے"۔ ملاحظہ ہو جواب جرح ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء۔

اور مکرر بیان کے الفاظ یہ ہیں۔ "فوائد فریدیہ میں جس فرقہ کا ذکر ہے اس فرقہ احمدیہ سے مراد رشید احمد گنگوہی کے ماننے والے ہوں گے"۔

پس مختار مدعیہ گواہوں کے بیانوں کے خلاف متناقض بیانات اپنی طرف سے ان کی طرف منسوب کرتا ہے اور پھر تناقض دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ ان دونوں قولوں میں کہ ہندوستان میں احمدی سے مراد جماعت احمدیہ کے افراد لیے جاتے اور فوائد فریدیہ میں جماعت احمدیہ کے سوا کسی اور فرقہ احمدیہ کا ذکر ہے کوئی تعارض نہیں۔

(۸)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے ۲۳ مارچ کو بجواب جرح کہا کہ خواجہ غلام فرید صاحب کی وفات سے قبل تریاق القلوب اور بیسیوں کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور مکرر بیان میں یہ کہا کہ تریاق القلوب خواجہ صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوئی دونوں بیانوں میں تناقض ہے۔

جواب:

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"تریاق القلوب جس کے ملحقہ اشتہار میں گورنمنٹ کو مسلمان فرقہ احمدیہ لکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے لکھی جا چکی اور چھاپ دی گئی تھی۔ بیسیوں کتابیں اس سے پہلے بھی شائع ہیں۔ جن میں جماعت کے نام احکام تھے اور مکرر بیان میں اس کے یہ الفاظ ہیں۔

"اشتہار ۴ نومبر ۱۹۰۰ء جس میں احمدیوں کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ رکھا ہے۔ وہ تریاق القلوب کے ساتھ بھی شامل کیا گیا تھا۔ تریاق القلوب ۱۸۹۹ء میں تصنیف ہو کر چھپ چکی تھی لیکن شائع نہیں کی گئی تھی صرف ایک دو صفحہ اس وقت لکھے گئے اور ایک دو اشتہار جو پہلے لکھے گئے تھے

ساتھ لگا دیئے گئے۔"

پس گواہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ تریاق القلوب خواجہ صاحب کی وفات سے پہلے چھپ تو چکی تھی لیکن اس وقت شائع نہیں ہوئی تھی اور اس کی اشاعت ۱۹۰۲ء میں خواجہ صاحب کی وفات کے بعد ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں بیانوں میں کوئی تعارض نہیں ہے لیکن مختار مدعیہ کو اس میں تعارض نظر آتا ہے۔

مختاران مدعیہ کی صریح غلط بیانیاں

گواہان مدعا علیہ کی پوزیشن ان تمام الزامات اور بہتانات سے جو مختار مدعیہ نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔ بالکل مبرا ہے۔ اور ان کے بیانوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ان کی شہادت کو ذرا بھی کمزور ثابت کر سکے اب میں عدالت کی توجہ ان صریح غلط بیانوں کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں جو مختاران مدعیہ نے اپنی بحث میں کی ہیں

(۱)

۱۰ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ ملا کے متعلق کہا۔ کہ اس نے بحرالرائق سے بہت سی عبارتیں نقل کیں۔ لیکن جب اس سے بحرالرائق کا اصول دریافت کیا گیا تو لاعلمی ظاہر کی۔ اور یہ مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ ملا نے ۷ مارچ کو بجواب جرح یہ جواب دیا ہے۔

"لیکن البحرالرائق میں یہ لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر کے متعلق میں فتویٰ نہیں دیتا۔ اور اگر کسی کے کلام کا محمل حسن نکل سکے تو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ اور یہ بھی فقہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے ۹۹ احتمال کفر کے نکل سکیں اور ایک احتمال ایمان کا تو اس کو کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔"

(۲)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ملا کے متعلق کہا کہ اس نے بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ چندہ ادا نہ کرنے والا بیعت سے خارج ہونے کے بعد احمدی مسلمان ہے۔ حالانکہ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"جو شخص تین ماہ تک چندہ نہ دے وہ نظام جماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے اگر وہ احمدیت سے انکار نہیں کرتا تو وہ احمدی کہلائے گا لیکن نظام جماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ مختار مدعیہ نے گواہ کی عبارت محرف و مبدل کر کے پیش کی ہے۔"

(۳)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ملا کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس نے ۸ مارچ کو بجواب

جرح یہ تسلیم کیا کہ کفر جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا اور یہ مختار مدعیہ کی نہایت ہی صریح غلط بیانی ہے گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"جس چیز پر نفظ کفر داخل ہوتا ہے اس میں اکثر وقوع نہیں ہوتا"۔ ملاحظہ ہو ۸ رمارچ ۱۹۳۲ء۔

"اکثر" کے لفظ کو مختار مدعیہ نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے ترک کر دیا۔ اور گواہ کے جواب کو محرف کر کے پیش کیا۔

(۴)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں درج ہیں وہ تردید کے لیے ہیں نہ کہ تائید کے لیے یعنی مفسرین نے ان باتوں کو درج کر کے ان کی تردید کی ہے اور یہ ایک نہایت عظیم الشان غلط بیانی ہے جس کا ذکر معہ تفاسیر کے عنوان کے ماتحت آگے کیا جائے گا۔

(۵)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ملے کے متعلق کہا کہ اس نے ۹ رمارچ کو بجواب جرح تسلیم کیا کہ خواجہ صاحب کے سامنے نبوت کا ذکر نہیں آیا۔ محدثیت کا ذکر آیا ہے۔ حالاں کہ گواہ کے یہ الفاظ نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"حضرت مرزا صاحب نے اپنے غیر تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ توضیح المرام میں بھی کیا ہے لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پہلے آپ محدث کا لفظ بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن بعد میں نبی کا لفظ استعمال کرتے رہے اور آپ کے الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ تھے۔ اور وہ الہامات خواجہ صاحب کے سامنے پیش ہوئے اور آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ مرزا صاحب کے کمال پر دال ہے۔

(۶)

مختار مدعیہ نے ۹ راکتوبر کی بحث میں ایک یہ بھی غلط بیانی کی ہے کہ مرزا صاحب (نعوذ باللہ) مسیلمہ کذاب سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے علیحدہ کلمہ جاری کیا جو یہ ہے۔

لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ

حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کوئی نیا کلمہ جاری نہیں کیا۔ بلکہ آپ کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی تھا چنانچہ آپ ازالہ اوہام جلد اول صـ۱۲۷ میں فرماتے ہیں:

"ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

اور انوار الاسلام صـ۳۴ میں فرماتے ہیں:

ہمارا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے"۔

اور اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور آپ اس کلمہ کو بدلنے اور نیا کلمہ بنانے والے کو ملحد و بیدین اور مسیلمہ کذاب کا بھائی قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :

" جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کرکے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا ہے تو وہ ملحد بیدین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا۔ اور عبادت میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تبدیل و تغیر کرے گا۔ پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے۔" (حاشیہ انجام آتھم ص ۲۷)

اور مضمون چشمہ معرفت میں ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لے آئیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

(مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص ۱۳ مطبوعہ مئی ۱۹۰۸ء)

(۷)

۱۰ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ غلط بیانی بھی کی ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے عقائد کے متعلق جو حوالے دیئے ہیں وہ ۱۹۰۱ء سے قبل کے ہیں ۔

حالانکہ گواہان مدعا علیہ نے دیگر کتابوں کے علاوہ مواہب الرحمن اور کشتی نوح سے عقائد کے متعلق حوالے پیش کئے ہیں اور مواہب الرحمن ۱۹۰۳ء اور کشتی نوح ۱۹۰۲ء کی تصنیف شدہ ہیں ۔ پس ان حوالوں کی موجودگی میں مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعا علیہ نے جو حوالے عقائد کے متعلق دیئے ہیں وہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے ہیں صریح غلط بیانی ہے ۔

(۸)

مختار مدعیہ نے گذشتہ ائمہ اور اکابر پر تکفیر کے فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ گواہ مدعا علیہ ملا نے ، ۲ مارچ کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ جس وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی وہ ان وجوہات سے برات کا اظہار کرتے رہے ۔ حالانکہ گواہ کے اصل الفاظ یہ نہیں بلکہ یہ ہیں ۔

" باوجودیکہ ان کی طرف جو غلط باتیں منسوب کی گئی تھیں وہ ان سے برات کا اظہار کرتے رہے اور نیز ان باتوں کو لے کر جنہیں وہ صحیح سمجھتے تھے مولویوں نے انہیں کفر سمجھ کر انہیں کافر قرار دیا ۔"

گواہ کا جواب تو یہ ہے کہ گذشتہ اماموں اور بزرگوں کی جن امور کی بنا پر مولویوں نے تکفیر کی ان میں سے بعض امور سے تو وہ برات کا اظہار کرتے رہے ۔ اور بعض کو صحیح تسلیم کرتے تھے ۔ لیکن مختار مدعیہ نے گواہ کی طرف یہ منسوب کیا کہ

وہ ان وجوہات سے جن کی وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی برأت کا اظہار کرتے رہے۔

(۹)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ملا کے متعلق یہ کہا کہ اس نے ۹ مارچ کو بجواب جرح بیان کیا کہ مرید کا قول مطلقاً پیر کے حق میں معتبر نہیں۔ حالانکہ یہ مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ نے یہ کہا تھا۔
"کہ ہر مرید کا بیان معتبر نہیں بلکہ اس کی حیثیت اور مرتبہ دیکھا جائے گا۔"

(۱۰)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں ایک یہ غلط بیانی بھی کی ہے کہ گواہ نے کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والوں کو کافر نہیں کہا گیا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعا علیہ ملا نے اپنے بیان میں یہ لکھوایا تھا کہ گواہ مدعیہ ۳ نے اپنے بیان میں تسلیم کیا ہے کہ خوارج سے جب بعض ضروریات دین کا انکار ثابت ہوا تو ان کا نماز روزہ ان کو حکم کفر سے رہا نہ کر سکا۔ لیکن جبکہ امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۶۱، ۶۲ میں لکھا ہے اور گواہ ملا بجواب جرح اس کو تسلیم کر چکا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس بات کی تصریح کی ہے۔
"بانھم مومنون لیسوا کفارا"
کہ وہ مومن ہیں کافر نہیں۔ اور لکھا ہے کہ صحابہ اور تابعین نے نہ ان کی تکفیر کی اور نہ ان کو مرتد قرار دیا اور اسی طرح البحر الرائق جلد ۵ ص ۱۵۱ میں لکھا ہے۔
"وانما لا نکفر الخوارج باستحلال الدماء والاموال لتاویلھم وان کان باطلا بخلاف المستحل بلا تاویل"
یعنی ہم خوارج کو باوجود یکہ انہوں نے مسلمانوں کے خون اور اموال کو حلال سمجھا ان کے تاویل کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ بخلاف اس کے جو بغیر تاویل کے ان کو جائز سمجھے۔
بیان مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ گواہ مدعیہ ۳ کے بیان کے مطابق خوارج نے ضروریات دین کا انکار کیا تھا۔ اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیان میں ثابت کر دیا ہے کہ انہیں تاویل کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہا گیا۔ پس گواہ مدعا علیہ ملا کے بیان میں اس امر کے موجود ہوتے ہوئے مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا قول کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

(۱۱)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں کہا۔ کہ اولیاء اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم پر آیات نازل ہوئیں صرف علم الکتاب کا حوالہ پیش کیا تھا کہ آیات اتریں۔ یہ بھی مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ کے

بیانات میں کتاب اثبات الالہام والبیعۃ اور فتوح الغیب اور مقامات امام ربانی کے حوالے اسی غرض کے لیے پیش کیے گئے تھے۔ اور ان میں آیات کے الہام ہونے کا ہی ذکر ہے۔

(۱۲)۔ الزام خیانت کا رد

۹ر اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ غلط بیانی کی ہے۔ کہ گواہان مدعا علیہ نے حوالجات میں دل کھول کر خیانت کی ہے اور اگلی اور پچھلی عبارت کو ترک کر دیا ہے۔ اور اس امر کے اثبات کے لیے اس نے تین حوالے پیش کئے ہیں ان میں سے ایک حوالہ تحذیر الناس کا ہے دوسرا حجج الکرامہ کا تیسرا البحر الرائق کا ہے۔

تحذیر الناس کا حوالہ

تحذیر الناس سے جو عبارت گواہان مدعا علیہ نے پیش کی ہے وہ یہ ہے۔

"بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدیؐ میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے"

(تحذیر الناس ص۲۸)

اس عبارت سے جو نتیجہ گواہان مدعا علیہ نے اخذ کیا ہے اس عبارت کا ماسبق بھی اس کی تائید کرتا ہے جو یہ ہے۔

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے۔ تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط افراد کے انبیاء خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض الخ"

اب ظاہر ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب خاتمیت کے ایسے معنی کرتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی نبی کا آنا تجویز کرنا خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ یہ عبارت ص۲۸ کی ہے اور مختار مدعیہ کہتا ہے کہ اس کی تشریح ص۱۰ میں موجود ہے ہم نہیں سمجھتے کہ ص۲۸ کی عبارت کی تشریح ص۱۰ میں کیسے ہو سکتی ہے۔ پس چونکہ عبارت بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔ اس لیے ص۱۰ کی عبارت میں خاتمیت زمانی کے معنے ایسے نہیں لئے جا سکتے جو اس عبارت کے خلاف ہوں۔

حجج الکرامہ کا حوالہ

مختار مدعیہ نے حجج الکرامہ صـ۲۳۲ کے حوالہ "در حدیث ابن عمر سی است کذاب" کے متعلق یہ کہا ہے کہ گواہ مدعا علیہ نے اس میں خیانت سے کام لیا ہے۔ کیونکہ "یا زیادہ" کے الفاظ کو ترک کر دیا ہے اس کے متعلق میں صرف اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مختار مدعیہ اغلباً اپنی لاعلمی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ سکا۔ کہ جس عبارت کے آگے نقطے ڈالے جاتے ہیں۔ ان سے اسی امر کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ وہاں سے عبارت چھوڑی گئی ہے۔ چنانچہ گواہ مدعا علیہ نے بھی الفاظ "سی است کذاب" کے بعد نقطے دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہاں سے عبارت چھوڑ دی گئی ہے۔ اور مسل میں بھی نقطے موجود ہیں۔ پس اس کو خیانت سے تعبیر کرنا اپنی لاعلمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

نیز گواہ مدعا علیہ اس حوالہ سے جو امر ثابت کرنا چاہتا ہے "یا زیادہ" کے الفاظ اس کو باطل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ ان کا عدم ذکر اس کو ثابت کر سکتا ہے۔ کیونکہ ابن عمر کی اس روایت اور دوسری روایت جو طبرانی نے روایت کی ہے۔ جس میں کذابوں کی تعداد ستّر بتائی گئی ہے۔ ان دونوں کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے اور نیز ان میں دعویٰ نبوت کا بھی ذکر نہیں ہے۔ پس جبکہ "یا زیادہ" کے الفاظ گواہ کے مدعا کے خلاف نہیں ہیں تو ان پر نقطے ڈال کر چھوڑ دینے سے گواہ پر خیانت کا الزام لگانا سراسر بے انصافی اور صریح غلط بیانی ہے۔

(۲)

اور حجج الکرامہ صـ۲۳۴ کے حوالہ کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا۔ بالمقابل کا لفظ حجج الکرامہ میں نہیں ہے۔ اپنی طرف سے ملا کر جھوٹ بولا ہے۔ حالانکہ وہ بالمقابل لفظ حجج الکرامہ میں تلاش کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حجج الکرامہ کی عبارت کا یہ ترجمہ بطور خلاصہ اور مفہوم کے ہے اور بالمقابل سے یہی مراد ہے کہ اس نے شراب و زنا کو حلال قرار دیا اور فریضہ و نماز کو ساقط کرا دیا۔ اور قرآن مجید کے مقابل میں سورتیں لکھیں۔ ایسی نبوت کا دعویٰ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بالمقابل نہیں تو اور کیا ہے۔ اور گواہ مدعیہ م۳ نے ۲۹ اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ مسیلمہ نے نبی کریم کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا۔

البحر الرائق کا حوالہ

مختار مدعیہ نے ان کلمات کفریہ کے متعلق جو گواہان مدعیہ نے البحر الرائق سے نقل کئے تھے۔ کہا ہے کہ ان کے

نقل کرنے میں گواہان مدعا علیہ نے یہ خیانت کی ہے کہ انہوں نے البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۳۰ سے صفحہ ۱۳۶ تک کے حوالجات پیش کیے لیکن درمیان میں صفحہ ۱۳۴ کی عبارت چھوڑ دی ہے "کہ کفر کا فتویٰ اس وقت دیا جاتا ہے۔ جب اس پر اتفاق ہو متفق علیہ ہو۔ کلام میں کوئی تاویل نہ ہو۔"

حالانکہ گواہان مدعا علیہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ جن علماء کے اقوال کی بنا پر گواہان مدعیہ نے مدعا علیہ کو کافر قرار دیا ہے۔ ان کی طرز افتاء کے متعلق بعض فتاویٰ کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ہی البحر الرائق کی عبارت پیش کر دی تھی۔ کہ فتاویٰ میں جو تکفیر کے معروف الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ حقیقتاً اسلام سے ارتداد کا موجب ہیں اور بزازیہ میں لکھا ہے کہ جو ان کلمات کو صرف تخویف و تہویل پر محمول کرتا ہے اور کفر کا موجب نہیں سمجھتا۔ اس کا قول لغو اور باطل ہے اور جن کلمات کے موجب کفر اور باعث ارتداد ہونے میں علماء کا اختلاف تھا۔ اس کا بھی مولف البحر الرائق نے ساتھ ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ جسے پیش کرتے ہوئے گواہان مدعا علیہ نے صاف ظاہر کر دیا ہے۔ کہ یہ کلمہ بعض کے نزدیک موجب کفر و ارتداد ہے۔ چنانچہ انہی کلمات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص تمام انبیاء پر ایمان لانے کا اظہار کرے اور آنحضرت صلعم کے آخر الانبیاء ہونے کی عدم معرفت کا تو وہ بعض کے نزدیک کافر ہو گا۔ یعنی آنحضرت کا آخر الانبیاء ہونا ان ضروریات دین سے نہیں جن کے نہ جاننے کی وجہ سے انسان کافر ہو جائے اور پھر مولف البحر الرائق نے صفحہ ۱۳۴ پر جامع الصغیر سے یہ عبارت پیش کی ہے۔

اگر کوئی شخص بغیر اعتقاد رکھے عمداً کلمہ کفر کہے تو ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہو گا۔ کیونکہ کفر ضمیر سے متعلق ہے اور اس نے کفر کی دل میں نیت نہیں کی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ وھو الصحیح عندی اور یہ بعض کا قول کہ وہ کافر ہو جاوے گا میرے نزدیک صحیح ہے۔ پس بعض علماء کے نزدیک اتفاق کا ہونا ضروری ہوا۔ پس جب اس بات پر ہی علماء کا اتفاق ثابت نہ ہوا کہ کس وقت کفر کا فتویٰ دیا جانا چاہیے اور مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ مولف البحر الرائق کے نزدیک جب تک وہ مسئلہ متفق علیہ نہ ہو کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا تو اس اصول کی رو سے کسی پر بھی فتویٰ کفر نہیں لگانا چاہیے۔ کیونکہ علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کب کسی پر فتویٰ کفر لگانا چاہیے۔

بہر حال جو کلمات گواہ مدعا علیہ نے پیش کیے تھے۔ ان کے متعلق مختار مدعیہ کو چاہیے تھا کہ وہ ثابت کرتا کہ ان کے موجب کفر ہونے پر علماء کا اتفاق نہیں ہے جب کہ مصنف نے خود مختلف فیہ اقوال کو نقل کرتے ہوئے اختلاف کا ذکر کر دیا تھا اور علاوہ ازیں گواہان مدعا علیہ نے شرح فقہ اکبر اور الاشباہ والنظائر کے جو حوالے پیش کیے تھے ان کے متعلق مختار مدعیہ نے بالکل سکوت اختیار کیا ہے اور نیز یاد رہے کہ جو حوالے گواہان مدعیہ نے آنحضرت صلعم کے بعد نبی ماننے والوں کو کافر ہونے کے متعلق الاشباہ والنظائر اور شرح فقہ اکبر اور البحر الرائق

سے پیش کیے ہیں وہ بھی منجملہ انہی کلمات کے ہیں جنہیں گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں پیش کیا۔ اور جن کے متعلق مختار مدعیہ نے گواہان مدعا علیہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان کے بیان کرنے میں انہوں نے خیانت سے کام لیا ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے تو خیانت کوئی نہیں کی تھی۔ البتہ مختار مدعیہ کو یہ خوف دامنگیر ہوا۔ کہ اگر ہم پہلے علماء کے فتوؤں کو اب جاری کریں تو موجودہ زمانہ کے تمام مسلمانوں کے نکاح فسخ اور ان کی اولادوں کو حرام کی اولاد ماننا پڑے گا۔ پس اس ڈر سے مختار مدعیہ نے یہ کہہ کر کہ گواہان مدعا علیہ نے حوالے بیان کرنے میں خیانت کی اپنا پیچھا چھڑانا چاہا ہے۔ لیکن دنیا میں کون ساعقل مند ایسا ہے۔ جو ان اقوال میں سے ایک قول کو تو موجب کفر وارتداد ٹھہرا دے اور اس کے ساتھ جو دوسرے اقوال کفریہ قرار دیئے گئے ہوں ان کو باطل اور لغو سمجھ لے۔

(۱۳۱)

تفسیروں کے متعلق

مختار مدعیہ نے ۱۰ ار اکتوبر کی بحث میں گواہان مدعا علیہ پر ایک یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے تمام تفسیریں مطلقاً غلط قرار دی ہیں۔ اور ان کے حوالے قطع وبرید کر کے پیش کئے ہیں۔ اور گواہ مدعا علیہ ۱ نے مقدمہ ابن خلدون کا حوالہ محرف کر کے پیش کیا۔ اور گواہ م ۲ نے ابن حزم کا قول بلا دلیل پیش کیا۔ اور تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں ہیں وہ تردید کے لیے درج کی گئی ہیں۔ نہ تائید کے لیے۔ اور گواہ م ۲ نے تفسیر اتقان سے جو حوالہ هذه التفاسير الطوال کا پیش کیا ہے وہ تردیدی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے آخر میں وفیہ نظر لکھا ہے۔ یہ سب مختار مدعیہ کی مغالطہ سازیاں ہیں۔ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں یہ کہیں نہیں لکھوایا۔ کہ تفسیریں مطلقاً غلط ہیں۔ بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ کتب تفاسیر میں صحیح باتیں بھی ہیں اور غلط بھی اس لیے ہمیں مفسرین کے اقوال کو بلا تحقیق نہیں مان لینا چاہیے اور گواہ مدعا علیہ ۱ نے مقدمہ ابن خلدون سے جو حوالہ پیش کیا تھا وہ بطور مفہوم کے ذکر کیا تھا اور نقل کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

هو الاتيان بقول الغير على ما هو عليه بحسب المعنى مظهرا انه قول الغير (رشیدیہ)

کہ نقل کسی دوسرے کے قول کو اس کے معنی کے لحاظ سے بیان کرنا ہے۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ غیر کا قول ہے اور گواہ مدعا علیہ نے مقدمہ ابن خلدون کے اصل الفاظ پیش کئے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ نے اس کی طرف بھی وہی الفاظ منسوب کر دیئے جو گواہ مدعا علیہ ۱ نے لکھے تھے اور معنوی لحاظ سے اصل عبارت اور گواہ مدعا علیہ ۱ نے جو بطور مفہوم پیش کیا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔

چنانچہ گواہ مدعا علیہ ۱ نے تو یہ کہا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ متقدمین کی تفسیریں عمدہ اور ردی دونوں

باتوں سے پر ہیں۔ اور مقدمہ ابن خلدون کی اصل عبارت کا ترجمہ جسے گواہ مدعا علیہ ۲ نے اپنے بیان میں پیش کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"کچھ متقدمین نے تفسیری باتیں جمع کیں۔ اور ان کا خوب احاطہ کیا۔ مگر ان کی کتب میں اور درج شدہ باتوں (یعنی منقولات) میں اعلیٰ و ناقص مقبول و مردود ہر قسم پائی جاتی ہیں۔"

اور ابن خلدون نے جن باتوں کے متعلق حکم لگایا ہے وہ تین ہیں۔ ناسخ و منسوخ کی شناخت۔ اسباب نزول۔ آیات کے معانی و مقاصد اور صہ ۲۶۱ میں لکھا ہے۔ وملئوا الکتب بھذہ المنقولات (مقدمہ ابن خلدون صہ ۲۶۰) اور انہوں نے کتب تفسیر ان منقولات سے بھر دی ہیں۔ پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ کہ یہ بات احکام سے تعلق نہیں رکھتی لیکن مقدمہ متنازعہ فیہا میں احکام کے متعلق جھگڑا نہیں ہے۔ بلکہ آیات کی تفاسیر اور ان عقائد میں ہے جو ان آیات سے مستنبط ہوتے ہیں اور مختار مدعیہ نے یہ کہہ کر کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ تردیدی طور پر ہیں۔ غلط بیانی کے علاوہ اپنی لاعلمی کا ثبوت دیا ہے۔

گواہان مدعا علیہ نے بہت سی مثالیں پیش کی تھیں۔ مگر مختار مدعیہ نے سب کو نظر انداز کر کے صرف ایک حوالہ خازن کا لے کر یہ کلی حکم لگا دیا کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو بیان کیا گیا ہے۔ وہ تردیدی طور پر ہے۔ حالانکہ اگر وہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں کا بغور مطالعہ کرتا تو اسے بہ آسانی معلوم ہو سکتا تھا کہ گواہان مدعا علیہ کا ایک مقصد تو ان حوالجات کے ذکر کرنے سے مفسرین کا آپس میں آیات کی تفاسیر میں اختلاف دکھانا ہے۔ دوسری کتب تفاسیر سے بعض آیات کی ایسی تفاسیر دکھانا مدنظر ہے۔ جو عقل و نقل کے بالکل مخالف بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات کے بھی مخالف ہیں۔

پس مختار مدعیہ کا تفسیر خازن سے آیت ھم بہ وھم بھا کی تفسیر میں متقدمین کی تفسیروں کی تردید میں قول پیش کرنا ہی مدعا علیہ کے دعویٰ کو ثابت کرتا ہے کہ مفسرین نے آیات کی تفاسیر میں اختلاف کیا ہے۔ اور خود خازن میں یہ لکھا ہے کہ امام بغوی اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ حضرت یوسف نے اپنا پائجامہ کھول دیا اور اپنے کپڑے درست کرنے لگے۔ انہی میں سے سعید بن جبیر مشہور تابعی اور امام حسن بصری اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ پس خازن کا بحوالہ تفسیر کبیر ان معنوں کو رد کرنا ہی مدعا علیہ کے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔ کہ مفسرین کے اقوال بلا تحقیق قبول کرنا نہیں چاہئیں۔ نیز گواہان مدعا علیہ نے اس کے لیے ابن جریر کا بھی حوالہ دیا تھا۔ مگر مختار مدعیہ نے اس کی طرف منہ نہیں کیا۔ اگر مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا ادعا غلط بیانی اور دھوکہ دہی پر مبنی نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابن جریر سے ان معنی کی تردید ثابت کرے جو گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں اس کی طرف منسوب کئے ہیں۔

اسی طرح آیت وجعلہ دکا اور خر موسی صعقا اور آیت ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض وغیرہ آیات کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے جو اقوال تفاسیر سے نقل کئے تھے وہ بھی تردید کے بے نہیں ہیں پس مختار مدعیہ کی یہ ایک غلط بیانی ہے کہ تفاسیر میں جو اقوال عصمت انبیاء کے خلاف پائے جاتے ہیں وہ تردید کے بے ذکر کئے گئے ہیں۔ پھر جلالین میں جو یہ لکھا ہے کہ شیطان نے آنحضرت صلعم کی زبان پر تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی کے کلمات جاری کر دیئے۔ مختار مدعیہ یہ بتائے تو سہی کہ کس جلالین میں اس کی تردید کی گئی ہے۔

گواہ مدعا علیہ ۲ نے جلالین میں بین السطور سے امام ابن حزم کا قول لکھا تھا کہ انہوں نے آیت متوفیک کے ظاہر معنے لے کر مسیح کی موت کو تسلیم کیا ہے لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے۔ کہ یہ قول بلا دلیل پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ گواہ کا تو صرف اتنا ہی فرض تھا کہ وہ تفسیر سے امام ابن حزم کا قول لکھا ہوا دکھا دیتا سو وہ اس نے دکھا دیا تھا۔

اور مختار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ ۲ کے اتقان سے پیش کردہ حوالے کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی تردید اسی جگہ دفیہ نظر سے کر دی گئی ہے بالکل غلط ہے کیونکہ وفیہ نظر اس قول سے کہ ابن عباس کی طرف جو لمبی لمبی تفاسیر منسوب کی گئی ہیں وہ ناپسندیدہ ہیں اور ان کے راوی مجہول ہیں۔ متعلق نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کے قول سے جو ابن جریج کے متعلق ہے۔ اور ابن عباس کے متعلق جو قول ہے وہ مقدمہ فتح البیان میں بھی مذکور ہے۔ اور اس کی تائید اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ سے بھی ہوتی ہے کہ امام شافعی نے فرمایا:

"لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الا شبیۃ بمائتہ حدیث

یعنی ابن عباسؓ سے تفسیر میں تقریباً ایک سو حدیث کے سوا کچھ ثابت نہیں ہے۔"

اور نیز اس کی تائید فوائد المجموعہ للشوکانی صفحہ ۱۱۱ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

"ومن جملۃ التفاسیر التی لا یوثق بہا تفسیر ابن عباس فانہ مروی من طریق الکذابین کالکلبی والسدی ومقاتل ذکر معنی ذلک السیوطی وقد سبقہ الی معناہ ابن تیمیہ۔"

اور ان تفسیروں میں سے جو غیر معتبر ہیں۔ ابن عباس کی تفسیر بھی ہے۔ کیونکہ وہ کلبی اور سدی اور مقاتل جیسے کذابوں سے مروی ہے۔ اسی کے مطابق سیوطی نے لکھا ہے اور اس سے پہلے ابن تیمیہ نے بھی یہی کہا ہے۔

پس مختار مدعیہ کا گواہان مدعا علیہ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے تفسیروں کے حوالجات پیش کرنے میں قطع و برید سے کام لیا ہے۔ بالکل غلط ہے اور مفسرین کی تفسیروں کو بلا تحقیق قبول کر لینا خود مفسرین کے اصول کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تفسیر کو غلط ٹھہراتے آئے ہیں۔ جیسا کہ کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے والے سے مخفی نہیں ہے۔

آیت قرآنیہ کے ترجمہ میں خیانت کا الزام

پھر مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ ملا پر ایک یہ الزام دیا ہے کہ اس نے آیت فلما جاءتھم رسلھم بالبینات بما عندھم من العلم کے ترجمہ میں خیانت کی ہے کہ اس میں انبیاء کے پیرو مراد لے لیتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد یہود اور کفار تھے اور یہ کہ نبی وہی ہوتا ہے جس کو جھٹلایا جائے۔

سو یہ بھی مختار مدعیہ کی ایک غلط بیانی ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے یہ قطعاً نہیں کہا کہ نبی وہی ہوتا ہے جس کو جھٹلایا جائے۔ بلکہ مذکورہ بالا آیت سے یہ استدلال کیا تھا۔ کہ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ علماء ہمیشہ خدا تعالیٰ کے فرستادوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے اور ان کے لیے علم حجاب اکبر بن گیا اور وہ اپنے خشک علم کی بنا پر خیال کرنے لگے کہ ہم جیسا کوئی عالم نہیں۔ اس لیے ہم غالب رہیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فرستادہ کی تائید کی۔ اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ درحقیقت وہ علم حقیقی سے جاہل و بے خبر تھے۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس آیت میں یہود اور کفار کے عالم مراد ہیں نہ کہ انبیاء کے پیرو۔ بالکل بے معنی اور لغو ہے۔ کیونکہ نہ تو آیت میں یہود کا لفظ ہے۔ اور نہ کفار کا ذکر۔ نیز کیا یہود انبیاء کے پیرو نہ تھے؟ اور ان کی طرف انبیاء مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ پس اس آیت کا وہی ترجمہ صحیح ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے کیا ہے۔ اور جاءتھم میں ھم کی ضمیر تمام ان لوگوں کی طرف پھرتی ہے جن کی ہدایت کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول بھیجے گئے تھے چاہے وہ یہود ہوں یا کوئی اور۔ بہر حال اس آیت سے ثابت ہے کہ مولوی انبیاء اور خدا تعالیٰ کے فرستادوں کی مخالفت کرتے رہے۔

(۱۴)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں یہ غلط بیانی کی ہے کہ مندرجہ ذیل کتب فریقین کے نزدیک ... حجج الکرامہ۔ اقتراب الساعۃ۔ فتح البیان جامع الشواہد۔ بھوپال بر لشکر دجال۔ انوار احمدیہ۔ حیات جاوید اور ۱۱ مارچ کی بحث میں شہاب علی البیضاوی اور روح المعانی کے متعلق یہی بات کہی ہے۔

اور یہ مختار مدعیہ نے غلط بیانی ہی نہیں کی۔ بلکہ عمداً عدالت کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ فریق مدعا علیہ نے اسے کب اپنا مختار بنایا تھا۔ جو اس نے یہ کہا کہ حجج الکرامہ وغیرہ فریقین کے نزدیک غیر مسلّم ہیں۔

فریقین کے معنی دو فریق کے ہیں نہ کہ صرف ایک فریق کے۔ اور فریق مدعا علیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ کتابیں غیر مسلم ہیں بلکہ اس کے گواہوں نے بجواب جرح ایک جامع اصول بیان کر دیا تھا کہ جو روایت قرآن مجید کے مخالف ہو گی۔ وہ قابل قبول نہیں اسی طرح اگر کسی کتاب سے کوئی حوالہ پیش کیا جائے اور وہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ یا واقعات ثابتہ کے خلاف نہ ہو تو وہ صحیح ہو گا اور ۱۱ مارچ کو گواہ مدعا علیہ م۱ نے بجواب جرح یہ تصریح کی ہے۔

"اگر کسی کتاب سے کوئی نقل پیش کی گئی ہے اور وہ اس اصول کی رو سے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں درست ہے تو وہ ہمارے نزدیک صحیح ہے۔"

پھر یہی نہیں کہ اس نے فریق مدعا علیہ کی طرف سے بیجا وکالت شروع کی۔ بلکہ گواہان مدعیہ کے اقوال کے بھی خلاف کہا ہے۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی اس نے غیر مسلم قرار دی ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ م۱، ۲، ۳ نے اپنی تائید میں روح المعانی کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح شہاب علی البیضاوی کا مصنف نہایت اعلیٰ پایہ کا امام شمار کیا گیا ہے۔ اور اس نے بہت سی کتب بھی تالیف کی ہیں اور وہ قاضی القضاۃ بھی رہا تھا۔ چنانچہ گواہ مدعیہ م۱ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے۔

"علامہ خفاجی شفا قاضی عیاض کی شرح میں لکھتے ہیں" اور یہ علامہ خفاجی شیخ احمد بن محمد بن عمر الملقب تو وہی شہاب الدین الخفاجی ہیں۔ جنہوں نے تفسیر البیضاوی کی شرح کی ہے۔ پس ایسی حالت میں کہ گواہان مدعیہ نے جو عدالت کے سامنے پیش ہوئے ہیں شہاب کے مصنف کو قابل اعتبار مانا۔ یہاں تک کہ اس کی تصنیف سے حوالہ بھی دیئے ہیں۔ مختار مدعیہ کے کہہ دینے سے شہاب کے غیر مسلم قرار دیئے جانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

مختار مدعیہ نے حجج الکرامہ اور اقتراب الساعۃ اور فتح البیان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ صرف یہ بیان کی کہ وہ غیر مقلد تھے اور مقلدین کو مشرک کہتے تھے۔ لیکن مختار مدعیہ کا یہ کہنا بھی ان کتب کے فریق مدعیہ کے نزدیک غیر مسلم ہونے کے لیے کافی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اگر ان کتب سے وحی و نبوت کے متعلق جو باتیں ذکر کی گئی ہیں موجب کفر ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ بلکہ انہیں کافر کہنا چاہیے۔ لیکن گواہ مدعیہ م۱ نے ۲۱ اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے کہ نواب صدیق حسن خاں کو میں مسلمان سمجھتا ہوں۔ اور ان کی کتاب میں مظاہر آنست سے عبارت ہے۔ اور گواہ مدعیہ م۳ نے ۲۹ اگست کو بجواب جرح کہا۔

حجج الکرامہ ص۳۳۴ میں جو واقعات مسیلمہ کے ساتھ نسبت کئے گئے ہیں وہ وقوع میں آئے ہوئے ہیں پس گواہان مدعیہ م۱، ۳ کے روبرو جب حجج الکرامہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اس میں جو واقعات ذکر ہوئے ہیں اُن کی تصدیق

کرتے ہیں اور اس کے مولف نواب صدیق حسن خان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ انہیں متعصب اور مقلدوں کو مشرک کہنے والا سمجھ کر ان کی کتب کو غیر مسلم قرار دے رہا ہے۔ پس یہ گواہان مدعیہ کی شہادتوں کو نظر انداز کر کے خود گواہ بننا چاہتا ہے اور ان کے گواہوں کو اپنے حق میں مفید نہ پاکر بعد از وقت ان کے فرائض کو خود ادا کرنے کے لیے ہے۔

پھر جو حوالہ حجج الکرامہ سے مسئلہ وحی کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ بعینہٖ کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ مصنفہ سید شریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ثم المدنی مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۲۷ میں موجود ہے اور جو حوالہ اقتراب الساعۃ سے گواہان مدعا علیہ نے لا نبی بعدی کے متعلق بیان کرنے کے لیے پیش کیا ہے وہ بعینہٖ کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ کے صفحہ ۲۲۱ میں امام ملا علی قاری سے منقول ہے۔ پس نواب صدیق حسن خان کا گناہ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ اس طرح جو حوالہ فتح البیان سے ذکر کیا گیا وہ دوسری تفاسیر میں بھی موجود ہے اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنی تائید میں نواب صاحب کی تفسیر کا حوالہ پہلے ائمہ کی تفاسیر کے ساتھ ملا کر پیش کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"صدیق حسن خان مرحوم رئیس عاملین بالحدیث اپنی تفسیر میں اور قاضی شوکانی اور ابن کثیر اور بیضاوی اور مدارک وغیرہ تفاسیر میں یہ معنے اولی الامر کے قبول کرتے ہیں۔" سبیل الرشاد صفحہ ۳۶)

اور نواب صدیق حسن خان کو جو پوزیشن علماء دیوبند کے نزدیک ہے وہ مندرجہ ذیل حوالوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۱۔ حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے۔

"مولانا نواب سید صدیق حسن صاحب قنوجی رحمت اللہ علیہ روضہ الندیہ فی شرح الدرۃ البھیہ میں فرماتے ہیں۔"

۲۔ چنانچہ نواب مولانا سید صدیق حسن خان صاحب نے تکریم المومنین میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں تکلم ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم صفحہ ۵۵۔

۳۔ نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب رئیس بھوپال اپنے رسالہ تعلیم الصلوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں خطبہ منجملہ شعائر دین کے ہے۔ یہ خطبہ عربی زبان میں ہے۔ نہ عجمی اور نثر ہو نہ نظم سلف سے یہی طریقہ چلا آیا ہے فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل حاشیہ صفحہ ۱۰۳۔

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ اکابر دیوبند اور ان کے خاتم المحدثین تو نواب صدیق حسن خان کے اقوال سے سند پکڑتے ہیں۔ اور مختار مدعیہ ان کے اور گواہان مدعیہ کے خلاف ان کی کتب کو ان حوالوں کی بنا پر جو دوسری کتب سے بھی ثابت ہیں غیر مسلم قرار دیتا ہے۔ اور اسی سے اس امر کی حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے جس کے اثبات کی غرض

سے یہ سب کچھ کہا جا رہا ہے اور جامع الشواہد در بھونچال بر لشکر دجال اور حیات جاوید کے مسلم اور غیر مسلم ہونے کا تو سوال ہی نہیں اٹھ سکتا۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ نے یہ دکھانے کے لیے کہ مسلمانوں کے فرقوں نے ایک دوسرے کو کافر قرار دیا ہے ان میں سے فتاوی پیش کئے ہیں اور اگر مولویوں کی تکفیر کی بنا پر کسی کو کافر اور مرتد قرار دے کر نکاح فسخ قرار دیئے جا سکتے ہیں تو پھر مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کو کافر و مرتد قرار دے کر کافر و مرتد ہو گئے۔ اس لیے ان سب کے نکاح باطل اور فسخ قرار دے کر سب کی اولاد ولد الزنا قرار دے دینی چاہیے۔ غرض چونکہ مذکورہ کتابوں سے اس امر کی تائید میں چند فتاوی تکفیر یہ پیش کئے گئے ہیں۔ پس ان کے مسلم اور غیر مسلم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور ہدیہ مجددیہ اور انوار احمدیہ کے غیر مسلم ہونے کی مختار مدعیہ نے کوئی وجہ بیان نہیں کی کہ وہ کیوں غیر مسلم ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں جو مخالف مولویوں نے امام ربانی مجدد الف ثانی پر کئے تھے اور ان کے مصنف مولانا حکیم وکیل احمد صاحب سکندر پوری نے جا بجا مجدد صاحب کی تحریر اپنے جواب میں پیش کی ہیں۔

مسلم اور مسلمان ہونے میں فرق

مختار مدعیہ نے ایک یہ نظریہ بھی قائم کیا ہے کہ کسی کو محض مسلمان مان لینے سے اس کا مسلم ہونا ثابت نہیں ہو جاتا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقدمہ میں بحث چونکہ کفر و اسلام پر تھی۔ اس لیے صرف ان کے مسلمان ہونے کے متعلق سوال کیا گیا۔ ورنہ وہ لوگ جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ وہ مسلّمہ امام ہے۔ چنانچہ اس امر کی تائید میں اکابر دیوبند کے چند حوالجات پیش کرتا ہوں۔

۱۔ ملا علی قاری کے متعلق۔ ملا علی قاری شرح مناسک میں فرماتے ہیں۔ فتاوی رشیدیہ حصہ سوم ص ۲۷، ۲۸۔
اور صفحہ ۳۶ میں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالی نے موضوعات کبیر میں تحریر فرمایا ہے

۲۔ حضرت شیخ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں واضعین حدیث کے دلچسپ واقعات نقل کیے ہیں۔
القاسم جلد ۵ نمبر ۱۱ بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۸۔

۳۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری مرقات میں فرماتے ہیں۔
سبیل السداد ص ۴۰ مصنفہ مولوی مرتضی حسن گواہ مدعیہ ۲۔ بحوالہ برکات الامداد ص ۱۰۶۹، ۱۱۱۱۔

۴۔ بعض علمائے حنفیہ اول کھول کر ہاتھ رکھتے ہیں اور وقت اشارہ کے عقد کرنے میں اس کا پتہ بھی حدیث میں ملتا ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ اول سے ہی عقد کر کے ہاتھ رکھے۔ یہ بھی درست معلوم

ہوتا ہے۔ دونوں طرح پر عمل درست ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل صـ۲۶۔

کیا جس شخص کے احوال سے یہ سند پکڑی جاتی ہے اور اس کے فتاویٰ بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں وہ نرا مسلمان ہی ہے یا مسلمہ امام ہوگا؟

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ شیخ الصوفیہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے امام فخر الدین کو ایک خط لکھا ہے۔

(القاسم ما جلد ۵ صـ۳۳)

۲۔ حفظ الایمان مولفہ مولوی اشرف علی تھانوی کے صفحہ ۷ میں حضرت موصوف کو شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے

۳۔ تفسیر غایۃ البرہان کے مقدمہ صـ۱۶ میں حضرت موصوف کو امام ہمام شیخ اکبر محی الدین رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ عارف صمدانی امام ربانی مجدد الطریقۃ السویۃ علامہ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب الیواقیت اٹھا کر دیکھو کتاب المنن والاخلاق میں پڑھو کہ ابناء عصر کی ان مظالم ہائے ملحدانہ کے فسانے کن دردناک لفظوں میں ارقام فرماتے ہیں۔ القاسم ۵ جلد ۷ صـ۱۵۔

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل صـ۳۸ میں بھی حضرت ممدوح الصدر کو امام ربانی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

مولوی محمود حسن دیوبندی شیخ الہند خلیفہ مولوی رشید احمد گنگوہی سابق صدر المدرسین مدرسۃ العلوم دیوبند اپنی کتاب الجہد المقل صـ۲۸ میں فرماتے ہیں۔

۱۔ حضرت امام العارفین وقدوۃ الواصلین مسجد رسول اللہ صفی عباد اللہ منبع فیض نامحدود وسرآمد ائمہ کشوف وشہود سر دفتر راسخین امت سر حلقہ نگوشاں اتباع سنت سلطان المحققین رئیس المتکلمین ماحی شرک حامی شریعت وطریقت قیوم ربانی ومقبول سبحانی امامنا ومجتبنا حضرت شیخ مجدد الف ثانی حشر اللہ تعالیٰ مع الانبیاء والصدیقین وجعلنا فی اتباعہ یوم الدین آمین اپنے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صـ۷۹ میں حضرت ممدوح الصدر کو مولوی محمد مسعود صاحب نقش بندی خلیفہ مولوی رشید احمد صاحب دیوبندی نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھ کر اپنی تائید میں

آپ کی عبارت نقل کی ہے۔

۳۔ گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۹ راگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ
"شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ میرے نزدیک مسلّم صاحب کشف ہیں"۔

مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی

۱۔ "مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق ہیں اور باقرار علمائے مکہ اعلم ہیں"۔
البراہین القاطعہ مولفہ مولوی خلیل احمد صاحب مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی صـ ۲۶۳۔

۲۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۹ میں لکھا ہے
"اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ علیہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں"۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ مولوی حبیب احمد کیرانوی نے اپنے خط میں جو مولوی اشرف علی صاحب کو ارسال کیا ہے۔ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھا ہے۔ القاسم ۷ جلد ۵ صـ ۵۔

۲۔ مولوی شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام اور ان کی کتاب کو بیش بہا لکھا ہے۔
القاسم ۹ جلد ۵ صـ ۱۱

۳۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اقتضاء الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں۔ فتاوی رشیدیہ حصہ سوم حاشیہ صـ ۹۱۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے اور قرآن اور حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے۔ اور تمام عمر اسی حالت میں رہے۔ آخر کار فی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اولیآءُہٗ الا المتقون اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔ فتاوی رشیدیہ حصہ اوّل صـ ۲۱۔

۲۔ حجۃ اللہ البالغہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے اور صراط مستقیم و تقویۃ الایمان جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ فتاوی رشیدیہ حصہ دوم صـ ۱۴۷۔
اور صـ ۴۹ میں عالم متقی ولی اللہ اور قطعی جنتی لکھ کر لکھا ہے کہ ایسے شخص کو مردود کہنا خود مردود ہونا ہے

اور ایسے مقبول کو کافر کہنا خود کافر ہونا ہے اس طرح سبیل الرشاد صـ۴۶ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق فرماتے ہیں۔

" حجۃ اللہ البالغہ میں شیخ شیوخنا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"۔
اب مختار مدعیہ کا یہ کہنا بھی عدالت کے سامنے کہ کسی کو مسلمان ماننا اور چیز ہے اور اس کو معلم ماننا نیز دیگر اور بزرگان موصوف الصدر کو اکابر دیوبند کا امام ہمام اور شیخ الشیوخ اور عارف باللہ اور ولی اور شہید اور شیخ الاسلام و شیخ الصوفیہ اور علامہ شیخ اکبر عارف امام ربانی مجدد الطریقہ امام الصادقین و قدوۃ الواصلین وغیرہ تسلیم کرنا بھی عدالت کے سامنے ہے۔

مختار مدعیہ نے ۱۹ اکتوبر کی بحث میں ایک یہ غلط بیانی کی کہ مرزا صاحب کی عبارتیں آپس میں متعارض ہیں۔ اس لیے ہماری پیش کردہ عبارتوں کا جواب نہیں ہو سکتیں۔ جتنی عبارتیں موافق اسلام ہیں قابل اعتبار نہیں لیکن مخالف اسلام عبارتیں قابل اعتبار ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کے لیے کفریہ کلمات کہنے کی کیا ضرورت اور ۱۸ اکتوبر کی بحث میں اس نے یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب کی عادت تھی کہ وہ ایک وقت میں کچھ کہتے اور دوسرے وقت میں کچھ اور۔ آہستہ آہستہ جس قدر لوگ برداشت کرتے چلے گئے وہ بیان کرتے گئے۔ چنانچہ اس نے اپنی تائید میں حقیقۃ النبوۃ صـ۱۴۴ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض باتوں کو رفتہ رفتہ ظاہر کرتا ہے۔

جواب:

مختار مدعیہ ان اکابر اسلام کو جن میں حضرت شیخ اکبر اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جیسے بزرگ بھی شامل ہیں مسلمان تو کہہ سکتا ہے مگر مسلم ہونا اور بات ہے۔ وہ ان کو مسلم ماننے کو تیار نہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قیوم صمدانی حضرت مجدد الف ثانی کو اس کے نزدیک مسلمان کہہ دینا تو ہو سکتا

ہے مگر مسلم ہونا اور بات اس کے نزدیک نہیں کیوں مسلم نہیں صرف اس لیے کہ ان حضرات کے اقوال سے حضرت اقدس مرزا صاحب کی تائید ہوتی ہے۔ ان مقدسوں کے متعلق جو اسلام کی روح ہیں یہ کہنا کہ ان کو مسلمان مان لینا اور بات ہے اور مسلم سمجھنا اور بات تمام مسلمانوں کے لیے عموماً اور عدالت کے لیے خصوصاً قابل توجہ ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں کوئی تعارض نہیں ہے اور مختار مدعیہ نے ۸ راکتوبر کی بحث میں جو مثالیں بیان کی ہیں۔ ان میں قطعاً کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ ان کے بیان کرنے میں مختار مدعیہ نے ویسے ہی مغالطہ سازی سے کام لیا ہے جیساکہ عیسائی قرآن مجید اور آنحضرت صلعم کے کلام میں تعارض ثابت کرنے کے لیے لیا کرتے ہیں۔ میں بطور نمونہ ایک دو مثالوں کا جواب دے دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔

۱۔ مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے تحفہ گولڑویہ میں تو یہ لکھا کہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں۔ جس کے متعلق نبیوں کی پیش گوئیاں ہیں۔ لیکن ازالہ اوہام میں یہ لکھا کہ اس عاجز نے جو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس سے کم فہم لوگوں نے مسیح موعود سمجھ لیا ہے۔ یعنی ازالہ اوہام میں تو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ صرف مثیل مسیح ہونے کا لیکن جب زمانہ گذر گیا تو تحفہ گولڑوی میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

اور یہ مختار مدعیہ کا نرا مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں بھی مسیح موعود ہونے کا ویسا ہی دعویٰ کیا ہے جیساکہ تحفہ گولڑوی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"واضح ہو کہ وہ مسیح موعود جس کا انجیل اور احادیث صحیحہ کی رو سے ضروری طور پر قرار پا چکا تھا۔ وہ تو اپنے وقت پر اپنے نشانوں کے ساتھ آگیا۔ اور آج وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ جو خدا تعالیٰ کی مقدس پیش گوئیوں میں پہلے سے کیا گیا تھا۔" ازالہ اوہام ص ۱۷۲ بار پنجم۔

۲۔ اور یہ مثیل موسیٰ آنحضرت صلعم کا مسیح اپنی سوانح میں اور دوسرے تمام نتائج میں جو قوم میں ان کی طاقت میں انکی سرکشی کی حالت میں مؤثر ہونگے اس مسیح سے مشابہ ہوگا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا اب جو امر کہ خدائے تعالیٰ نے میرے پر منکشف کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مسیح موعود میں ہی ہوں

۳۔ لیکن یہ ایک خاص پیش گوئی کے مطابق جو خدا تعالیٰ کی مقدس کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ مسیح موعود کے نام پر آیا ہے۔ ازالہ ص ۶۹۔

۴۔ اور منجملہ ان علامات کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں پائی جاتی ہیں ص ۲۸۲ ان عبارات کی موجودگی میں حضرت اقدس کی عبارت کے قول میں "اس عاجز نے جو مثل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں" کا یہ مطلب لینا جو مختار مدعیہ نے لیا ہے متکلم کی منشاء کے صریح مخالف ہے۔ اصلی بات یہ ہے کہ اس جگہ آپ نے اپنے مخالف علماء کے عقیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ

مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ۔ یہ لکھا ہے کہ عیسیٰ مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔ مسیح موعود ہونے یعنی یہ کہ میں نے وہی مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ چنانچہ آپ اسی فقرہ کے آگے فرماتے ہیں ۔

"میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں ۔ جو شخص یہ الزام میرے پر لگادے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے ۔ جب کہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے ۔ کہ میں مثیل مسیح ہوں ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور دوسرے کئی امور میں جن کی تصریح انہیں رسالوں میں کرچکا ہوں ۔ میری زندگی کو مسیح ابن مریم کی زندگی سے اشد مناسبت ہے ۔ اور میں وہی مثیل مسیح موعود ہوں جس کے آنے کی خبر روحانی طور پر قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں پہلے سے وارد ہوچکی ہے" (ازالہ صفحہ ۷۹)

مثیل مسیح اور مسیح موعود

البتہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اور بھی بہت سے مثیل مسیح ہوں گے لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے تصریح فرمادی ہے کہ جو مثیل مسیح ہوں گے وہ مسیح موعود نہیں ہوں گے بلکہ مسیح موعود ایک ہی ہے ۔ ہاں وہ موعود ہیں اس لحاظ سے کہ وہ مسیح موعود کے کام کی تکمیل کرنے والے ہوں گے ۔ وہ بھی موعود میں داخل ہوسکتے ہیں ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۔

"لیکن اگر کسی کے دل میں یہ خلجان پیدا ہو کہ بعض احادیث کی اس آنے والے مسیح کی حالت سے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی جیسی مسلم کی دمشقی حدیث نواس تو اس کا یہی جواب ہے کہ درحقیقت یہ سب استعارات ہیں ۔ اور مکاشفات میں استعارات غالب ہوتے ہیں ۔ بیان کچھ کیا جاتا ہے اور مراد اس سے کچھ لیا جاتا ہے ۔ سو یہ ایک بڑا دھوکہ اور غلطی ہے ۔ جو ان کو ظاہری طور مطابق کرنے کے لیے کوشش کی جائے ۔ اور یا اس تردد اور فکر اور حیرت میں اپنے تئیں ڈال دیا جائے ۔ کہ کیوں یہ نشانیاں ظاہر طور پر مطابق نہیں آتیں ۔ لیکن یہ صحیح نہیں ۔ کہ ان حدیثوں کی تشریح کے وقت فریق مخالف کو بھی اکثر مقامات میں تاویلوں کی حاجت پڑی ہے اور بڑے تکلف کے ساتھ تاویلیں کی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر بعد اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ظاہر پر بھی ان بعض مختلف حدیثوں کو جو ہنوز ہماری حالت موجودہ سے مطابقت نہیں رکھتیں محمول کیا جائے تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ۔ کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان پیش گوئیوں کو اس عاجز کے ایک ایسے کامل شیخ

کے ذریعہ کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو منجانب اللہ مثیل مسیح کا مرتبہ رکھتا ہو۔ اور ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعہ سے بعض خدمات کا پورا ہونا درحقیقت ایسا ہی ہے کہ گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ بالخصوص جب بعض متبعین فنافی الشیخ کی حالت اختیار کر کے ہمارا ہی روپ لے لیں۔ اور خدا تعالیٰ کا فضل انہیں وہ رتبہ ظلی طور پر بخش دیوے۔ جو ہمیں بخشا تو اس صورت میں بلاشبہ ان کا ساختہ پرداختہ ہمارا ساختہ پرداختہ ہے۔ کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے۔ وہ ہم سے جدا نہیں۔ اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں سے ہو کر پورا کرتا ہے۔ وہ درحقیقت ہمارے وجود میں داخل ہے۔ اس لیے وہ جزو اور شاخ ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کی پیش گوئی میں بھی شریک ہے۔ کیونکہ وہ کوئی جدا شخص نہیں۔ پس اگر ظلی طور پر وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مثیل مسیح کا نام پائے اور موعود میں بھی داخل ہو تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ گو مسیح موعود ایک ہی ہے۔ مگر اس ایک میں ہو کر سب موعود ہی ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی مقصد موعود کے روحانی یگانگت کی راہ سے متمم و مکمل ہیں۔ اور ان کو ان کے پھلوں سے شناخت کرو گے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں کبھی تو بلاواسطہ اور کبھی بالواسطہ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔" ازالہ صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴۔

پس جو دعویٰ مسیح موعود ہونے کا آپ نے تحفہ گولڑویہ میں کیا ہے وہی ازالہ اوہام میں بھی موجود ہے۔

(۲)

ازالہ اوہام میں تو یہ لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں آ گئے اور ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا کفر ہے۔

جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہیں یہ نہیں لکھا کہ وہ اس معنی کے لحاظ سے امتی ہیں۔ جن معنی کے رو سے آپ نے ضمیمہ براہین پنجم میں حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا کفر لکھا ہے بلکہ ازالہ اوہام میں بھی آپ نے بالتصریح بیان فرما دیا ہے کہ وہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"لیکن افسوس کہ مولوی صاحب مرحوم کو یہ سمجھ نہ آیا کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے۔ اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے بکلی ممتنع ہے۔" ازالہ ص ۲۳۵

پس جس خیال کا اظہار آپ نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں کیا ہے وہی ازالہ اوہام سے ثابت ہے۔

(۳)

ازالہ اوہام میں مرزا صاحب نے کہا ہے کہ وہ ابن مریم جو آنے والا ہے۔ نبی نہیں ہوگا۔ لیکن حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے "جس آنے والے مسیح کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی ہوگا۔"

جواب :

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ جیسے حقیقت الوحی میں آپ نے آنے والے مسیح کا نشان اس کا نبی ہونا قرار دیا ہے۔ ایسے ہی ازالہ اوہام میں آپ نے فرمایا۔

"ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے۔ اس کی علامت یہ لکھی ہے۔ کہ وہ نبی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پانے والا۔ لیکن اس جگہ نبوت تامہ کاملہ مراد نہیں کیونکہ نبوت تامہ کاملہ پر مہر لگ چکی ہے بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے۔ جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتی ہے۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے" ازالہ اوہام صـ۲۸۵

اور فرماتے ہیں۔

"اور مسلم میں اس بارہ میں حدیث بھی ہے کہ مسیح نبی اللہ ہونے کی حالت میں آئے گا۔ اب اگر مثالی طور پر مسیح یا ابن مریم کے لفظ سے کوئی امتی شخص مراد ہو جو محدثیت کا مرتبہ رکھتا ہو تو کوئی بھی خرابی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ محدث من وجہ نبی ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسا نبی ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی طرف سے براہ راست نہیں بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے۔" ازالہ اوہام صـ۲۴۲

(۴)

ازالہ اوہام میں مرزا صاحب لکھتے ہیں نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے اور بدر ۵ مارچ میں لکھتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں

جواب :

بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء میں جو یہ لکھا ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ تو ساتھ ہی نبی کی تشریح بھی کر دی ہے کہ "ہم نبی ہیں۔ ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں۔ جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے۔ ایسے دعویٰ کو ہم کفر سمجھتے ہیں۔"

اور ازالہ اوہام میں جو آپ نے فرمایا کہ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے تو اس میں نبوت سے مراد نبوت مستقلہ ہے۔ اور جس قسم کی نبوت کے دعویٰ کا اظہار بدر میں کیا ہے۔ اس سے آپ نے کبھی انکار نہیں کیا۔ پھر جیسے

ازالہ کے حوالوں سے اوپر ثابت کیا جا چکا ہے نیز ایک غلطی کے ازالہ میں آپ نے بالتصریح ذکر فرما دیا ہے کہ آپ نے جہاں کہیں نبوت سے انکار کیا ہے تو اس سے مراد نبوت مستقل اور شریعت والی نبوت ہے۔ البتہ ۱۹۰۱ء سے پہلی کی تحاریر میں آپ نے اس قسم کی نبوت کو محدثیت سے بھی تعبیر کیا ہے۔ لیکن جب کثرت سے خدا تعالیٰ کے الہامات میں نبی اور رسول کا لفظ آپ کے حق میں استعمال ہوا اور آپ پر یہ حقیقت کھلی کہ اس قسم کی نبوت رسالت پر بھی نبی اور رسول کا اطلاق کرنا درست ہے اور یہ کہ نبی اور رسول کا نام پانے کے لیے ضروری نہیں کہ شریعت لائے یا شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرے جیسا کہ عام مسلمانوں کا خیال ہے۔ تو اس وقت آپ نے نبی اور رسول کے الفاظ کو بتاویل محدث لینے کی بجائے اپنے حق میں نبی اور رسول کا استعمال شروع کر دیا۔ پس آپ کا ایک جگہ نبی ہونے سے انکار کرنا اور دوسری جگہ نبی ہونے کا اقرار کرنا مختلف معانی کے لحاظ سے ہے اور اگر معانی اور نسبتوں کے لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر قرآن مجید اور احادیث میں بھی بکثرت اختلاف پیدا ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ مختار ردعیہ کی طرح عیسائیوں نے بھی مختار ردعیہ کے اصول کے مطابق قرآن مجید میں اختلافات اور تعارضات نکالے ہیں۔ میں ان آیات اور احادیث میں سے جنہیں عیسائیوں نے مختار ردعیہ کی طرز پر آپس میں متعارض قرار دیا ہے۔ چند بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان امھاتھم الا الّٰئی ولدنھم وانھم لیقولون منکراً من القول وزورا (مجادلہ) یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ کر پکارتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اور برا قول کہتے ہیں۔ ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں۔ جنہوں نے انہیں جنا ہے۔
لیکن سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وازواجہٗ امھاتھم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔
ایک جگہ تو کہا کہ کسی کی ماں صرف وہی ہوتی ہے جو اسے جنے۔ لیکن سورہ احزاب میں نبی کی بیویوں کو جنہوں نے مومنوں کو جنا نہیں ان کی ماں قرار دیا۔

۲۔ سورہ نجم میں فرمایا ماضل صاحبکم وما غوٰی۔ کہ آنحضرت صلعم گمراہ نہیں ہوئے لیکن سورہ والضحیٰ میں فرمایا۔ وجدك ضالاً فھدیٰ کہ تجھے گمراہ پایا تو ہدایت دی۔

۳۔ سورہ طٰہٰ میں فرمایا۔ ونحشرہٗ یوم القیامۃ اعمیٰ کہ ہم اس شخص کو جو خدا کے ذکر سے اعراض کرے گا قیامت کے روز اندھا اٹھائیں گے اور سورہ قٓ میں فرمایا فبصرك الیوم حدید اس دن نظریں تیز ہوں گی۔ اور ہر ایک چیز کی حقیقت کا وہ بچشم خود مشاہدہ کریں گے۔

۴۔ یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسھا۔ یعنی جس دن ہر نفس اپنے نفس سے دفاع کے لیے جھگڑے گی اور دوسری جگہ فرمایا ھذا یوم لا ینطقون ولا یؤذن لھم فیعتذرون۔ یعنی یہ وہ دن ہوگا

جس میں نہ وہ بولیں گے اور نہ انہیں عذر خواہی کی اجازت ہی دی جاوے گی۔

۵۔ اسی طرح ایک جگہ فرمایا۔ فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون۔ یعنی وہ اس دن ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور دوسری جگہ فرمایا واقبل بعضھم علی بعض یتساءلون۔ یعنی وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

۶۔ اسی طرح ایک مقام پر فرمایا۔ وقفوھم انھم مسؤلون۔ کہ انہیں ٹھہراؤ۔ ان سے پوچھا جائے گا اور دوسری جگہ فرمایا۔ فیومئذٍ لا یسئال عن ذنبہ انس ولا جآن۔ یعنی اس دن جن وانس سے اپنے گناہوں کے بارہ میں پوچھا ہی نہیں جائے گا۔

رہا مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے دعویٰ میں لوگوں کی برداشت مدنظر رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے۔ سو یہ بھی کوئی نیا اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ پہلے انبیاء پر بھی کیا گیا ہے۔ عیسائیوں کی کتاب میں بھی سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہی اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یک دفعہ انبیاء پر تمام امور کی حقیقت کیوں نہیں کھول دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا انبیاء کی بعثت سے لوگوں پر اتمام حجت کرنا ہوتا ہے تا وہ لوگ جن میں رشد و ہدایت پائی جاتی ہے۔ اس نبی کو قبول کرکے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے وارث ہوں اور دوسرے لوگ اتمام حجت ہوکر خدا کے عذاب اور سزاؤں کے مورد بنیں اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے مامور جو نہایت رحیم وکریم ہوتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ لوگ ہلاک ہوں اس لیے جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ الہام صراحت کے ساتھ ان پر کسی چیز کی حقیقت نہ کھول دی جائے۔ وہ اسی پر قائم رہتے ہیں۔ جو لوگوں کے خیالات کے قریب ہوتا وہ جلدی میں آکر انکار نہ کر بیٹھیں۔ لیکن دنیا دار لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کا مکر ہوتا ہے اور ایسے لوگ اگر خود لوگوں کو سمجھانے کے لیے ایسا طریق اختیار کریں تو وہ اسے حکمت قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ بندوں پر رحم کرنے کے لیے اپنے مامور پر آہستہ آہستہ حقائق ظاہر کرے تو وہ اسے مکر اور فریب سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ سب سے حکیم ہے۔ پھر کیونکر وہ حکمت کو اختیار نہ کرے اور چونکہ انبیاء کو اپنی بڑائی کا کچھ خیال نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ ان خطابات کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں ملتے ہیں۔ اپنے لیے استعمال کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ہر پہلو پر غور کرتے ہیں اور ابتدا میں ڈرتے ہی ہیں۔ کہ مبادا یہ آپ کے متعلق کا ہی دھوکہ ہو۔ اور اگر ان کی ایسی تاویل ہو سکتی ہو۔ جو لوگوں کے خیالات کے اقرب ہو تو وہ اس کی تاویل کر لیتے ہیں۔ اور اسی پر قائم رہتے ہیں۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ اس کثرت الہام کے ذریعہ سے یہ واضح نہیں کر دیتا۔ کہ اس کی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب یہ وضاحت وصراحت ہو جائے تو پھر کوئی پروا نہیں

کرنے اور بلا خوف لومتہ لائم وہ خطابات بھی نئے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ تدریجی دعویٰ کی مثال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں بھی ہمیں ملتی ہے ۔

سب سے پہلے جب آپ پر غار حرا میں فرشتہ کا ظہور ہوا اور اس نے آپ کو خوب بھینچا اور تین بار پڑھنے کے لیے کہا اور اقرا باسم ربك الذی خلق کی وحی آپ پر نازل ہوئی تو آپ کانپتے ہوئے دل کے ساتھ خدیجہ رض کے پاس آئے اور کپڑا اوڑھانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اور جب کچھ تسلی ہوئی تو فرمایا کہ ولقد خشیت علی نفسی (بخاری جلد ا صہ۳) یعنی میں ڈرا مبادا میرے نفس کا ہی یہ دھوکا ہو۔ یا اپنی جان کا صرف ہو ۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔

جس نے اپنا حال سنکر بتایا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر اترا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کے پاس فرشتہ آتا ہے۔ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے آپ کو اس معاملہ کی حقیقت ورقہ بن نوفل سے معلوم ہوتی ہے۔ اور ولقد خشیت علی نفسی کے معنے امام ملا علی قاری نے یہ کئے ہیں کہ میں ڈرا کہ مجھے جنون نہ ہو جائے یا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ پھر اس کے بعد کچھ دیر کے لیے وحی کا آنا بند ہو گیا تو آپ کی جو حالت ہوئی وہ امام بخاری کے نزدیک مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

وزاد البخاری حتی قرن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما بلغنا حزناً غدا منه مراراً الی من رؤس شواهق الجبل فکلما اوفی بذروة جبل لکی یلقی نفسه منه تبدی له جبریل فقال یا محمد انك رسول اللہ حقاً فیسکن لذلك جاشه وتقر نفسه (مشکوٰۃ صہ ۵۲۲)

یعنی وحی کے بند ہونے کے بعد آپ ایسے سخت غمگین ہوئے کہ آپ نے بارہا پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر سے گرنے کی خواہش کی۔ پس جب کبھی کسی پہاڑ کی بلند چوٹی پر چڑھتے کہ اپنے آپ کو گرا دیں تو حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہو کر آپ سے کہتے کہ اے محمد تو درحقیقت خدا کا رسول ہے۔ تو اس سے آپ کو تسکین حاصل ہوتی تھی۔ سو جبریل علیہ السلام کا بار بار ظاہر ہو کر آپ سے یہ کہنا کہ تو سچ مچ خدا کا رسول ہے۔ بتاتا ہے کہ ابتدا میں خدا تعالیٰ کے مامورین کو اپنے دعویٰ کی شناخت میں کیسی مشکلات ہوتی ہیں۔ پس وہ اس وقت تک اس کو ظاہر نہیں کرتے جب تک کہ بارش کی طرح وحی کے ذریعہ انہیں اس کی صحت کا علم نہیں دیا جاتا دیکھنا چاہیے کہ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے کس حکمت سے آہستہ آہستہ آپ کو تبلیغ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ پہلے آپ پوشیدہ طور پر تین سال تک اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین کا ارشاد فرمایا تو آپ نے علانیہ طور پر اپنی دعوت کا اظہار کیا۔

(زاد المعاد جلد اوّل صنہ۲۰) آپ کی ترتیب دعوت کا ذکر امام ابن قیم نے اس طرح کیا ہے
"پہلے تو آپ کو یہ حکم ہوا اقرأ باسم ربك الذی خلق وذلك اول نبوة یہ آپ کی نبوت کی ابتدا ہے اس وقت آپ کو اپنے آپ پڑھنے ہی کا حکم دیا گیا۔ تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر آپ پر آیات یا ایہا المدثر قم فانذر نازل ہوئیں۔ اس میں آپ کو دوسروں کے ڈرانے کا بھی حکم دیا گیا۔ ثم امران ینذر عشیرته الاقربین پھر آپ کو اپنے قریبی خاندان والوں کے ڈرانے کا حکم دیا گیا (جیساکہ آیت وانذر عشیرتك الاقربین سے ظاہر ہے) ثم انذر قومه ثم انذر من حولهم من العرب ثم انذر العرب قاطبة ثم انذر العالمین پھر آپ نے اپنی قوم کو ڈرایا پھر اس کو جو اس کے اردگرد عرب میں رہتے تھے پھر تمام عربوں کو (جیساکہ آیت لتنذر قوماً ما اتاهم من نذیر من قبلك سے ظاہر ہے) پھر اس کے بعد تمام جہانوں کو (جیساکہ آیت لتکون للعالمین نذیرا میں ظاہر ہے) فاقام بضع عشرة سنة بعد نبوة بالدعوة بغیر قتال ولا جزیة ویؤمر بالکف والصبر والصفح ثم اذن له فی الهجرة واذن له فی القتال المشرکین حتی یکون الدین کله لله الی آخرہ"

(زاد المعاد جلد ا صـ۳۳۲)

پھر اپنی نبوت کے تیرہ سال بغیر قتال کے لوگوں کو اپنا دعویٰ سنا کر ڈراتے رہے اور آپ کو جنگ سے رکے رہنے اور صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا جاتا رہا۔ پھر آپ کو ہجرت کی اجازت ہوئی اور اس کے بعد قتال کی پھر آپ کو حکم ہوا کہ جو آپ سے لڑے اس سے قتال کیا جاوے اور جو نہ لڑے اس سے قتال نہ کیا جاوے

پھر آپ کو مشرکین سے قتال کرنے کا ارشاد ہوا یہاں تک کہ تمام دین اللہ کے لیے ہو۔ مذکورہ بالا ترتیب سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے تدریجی طور پر اپنے رسول سے اپنا دعویٰ لوگوں تک پہنچانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغ دعوت میں مذکورہ بالا طریق اختیار کرنے کی وجہ سے آپ پر عیسائیوں نے وہی اعتراض کیا ہے جو مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیا ہے۔

اسی طرح پہلے تو آپ نے اپنی نبوت اپنی ذات تک محدود رکھی پھر آپ نے کئی بار اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کی خواہش کی۔ یہاں تک کہ ہر بار حضرت جبرئیل نے آپ سے کہا کہ آپ واقعی خدا کے رسول ہیں (یعنی کسی تردد کی اس میں ضرورت نہیں) پھر جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا۔ آپ نے اپنے دعویٰ کی تبلیغ کی۔ مدینہ میں پہنچ کر جہاں یہود کثرت سے آباد تھے۔ فرمایا:

لا تخیرونی علی موسیٰ فان الناس یصعقون یوم القیامة فاکون اول من یفیق فاذا

موسیٰ باطش فجانب العرش (بخاری جلد ۴ ص۸۸)

کہ تم مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ کیونکہ لوگ قیامت کے روز جب بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے ایک پہلو کو پکڑے کھڑے ہوئے ہوں گے۔ لیکن اس کے بعد وہ وقت آیا کہ آپ نے خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ کیا اور فرمایا۔

والذی نفسی محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعوہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیاً وادرک نبوتی لا تبعنی (مشکوٰۃ ص۳۲) یعنی اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تمہارے لیے موسیٰ ظاہر ہوں اور تم اس کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو۔ تو تم سیدھے راستہ سے گمراہ ہو جاؤ۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پاتے تو ضرور میری پیروی کرتے ایک اور حدیث میں ہے۔

لو کان موسیٰ حیاً لما وسعہ الا اتباعی۔ کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ ایک وقت میں تو یہ فرمایا لا تفضلوا بین انبیاء اللہ (مشکوٰۃ ص۵۰۷) یعنی تم خدا کے نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو۔ لیکن پھر دوسرا زمانہ وہ آیا جب کہ آپ نے فرمایا

فضلت علی الانبیاء بست (مشکوٰۃ ص۵۱۲ بحوالہ مسلم) یعنی مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے اسی طرح ایک وہ زمانہ تھا کہ آپ نے علی الاعلان فرمایا۔ من قال انا خیر من یونس بن متی فقد کذب۔ (بخاری جلد ۳ ص۸۳) یعنی جو کہے کہ میں یونس بن متی سے اچھا ہوں تو اس نے جھوٹ کہا۔ لیکن آپ نے اپنے متعلق فرمایا۔

انا اکرم الاولین والاخرین علی اللہ ولا فخر (مشکوٰۃ ص۵۱۴ بحوالہ ترمذی و دارمی)

یعنی میں پہلوں اور پچھلوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اشرف اور مکرم ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔

نیز فرمایا:

(انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ تحت لوائی (مشکوٰۃ ص۵۱۳ بحوالہ ترمذی)

یعنی میں قیامت کے روز تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس میں فخر نہیں اور آدمؑ اور ان کے سوا جس قدر انبیا ہیں تمام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ نیز فرمایا۔

انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر وانا شافع ومشفع ولا فخر (مشکوٰۃ ص۵۱۴ بحوالہ دارمی)

یعنی میں بغیر کسی فخر کے رسولوں کا قائد ہوں۔ اور خاتم النبیین اور شافع ہوں اور ایسا شافع ہوں جس کی شفاعت قبول کی جاوے گی۔

حضرت مسیح موعود کا براہین احمدیہ میں آپ کو مثیل مسیح ہونے کا الہام ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ کو مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق اس وجہ سے کہ آپ پر وفات مسیح کی فضیلت منکشف نہ ہوئی تھی زندہ لکھ دیتا۔ اور اسی طرح باوجود دیگر الہامات میں آپ کے حق میں نبی ورسول کے الفاظ استعمال ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ نبی اور رسول کے معنے یہ سمجھے جاتے تھے کہ جو نئی شریعت لائے یا پہلی شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرے اور یہ تعریف آپ پر صادق نہ آئی تھی۔ اس لیے آپ کا لفظ نبی اور رسول بتاویل بمعنی محدث لینا جائے اعتراض نہیں ہے لیکن جب آپ پر اللہ تعالیٰ نے بار بار کے الہام سے یہ حقیقت منکشف کر دی کہ حضرت عیسیٰ وفات پاچکے ہیں۔ اور جب آپ نے یہ سمجھا کہ وہ جس پر کثرت امور غیبیہ کا اظہار ہو وہ بھی نبی ہوتا ہے۔ چاہے وہ نبی شریعت نہ لائے اور نہ ہی پہلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کرے اور نہ ہی وہ مستقل ہو بلکہ پہلے نبی کا پیرو ہو تو آپ نے وفات مسیح کا اعلان کر دیا اور لفظ نبی اور رسول کو بتاویل محدث لینے کی بجائے اپنے آپ کو امتی نبی اور رسول کہنا شروع کر دیا۔ کہ میں نبی ہوں یعنی خدا سے بکثرت غیب کی خبریں پانے والا اور رسول یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی آپ نے تصریح فرما دی کہ

> "ہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے اور ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم" (ایک غلطی کا ازالہ)

حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ

۹ر اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ اعتراض کیا ہے کہ آج تک یہ پتہ نہیں کہ مرزا صاحب کیا چیز لے کر آئے اور نہ مرزا صاحب کے صحابہ ہی ثابت کر سکے اور دعویٰ کی تعین نہیں۔ متعدد دعاوی کئے ہیں۔ مبلغ اسلام مجدد مصلح وغیرہ ذلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ اظہر من الشمس ہے۔ کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لیے مامور کئے گئے۔ باقی جس قدر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاب دیئے گئے ہیں۔ وہ اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ آپ مجدد تھے اور مصلح تھے اور ہر نبی مجدد اور مصلح ہوتا ہے۔ آپ مبلغ اسلام بھی ہیں جیسے کہ آنحضرت صلعم بھی مبلغ اسلام تھے۔ اور آپ کو ہی سب سے اول (یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک) تبلیغ کا حکم ہوا۔ آپ محدث بھی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کلام کی آپ نبی بھی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کثرت سے امور غیبیہ پر آپ کو اطلاع دی۔ آپ رسول بھی ہیں۔ ان معنوں میں کہ آپ خدا کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے۔ آپ ان پیش گوئیوں کے بھی مصداق ہیں جو انبیاء کی کتابوں اور احادیث میں پائی جاتی ہیں اور مسلمانوں کی اصلاح کے

لیے مبعوث ہونے کی وجہ سے آپ مہدی اور عیسائیوں کے لیے مسیح اور ہندوؤں کے لیے کرشن ہیں۔ پس آپ کو مختلف القاب اور اسماء دیئے جانے سے آپ کے دعاوی متعدد نہیں ہوگئے ورنہ اس طرح تو یہی اعتراض آنحضرت صلعم پر بھی آئے گا کہ آپ کے دعووں کا پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ آپ کے دعاوی متعدد ہیں۔ نبی۔ رسول۔ خاتم النبیین۔ ماحی۔ حاشر۔ عاقب وغیرہ۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ آپ کی کتب سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

گواہان مدعیہ کی شہادتیں

بوجوہات ذیل حضرت مسیح موعود و مہدی معہود اور آپ کی جماعت کے متعلق قابل قبول نہیں ہیں

وجہ اول:

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا ہے۔ اور گواہ مدعا علیہ نے اپنے بیان میں بحوالہ حجج الکرامہ صہ ۳۶۳ اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۵۵ جلد ۲ صہ ۱۰۷ یہ ثابت کر دیا ہے کہ مولوی لوگ جو تقلید اور اپنے بزرگوں کی اقتدا کے خوگر اور کفر کا فتویٰ دینے کے عادی ہونگے۔ مہدی موعود کو کافر اور گمراہ اور دین کو تباہ کرنے والا قرار دیں گے اور علماء ظواہر مسیح موعود کے باریک اجتہادات کا انکار کریں گے اور اپنی مخالف کتاب وسنت جان لیں گے۔ اور قرآن مجید بھی یہی شہادت دیتا ہے کہ جو نبی خدا کی طرف سے آتے ہیں مدعیان علم ان کی تکذیب کیا کرتے ہیں جیسا کہ آیت فلما جاءتهم رسلهم بالبينات فرحوا بما عندهم من العلم (المومن) سے ظاہر ہے اس لیے حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کے کفر اور اسلام کے متعلق مولویوں کی شہادت قرآن وحدیث کی رو سے قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ دوئم:

گواہان مدعیہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت سے اپنے حسد و بغض اور تعصب و عداوت کا اظہار کسی نہ کسی رنگ میں کر چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اگر گواہان کی شہادتوں کو دیکھا جائے تو اس میں احمدیوں اور ان کے امام کے خلاف جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے اور باوجودیکہ اس امر کا فیصلہ کہ آیا احمدی ہونا اسلام سے ارتداد ہے یا نہیں۔ عدالت کا حق تھا نہ کہ گواہوں کا گواہوں نے بار بار حضرت مسیح موعود اور احمدیوں کے حق میں کافر اور مرتد اور ملحد وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے ان کی جماعت احمدیہ اور مدعا علیہ سے عداوت و بغض بالکل واضح ہے اور ایسے شخص کی گواہی جس کی عداوت مدعا علیہ سے روز روشن کی طرح آشکار ہو چکی ہے کوئی عدالت چھوٹی ہو یا بڑی قبول نہیں کرتی۔ چنانچہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ ہدایہ مجددیہ صہ ۱۰۲ میں لکھا ہے۔

"ذکر فی المبسوط فی مذھب مالک انہ لا یجوز شھادۃ القاری یعنی العلماء لانھم اشد الناس تحاسدا وتباغضا"

یعنی مبسوط میں امام مالک کا یہ مذہب لکھا ہے کہ مخالف علماء کی شہادت قبول کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اوّل درجہ کے حاسد اور بغض رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے فاضل ججان مدراس ہائیکورٹ نے بھی مقدمہ بر عنوان

Narantahath Avullah VS Parahuhial Mammur and Others.

میں مولویوں کی شہادت کو احمدیوں کے خلاف اسی وجہ سے رد کیا ہے چنانچہ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

But we can not accept their opinion as settling the question, as argued for the accused, particulary as they are interested as orthodox Mohammadans in denouncing the members of the new sect as unbelievers. Indian Cases Vol. 71

اس لیے گواہان مدعیہ کی شہادتیں حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کے متعلق قابل قبول نہیں ہیں۔

وجہ دوم :

گواہان مدعیہ کے بیانات اصولی مسائل میں ایک دوسرے کے متناقض ہیں چنانچہ

۱۔ گواہ مدعیہ مـ۳ نے ۲۹ راگست کو بجواب جرح کہا "عیسیٰ کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں اس کے سوا جو وحی ہے وہ وحی نبوت نہیں ہے لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف گواہ مدعیہ مـ۴ نے ۳۱ راگست کو بجواب جرح کہا۔ وحی نبوت نہیں آئے گی نہ کسی نئے نبی پر نہ پرانے نبی پر۔

پس گواہ مدعیہ مـ۳ تو حضرت عیسیٰ پر وحی نبوت کے نزول کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن گواہ مدعیہ مـ۴ کہتا ہے کہ وحی نبوت پرانے نبی پر بھی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ گواہ مدعیہ مـ۱ نے بجواب جرح ۲۱ راگست کو یہ تسلیم کیا ہے۔ "مسیح علیہ السلام پر اگر کوئی جبرئیل علیہ السلام کے نازل ہونے کا قائل ہے تو اس کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ اور ہدیہ حجج الکرامہ کی عبارت" ظاہر است کہ آرندہ وحی سوئے" (یعنی مسیح علیہ السلام شمس) جبرئیل علیہ السلام باشد بلکہ بہ ہمیں یقین داریم و دران تردد نمی کنیم "کی تردید نہیں کرتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول جبرئیل کو جائز قرار دیتا ہے لیکن برخلاف اس کے گواہ مدعیہ مـ۴ نے ۳۱ راگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر رسول اللہ کے بعد اب کسی شخص پر نازل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت بھی ان پر جبرئیل نہیں آئیں گے۔"

۳۔ گواہ مدعیہ مـ۲ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے کہ کتب لغت میں سے کوئی حوالہ ایسا نہیں ملتا کہ جس سے قطعاً یقیناً یہ ثابت ہو کہ خاتم النبیین کے معنے آخر النبیین کے ہی ہوتے ہیں اور اس کے خلاف گواہ مدعیہ

م ۳ نے ۲۹ر اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔
"کہ لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ خاتم بفتح التار مہر کے معنوں میں بھی ہے۔"
پس گواہ م ۳ کے اس قول کے مطابق لغت کی رو سے برخلاف گواہ م ب نبیوں کی مہر کے معنی ہو سکتے ہیں۔

۴۔ گواہ مدعیہ م الف و گواہ مدعیہ م ب اپنے بیانوں میں لکھتے ہیں کہ وحی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ نبوت نہیں کیونکہ وحی لازمی چیز ہے لیکن اس کے برخلاف گواہ مدعیہ م ۲ نے بجواب جرح ۲۴ر اگست کو یہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلق وحی کے دعویٰ کو کفر نہیں کہا گیا۔ اور گواہ مدعیہ م ۳ نے ۲۹ر اگست کو بجواب جرح یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر وحی نبوت ہو گی اور اس کے سوا جو وحی ہے وہ وحی نبوت نہیں۔ پس گواہان مدعیہ م الف و ب تو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد وحی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ وحی لازمہ نبوت ہے لیکن گواہ مدعیہ م ۱ ۲۱ر اگست کو بجواب جرح بحوالہ فتوحات اور گواہ مدعیہ م ۲ اور گواہ مدعیہ م ۳ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی ہو سکتی ہے اور نیز گواہ م ۴ نے ۳۱ر اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر غیر تبلیغی وحی ہو گی۔

۵۔ گواہ مدعیہ م ۲ نے ۲۴ر اگست کو بجواب جرح کہا کہ حضرت عیسیٰ رسول الی بنی اسرائیل تھے اور ہیں نہ پہلے وہ ہماری طرف مبعوث ہوئے تھے اور نہ اب۔ اور جب آئیں گے تو وہ منصب نبوت پر نہ ہوں گے۔ لیکن برخلاف اس کے گواہ مدعیہ م ۴ نے ۳۱ر اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ جب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے اور ان کے نزول کے وقت جو شخص ان کو نہ مانے گا وہ مسلمان نہ ہو گا۔

۶۔ گواہ م ۱ نے ۱۲ر اگست کو بجواب جرح کہا کہ آیت دماعان بشر میں جو طرق وحی کے بیان کیے گئے ہیں وہ امت محمدیہ پر بند ہیں مگر گواہ م ۳ نے ۲۹ر اگست بجواب جرح یہ تسلیم کیا کہ ام موسیٰ اور مریم پر جو وحی ہوئی وہ قرآن کے بیان کردہ تین طرق میں داخل ہے اور گواہ م ۲ اور مختار مدعیہ کے نزدیک وہ وحی جو وحی نبوت نہ ہو وہ امت محمدیہ کے افراد کو ہو سکتی ہے جیسے کہ حضرت مریم اور ام موسیٰ کو ہوئی کیونکہ وہ نبی نہ تھیں اور وہ وحی گواہ م ۳ کے نزدیک آیت دماعان بشر میں مذکورہ طرق میں داخل ہے جو گواہ مدعیہ م ۱ کے قول کے بالکل مخالف ہے۔

گواہان مدعیہ کے بیانات میں ایسے تناقضات اور بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن انہیں پر اکتفا کرتے ہوئے میں ان تناقضات کی طرف بھی اشارہ کر دیتا ہوں۔ جو ہر گواہ کے اپنے بیان میں پائے گئے ہیں مثلاً گواہ مدعیہ م ۱ نے ۱۲ر اگست کو بجواب جرح حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر کے متعلق کہا کہ امت اس کے یہ معنی سمجھتی ہے کہ کفر کا سا فعل کیا۔ یعنی عمداً نماز کا تارک امت کے نزدیک کافر نہیں ہو گا۔ لیکن پھر اس کے بعد یہ اقرار کیا کہ بعض ائمہ برحق نے عمداً نماز کے تارک کو کافر قرار دے کر ان سے نکاح وغیرہ معاملات کو حرام قرار

دیا ہے۔ اور ان دونوں قولوں میں تخالف پایا جاتا ہے اور اسی طرح گواہ ۳ نے اپنے بیان مورخہ ۲۵ راگست کو کہا کہ مسخ نسخ بروز وغیرہ یہ پانچوں اصطلاحیں آسمانی دینوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ لیکن اس نے ۲۹ اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا کہ آیت کونوا قردۃ خاسئین کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ وہ مسخ ہو گئے تھے پس ان دونوں قسم کے تناقضات کی موجودگی میں گواہان مدعیہ کی شہادتیں قابل قبول نہیں ہیں۔

وجہ سوم:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتب کا سوائے ان عبارات کے جن پر انہوں نے اعتراض کیا ہے مطالعہ نہیں کیا۔

گواہان مدعیہ نے جیسا کہ شاہد مدعیہ ۳ نے ۲۹ راگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے۔

"کہ میں نے مرزا صاحب کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ جس قدر کہ مجھے حکم دینے کے لیے ضرورت ہوئی اس قدر میں نے مطالعہ کیا"

اور گواہ مدعیہ ۴ نے ۳۱ راگست کو بجواب جرح کہا میں نے تمام کتابیں مرزا صاحب کی مطالعہ نہیں کیں" اور مختار مدعیہ نے بھی ، راکتوبر کی بحث میں گواہان مدعیہ کے اس نقص کو چھپانے کے لیے یہ کہا کہ کسی کا کفر ثابت کرنے کے لیے اس کی دوسری کتابوں کا دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے دوسری کتابوں کے دیکھنے کا اعتراض گواہان مدعیہ پر نہیں ہو سکتا۔ لیکن گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۰ راگست کو بجواب جرح یہ اصل تسلیم کیا ہے۔

"کہ ایک مصنف کے قول کا ماقبل و مابعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کر لیا جائے۔ اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کر دینا عقیدہ ثابت کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اور اس طرح گواہ مدعیہ ۴ نے ۳۱ راگست کو بجواب جرح کہا "کہ متکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرح کلام پر حمل کیا جائے گا"

پس اس اصل کے مطابق کسی کا عقیدہ معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی دوسری کتابوں کو دیکھا جائے اور اس کے تمام اقوال کو یکجائی نظر سے دیکھ کر پھر اس پر حکم لگایا جائے۔ لیکن گواہان مدعیہ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے معترف ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا کما حقہ مطالعہ نہیں کیا۔ اس لیے ان کی شہادت حضرت مسیح موعودؑ کے کفر و اسلام کے متعلق کوئی وزن نہیں رکھتی اور رد کرنے کے لائق ہے

وجہ چہارم:

دربار معلی نے اپنے فیصلہ میں علماء اسلام کی آراء حاصل کرنے کے متعلق لکھا تھا۔ اور علماء اسلام کہلانے کے وہی مستحق ہو سکتے ہیں جنہیں مسلمانوں کے تمام فرقے عالم اسلام سمجھتے ہوں۔ مگر گواہان مدعیہ عالم اسلام تو کجا رہے علماء حرمین اور علماء ہند کے نزدیک مسلمان بھی نہیں ہیں۔ بلکہ مرتد اور خارج از دائرہ اسلام ہیں جیسا کہ پہلے

ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس لیے ان کی شہادتیں رد کرنے کے لائق ہیں۔

وجہ پنجم:

گواہان مدعیہ کے صریح کذب

چونکہ گواہان مدعیہ اپنے اکابر علماء و ائمہ کی تعلیم کے مطابق ایسے معاملات میں کذب صریح کو جائز خیال کرتے ہوئے اپنے بیانوں میں جا بجا کذب صریح کے مرتکب ہوئے ہیں اس لیے ان کی شہادت ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور ان کے صریح کذبات سے چند بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱)

پہلا کذب صریح

گواہ مدعیہ ماالف نے اپنے بیان میں یہ کذب صریح استعمال کیا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو خالق جانا اور حوالہ آئینہ کمالات اسلام کا دیا ہے۔ حالانکہ وہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ یہ واقعہ میں نے خواب میں دیکھا اور وہیں اس کی تعبیر بھی حضور نے بیان فرما دی ہے۔

(۲)

دوسرا کذب صریح

گواہ مدعیہ ماالف نے اپنے بیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف بحوالہ البشریٰ جلد ۲ صہ۹، یہ بھی منسوب کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان سے کہا۔

"جس طرح میں قدیم اور ازلی ہوں۔ اس طرح تیرے لیے میں نے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں اور تو بھی ازلی ہے۔"

اور یہ گواہ مذکور کا نہایت ہی صریح کذب ہے۔ کیونکہ عبارت البشریٰ میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

(۳)

تیسرا کذب صریح

گواہ مدعیہ مب نے اپنے بیان میں بحوالہ توضیح مرام صہ۳ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ذکر کیا ہے۔

کہ آپ ملائکہ کو مکاروں کی ارواح مانتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ عقیدہ نہیں ہے جیساکہ ملائکہ کی بحث میں ذکر آچکا ہے۔ پس گواہ مدعیہ ۲ کا آپ کی طرف یہ عقیدہ منسوب کرنا اس کا ایک کذب صریح ہے۔

(۴)

چوتھا کذب صریح

گواہ مدعیہ ۲ نے اپنے بیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بحوالہ توضیح مرام ص۵ یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے نجوم کی تاثیر سے ہو رہا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہ ہے کہ موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے جیساکہ بحث ملائکہ میں ذکر آچکا۔ پس گواہ مذکور کا یہ ایک جھوٹ ہے۔

(۵)

پانچواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۱ر اگست کو بجواب جرح یہ صریح جھوٹ بولا کہ مسیلمہ کذاب نبوت مستقلہ کا مدعی نہیں تھا۔ اس نے اسلامی شریعت کے خلاف کوئی شریعت قائم نہیں کی۔ قرآن شریف کے مقابلہ میں اس نے کوئی آیات قائم کی تھیں یا نہ مجھے علم نہیں وہ شریعت قرآن شریف کا متبع تھا یا نہ مجھے معلوم نہیں۔

حالانکہ نہایت قلیل علم رکھنے والا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے نماز و روزہ وغیرہ کو ترک اور شراب و زنا وغیرہ کو جائز کر دیا تھا۔ چنانچہ گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۹ر اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ مسیلمہ نے نبی کریم کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا اور حجج الکرامہ ص۳۳۴ میں جو واقعات (تحلیل خمر اور تنسیخ نماز و روزہ اور قرآن کے مقابلہ میں سورتیں بنانے کے) مسیلمہ کی طرف نسبت کئے گئے ہیں یہ وقوع میں آئے ہیں۔

(۶)

چھٹا کذب صریح

گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۱ر اگست کو بجواب جرح کہا "ہم احمد رضا خاں بریلوی کے فرقہ کو کافر نہیں کہتے۔ احمد رضا خان کو بھی ہم کافر نہیں کہتے اس کے اقوال کی تاویل کرتے ہیں"۔ حالانکہ یہ سراسر غلط اور قطعاً کذب صریح ہے

(۷)

ساتواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۱ نے ۱۲ اگست کو بجواب جرح حدیث من ترك الصلوة متعمداً فقد کفر یہ کہا کہ امت اس کے معنے یہ سمجھتی ہے کہ کفر کا سا فعل کیا۔ یعنی عمداً نماز کا تارک کافر نہیں ہو گا۔ لیکن جب اور زیادہ جرح کی گئی تو حق بات بیان کرنی پڑی کہ بعض ائمہ برحق نے عمداً نماز کے تارک کو کافر کہا ہے۔ اور اس اقرار سے اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ اس کا پہلا جواب کہ امت اس کے معنے یہ سمجھتی ہے کہ عمداً نماز کا تارک کافر نہیں ہو گا۔ جھوٹ تھا۔

(۸)

آٹھواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۲ نے ۲۴ اگست کو بجواب جرح کہا:

"مرزا صاحب نے اپنی کسی ایک کتاب میں وحی کو جمع نہیں کیا۔ اور نہ انہوں نے کسی خاص کتاب کو شریعت قرار دیا۔ لیکن ان کی جو وحی جس جس کتاب میں درج ہے وہ وحی شریعت جدیدہ ہے۔"

حالانکہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض تصانیف کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ کی وحی کو وحی شریعت جدیدہ قرار دینا ایک کذب صریح کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۹)

نواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۲ نے ۲۴ اگست کو بجواب جرح یہ صریح کذب استعمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے بعد قرآن کو آخر الکتب نہیں مانا اور اس قول کے صریح کذب ہونے میں حضرت مسیح موعودؑ کی کتب سے ذرا بھی مس رکھنے والے شخص کو بھی شک نہیں ہو سکتا۔

(۱۰)
دسواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۲ نے ۲۹ ؍ اگست کو بجواب جرح کہا۔

"مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص ۹۹ مکتوب ۵۱ میں جو کچھ لکھا ہے وہ کشفی ہے یا الہامی"

لیکن جو شخص اس مکتوب کی عبارت پڑھے گا اسے گواہ مدعیہ کو مذکورہ جواب دینے کی وجہ سے کاذب کہنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس مکتوب سے قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس بات کا وہم بھی نہیں گذرتا ہے کہ یہ کلام کشفی یا الہامی ہے۔ امام صاحب اس مکتوب کو ان الفاظ سے شروع کرتے۔

"اعلم ایہا الاخ الصدیق ان کلامہ سبحانہ وتعالیٰ مع البشر قد یکون شفاھا وذالک الافراد من الانبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات وقد یکون ذالک لبعض الکمل من متابعیہم بالتبعیۃ والوراثۃ ایضاً واذا کثر ھذا القسم من الکلام مع واحد منہم سمی محدثا کما کان امیر المومنین عمرؓ وھذا غیر الالہام وغیر الالقاء فی الروع وغیر الکلام الذی مع الملک انما یخاطب بھذا الکلام الانسان الکامل"

یعنی اے برادر صادق جان لے کہ خدا تعالیٰ کا انسان سے مکالمہ کبھی تو بالمشافہ ہوتا ہے اور وہ انبیاء کرام کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی ایسا کلام انبیاء علیہم السلام کے کامل فرمانبرداروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو انبیاء کی پیروی کی برکت سے بطریق وراثت ہوتا ہے۔ پس جب ایسے کلام بکثرت ان کاملوں میں سے کسی کے ساتھ ہو تو اس کا نام محدث ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ تھے اور یہ کلام الہام سے اور القاء فی الروع کے علاوہ ہوتا ہے۔ اور اس کلام سے بھی علاوہ ہوتا ہے جو فرشتہ کے ذریعہ ہو ایسے کلام سے صرف انسان کامل ہی مخاطب ہوتا ہے۔"

اب بتاؤ کیا اس مکتوب کی عبارت کو کشفی یا الہامی کہنا صریح کذب نہیں ہے؟

(۱۱)
گیارہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۳ نے ۱۸ ؍ اگست بجواب جرح مسلم الثبوت جلد ۲ ص ۱۹۵ کی عبارت "واما فی مستقبلات کا شراط الساعۃ وامور الاخرۃ فلا عند الحنفیۃ لان الغیب لا مدخل فیہ للاجتھاد" کا یہ مفہوم لکھوایا کہ:

"مسلم الثبوت کی مراد یہ ہے واقعہ پیش آگیا ہے اور اس کا حکم دینا ہے مجتہدین کو تو اتفاق اور اجماع کریں وہ حجت ہے اور آئندہ چیزیں جو ہیں۔ان میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔عقیدہ کافی ہے۔"

اور کہا کہ :

"نزول مسیح علامات قیامت میں سے ہے جو چیزیں اخبار مستقل سے تعلق رکھتی ہیں۔ان پر اجماع ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔"

گواہ مدعیہ کے ان دونوں قولوں کو ملحوظ رکھ کر جو مفہوم مسلم الثبوت کی مذکورہ بالا عبارت کا گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے وہ صریح کذب ہے۔کیونکہ اس عبارت کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہیں کہ جو باتیں آئندہ زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والی ہیں۔جیسے علامات قیامت (جن میں سے مسیح کا نزول بھی ہے) اور امور آخرت ان میں حنفیہ کے نزدیک کوئی اجماع نہیں ہو سکتا۔کیونکہ یہ باتیں غیب سے متعلق ہیں اجتہاد کو کوئی دخل نہیں۔

(۱۲)

بارہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۸ راگست کو بجواب جرح شرح فقہ اکبر ص۱۴۷ کی عبارت "ولو انکر احد خلافة الشیخین یکفر ...... لانہا ثبت بالاجماع" کا یہ مفہوم لکھوایا ہے :

"کہ روافض جو خلافت خلفائے ثلاثہ کے منکر ہیں اس بنا پر کہ وہ خلافت کے مستحق نہ تھے وہ کافر ہے۔"

اس کے ساتھ ہی گواہ نے یہ کہا تھا اور کہتے ہیں کہ وہ خلیفہ نبی نہیں ہوئے وہ کافر ہیں۔حالانکہ مفہوم بالکل غلط ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ گواہ ان الفاظ کا صحیح ترجمہ نہ کر سکتے تھے ضرور کر سکتے تھے۔لیکن وہ پہلے خلافت راشدہ کے متعلق کہہ چکے تھے کہ اس کا ماننا ضروریات دین سے نہیں ہے اور اس لیے شرح فقہ اکبر کے فتویٰ کے مطابق انہیں عام شیعوں کو کافر ماننا پڑتا تھا۔اس لیے اس نے اپنے استاد کے استاد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتویٰ پر عمل کر کے اور اس عبارت کا ایک ایسا مفہوم پیش کر دیا جس کے الفاظ متحمل نہ تھے اور صریح کذب کے مترادف تھا مطلب صرف اتنا تھا کہ جو شخص حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہوگا کیونکہ وہ صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے۔

(۱۳)

تیرہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۴ نے ۳۱ اگست کو بجواب جرح حدیث علماء ھم شر من تحت ادیم السماء کے مفہوم میں یہ لکھوایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کے وقت علماء یہود ان کے مخالف ہوں گے۔ احادیث کی کتابوں میں یہودیوں کا ذکر ہے۔ وہ مخالف ہوں گے نہ کہ رسول اللہ کی امت یہود بن جائے گی۔ اور یہ گواہ مدعیہ کا صریح جھوٹ ہے کیونکہ احادیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں ہے۔ حدیث علماء ھم میں علماء سے مراد مسلمانوں کے ہی علماء ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے اسلام کا ذکر ہے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کے بھی صرف حروف ونقوش باقی رہ جائیں گے۔ اور مسجدیں بہت ہوں گی مگر ہدایت سے خالی اور ان کے علماء بدترین مخلوق ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ مراد مسلمانوں کے مولوی ہیں۔ یہود کا اس حدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ اور اس طرح دوسری احادیث میں بھی صاف وارد ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل (مشکوٰۃ ص۳۰) کہ میری امت پر بھی وہ تمام حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے اور فرمایا کہ لیتبعن سنن من قبلکم الحدیث (بخاری جلد ۲ ص۱۰۱) کہ تم پہلے لوگوں کے طریقوں کی بالشت بالشت پیروی کروگے۔ صحابہ نے عرض کیا یہود اور نصاریٰ کی تو آپ نے فرمایا کہ اور کون یعنی یہود اور نصاریٰ کی پیروی کروگے اور تمام علماء اور ائمہ ان احادیث سے یہی مراد لیتے رہے ہیں کہ مسلمانوں کے علماء کی حالت بگڑ جائے گی چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی بھی فرماتے ہیں۔

"اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالب دنیا باشند" (الفوز الکبیر ص۱۳) گواہ مدعیہ ۴ نے کذب صریح کو استعمال میں لاکر احادیث کا ایسا مفہوم بیان کیا ہے جو بالکل ہی غلط ہے۔

(۱۴)

چودہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۴ نے ۳۱ اگست کو بجواب جرح یہ کہا کہ

"مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص۱۰۷ میں علماء ظواہر کے متعلق جو لکھا ہے وہ مکاشفہ ہے" اور یہ بالکل ایسا ہی کذب صریح ہے جیسا کہ نمبر ۱ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس میں بھی کوئی لفظ کشف یا الہام کا نہیں ہے۔

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے ۹ مارچ کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ خواجہ صاحب کے سامنے نبوت کا ذکر نہیں بلکہ صرف محدثیت کا آیا ہے غلط ہے۔گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"حضرت مرزا صاحب نے اپنے غیر تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ تو توضیح مرام میں بھی کیا ہے لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ پہلے آپ محدث کا بھی لفظ استعمال کرتے تھے لیکن بعد میں نبی کا لفظ استعمال کرتے رہے۔ اور اپنے الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ تھے۔اور جب وہ الہامات خواجہ صاحب کے سامنے پیش ہوئے خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ مرزا صاحب کے کمال پر دال ہیں۔

اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ حضرت مرزا صاحب نے خواجہ صاحب کی وفات کے بعد دعوے نبوت کیا ہے تو بھی یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ خواجہ صاحب آپ کے مصدق تھے کیونکہ آپ کی زندگی تک جو دعاوی حضرت مرزا صاحب کے آپ کے سامنے پیش ہوئے آپ نے ان کی تصدیق کی۔ سو اگر آپ مسیح موعود کے دعویٰ نبوت کرنے کے وقت بھی زندہ ہوتے تو آپ ضرور اس کی تصدیق کرتے۔جیسا کہ وہ صحابہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ ختم نبوت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔اور صرف دعویٰ نبوت کو ہی انہوں نے پایا تھا۔اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ ختم نبوت کے وقت بھی موجود ہوتے تو وہ اس کی تصدیق کرتے۔اور اس پر ایسا ہی ایمان لاتے جیسا کہ آپ کے دعوے نبوت پر ایمان لائے تھے۔لیکن یہ بات ہی سرے سے غلط ہے۔ کہ خواجہ صاحب کے پاس مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا ذکر نہیں آیا۔کیونکہ آپ کے الہامات میں جا بجا رسول اور نبی کے الفاظ موجود ہیں۔اور یہ الہامات خواجہ صاحب کی زندگی میں ہی حضرت مسیح موعود کی کتب میں شائع ہو چکے تھے۔ اور خواجہ صاحب کو ان سے اطلاع تھی۔

اعتراض

مولوی رکن الدین نے مولوی غلام احمد اختر کو اخویم لکھا ہے جس سے ان کی آپس میں دوستی کا اظہار ہوتا ہے۔

جواب

(۱) اگر اخویم کہنے سے دوستی کا اظہار ہوتا ہے تو خواجہ صاحب نے حضرت مسیح موعود کے حق میں جو القاب تحریر فرمائے ہیں۔ان سے لازماً ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود خواجہ صاحب کے نزدیک ایک برگزیدہ اور خدا رسیدہ انسان تھے۔

(۲) چونکہ وہ دونوں خواجہ صاحب کے مرید تھے۔اور دینی بھائی تھے اس لیے مولوی رکن الدین صاحب نے انہیں اخویم لکھا۔جس کے معنی میرے بھائی کے ہیں۔

(۳) دوستی اس لیے تھی کہ خواجہ صاحب کے نزدیک مولوی غلام احمد صاحب اختر کا ایک خاص مقام تھا چنانچہ اشارات فریدی جلد ۳ صفحہ ۱۷۳ میں لکھا ہے ۔

"در بعد ازآں برادرم مولوی غلام احمد اختر را فرمودند کہ تو ہم بنویس و بے نوشتن نشست و حضور انور از سر شفقت و عنایت فرمودند کہ ایں میان اوجھا ماست ازیں شب برادرم مولوی غلام احمد اختر پیشگاہ حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالے بلقب اوجھا سرفراز و ممتاز گردید ۔ باید دانست کہ اوجھا درلغت ہندی اہل ہنود معلم و استاد را گویند"۔

اعتراض

مولوی غلام احمد صاحب اختر کے سوا ان کے کسی مرید اور خلیفہ نے مرزا صاحب کو نہیں مانا۔

جواب

مولوی غلام احمد صاحب اختر کے سوا اور مریدوں نے بھی حضرت مسیح موعودؑ کو برحق مانا اور اگر یہ تسلیم بھی کیا جاوے ۔ کہ اختر کے سوا اور کسی نے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی تصدیق اور تائید نہیں کی ۔ تو کیا اس سے یہ لازم آجائے گا ۔ کہ خواجہ صاحب نے بھی آپ کی تصدیق نہیں کی تھی کیا یہود کے انبیاء اور اولیاء اس امر کی خبر دیتے نہیں آئے تھے کہ ایک نبی عرب میں مبعوث ہوگا ۔ پھر کیا یہود نے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کے کہ یہ وہی نبی ہے تسلیم کر لیا تھا ؟ نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ انبیاء نے آپ کی تصدیق کی ہے انکار کر دیا تھا ۔ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر یہود نے کہا خیرنا وابن خیرنا وافضلنا وابن افضلنا کہ وہ ہم میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اچھا اور اچھوں کی اولاد اور ہم میں سے صاحب فضیلت اور ہم سے افضل کی اولاد ہے لیکن جب انہوں نے اسلام کا اظہار کیا ۔ تو ان کی بات تسلیم کرنے کی بجائے ان کو یہودیوں میں سب سے برا قرار دیا ۔ اور خیرنا وابن خیرنا کی بجائے شرنا وابن شرنا کہنا شروع کر دیا۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ مصر)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لو آمن بی عشرۃ من الیھود لآمن بی الیھود ۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ مصر) یعنی اگر مجھ پر دس یہود بھی ایمان لے آتے تو پھر سب یہود مجھے مان لیتے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ دس یہود نے بھی آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی تھی ۔ پس خواجہ صاحب کے خلفاء کا حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کو صحیح تسلیم نہ کرنا یہ ثابت نہیں کرتا ۔ کہ خواجہ صاحب نے بھی آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہ کی تھی ۔ اور اب جب کہ اس شہادت ثقہ کا چرچا ہوا ہے ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتے ہیں ۔ کہ حضرت خواجہ صاحب

کے ساتھ تعلق رکھنے والے اور آپ کی پیروی کے شائقوں میں سے بہت سے نیک لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی تصدیق کریں گے اور جماعت احمدیہ میں داخل ہو جاویں گے۔

اعتراض

خواجہ محمد بخش صاحب کے مولوی رکن الدین صاحب کو برادر دینی کہنے سے ان کی توثیق نہیں ہوتی۔

جواب

(۱) کوئی عقلمند انسان یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ اگر مولوی رکن الدین صاحب کے مولوی غلام احمد صاحب اختر کو اخویم کہنے سے درستی ثابت ہوتی ہے تو خواجہ محمد بخش صاحب کے مولوی رکن الدین کو برادر دینی کہنے سے بھی ضرور درستی ثابت ہوتی ہے۔ اور جو خواجہ صاحب اور ان کے خلفاء کا درست ہو اس کو لامحالہ ثقہ شخص ماننا پڑے گا۔

(۲) مولف مناقب فریدی جو حضرت خواجہ صاحب مغفور کے مرید اور خلفائے مقربین میں سے ہے یعنی مولوی احمد اختر صاحب انہوں نے مولوی رکن الدین صاحب کو مولانا سلمہ ربہ عزیز القدر مولانا کے القاب سے یاد کیا ہے۔

(سوانحعمری فرید ثانی صفحہ ۱۰)

(۳) اور لکھا ہے۔ پھر بارگاہ فریدی سے ۱۳۱۸ھ کو انہیں خرقہ خلافت عطا ہوا۔

(سوانحعمری فرید ثانی صفحہ ۲۸)

(۴) پھر مولانا رکن الدین صاحب کی کتاب کی توثیق مولوی احمد اختر صاحب کے قول سے بھی ہوتی ہے جو خواجہ صاحب کے خلفاء دین میں سے تھے۔ بلکہ وہی مثال خلافت تیار کرا کر بھجا کر حضور کے دستخط خاص سے مزین کرا کر خدمت خلیفہ صاحب میں سپرد کرتے تھے۔

(سوانحعمری فرید ثانی صفحہ ۳۰)

وہ لکھتے ہیں:۔

آپ کے ملفوظ شریف (یعنی خواجہ غلام فرید صاحب کے) مقابیس المجالس المسمی باشارات فریدی سے ظاہر ہے۔ جو عزیز القدر مولانا رکن الدین صاحب نے آٹھ برس حاضر رہ کر جمع کیا ہے۔

(سوانح عمری فرید ثانی صفحہ ۱۰)

اسی طرح خواجہ محمد بخش صاحب نے کتاب اشارات فریدی جلد سوم کے آخر میں جو تقریظ لکھی ہے اس میں یہ ظاہر کر کے کہ اشارات فریدی میرے والد ماجد خواجہ غلام فرید صاحب کے ملفوظات ہیں فرمایا ہے ور کہ آرا برادرم دینی مولانا رکن الدین پرہار سونگی سلمہ ربہ در مدت نہ سال ہمہ تن گوش گردیدہ جمع کردہ است یک نسخہ بود و ہمہ مریدان و معتقدان و جملہ طالبان طریقت و سالکان حقیقت بہر طرف پویان و جویان ایں خزینہ معارف بودند

پس بصرف زر کثیر با اہتمام خان صاحب والا شان محمد عبد العلیم خان صاحب بہادر سکنہ ریاست ٹونک طبع کنانیدم تا در اطراف واکناف عالم شائع گردد وہر کسے بمطالعہ آں نسخہ متبرکہ ہمت برگمارد و جواہر معارف بدست آرد فقط فقیر محمد بخش بقلم خود۔

ان کلمات سے ظاہر ہے۔ کہ مریدوں کے نہایت اصرار کے بعد یہ کتاب شائع کی گئی۔ خواجہ محمد بخش صاحب کی اجازت سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ پس یہ اشارات فریدی اور اس کے مولف کی توثیق کے متعلق اتنی بڑی شہادت ہے جس کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے کہ یہ تقریظ بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ خواجہ محمد بخش صاحب نے بغیر اپنے والد صاحب کے ملفوظات پڑھنے کی تقریظ لکھ دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے بغیر پڑھے ملفوظات مندرجہ اشارات فریدی اپنے والد صاحب کی طرف منسوب کر دیئے ہیں مختار مدعیہ نے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب پر تو یہ طعن کی تھی۔ کہ انہوں نے (حضرت اقدس) مرزا صاحب کی کتابیں مطالعہ کئے بغیر ان کی تصدیق کر دی ہے۔ اور ان کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ محمد بخش صاحب پر بھی یہ الزام لگا دیا۔ کہ انہوں نے بغیر اشارات فریدی پڑھنے کے اس پر تقریظ لکھ دی ہے۔ اور اس کو اپنے والد صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ قرار دے دیا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب جیسے بزرگ و برگزیدۂ خدا کے ملفوظات طبع کئے جاتے ہیں۔ مریدوں کی طرف سے بہت سا اصرار ہونے پر ان کے فرزند و خلیفہ خواجہ محمد بخش صاحب اس پر تقریظ لکھتے ہیں۔ اور چھپنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ٹونک کے ایک رئیس اعظم اس کی طباعت پر رقم صرف فرماتے ہیں۔ معتقدین خواجہ صاحب اس کو خریدتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ اور خواجہ محمد بخش صاحب کی تقریظ بھی دیکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی یہ نہیں کہتا۔ کہ یہ ملفوظات یا ان سے کوئی حصہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کا نہیں ہے۔

کیا یہ سمجھ میں آنے کی بات ہے۔ کہ اگر حضرت خواجہ صاحب کے مریدوں اور معتقدوں میں سے اشارات فریدی کے متعلق کسی کو ذرا سا بھی شبہ ہوتا کہ اس کا کوئی حصہ خواجہ صاحب کی طرف نہیں ہے تو وہ خاموش بیٹھا رہتا نہیں نہیں یہ بات کسی طرح سمجھ میں آنے کے لائق نہیں ہے۔ اور حضرت خواجہ صاحب کی یہ شہادت ایک ایسی شہادت ہے جو کسی کے چھپانے سے چھپ نہیں سکتی۔ اور نہ اس کو کوئی مشتبہ کر سکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس میں کچھ خلل ڈالنا یا غلط ثابت کرنا اب انسانی طاقتوں سے بالکل باہر کر دیا ہے شہادت دینے والے اس کو قلم بند کرنے والے۔ ان کی تصدیق کرنے والے اور طبع کرانے والے سب فوت ہو چکے ہیں۔ اور اب اس کے خلاف نہ کسی کا عذر قبول ہو سکتا ہے نہ کسی کی شہادت۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اور اب اس کو بدل دینے والا کوئی نہیں۔

پھر اسی کتاب یعنی جلد ۳ اشارات فریدی میں جس سے حضرت مسیح موعود ؑ کے مسلمان ہونے پر شہادت پیش

کی گئی ہے ۔ اس کے صفحہ ۱۸۷ میں لکھا ہے ۔ ’’ وایں جلد سوم از اول تا آخر بجناب اقدس حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالےٰ بقائہ سبق بہ سبق خواندہ ام وحضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بکمال عنایت وتوجہ سماع فرمودند وتصحیح واصلاح معہ تحقیق تام نمودہ اند ‘‘

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب نے یہ کتاب بغور سبقاً سبقاً سنی ہے اور اس کی بعض جگہ تصیح بھی فرمائی ہے ۔ پس اس میں جو ملفوظات ہیں وہ یقیناً خواجہ صاحب کے ملفوظات ہیں ۔ اسی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے ایک جگہ اشارات فریدی خواجہ صاحب کی طرف منسوب کی ہے ۔ اور دوسری جگہ اسی صفحہ پر اس سے قبل یہ لکھ کر تشریح کردی ہے کہ اشارات فریدی خواجہ غلام فرید صاحب کے ملفوظات ہیں ۔ لیکن گواہان مدعا علیہ نے اسے مولوی رکن الدین صاحب کی کتاب اس لیے قرار دیا کہ وہ اس کے مرتب اور جمع کنندہ تھے اس لیے حضرت مسیح موعودؑ اور گواہان مدعا علیہ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے خیال کیا ہے ۔ لیکن مختار مدعیہ کو جب اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو یہ کہہ دیا ۔ کہ گواہ مدعا علیہ ۱ نے بجواب جرح یہ کہا کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے اسے سبقاً سبقاً سنا اور اشارات خواجہ صاحب کے وصال کے بعد مرتب اور شائع ہوئی ۔ حالانکہ گواہ ۱ نے مکرر جرح کے جواب میں یہ بات صاف کردی تھی ۔ کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے نہیں سنی بلکہ خود حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے یہ سبقاً سبقاً سنی ہے ۔ اور خواجہ صاحب کی وفات کے ایک سال بعد یہ کتاب شائع ہوئی ۔

اور نیز مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ ۱ نے اپنے بیان میں یہ تسلیم کیا ہے کہ مرید کا قول مطلقاً پیر کے حق میں معتبر نہیں ۔ صحیح نہیں ہے کیونکہ گواہ مدعا علیہ ۱ کے اصل الفاظ یہ تھے ۔ کہ مرید کا بیان معتبر نہیں بلکہ اس کی حیثیت اور مرتبہ دیکھا جاوے گا اور مولوی رکن الدین جس کے متعلق یہاں بحث ہے وہ معمولی انسان نہیں بلکہ حضرت خواجہ صاحب کے خلفاء میں سے ہیں ۔

اعتراض

اس خط میں یہ نقل کیا گیا ہے ۔ کہ مرزا صاحب کی عربی کلام طاقت بشری سے خارج ہے پس یہ خواجہ صاحب کا قول نہیں ہو سکتا ۔

جواب

قول نہیں ہو سکتا کوئی دلیل نہیں ہے جب کہ شواہد یقینیہ اور دلائل قویہ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ قول حضرت خواجہ صاحب کا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ عربی کلام قرآن مجید کی طرح ہے ۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے ۔ کہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ اگر تائید الٰہی نہ ہوتی تو محض انسانی طاقت کا یہ کام نہیں تھا ۔ کہ اتنی

جلدی ایسا فصیح اور بلیغ اور پر از معارف عربی کلام لکھ سکے پس اس میں خواجہ صاحب نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ تائید الٰہی تھی ۔ اس لیے آپ کا عربی کلام طاقت بشری سے خارج تھا ۔

اعتراض

اس وقت بعض علماء نے تکفیر کی تھی ۔ کل نے نہیں کی تھی ۔

جواب

کل نے تو اب بھی نہیں کی ۔ بہت سے نیک اور راستباز علماء نے حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کی تصدیق کی ۔ اور خود دیوبند کے تعلیم یافتہ عالم جلیل و محدث کبیر حضرت سید مولوی سرور شاہ صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ اور مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی جو بانیٔ مدرسۃ العلوم دیوبند کے شاگرد تھے اور مولانا مولوی انوار حسین شاہ صاحب رئیس شاہ آباد وغیرہ علماء نے جو دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے شاگرد رشید غلام قاضی امیر حسین صاحب مرحوم جو کہ علم حدیث و فقہ میں عظیم الشان دسترس رکھتے تھے اور دیگر ایسے علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی اور سلسلہ میں داخل ہوئے اور نہایت عظیم الشان قربانیاں کیں ۔

۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۱ء کے بعد تکفیر کا نیا فتنہ کوئی نہیں اٹھا ۔ بلکہ سب سے زیادہ یہ فتنہ اوائل میں ہی اٹھا ۔ جب کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ۱۸۹۰ء میں ہندوستان کے تمام علماء کے پاس فتویٰ کفر حاصل کرنے کے لیے گئے لیکن ان سب سے فتویٰ حاصل نہیں کر سکے ۔ بعض ایسے علماء بھی تھے جنہوں نے فتویٰ نہیں دیا اور ایسے بھی تھے جنہوں نے فتویٰ دیا تو لیکن بعد کو اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے حضرت اقدس کے غلاموں میں داخل ہو گئے ۔

اگر مختار مدعیہ کا یہ قول درست ہے کہ خواجہ صاحب کی وفات سے پہلے تو بعض علماء نے تکفیر کی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد کل نے کی ۔ تو وہ دس ایسے مشہور علماء کے نام پیش کرے جنہوں نے ۱۸۹۹ء تک تو حضرت مسیح موعودؑ کو کافر نہیں کہا تھا ۔ لیکن بعد میں کافر کہا ہیں مختار مدعیہ کے اس وہم کو غلط اور باطل ثابت کرنے کے لیے بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو وجوہ گواہان مدعیہ نے تکفیر کی پیش کی ہیں وہ اس وقت بھی موجود تھیں ۔ چنانچہ نفخ صور اور قیامت کے انکار کے متعلق جو گواہان مدعیہ نے حوالے پیش کئے ہیں ۔ وہ شہادت القرآن اور ازالہ اوہام کے ہیں ۔ اور ازالہ اوہام ۱۸۹۱ء کی اور شہادت القرآن ۱۸۹۳ء کی ہے اور توہین انبیاء کے متعلق جو حوالے پیش کئے ہیں ۔ وہ زیادہ تر ضمیمہ انجام آتھم کے ہیں ۔ اور وہ ۱۸۹۷ء کی تصنیف ہے ۔ اور آپ کے دعویٰ مسیحیت اور مہدیت کی بنا بھی وحی پر ہے ۔

رہا نبوت کا مسئلہ تو اس کے لیے میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی شہادت پیش کرتا ہوں ۔ کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے دعویٰ نبوت کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "فتح اسلام میں تو اس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا ۔ توضیح مرام میں اپنے نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے ۔ اور علاوہ بریں بہت سے عقائد کفریہ کا اظہار کیا ۔ اور ازالہ اوہام میں ان سے دعویٰ مسیحیت اور نبوت کے ساتھ رسالت کا بھی دعویٰ کیا ہے" (فتویٰ علمائے پنجاب و ہندوستان بحق مرزا غلام احمد ساکن قادیان ۱۸۹۰ء ٹائیٹل پیج صفحہ ۲ اور اشاعۃ السنۃ نمبر ۱ جلد ۱۳ ۱۸۹۰ء کے صفحہ ۲۸ و ۲۹ میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت خلیفہ اول حکیم مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ سے اپنی گفتگو لکھی ہے جس میں بطور سوال و جواب لکھتے ہیں۔

خاکسار۔ نبوت ختم ہو چکی ہے یا نہیں

حکیم صاحب:۔ نبوت تشریعی ختم ہو چکی ہے ۔ کوئی شخص شرع جدید نہیں لا سکتا۔

خاکسار ۔ کوئی جدید نبی ہو سکتا ہے ۔ جو تشریع جدید نہ کرے ۔ شرع محمدی کے تابع ہو اور نبی کہلائے ۔ جیسے انبیاء بنی اسرائیل تورات کا اتباع کرتے تھے اور نبی کہلاتے تھے

حکیم صاحب :۔ کوئی بعید نہیں ۔ ہو۔

خاکسار آیت خاتم النبیین نبوت کو ختم کرتی ہے ۔ آپ نبی جدید کی تجویز پر کیا دلیل رکھتے ہیں۔

حکیم صاحب :۔ خاتم النبیین کی آیت تشریعی انبیاء کے ختم کی دلیل ہے ۔ نبی بلا تشریع کے وجود کی مانع نہیں ہے ۔

حضرت مسیح موعودؑ پہلے جس قسم کے دعویٰ نبوت سے انکار کرتے رہے تو وہ ایسے دعویٰ نبوت سے ہی انکار تھا ۔ جس کے متعلق آپ نے ایک غلطی کے ازالہ میں فرمایا ہے ۔ کہ

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے ۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں ۔ اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں ۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے ان کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے ۔ رسول اور نبی ہوں ۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے ۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار کیا ۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول پکارا ہے ۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ اور میرا یہ قول کہ "من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب" اس کے معنے صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحب شریعت نہیں ہوں ۔

یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود کے قول "ہر نبوت را بر و شد اختتام" سے مراد بھی یہی ہے ۔ کہ ہر قسم کی نبوت شرعی ہو یا غیر شرعی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہے چنانچہ ایک غلطی کا ازالہ کے صفحہ ۲ میں

آپ فرماتے ہیں۔

وہ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی یعنی فنا فی الرسول کی باقی ہے۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے۔ جو نبوت محمدی کی چادر ہے۔ اس لیے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں۔ بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے۔ اور نہ اپنے لیے بلکہ اسی کے جلال کے لیے۔ اس لیے اس کا نام آسمان پر محمد و احمد ہے اور یہی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس نظم میں جو خواجہ صاحب کے نام مرسلہ خط میں درج ہے۔ تحریر فرمائی ہے جس کا ایک مصرعہ ہر نبوت را بروشد اختتام مختار مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔

بسکہ من در عشق او ہستم نہاں	من ہمانم من ہمانم من ہماں
جان من از جان او یابد غذا	از گریبانم عیاں شد آں ذکا
احمد اندر جان احمد شد پدید	اسم من گردید اسم آں وحید

(اشارات فریدی صفحہ ۹۸ جلد ۳)

اور وہ اقوال جن کے متعلق مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں یہ کہا ہے۔ کہ وہ کفریات جو حقیقت الوحی سے میں نے پیش کی ہیں۔ اگر اس وقت موجود نہیں تو یہ شہادت صحیح ہے ان کے متعلق میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ اقوال جن کو مختار مدعیہ کفریات کہتا ہے آپ کی کتاب براہین احمدیہ اور اربعین اور ازالہ اوہام اور انجام آتھم وغیرہ میں تھے اور انجام آتھم میں مندرجہ الہامات کے متعلق خواجہ صاحب کی شہادت ہے۔ کہ وہ آپ کے کمال پر دال ہیں۔ حالانکہ ان میں وہ الہامات بھی ہیں۔ جنہیں مختار مدعیہ نے کفریات میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ چند ان میں سے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

انت منی بمنزلۃ لا یعلمون الخلق۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله۔ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله۔ سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلاً۔ انا اعطینک الکوثر۔ انا فتحنا لک فتحاً مبینا۔

پھر ان الہامات میں آپ کو داؤد۔ ابراہیم۔ مسیح ابن مریم علیہم السلام وغیرہ ناموں کے ساتھ بھی خطاب کیا گیا ہے۔

پس جب کہ وہ امور جو مختار مدعیہ کے نزدیک کفریات ہیں۔ خواجہ صاحب کے علم میں تھے اور آپ نے ان میں موجب تکفیر سمجھنے کی بجائے مرزا صاحب کے کمال کی دلیل ٹھہرائی۔ تو مختار مدعیہ کے مذکورہ بالا اعتراف کی

رو سے یہ ماننا چاہیئے کہ آپ کی یہ شہادت کہ حضرت مرزا صاحب پکے مسلمان صراط مستقیم پر قائم ہیں ۔ بالکل صحیح و درست ہے ۔

اعتراض

فوائد فریدیہ کے صفحہ ۲۹ و ۳۰ میں خواجہ صاحب نے فرقہ احمدیہ کو ناری فرقوں میں سے شمار کیا ہے ۔

جواب

حضرت خواجہ صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو ناری ہرگز نہیں کہا ۔ اور حضرت خواجہ صاحب کی مراد فرقہ احمدیہ سے "فوائد فریدیہ" میں جماعت احمدیہ ہرگز نہیں ہے ۔ اوّل اس لیے کہ فوائد فریدیہ ۱۲۸۴ھ کی تصنیف ہے ملاحظہ ہو فوائد فریدیہ صفحہ ۶۰ مرقومہ و مصنفہ ۱۲۸۴ھ ہجریہ ۔

اور ۱۲۸۴ھ میں حضرت مرزا صاحب کا کوئی دعویٰ نہ تھا ۔ اور نہ ہی آپ کو الہامات کا سلسلہ فوائد فریدیہ میں جس فرقہ احمدیہ کا ذکر ہے اس سے کسی طرح حضرت مسیح موعود کی جماعت مراد نہیں ہو سکتی ۔

دوم ۔

فوائد فریدیہ کے متعلق صفحہ ۳ میں لکھا ہے " وبعد از تالیف شریف درکتب خانہ عالیہ موجود بود" اور پھر کتب خانہ سے لے کر ۱۸۹۵ء میں چھاپی گئی ۔ اور حضرت مسیح موعود کے ماننے والوں کا نام فرقہ احمدیہ ۴ نومبر ۱۹۰۰ء کو تجویز کیا گیا ۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار مورخہ ۴ نومبر ۱۹۰۰ء ملحقہ تریاق القلوب میں فرماتے ہیں ۔

" اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لیے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لیے اور اپنی جماعت کے لیے پسند کرتے ہیں ۔ وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے ۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں ۔

اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لیے رکھا گیا ۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے ۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اور اسم محمد جلالی نام تھا ۔ اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا ۔ لیکن اسم احمد جمالی نام تھا ۔ جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے سو خدا نے ان دونوں ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی ۔ کہ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی ۔ اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمد کا

ظہور ہوا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیش گوئی کی گئی تھی۔ کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا۔ اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جاوے گا۔ پس اس وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جاوے۔ تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے کہ یہ فرقہ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلانے آیا ہے۔"

(۱) پس چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والوں کا نام فرقہ احمدیہ فوائد فریدیہ کی تالیف کے وقت تو کہاں اس کے سن طباعت کے بھی بعد کا ہے۔ اس لیے یہ کہنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ فوائد فریدیہ میں فرقہ احمدیہ سے جماعت احمدیہ مراد ہے۔

(۲) فوائد فریدیہ کی طباعت کے بعد کی شہادتیں جو اشارات فریدی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے دعویٰ کے متعلق درج ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عربی خط جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں ابتدا سے آپ کی تعظیم کرتا ہوں۔ اور یہ کہ آپ اللہ تعالےٰ کے فضل کے مورد ہیں۔ آپ میری حسن عاقبت کے لیے دعا فرما دیں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ کے صالح بندوں میں سے ہیں۔ اور یہ خط آپ نے رجب ۱۳۱۴ھ کو لکھا ہے۔ اور ضمیمہ انجام آتھم اور اشارات فریدی جزو سوم کے صفحہ ۴۱ میں درج ہے۔

(۲) ۲۸ رجب ۱۳۱۴ھ کو آپ نے فرمایا۔

"مرزا صاحب مردے نیک و صالح است در نزد من کتابے از ملہمات خود فرستادہ است کمال او زاں کتاب ظاہر است .... وے مرد صادق مفتری و کاذب نیست۔

(اشارات فریدی صفحہ ۴۳ جلد ۳)

(۳) ۲۵ شعبان ۱۳۱۴ھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے خواجہ صاحب کو ایک خط عربی میں ضمیمہ انجام آتھم جس میں خواجہ صاحب کا عربی خط درج ہے پونہچا اور وہ خط بجنسہ اشارات میں درج ہے۔

(اشارات فریدی صفحہ ۶۵ و ۶۶ جلد ۳)

(۴) ۲۹ شعبان ۱۳۱۴ھ کو بھی عشاء کے وقت حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق آپ کی مجلس میں گفتگو ہوئی۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"سخن در ذکر مرزا غلام احمد قادیانی و در بیان رد و قدح و ذم منکرین افتادہ بود۔ دانشمندے حاضر بود وے

صفت وثنا، مرزا صاحب کرد حضور خواجہ البقاء اللہ تعالےٰ ببقائہ بدرجہ غایت خوش ومسرور شدند بعد از آں فرمودند کہ ہمہ اوقات مرزا صاحب بعبادت خدا عزوجل میگذارانند...... وتمام کلام او مملو از معارف و حقائق وہدایت است واز عقائد اہل سنت وجماعت وضروریات دین ہرگز منکر نیست۔

بعد از آں فرمودند کہ مرزا صاحب بر مہدیت خود بسیار علامات بیان کردہ مگر از انیاں دو علامات کہ در کتاب خود درج ساختہ بیان نمودہ است برتر و بدرجہ غایت بر دعوئے مہدیت او گواہ اند۔

آگے وہ علامات لکھے ہیں جن میں سے ایک کسوف اور خسوف کی علامت تھی جو اپریل ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

پس مرزا صاحب برائے اتمام حجت خود در اطراف واکناف عالم اشتہارات باایں معنی ارسال کرد کہ ایں پیش گوئی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برائے ظہور مہدی موعود فرمودہ بودند اکنوں تمام شدہ است بر ہمہ واجب کہ مہدیت من اعتراف کنید واقرار نمائید پس مولویان ذنت طفلانہ سوال کردند کہ از حدیث شریف ایں معنی برمے آید کہ از اول شب رمضان خسوف قمر شود در نیمہ رمضان کسوف شمس گردد۔ مولویوں کے اس سوال کو طفلانہ قرار دے کہ پھر آپ نے حضرت مرزا صاحب نے جو اس حدیث کے صحیح معنے بتائے تھے ذکر کر کے فرمایا۔

بیشک معنی حدیث شریف ایں چنیں است کہ مرزا صاحب بیان کردہ چہ خسوف قمر ہمیشہ بتاریخ سیزدہم یا چہاردہم۔ یا پانزدہم ماہ واقع مے شود وکسوف شمس ہمیشہ در تاریخ بست وہفتم یا بست وہشتم یا بست ونہم ماہ بوقوع مے آید۔ پس خسوف قمر کہ بتاریخ ششم از ماہ اپریل ۱۸۹۴ء عیسوی واقع شدہ است قراں تاریخ سیزدہم کہ اول شب از شب ہائے خسوف است بوقوع آمدہ وکسوف درمیانہ روز از روز ہا کسوف شمس واقع گشتہ است" اشارات فریدی صفحہ ۶۹ تا ۷۲ جلد ۳ میں خواجہ غلام فرید صاحب کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کو اس حدیث کے مطابق مہدی موعود کو دعویٰ میں صادق اور راست باز جانتے تھے۔

(۵) ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ کو بھی حضرت مرزا صاحب کے بارہ میں ذکر آیا۔

سخن در حال مرزا صاحب قادیان، فتادہ بود وشخصے گفت کہ مرزا صاحب عزم کسر عقیدۂ تثلیث نصاریٰ داشتہ است وعلمائے زمان اوشان را مخالف شدہ۔ بروے حکم تکفیر دادہ ومقصد جدال دارند حضور خواجہ البقاء اللہ تعالیٰ ببقائہ۔ ونفعنا وایاکم بلقائہ فرمودند کہ حق غالب است طرف حق غالب است۔

(اشارات صفحہ ۷۵ جلد ۳)

حضرت خواجہ صاحب نے جب یہ فرمایا ہے کہ حق غالب یعنی حق غالب ہی کو ہوگا اس وقت حضرت

مسیح موعود کے ماننے والے نہایت ہی قلیل تعداد میں تھے ۔ ہندوستان کے چند ہی صوبوں میں پائے جاتے تھے ۔لیکن اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ایسی نصرت فرمائی کہ باوجود مولویوں کی پوری پوری کوشش اور سخت سے سخت مخالفت کے سارے ہندوستان میں احمدی پھیل گئے اور کوئی صوبہ یا ریاست خالی نہ رہی جہاں کچھ نہ کچھ احمدی موجود نہ ہوں اور پھر حدود ہندوستان سے گزر کر ممالک غیر میں بھی پہنچ گئے اور اب تقریباً دنیا کے تمام ممالک میں حضرت اقدس کے متبعین کی جماعتیں اور افراد پائے جاتے ہیں ۔

(۶) ۱۴ رمضان شریف ۱۳۱۷ھ کو خواجہ صاحب ظہر کے وقت مع دیگر احباب کے تشریف فرما تھے کہ اندریں اثنا ازطرف مرزا غلام احمد صاحب قادیانی یک خط معہ چند اوراق در مضامین فتح و اسلام جلسہ اعظم مذاہب لاہور بجناب اقدس حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالےٰ بقائہ وارد گردید اند کے ازاں خود بدولت ہم دیدند آنگاہ خواجہ صاحب مولوی غلام احمد را باز دادند فرمودند کہ بخواں وے اول مضامین فتح اسلام جلسہ را نحواند ند در وے عجیب اسرار از معانی قرآن شریف درج بودند کہ عقل حیران میشد وحضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالےٰ بکمال توجہ آنرا سماع نے فرمودند و سوئے حضرت قطب الموحدین صاحب صاحب زادہ صاحب ادام اللہ تعالیٰ بدوامہ نظر فیض اثر کردہ تبسم مے نمودند ۔گاہ گا بطرف آں دانشمند کہ نسبت بمرزا صاحب گونہ انکار داشت تیز تیز نظر فرمودہ نیز تبسم میکردند ۔گویا اشارہ مے نمودند کہ بشنو چگونہ کلامے ست پر تاثیر وچگونہ فصاحت و بلاغت است و از اسرار معانی قرآن شریف چہ قدر در سفتہ است" بعد ازاں فرمودند خط را بخواں پس مولوی صاحب آں خط را بخواند حضور بدرجہ غایت مسرور وخورسند شدند و بہ چہرہ مبارک حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالےٰ از حد زاید آثار بشاشت و مسرت نمایاں بودند آں خط بعینہ اینجا نقل کردہ شد و آں خط ایں ست ۔

اور یہ خط جس کے سننے سے خواجہ صاحب از حد مسرور ہوئے ۔اس میں آپ فرماتے ہیں ۔ "اے مخدوم مکرم ۔ایں سلسلہ سلسلہ خداست و بنائے است از دست قادرے کہ ہمیشہ کارہائے عجائب مے نماید۔ . . . . ومرا او در الہام خود آدم نام نہاد و گفت اردت ان استخلف فخلقت آدم چراکہ میدانست کہ من نیز مورد اعتراض اتجعل فیھا من یفسد فیھا خواہم گردید ۔پس ہر کہ مرا مے پذیرد فرشتہ است نہ انسان و ہر کہ مرا مے پیچد ابلیس است نہ آدمی ایں قول خدا گفتہ نہ من ۔

اور اس خط میں جو اشعار درج ہیں ان میں آپ فرماتے ہیں ۔

احمد اندر جان احمد شد پدید
اسم من گردید اسم آں وحید   صفحہ ۹۸

اور فرماتے ہیں ۔

بسکہ جانم شد نہاں در یارِ من — بوئے یار آمد ازیں گلزارِ من
نورِ حق داریم زیرِ چادرے — از گریبانم برآمد دلبرے
احمدِ آخر زماں نام من است — آخریں جامے ہمیں جامِ من است

(ملاحظہ ہو اشارات فریدی صفحہ ۹۱ تا ۱۰۴ صفحہ ۱۰۳)

ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ کو جب کہ آپ تشریف فرما تھے۔

درحافظ نگوں سکنہ حدود گڑھی اختیار خان بہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سقط و ناسزا گفتن آغاز کرد ہمیکہ چہرہ انور حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالے بیقائہ متغیر گردید و برآں حافظ بانگ زدند و زجر نمودے عرض کرد کہ قبلہ چوں حالات و صفات حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام و اوصاف مہدی موعود در مرزا صاحب یافتہ نمے شوند چگونہ اعتبار کنیم کہ اوست عیسٰی و مہدی۔

حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالے فرمودند ..... در حدیثے وارد شدہ است کہ عیسٰی و مہدی یکے است بعد ازآں فرمودند کہ شرط نیست کہ ہمہ علامات مہدی موافق خیال و فہم مردم کہ در دلہائے خود پنداشتہ اند ظاہر شوند بلکہ حافظا امر دیگر گون است اگر چنیں بودے کہ مردم خیال می کنند پس او را ہمہ خلق مہدی برحق دانستہ باو ایمان آوردے۔ چنانچہ پیغمبران کہ امت ہر نبی چند گروہ شدے بر بعضے کساں کہ حال آں پیغمبر مشتبہ مے شد و بر بعضے کساں ہرگز حال آں پیغمبر مکشوف نہ مے گشت ازیں سبب ہمیں گروہ انکار آوردہ مکافر شد اگر بر تمام امت پیغمبر حال آں پیغمبرے مکشوف شدے ہمہ مسلماناں بودندے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر شدند و مبعوث گردیدند۔ بعض علامات را مطابق پندار و فہم و وہم خود ہا نیافتند پس برآں کساں کہ امر آنحضرت مکشوف شد او شاں ایمان آوردند و برآں گروہ کہ مکشوف نشد انکار کردند ہم چنیں حال مہدی پس اگر مرزا صاحب مہدی باشد کدام امر مانع است۔

(اشارات فریدی صفحہ ۱۲۳ - ۱۲۴ جلد ۳)

کہنے کو تو جوکا جی چاہے کہہ سکتا ہے کسی کا منہ بند نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن کیا حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کے مذکورہ بالا ملفوظات مبارکہ کی موجودگی میں کسی عقل و انصاف سے حصہ رکھنے والے کو بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ فوائد فریدیہ میں آپ نے جماعت احمدیہ کو فرقہ ناریہ میں سے شمار کیا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے اور حقیقت مخفی نہیں کی جا سکتی کہ حضرت خواجہ صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود کے دعویٰ مہدویت و مسیحیت کی نہایت صراحت و وضاحت سے تصدیق و تائید کی ہے۔ اور مصدق ہونے کی حالت ہی میں آپ نے وفات پائی ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدس نے اپنی کتاب حقیقت الوحی صفحہ ۲۰۷ میں اس کا اظہار کیا ہے چنانچہ آپ

فرماتے ہیں ۔ مرزا صاحب ۔

اس بنا پر کتاب اشارات فریدی میں جو خواجہ صاحب موصوف کے ملفوظات ہیں ۔ جا بجا خواجہ صاحب موصوف میری تصدیق فرماتے ہیں ...... پس چونکہ خواجہ غلام فرید صاحب پیر صاحب العلم کی طرح پاک باطن تھے ۔ اس لیے خدا نے ان پر میری سچائی کی حقیقت کھول دی ..... ۔ اور خدا تعالے کے فضل سے آپ کا خاتمہ مصدق ہونے کی حالت میں ہوا چنانچہ وہ خطوط جو آپ نے میری طرف لکھے ان سے بھی ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر میری محبت ان کے دل میں ڈال دی تھی ۔

اور صفحہ ۲۱۹ میں فرماتے ہیں ۔ " غرض خواجہ غلام فرید صاحب کو خدا تعالے نے یہ نور باطن عطا کیا تھا کہ وہ ایک ہی نظر میں صادق اور کاذب میں فرق کر لیتے تھے ۔ خدا ان کو غریق رحمت کرے اور اپنے قرب میں جگہ دے ۔

پس ہز ہائی نس فرزدائے بہاولپور دام اقبالھم کے پیرو مرشد ۔ برگزیدہ خدائے وحید حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ و نور اللہ مرقدہ کی حضرت مسیح موعودؑ کے اسلام پر شہادت ایک ایسی قطعی و یقینی شہادت ہے جس کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں کیا جا سکتا ۔ مختار مدعیہ نے اس شہادت کی صحت و عدم صحت پر جو جرح کی ہے ۔ اس میں کبھی تو اس نے یہ کہا کہ مولوی رکن الدین ثقہ آدمی نہیں ۔ کبھی یہ کہا کہ مرزا صاحب نے اپنے آدمی بھیج کر جو چاہا خواجہ صاحب سے لکھوا لیا اور کبھی یہ کہا کہ چونکہ یہ شہادت خواجہ صاحب نے بغیر تحقیق کے دی اس لیے قابل قبول نہیں ۔ اور اس کا یہ تخالف اور اضطراب بھی اس کے بیان کی حقیقت کا آئینہ ہے ۔ اور اس سے اچھی طرح ثابت ہے کہ یہ شہادت ایسی صاف قوی موثق ہے ۔ جس کی تردید و تغلیط ہرگز ممکن نہیں ۔ پس اس شہادت کے موجود ہوتے ہوئے گواہان مدعیہ کی شہادتوں کی کوئی قیمت نہیں رہتی ۔ اور وہ اس قابل ہیں کہ انہیں رد کیا جاوے ۔ اور ہز ہائی نس نواب صاحب والیئے ریاست بہاولپور کے پیر کی اس شہادت کو قبول کیا جاوے جس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صراط مستقیم پر قائم اور پکا مومن اور مسلمان تسلیم کیا ہے ۔ پس جس کے مطابق ہز ہائی نس نواب صاحب کی محترمہ پھوپھی صاحبہ کی شادی ایک معزز مخلص احمدی سے ہوئی ۔

خلاصہ بحث

گواہان مدعیہ نے اپنے بیانوں میں اور مختار مدعیہ نے اپنی بحث میں کتب فقہ کے حوالے سے یہ امر تسلیم کیا ہے کہ اگر کسی مسلمان کے قول میں ننانوے وجوہ کفر کے اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو مفتی کو کفر کا فتویٰ دینے

سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ الاسلام یعلوا ولا یعلی۔

اور گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے اس امر کے متعلق شرح فقہ اکبر ملا علی قاری اور البحر الرائق جلد ۵ کا حوالہ دیا تھا لیکن ہیں اس کی اصل عبارت اور اس کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں تا عدالت کو اس کا مفہوم سمجھنے میں سہولت ہو۔

"وقد ذکروا ان المسئلة المتعلقة بالکفر اذا کان لها تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال الثانی۔

اور پھر لکھتے ہیں۔

وفی المسئلة المذکورة تصریح بانه یقبل من صاحبها التأویل خلافا لما ذکره بعضهم علی خلاف هذا القیل هذا کله اذا صدر عنه تعمدا"

(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۴۶)

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہوا۔ اور علماء نے ذکر کیا ہے۔ کہ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو۔ جو کفر سے متعلق ہے اور اس میں ننانوے احتمال کفر کے ہیں۔ اور ایک احتمال نفی کفر کا تو مفتی اور قاضی کو چاہیئے کہ وہ اس احتمال پر عمل کرے جس سے کفر کی نفی ہوتی ہو۔ اور اس مسئلہ مذکورہ میں اس امر کی بخلاف بعض لوگوں کے تصریح ہے۔ کہ ایسے کفریہ قول کے قائل کی تاویل قبول کی جائیگی۔

اور مختار مدعیہ نے الکنز بر کی بحث میں الرائق کے حوالہ سے کہا ہے۔

"کفر کا فتویٰ جب دیا جاتا ہے۔ جب اس پر اتفاق ہو۔ متفق علیہ ہو کلام میں کوئی تاویل نہ ہو"

اور مولف البحر الرائق نے لکھا ہے۔

"والذی تحرر انه لا یفتی بتکفیر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن اوکان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة۔

(البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۳۵)

یعنی کسی مسلمان کی تکفیر کا فتوی نہیں دیا جائیگا۔ جب کہ اس کلام کا محمل حسن نکل سکے یا اس کے کفر میں اختلاف ہو۔ اگرچہ کوئی ضعیف روایت ہی ہو۔

اور یہ ایک ایسا اصل ہے جسے خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے اپنے مخالفوں کے سامنے بطور حجت پیش کیا ہے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ ۲ جو مختار مدعیہ بھی ہے، لکھا ہے۔

"اگر کسی مسلم ولی کی طرف ایسا قول منسوب کیا جائے جو خلاف شرع ہو تو ہم پر لازم ہے کہ اس قول کی

نفی کریں۔ اور اگر وہ فعل یا قول معتبر ذریعہ سے ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی ایسی تاویل کرنی چاہیئے جو ان کی شان کے مناسب ہو۔ اور شرع شریف کے خلاف نہ ہو۔"

(سبیل السداد صفحہ ۵)

اور بحوالہ برکات الامداد صفحہ ۲۷ و ۲۸ گواہ مدعیہ نمبر ۲ اپنی کتاب تزکیۃ الخواطر کے صفحہ ۷ میں لکھتے ہیں۔

"علماء کرام فرماتے ہیں۔ کلمہ گو کے کلام میں ننانوے معنے کفر کے نکلیں اور ایک تاویل اسلام کی پیدا ہو۔ تو واجب ہے کہ اس تاویل کو اختیار کریں۔ اور اُسے مسلمان ٹھہرادیں اور یہ کہ حدیث میں آیا ہے۔ الاسلام یعلوا ولا یعلیٰ۔ اسلام غالب رہتا ہے۔ اور مغلوب نہیں کیا جاتا۔ رواہ الرایانی والدارقطنی والبیہقی وایضا والخلیل عن عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالےٰ تعالیٰ عنہ نہ کہ بلاوجہ محض منہ زوری سے صاف ظاہر واضح معلوم معروف معنی کا انکار کر کے اپنی طرف سے ایک ملعون مردود مصنوع مطرود احتمال گھڑے اور اپنے لیے علم غیب واطلاع حال قلب کا دعویٰ کر کے زبردستی وہی ناپاک مراد مسلمانوں کے سر باندھے۔

(بحوالہ برکات الامداد تزکیۃ الخواطر صفحہ ۷)

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بزرگ مسلمان ہونا دعویٰ سے پہلے مسلّم تھا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے ریویو براہین احمدیہ میں لکھا ہے۔

"مولف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے شریعت محمدیہ پر قائم اور پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔

(اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۲۸۴)

اور جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹ میں لکھتے ہیں۔

"اور اس (براہین احمدیہ) کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔"

اور گواہ مدعیہ نمبر ۲ نے بسوال عدالت ۲۴ اگست کو تسلیم کیا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۷ تقطیع خورد میں ہمارے مذہب کے عنوان کے ذیل میں جو عبارت لکھی تھی۔ وہ مسلمان ہونے کی حالت میں لکھی تھی۔ اس وقت تک مرزا صاحب مسلمان تھے۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مسلّم مسلمان تھے۔ تو ہر شخص کو آپ کے تمام اقوال کا اسی مذکورہ بالا اصل کی رد سے دیکھنا اور ایک مسلمان پر جو حسن ظنی کی شریعت اسلامیہ نے تعلیم دی ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونا اور

تکفیر کرنے سے محترز رہنا لازم ہے۔

گواہان مدعیہ نے جو وجوہ تکفیر پیش کی تھیں۔ انہیں سے ایک وجہ یہ تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا دعوٰے کیا گیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی بند ہے اور مختار مدعیہ نے اس کے متعلق ۱۱ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔ کہ گواہان مدعیہ نے چھ آیات اور ۲۵ احادیث انسداد وحی پر اور سات آیتیں اور ستر حدیثیں خاتم النبیین کی تفسیر میں اور اسی امر یعنی خاتم النبیین کے متعلق ابن جریر سے ۶۴ صحابہ کے اقوال پیش کئے ہیں۔ حالانکہ گواہان مدعیہ نے نہ تو پچیس حدیثیں انسداد وحی پر پیش کی ہیں۔ نہ اور چھ اور سات تیرہ آیتیں انسداد وحی اور خاتم النبیین کی تفسیر کے لیے اور نہ ابن جریر سے تفسیر خاتم النبیین میں چونسٹھ صحابہ کے اقوال پیش کئے۔ اور نہ ہی اس میں اس آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں ان اقوال کا نام و نشان ہے۔ چونکہ مختار مدعیہ کے بیان کردہ تعداد بالکل غلط ہے اس لیے میں ان کو نظر انداز کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ کہ گواہان مدعا علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی باقی رہنے کے سلسلہ میں سات آیات قرآن شریف سے یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیں کہ وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی بند ہے۔ اور دس آیات اور تین احادیث اور سات بڑے بڑے ائمہ کے اقوال پیش کئے تھے۔ اور اس کے خلاف جو باتیں گواہان مدعیہ نے بیان کیں۔ ان کا مفصل جواب دینے کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کے متعدد اقوال سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ آپ کو شریعت جدیدہ والی وحی کا دعوٰی نہیں ہے۔ بلکہ آپ کو جو مرتبہ ملا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں ملا ہے۔ اور گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۹ اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ عیسیٰ پر بنوت وحی آئے گی لیکن اس کے سوا جو ہو اس پر لفظ وحی کا اطلاق ہوگا۔ اور گواہان مدعیہ نے منجملہ وجوہ تکفیر کے ایک وجہ ختم نبوت کا انکار اور دعوٰی نبوت کرنا بیان کی تھی۔ جس کے جواب میں گواہان مدعا علیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے متعدد حوالجات بتائے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اقرار موجود ہے۔ پھر احادیث اور اقوال صحابہ اور سلف صالحین کے متعدد اقوال سے یہ ثابت کیا۔ کہ خاتم النبیین کے جو معنے حضرت مسیح موعود مانتے ہیں۔ وہ سلف صالحین کے معنے کے موافق ہیں اور مخالف نہیں ہیں پھر آپ نے خاتم النبیین کے سیاق وسباق کے لحاظ سے بحوالہ تفاسیر واحادیث اور لغت اور محاورات عرب کی رو سے یہ ثابت کیا کہ خاتم النبیین میں خاتم کے معنے مہر کے لینا مجازی نہیں بلکہ آخر کے معنے لینا مجازی ہے۔ اور پھر اقوال ائمہ سے یہ ثابت کیا کہ تاویل کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ اور جو آیات اور احادیث گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں پیش کی تھیں۔ ان کا مدلل جواب اقوال سلف صالحین سے دیا ہے کہ جو معنے انہوں نے کئے ہیں وہ ہمارے معنی کے مطابق ہیں اور مخالف نہیں۔ اور بحوالہ کتب اصول فقہ اجماع

کی حقیقت بتا کر یہ ثابت کیا ہے۔ کہ صحابہ رضؓ کا خاتم النبیین کے ان معنی پر کہ آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ قطعاً اجماع نہیں ہے۔ اور بحوالہ کتب تواریخ بتایا۔ کہ مسیلمہ کذاب وغیرہ سے قتال کی اصل وجہ نبوت کا دعویٰ نہ تھی۔ اور جن مدعیان نبوت کو گواہانِ مدعیہ نے پیش کیا تھا۔ ان کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے تاریخ اور کتب علماء سے ثابت کیا ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت مستقلہ کا دعویٰ تھا۔ اور گواہان مدعیہ نے جو اقوال فقہ اور تفاسیر سے اپنی تائید میں پیش کئے تھے۔ ان کے متعلق بھی گواہان مدعا علیہ نے مدلل طور پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ انہوں نے ایسے نبی کے آنے کا ہی انکار کیا ہے۔ جو مستقل ہو یا صاحب شریعت ہو۔ اور اسلامی شریعت کو منسوخ کرے اور ثابت کیا ہے کہ خود گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے ان حوالجات کو جن میں نبی اور رسول کا لفظ تھا۔ اس عنوان کے ذیل میں کہ اپنے شرعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پیش کر کے اقرار کیا کہ ان کے نزدیک رسول اسے کہتے ہیں۔ جو شریعت لائے جو شریعت کے بعض احکام منسوخ کرے لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے چونکہ اس قسم کی رسالت و نبوت کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا تھا۔ اس لیے علماء سلف صالحین کے اقوال جو گواہان مدعیہ نے پیش کئے تھے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ امام ملا علیقاری وغیرہ کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ ایسا نبی ہو سکتا ہے جو امتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ نہ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قسم کی نبوت کا بقا ثابت کرنے کے لیے گواہان مدعا علیہ نے آٹھ آیات اور پانچ احادیث پیش کیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جن عبارات سے گواہان مدعیہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان سے آپ کا نئی شریعت لانے کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ یہ دلائل تو یہ ظاہر کر دیا۔ کہ ان سے ایسا استدلال کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے فیصلہ کی ایک نہایت آسان راہ بنا دی کہ

"میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ اور مخاطبہ الہیہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں۔ میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ ولکل ان یصطلح۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸)

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ تکفیر کی قیامت اور نفخ صور کا انکار پیش کی تھی جس کے جواب میں گواہان مدعا علیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے یہ ثابت کر دیا کہ آپ قیامت اور نفخ صور وغیرہ کے ہرگز منکر

نہیں ہیں۔

اور ایک وجہ تکفیر کی گواہان مدعیہ نے توہین انبیاء بھی پیش کی تھی۔ اور جس طرز پر انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت کو بگاڑ کر باوجود تصریحات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کر میں نے یہ باتیں بطور الزام اور فرضی محال کے طور پر فرضی یسوع کے متعلق بیان کی ہیں، توہین مسیح علیہ السلام و دیگر انبیاء نکالی ہے۔ اس سے ان کی دشمنی اور تعصب بالکل عیاں ہے۔ جس وجہ سے ان کی شہادتیں ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ اور جن جن عبارات کو انہوں نے مثبت توہین خیال کیا تھا۔ ان کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے مدلل طور پر ثابت کر دیا۔ کہ وہ عبارات الزامی طور پر ہیں۔ یا ان سے توہین نہیں نکلتی اور اپنے ہر قول کی تائید میں حضرت مسیح موعود کے متعدد اقوال اور پہلے علماء کے اقوال پیش کئے۔

غرضیکہ جو امور گواہان مدعیہ یا مختار مدعیہ نے باعث تکفیر و ارتداد قرار دیے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا مفصل و مدلل جواب دے دیا گیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ ایک وجہ بھی ایسی نہیں ہے جس سے احمدیوں کو مرتد قرار دیا جا سکے اس لیے گواہان مدعیہ کی یہ رائے اور شہادت کہ "جو شخص ان کے عقائد باطلہ اور دعویٰ نبوت و وحی پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کافر نہ سمجھے ان کی نبوت کو تسلیم کرے یا مسیح موعود مانے وہ بھی اس کے حکم میں ہے اور حکم یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی مسلمان مرد و عورت کے ساتھ جائز نہیں (شہادت گواہ مدعیہ ۳)

(۲) "مرزا صاحب کافر و مرتد ہے۔ اور ان کے عقائد معلوم ہونے کے بعد جو مرزا صاحب کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر۔ کسی مسلمان مرد و عورت کا کسی مرزائی مرد و عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں اگر نکاح ہوگا تو فوراً فسخ ہو جائے گا۔ (گواہ مدعیہ ۲)

(۳) مرتد کے ساتھ کسی سابقہ منکوحہ کا نکاح قائم نہیں رہتا اور نہ آئندہ اس کو حرہ یا لونڈی کے نکاح کا اختیار ہے (گواہ مدعیہ ۴)

بالکل باطل اور ناقابل التفات ہے۔ کیونکہ احمدی خدا تعالیٰ کے فضل سے مسلمان ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرمودہ پر صمیم قلب سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ان کے مطابق تمام اعمال بجا لاتے ہیں۔ اور اسی میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ اور علی الاعلان کہتے ہیں ؎

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین

اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) 21/7 جیل روڈ - لاہور